THE
NATIONAL ASSEMBLY OF PAKISTAN

PROCEEDINGS
OF
THE SPECIAL COMMITTEE OF THE WHOLE HOUSE HELD IN CAMERA TO CONSIDER THE QADIANI ISSUE

OFFICIAL REPORT

Friday, the 30th August, 1974

(Contains Nos. 1—21)

CONTENTS

Pages

1. Qadiani Issue—General Discussion—*(Continued)* 1928-2385

PRINTED BY THE MANAGER, PRINTING CORPORATION OF PAKISTAN PRESS, ISLAMABAD
PUBLISHED BY THE NATIONAL BOOK FOUNDATION, ISLAMABAD

THE

NATIONAL ASSEMBLY OF PAKISTAN

PROCEEDINGS
OF
THE SPECIAL COMMITTEE OF THE WHOLE HOUSE HELD IN CAMERA TO CONSIDER THE QADIANI ISSUE

OFFICIAL REPORT

Friday, the 30th August, 1974

(Contains Nos. 1—21)

بسم اللہ الرحمن الرحیم

NATIONAL ASSEMBLY OF PAKISTAN

PROCEEDINGS
OF
THE SPECIAL COMMITTEE OF THE WHOLE HOUSE HELD IN CAMERA

Friday, the 30th August, 1974

The Special Committee of the Whole House met in camera in the Assembly Chamber, (State Bank Building), Islamabad, at nine of the clock, in the morning, Mr. Chairman (Sahibzada Farooq Ali) in the Chair.

(RECITATION FROM THE HOLY QUR'AN)

جناب چیئرمین: مولوی مفتی محمود!

مولوی مفتی محمود:

لاہوری جماعت کی حقیقت

مرزائی صاحبان کی لاہوری جماعت، جس کے بانی محمد علی لاہوری صاحب تھے، بہ کثرت یہ دعوٰے کرتی ہے کہ وہ مرزا غلام احمد قادیانی کو نبی نہیں مانتی، بلکہ مسیح موعود مہدی اور مجدّد مانتی ہے۔ اس لئے اس پر ختم نبوّت کی خلاف ورزی کے الزام میں کفر عائد نہیں ہونا چاہئیے اس کا مختصر سا جواب تو یہ ہے کہ جس شخص کا جھوٹا دعوٰے نبوّت ثابت ہو چکا ہو۔ اسے صرف نبی ماننا ہی نہیں سچا ماننا اور واجب الاطاعت سمجھنا بھی کھلا کفر ہے۔ چہ جائیکہ اسے مسیح موعود مہدی اور مجدّد اور محدّث (صاحبِ الہام) قرار دیا جائے۔ جیسا کہ پیچھے بیان کیا جا چکا ہے، کسی شخص کا دعوٰے نبوّت جو دو حریف مذہب پیدا کرتا ہے، وہ اسے سچا ماننے والوں اور جھوٹا ماننے والوں پر مشتمل ہوتے ہیں۔ جو جماعت اسے سچا قرار دیتی ہے وہ ایک مذہب کی پیرو قرار پاتی ہے اور جو جماعت اس کی تکذیب کرتی ہے وہ دوسرے مذہب میں شامل ہوتی ہے۔ لہٰذا جب مرزا غلام احمد قادیانی کا مدّعی نبوّت ہونا روزِ روشن کی طرح ثابت ہو چکا تو اب اس کو پیشوا ماننے والی تمام جماعتیں ایک ہی مذہب میں داخل ہوں گی، خواہ وہ اسے نبی کا نام دیں، یا مسیح موعود، مہدیٔ معہود اور مجدّد کا، لیکن اس مختصر جواب کے ساتھ لاہوری جماعت کی پوری حقیقت واضح کر دینا بھی مناسب ہوگا۔

واقعہ یہ ہے کہ عقیدہ و مذہب کے اعتبار سے ان دونوں جماعتوں میں عملاً کوئی فرق نہیں۔ بلکہ مرزا غلام احمد قادیانی کی زندگی میں اور ان کے بعد ان کے خلیفۂ اوّل حکیم نور الدین کے انتقال تک جماعت قادیان اور جماعت لاہور کوئی الگ جماعتیں نہ تھیں اس پورے عرصہ میں مرزا غلام احمد قادیانی کے تمام متبعین خواہ مرزا بشیر الدین ہوں یا محمد علی لاہوری پوری آزادی کے

ساتھ مرزا غلام احمد قادیانی کو ''نبی'' اور ''رسول'' کہتے اور مانتے رہے۔ محمد علی لاہوری صاحب عرصۂ دراز تک مشہور قادیانی رسالے ''ریویو آف ریلیجنز'' کے ایڈیٹر رہے اور اس عرصہ میں انہوں نے بے شمار مضامین میں نہ صرف مرزا صاحب کے لئے ''نبی'' اور ''رسول'' کا لفظ استعمال کیا، بلکہ ان کے لئے نبوت و رسالت کے تمام لوازم کے قائل رہے ان کے ایسے مضامین کو جمع کیا جائے تو ایک پوری کتاب بن سکتی ہے۔ تاہم یہاں محض نمونے کے طور پر ان کی چند تحریریں پیش کی جاتی ہیں:

۱۳ / مئی ۱۹۰۴ء کو گورداسپور کے ڈسٹرکٹ مجسٹریٹ کی عدالت میں ایک بیان دیا جس کا مقصد یہ ثابت کرنا تھا کہ جو شخص مرزا صاحب کی تکذیب کرے وہ ''کذّاب'' ہوتا ہے۔ چنانچہ ایسے شخص کو اگر مرزا صاحب نے کذّاب لکھا تو ٹھیک کہا۔ اس بیان میں وہ لکھتے ہیں:

> ''مکذّب مدّعی نبوّت کذّاب ہوتا ہے۔ مرزا صاحبؑ ملزم مُدعیِ نبوّت ہے، اس کے مرید اس کو دعویٰ میں سچا اور دشمن جھوٹا سمجھتے ہیں''

(خلیفہ شہادت بعدالت ڈسٹرکٹ مجسٹریٹ گورداسپور مورخہ ۱۳ / مئی ۱۹۰۴ء منقول از ماہنامہ فرقان قادیان، جلد ۱، نمبر ۱، ماہ جنوری ۱۹۴۲ء صفحہ ۱۵)

> ''آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلّم کے بعد خداوند تعالیٰ نے تمام نبوّتوں اور رسالتوں کے دروازے بند کر دیئے۔ مگر آپؐ کے متبعین کامل کے لئے جو آپؐ کے رنگ میں رنگیں ہو کر آپؐ کے اخلاق کاملہ سے نور حاصل کرتے ہیں، ان کے لئے یہ دروازہ بند نہیں ہوا''

(ریویو آف ریلیجنز ج ۴ ص ۱۸۶ بحوالۂ تبدیلی عقائد از محمد اسماعیل قادیانی ص ۲۲ مطبوعہ احمدیہ کتاب گھر قادیان)

> ''جس شخص کو اللہ تعالیٰ نے اس زمانے میں دنیا کی اصلاح کے لئے مأمور اور نبی کر کے بھیجا ہے وہ بھی شہرت پسند نہیں، بلکہ ایک عرصۂ دراز تک جب تک اللہ تعالیٰ

> نے یہ حکم نہیں دیا کہ وہ لوگوں سے بیعت توبہ لیں۔ آپ کو کسی سے کچھ سروکار نہیں تھا اور سالہا سال تک گوشۂ خلوت سے باہر نہیں نکلے، یہی سنت قدیم سے انبیاءؑ کی چلی آئی ہے''

(ریویو جلد ۵ ص ۱۳۱ و ۱۳۲ بحوالۂ بالا صفحہ ۳۷)

> ''مخالف خواہ کوئی ہی معنی کرلے، مگر ہم تو اسی پر قائم ہیں کہ خدا نبی پیدا کرسکتا ہے، ہے صدّیق بنا سکتا ہے اور شہید اور صالح کا مرتبہ عطا کرسکتا ہے مگر چاہیئے مانگنے والا......ہم نے جس کے ہاتھ میں ہاتھ دیا (یعنی مرزا غلام احمد صاحب) وہ صادق تھا۔ خدا کا برگزیدہ اور مقدس رسول تھا۔''

(تقریر محمد علی صاحب دراحمدیہ بلڈنگس مندرجۂ الحکم ۱۸ جولائی ۱۹۰۸ء بحوالہ ماہنامہ فرقان قادیان جنوری ۱۹۴۲ء جلد نمبر ۱ ص ۱۱)

یہ اقتباسات تو محض بطور نمونہ محمد علی لاہوری صاحب بانی جماعت لاہور کی تحریروں سے پیش کئے گئے ہیں لیکن یہ صرف انہی کا عقیدہ نہ تھا۔ بلکہ پوری جماعت لاہور نے اپنے ایک حلفیہ بیان میں انہی عقائد کا اقرار کیا ہے۔

لاہوری جماعت کا حلفیہ بیان

پیغام صلح'' جماعتِ لاہور کا مشہور اخبار ہے۔ اس کی ۱۶/ اکتوبر ۱۹۱۳ء کی اشاعت میں پوری جماعت کی طرف سے یہ حلفیہ بیان شائع ہوا:

> ''معلوم ہوا ہے کہ بعض احباب کو کسی نے غلط فہمی میں ڈال دیا ہے کہ اخبارِ ہذا کے ساتھ تعلق رکھنے والے احباب یا ان میں سے کوئی ایک سیدّنا وہادینا حضرت مرزا غلام احمد صاحب مسیح موعود مہدیٔ معہود علیہ الصّلاۃ والسلام کے مدارج عالیہ کو اصلیت سے کم یا استخفاف کی نظر سے دیکھتا ہے۔ ہم تمام احمدی جن کا کسی نہ کسی

> صورت سے اخبار پیغام صلح کے ساتھ تعلق ہے خدا تعالیٰ کو جو دلوں کے بھید جاننے والا ہے۔ حاضر و ناظر جان کر علی الاعلان کہتے ہیں کہ ہماری نسبت اس قسم کی غلط فہمی پھیلانا محض بہتان ہے۔ ہم حضرت مسیح موعود و مہدئ معہود کو اس زمانہ کا نبی، رسُول اور نجات دہندہ مانتے ہیں۔"

(پیغام صلح ۱۶/ اکتوبر ۱۹۱۳ء ص ۲ بحوالہ ماہنامہ فرقان قادیان جنوری ۱۹۴۲ء ص ۱۳/ ۱۴)

اس حلفیہ بیان کے بعد لاہوری جماعت کے اصل عقائد سے ہر پردہ اٹھ جاتا ہے۔ لیکن جب مرزائیوں کے خلیفۂ اول حکیم نور الدّین کا انتقال ہوتا ہے اور خلافت کا مسئلہ اٹھتا ہے تو محمد علی لاہوری صاحب مرزا بشیر الدین محمود کے ہاتھ بعیت کرنے اور خلیفہ تسلیم کرنے سے انکار کر کے قادیان سے لاہور چلے آتے ہیں اور یہاں اپنی الگ جماعت کی داغ بیل ڈالتے ہیں۔ ۱۴/ مارچ ۱۹۱۴ء کو مرزا بشیر الدین خلیفۂ دوم مقرر کئے گئے اور ۲۲/ مارچ ۱۹۱۴ء کو اس فیصلے سے اختلاف کرنے والی جماعت لاہور کا پہلا جلسہ ہوا۔ اس جلسے میں جو قرارداد منظور کی گئی وہ یہ تھی:

> "صاحبزادہ صاحب (مرزا بشیر الدین) کے انتخاب کو اس حد تک ہم جائز سمجھتے ہیں کہ وہ غیر احمدیوں سے احمدؑ کے نام پر بعیت لیں۔ یعنی اپنے سلسلۂ احمدؑیہ میں ان کو داخل کر لیں۔ لیکن احمدیوں سے دوبارہ بعیت لینے کی ہم ضرورت نہیں سمجھتے۔ اس حیثیت میں ہم انہیں امیر تسلیم کرنے کے لئے تیار ہیں۔ لیکن اس کے لئے بعیت کی ضرورت نہ ہوگی اور نہ ہی امیر اس بات کا مجاز ہوگا کہ جو حقوق و اختیارات صدر انجمن احمدیہؑ کو حضرت مسیح موعود علیہ السلام نے دینے ہیں اور اس کو اپنا جانشین قرار دیا ہے۔ اس میں کسی قسم کی دست اندازی کرے"

(ضمیمہ پیغام صلح ۲۴/ مارچ ۱۹۱۴ء، بحوالہ فرقان قادیان جنوری ۱۹۴۲ء ص ۷)

اس قرارداد سے واضح ہے کہ لاہوری جماعت کو اس وقت نہ جماعت قادیان کے عقائد پر اعتراض تھا اور نہ وہ مرزا بشیر الدین کو خلافت کے لئے نااہل قرار دیتے تھے، جھگڑا تھا تو اس بات

پر تھا کہ تمام اختیارات انجمن احمدیہ کو دیئے جائیں نہ کہ خلیفہ کو، لیکن جب مرزا بشیر الدین محمود نے اس تجویز کو منظور نہ کیا تو محمد علی لاہوری نے لکھا:

> ”خلافت کا سلسلہ صرف چند روزہ ہوتا ہے، تو کس طرح تسلیم کرلیا جائے کہ اگر ایک شخص کی بیعت کرلی تو اب آئندہ بھی کرتے جاؤ۔

(پیغام صلح ۲؍اپریل ۱۹۱۴ء منقول از فرقان حوالہ بالا ص ۷)

یہ تھا قادیانی اور لاہوری جماعتوں کا اصل اختلاف جس کی بناء پر یہ دونوں پارٹیاں الگ ہوئیں اس سیاسی اختلاف کی بناء پر جب قادیانی جماعت نے لاہوری جماعت پر عرصۂ حیات تنگ کردیا تو لاہوری گروپ مسلمانوں کی ہمدردی حاصل کرنے پر مجبور ہوا چنانچہ جب جماعتِ لاہور نے اپنا الگ مرکز قائم کیا تو کچھ اپنی علیٰحدگی کو خوبصورت بنانے کی تدبیر، کچھ قادیانی جماعت کے بغض اور کچھ مسلمانوں کی ہمدردی حاصل کرنے کی فکر کی وجہ سے اس جماعت نے اپنے سابقہ عقائد اور تحریروں سے رجوع اور توبہ کا اعلان کیے بغیر یہ کہنا شروع کردیا کہ ہم مرزا غلام احمد کو نبی نہیں بلکہ مسیح موعود، مہدی اور مجدّد مانتے ہیں۔

قادیان اور لاہور کی جماعتوں میں کوئی فرق نہیں

لیکن اگر لاہور جماعت کے اُن عقائد کو بھی دیکھا جائے جن کا اعلان انہوں نے ۱۹۱۴ء کے بعد کیا ہے۔ تب بھی یہ واضح ہو جاتا ہے کہ ان کا یہ مؤقف محض ایک لفظی ہیر پھیر ہے اور حقیقت کے اعتبار سے اُن کے اور قادیانی جماعت کے درمیان کوئی بنیادی فرق نہیں ہے، جس طرح وہ مرزا غلام احمد کے الہام کو حُجت اور واجب الاتّباع مانتے ہیں، اُسی طرح یہ بھی اُسے حُجت اور واجب الاتّباع سمجھتے ہیں۔ جس طرح وہ مرزا صاحب کی تمام کُفریات کی تصدیق کرتے ہیں، اُسی طرح یہ بھی اُسے واجب التصدیق قرار دیتے ہیں جس طرح وہ مرزا صاحب کی تمام کتابوں کو اپنے لیے الہامی سند اور مذہبی اتھارٹی سمجھتے ہیں، اسی طرح یہ بھی انہیں مذہبی مأخذ کی

حیثیت دیتے ہیں، جس طرح وہ مرزا صاحب کے مخالفین کو کافر کہتے ہیں اسی طرح یہ بھی مرزا صاحب کو کافر اور جھوٹا قرار دینے والوں کے کفر کے قائل ہیں۔ فرق صرف اتنا ہے کہ قادیانی جماعت مرزا صاحب کے لیے لفظ نبی استعمال کرنے کو علی الاطلاق جائز سمجھتی ہے اور لاہوری جماعت مرزا صاحب کے لیے اس لفظ کے استعمال کو صرف لُغوی یا مجازی حیثیت میں جائز قرار دیتی ہے۔

اس حقیقت کی تشریح اس طرح ہوگئی کہ لاہوری جماعت جن بنیادی عقیدوں میں اپنے آپ کو قادیانی جماعت سے ممتاز قرار دیتی ہے، وہ دو عقیدے ہیں:

(۱) مرزا غلام احمد قادیانی کے لیے لفظ نبی کا استعمال۔

(۲) غیر احمدیوں کا کافر کہنا۔

لاہوری جماعت کا دعویٰ ہے کہ وہ مرزا صاحب کو نبی نہیں مانتی بلکہ صرف مُجدّد مانتی ہے اور غیر احمدیوں کو کافر کے بجائے صرف فاسق قرار دیتی ہے۔ اب ان دونوں باتوں کی حقیقت ملاحظہ فرمائیے:

نبی نہ ماننے کی حقیقت

لاہوری جماعت اگرچہ اعلان تو یہی کرتی ہے کہ ہم مرزا صاحب کو نبی نہیں مانتے، بلکہ ‘‘مجدّد’’ مانتے ہیں۔ لیکن ‘‘مجدّد’’ کا مطلب کیا ہے؟ بعینہٖ وہ جسے قادیانی جماعت ظِلّی اور بروزی نبی کہتی ہے چنانچہ محمد علی لاہوری صاحب اپنی کتاب ‘‘النبوّۃ فی الاسلام’’ میں جو جماعتِ لاہور کی علیٰحدگی کے بہت بعد کی تصنیف ہے، لکھتے ہیں:

> ‘‘انواعِ نُبوّت میں سے وہ نوع جو محدّث کو ملتی ہے وہ چونکہ بباعثِ اتباع اور فانیِ الرّسول کے ملتی ہے، جیسا توضیحِ مرام میں لکھا تھا کہ وہ نوعِ مُبشّرات ہے۔ اس لیے وہ تحدید ختمِ نبوّت سے باہر ہے اور یہ حضرت مسیح موعود ہی نہیں کہتے بلکہ

> حدیثوں نے صاف طور پر ایک طرف محدثوں کا وعدہ دے کر اور دوسری طرف مُبشّرات کو باقی رکھ کر یہی اصول قرار دیا ہے۔ گویا نبوّۃ تو ختم ہے، مگر ایک نوعِ نُبوّت باقی ہے اور وہ نوعِ نُبوّت مُبشّرات ہیں، وہ ان لوگوں کو ملتی ہے جو کامل طور پر اتباع حضرت نبی کریم صلّی اللہ علیہ وسلّم کا کرتے ہیں اور فنافی الرّسول کے مقام تک پہنچ جاتے ہیں۔ اب بعینہٖ اسی اصول کو چشمۂ معرفت میں جو آپ (یعنی مرزا غلام احمد صاحب) کی سب سے آخری کتاب ہے۔ بیان کیا ہے، دیکھو صفحہ ۳۲۴:"
>
> "تمام نُبوّتیں اس پر ختم ہیں اور اس کی شریعت خاتم الشرائع ہے، مگر ایک قسم کی نُبوّت ختم نہیں، یعنی وہ نُبوّت جو اس کی کامل پیروی سے ملتی ہے اور جو اس کے چراغ میں سے نُور لیتی ہے وہ ختم نہیں۔ کیونکہ وہ مُحمّدی نبوّت ہے، یعنی اس کا ظِل ہے اور اسی کے ذریعہ سے ہے اور اسی کا مظہر ہے۔"
>
> اب دیکھو کہ یہاں بھی نُبوّت کو تو ختم ہی کہا ہے لیکن ایک قسم کی نُبوّت باقی بتائی ہے اور وہ وہی ہے جو آنحضرت صلّی اللہ علیہ وسلّم کی کامل پیروی سے ملتی ہے اور اسی کتاب کے صفحہ ۱۸۲ پر یہ بھی صاف لکھ دیا ہے کہ وہ نُبوّت جس کو ظِلّی نُبوّت یا نُبوّت مُحمّدیہ وہ وہی مُبشّرات والی نُبوّت ہے۔

(النبوۃ فی الاسلام صفحہ ۱۵۰ مطبوعہ لاہور)

آگے مرزا غلام احمد قادیانی کی عبارتوں کی تشریح کرتے ہوئے اور انہیں درست قرار دیتے ہوئے لکھتے ہیں:

> "درحقیقت جو کچھ فرمایا ہے (یعنی مرزا غلام احمد صاحب نے جو کچھ کہا ہے) اگر اس کے الفاظ میں تھوڑا تھوڑا تغیر ہو، مگر ماحصل سب کا ایک ہی ہے، یعنی یہ کہ اول فرمایا کہ صاحب خاتم ہونے کے معنٰی یہ ہیں کہ بجز اس کی مُہر کے کوئی فیض کسی کو نہیں پہنچ سکتا۔ پھر فرمایا کہ صاحب خاتم ہونے سے یہ مراد ہے کہ اس کی مُہر سے

> ایک ایسی نبوت بھی مل سکتی ہے جس کے لیے امتی ہونا لازمی ہے۔ اب امتی ہونے کے معنی یہی ہیں کہ کامل اطاعت آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی کی جائے اور اپنے آپ کو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی محبت میں فنا کر دیا جائے تب آپؐ کے فیض سے ایک قسم کی نبوت بھی مل سکتی ہے، وہ نبوت کیا ہے؟ اس کو آخر میں جا کر صاف حل کر دیا ہے کہ وہ ایک ظلی نبوت ہے جس کے معنی ہیں فیضِ محمدیؐ سے وحی پانا اور یہ بھی فرمایا کہ وہ قیامت تک باقی رہے گی۔"

(النبوۃ فی الاسلام از محمد علی لاہوری صاحب صفحہ ۱۵۲)

محمد علی لاہوری صاحب کی ان عبارتوں کو اہلِ قادیان اور اہلِ ربوہ کے ان عقائد سے ملا کر دیکھیے جو پیچھے بیان ہو چکے ہیں۔ کیا کہیں کوئی فرق نظر آتا ہے؟ لیکن آگے فرق ظاہر کرنے کے لیے لفظوں کا یہ کھیل بھی ملاحظہ فرمائیں:

> "حضرت مسیح موعود نے اپنی پہلی اور پچھلی تحریروں میں ایک ہی اصول باندھا ہے، اور وہ اصول یہ ہے کہ بابِ نبوت تو مسدود ہے مگر ایک نوع کی نبوت مل سکتی ہے، یوں نہیں کہیں گے کہ نبوت کا دروازہ کھلا ہے بلکہ یہ کہیں گے نبوت کا دروازہ بند ہے۔ مگر ایک نوع کی نبوت باقی رہ گئی ہے اور قیامت تک رہے گی۔ یوں نہیں کہیں گے کہ ایک شخص اب بھی نبی ہو سکتا ہے، یوں کہیں گے کہ ایک نوع کی نبوۃ اب بھی آنحضرتؐ کی پیروی سے حاصل ہو سکتی ہے، اس کا نام ایک جگہ مبشرات، ایک جگہ جزوی نبوت، ایک جگہ محدثیت، ایک جگہ کثرتِ مکالمہ رکھا ہے مگر نام کوئی بھی رکھا ہو، اس کا بڑا نشان یہ قرار دیا ہے کہ وہ ایک انسانِ کامل محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی اتباع سے مل سکتی ہے وہ فنافی الرسول[1] سے حاصل ہوتی ہے، وہ

---

[1] فنافی الرسول سے نبوت مل جاتی ہے تو شاید فنافی اللہ سے خدائی بھی مل جاتی ہوگی۔

> نُبوّتِ مُحمدیہ کی مستفاض ہے وہ چراغ نبویؐ کی روشنی ہے، وہ اصلی کوئی چیز نہیں، ظِل ہے۔''

(حوالۂ بالا صفحہ نمبر ۱۵۸)

کیا یہ لفظوں کے معمولی ہیر پھیر سے ظل و بروز کا بعینہٖ وہی فلسفہ نہیں ہے جو مرزا صاحب اور قادیانی جماعت کے الفاظ میں پیچھے بیان کیا جا چکا ہے؟ اگر ہے اور یقیناً ہے تو حقیقت کے لحاظ سے قادیانی جماعت اور لاہوری جماعت میں فرق کیا رہ گیا؟ اور یہ صرف محمد علی لاہوری صاحب ہی کا نہیں، پوری لاہوری جماعت کا عقیدہ ہے۔ چنانچہ قادیانی جماعت اور لاہوری جماعت کے درمیان جو مباحثہ راولپنڈی میں ہوا اور جسے دونوں جماعتوں نے مشترک خرچ پر شائع کیا اس میں لاہوری جماعت کے نمائندے نے صراحۃً کہا کہ:

> ''حضرت (یعنی مرزا غلام احمد صاحب) آنحضرت صلّی اللہ علیہ وسلّم کے اظلال میں ایک کامل ظِل ہیں۔ پس ان کی بیوی اس لیے امیرالمؤمنین ہے اور یہ بھی ظِلّی طور پر مرتبہ ہے۔''

(مباحثہ راولپنڈی ص ۱۱۶)

نیز اس بات کا بھی اعتراف کیا کہ:

> ''حضرت مسیح موعود نبی نہیں، بلکہ آنحضرتؐ کی نُبوّت ان میں منعکس ہے''۔

(مباحثہ راولپنڈی ص ۱۹۶)

یہ سب وہ عقائد ہیں جنہیں لاہوری جماعت اب بھی تسلیم کرتی ہے۔ اس سے واضح ہو گیا کہ مرزا غلام احمد کی نُبوّت کے مسئلہ میں قادیانی جماعت اور لاہوری جماعت میں صرف لفظی ہیر پھیر کا اختلاف ہے۔ لاہوری جماعت اگرچہ مرزا صاحب کا لقب مسیح موعود اور مجدّد رکھتی ہے۔ لیکن ان الفاظ سے ان کی مراد بعینہٖ وہ ہے جو قادیانی جماعت ظِلّی، بروزی یا غیر تشریعی یا اُمّتی نبی کے الفاظ سے مراد لیتی ہے۔ فرق صرف اتنا ہے کہ لاہوری جماعت کا مسلک یہ ہے کہ

''مسیح موعود''، ''مُجدّ د''اور''مہدی'' کا یہ مقام جسے مرزا صاحب نے ہزار ہا مرتبہ لفظ''نبی'' سے تعبیر کیا اور جس کے لیے وہ خود ۱۹۱۴ء تک بلا تکلف یہی لفظ استعمال کرتے رہے، خلافت کا نزاع پیدا ہونے کے بعد اس کے لیے''نبوّت'' کا لفظ اور صرف لفظ مجازی یا لغوی قرار پا گیا جسے مرزا صاحب کی عبارتوں کی تشریح کے لیے اب بھی استعمال کیا جاتا ہے، لیکن عام تحریروں میں اس کا استعمال مصلحتہً ترک کر دیا گیا ہے۔ شاعرِ مشرق علامہ اقبال مرحوم نے بالکل صحیح بات کہی تھی کہ:

> ''تحریکِ احمدیّت دو جماعتوں میں منقسم ہے جو قادیانی اور لاہوری جماعتوں کے نام سے موسوم ہیں۔ اول الذکر جماعت بانیٔ احمدیّت کو نبی تسلیم کرتی ہے۔ آخر الذکر نے اعتقاداً یا مصلحتہً قادیانیت کی شدت کو کم کر کے پیش کرنا مناسب سمجھا۔''

(حرفِ اقبال ص ۱۴۹ المنار اکادمی مطبوعہ ۱۹۴۷ء)

یہاں یہ حقیقت بھی واضح کر دینا مناسب ہے کہ لاہوری صاحبان نے جو تاویل کی ہے کہ مرزا صاحب نے ہر جگہ اپنے لیے لفظ''نبی'' مجازی یا لغوی طور پر استعمال کیا ہے، حقیقت نبوّت کا دعویٰ نہیں کیا[1]۔ اس تاویل کے لئے انہوں نے''حقیقت نبوّت'' کی ایک مخصوص اصطلاح گھڑی ہے جو شرعی اصطلاح سے بالکل الگ ہے، اس حقیقت نبی کے لیے انہوں نے بہت سی شرائط عائد کی ہیں جن میں سے چند یہ بھی ہیں:

(۱) حقیقی نبی صرف وہ ہو گا جس پر حضرت جبرئیل علیہ السّلام وحی لے کر آئے ہوں۔ نزولِ جبرئیلؑ کے بغیر کوئی حقیقی نبی نہیں ہو سکتا۔ (النبوۃ فی الاسلام از محمد علی لاہوری ص ۲۸)

(۲) حقیقی نبوّت کے لیے یہ ضروری ہے کہ وہ سابقہ شریعت کو منسوخ یا اس میں ترمیم کر سکے۔ (النبوۃ فی الاسلام ص ۴۷)

(۳) حقیقی نبی کی وحی عبادات میں پڑھی جاتی ہے۔ (النبوۃ فی الاسلام ص ۵۶)

---

[1] اگر چہ مرزا صاحب کی بے شمار تحریریں اس دعوے کی بھی تردید کرتی ہیں۔

(۴) ہر حقیقی نبی کے لیے یہ ضروری ہے کہ وہ کتاب لائے۔

(النبوۃ فی الاسلام ص ۵۹)

حقیقی نُبوّت کے لیے اس طرح کی بارہ شرائط عائد کرنے کے بعد انہوں نے ثابت کیا ہے کہ چونکہ یہ شرائط مرزا صاحب کی نُبوّت میں نہیں پائی جاتیں۔ اس لیے ان پر حقیقی معنیٰ میں لفظ نبی کا اطلاق درست نہیں۔ اب ظاہر ہے کہ شریعت کی معروف اصطلاح میں نبی کے لیے نہ کتاب لانا ضروری ہے، نہ یہ ضروری ہے کہ اس کی وحی عبادتوں میں ضرور ہی پڑھی جائے، نہ یہ لازمی ہے کہ نبی اپنے سے پہلی شریعت کو ہمیشہ منسوخ ہی کر دے اور نہ نُبوّت کی تعریف میں یہ بات داخل ہے کہ اس میں وحی لانے والے ہمیشہ جبرئیل علیہ السّلام ہی ہوں۔ لہٰذا ''حقیقی نُبوّت'' صرف اسی نُبوّۃ کو قرار دینا جس میں یہ ساری شرائط موجود ہوں، محض ایک ایسا حلیہ ہے جس کے ذریعہ کبھی مرزا صاحب کو نبی قرار دینا اور کبھی ان کی نُبوّت سے انکار کرنا آسان ہو جائے۔ کیونکہ یہ شرائط عائد کر کے تو بہت سے انبیائے بنی اسرائیل کے بارے میں بھی یہی کہا جا سکتا ہے کہ وہ ''حقیقی نبی'' نہیں تھے، کیونکہ نہ اُن پر کتاب اتری نہ اُن کی وحی کی تلاوت کی گئی اور نہ وہ کوئی نئی شریعت لے کر آئے لیکن وہ انبیاء تھے۔

تکفیر کا مسئلہ

لاہوری جماعت جس بنیاد پر اپنے آپ کو اہلِ قادیان سے ممتاز قرار دیتی ہے، وہ اصل میں تو نُبوّت ہی کا مسئلہ ہے جس کے بارے میں پیچھے واضح ہو چکا کہ وہ صرف لفظی ہیر پھیر کا فرق ہے، ورنہ حقیقت کے اعتبار سے دونوں ایک ہیں۔ دوسرا مسئلہ جس کے بارے میں جماعتِ لاہور کا دعویٰ ہے کہ وہ جماعتِ قادیان سے مختلف ہے۔ تکفیر کا مسئلہ ہے، یعنی لاہوریوں کا دعویٰ یہ ہے کہ وہ غیر احمدیوں کو مسلمان قرار دیتی ہے، لیکن یہاں بھی بات اتنی سادہ نہیں جتنی بیان کی

جاتی ہے اس مسئلہ پر امیر جماعت محمد علی لاہوری صاحب نے ایک مستقل کتاب ”ردِ تکفیر اہل قبلہ“ کے نام سے لکھی ہے۔ اس کتاب کو بغور پڑھنے کے بعد ان کا جو نقطۂ نظر واضح ہوتا ہے وہ یہ ہے کہ مرزا غلام احمد کو مسیح موعود نہ ماننے والوں کی دو قسمیں ہیں:

۱۔ وہ لوگ جو مرزا غلام احمد کے ہاتھ پر بیعت نہیں کرتے مگر انہیں کافر اور کاذب بھی نہیں کہتے۔ ایسے لوگ ان کے نزدیک بلاشبہ کافر نہیں ہیں بلکہ فاسق ہیں۔

(النبوۃ فی الاسلام ص ۲۱۵)

۲۔ وہ لوگ جو مرزا غلام احمد کو کافر یا کاذب کہتے ہیں ان کے بارے میں ان کا مسلک بھی یہی ہے کہ وہ ”کافر“ ہیں۔ چنانچہ محمد علی صاحب لکھتے:

> ”گویا آپ (یعنی مرزا غلام احمد) کی تکفیر کرنے والے اور وہ منکر جو آپ کو کاذب یعنی جھوٹا بھی قرار دیتے ہیں، ایک قسم میں داخل ہیں اور ان کا حکم ایک ہے، اور دوسرے منکروں کا حکم الگ ہے۔“

آگے پہلی قسم کا حکم بیان کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

> ”حضرت مسیح موعود نے اب بھی اپنے انکار یا اپنے دعوے کا انکار کو وجہ کفر قرار نہیں دیا۔ بلکہ وجہ کفر صرف اسی بات کو قرار دیا ہے کہ مفتری کہہ کر اس نے مجھے کافر کہا۔ اس لیے اسی حدیث کے مطابق جو کافر کہنے والے پر کفر لوٹاتی ہے، اس صورت میں بھی کفر لوٹا۔“

مزید لکھتے ہیں:

> چونکہ کافر کہنے والا اور کاذب کہنے والا معناً یکساں ہیں، یعنی مدعی (مرزا صاحب) کی دونوں تکفیر کرتے ہیں اس لیے دونوں اس حدیث کے ماتحت خود کفر کے نیچے آجاتے ہیں۔“

(ردِ تکفیر اہل قبلہ مصنف محمد علی لاہوری صاحب صفحہ ۲۹، ۳۰ مطبوعہ انجمن اشاعت اسلام ۱۹۲۶ء)

نیز لاہوری جماعت کے معروف مناظر اختر حسین گیلانی لکھتے ہیں:

> ’’جو (مرزا صاحب) کی تکذیب کرنے والے ہیں ان کے متعلق ضرور فرمایا کہ ان پر فتویٰ کفر لوٹ کر پڑتا ہے، کیونکہ تکذیب کرنے والے حقیقۃً مفتری قرار دے کر کافر ٹھہراتے ہیں۔‘‘

(مباحثہ راولپنڈی ص ۲۵۱ مطبوعہ قادیاں)

اس سے صاف واضح ہے کہ جو لوگ مرزا غلام احمد قادیانی کو اپنے دعوؤں میں کاذب (جھوٹا) قرار دیتے ہیں یا انہیں کافر کہتے ہیں۔ ان کو لاہوری جماعت بھی کافر تسلیم کرتی ہے۔ صرف تکفیر کی وجہ کا فرق ہے۔ جو لوگ لاہوریوں کے نزدیک کفر کے فتوے سے مستثنیٰ اور صرف فاسق ہیں وہ صرف ایسے غیر احمدی ہیں جو مرزا صاحب کو کاذب یا کافر نہیں کہتے۔ اب غور فرمائیے کہ عالِم اسلام میں کتنے لوگ ایسے ہیں جو مرزا غلام احمد صاحب کی تکذیب نہیں کرتے؟ ظاہر ہے کہ جتنے مسلمان مرزا صاحب کو نبی یا مسیح موعود نہیں مانتے وہ سب ان کی تکذیب ہی کرتے ہیں لہذا وہ سب لاہوری جماعت کے نزدیک بھی فتوائے کفر کے تحت آجاتے ہیں۔ کیونکہ مرزا صاحب کو مسیح موعود نہ ماننا اور ان کی تکذیب کرنا عملاً ایک ہی بات ہے خود مرزا صاحب لکھتے ہیں:

> ’’جو شخص مجھے نہیں مانتا وہ اسی وجہ سے نہیں مانتا کہ وہ مجھے مفتری قرار دیتا ہے۔‘‘

(حقیقۃ الوحی صفحہ ۱۶۳ مطبوعہ ۱۹۰۷ء)

منیر انکوائری کمیشن کی رپورٹ میں جج صاحبان نے بھی یہی نتیجہ اخذ کیا ہے کہ مرزا صاحب کو نہ ماننا اور ان کی تکذیب کرنا ایک ہی بات ہے۔ لہذا جو فتویٰ تکذیب کرنے والوں پر لگے گا وہ درحقیقت تمام غیر احمدیوں پر عائد ہوگا۔ چنانچہ وہ لکھتے ہیں:

> ’’نماز جنازہ کے متعلق احمدیوں نے ہمارے سامنے بالآخر یہ موقف اختیار کیا کہ مرزا غلام احمد کا ایک فتویٰ حال ہی میں دستیاب ہوا ہے جس میں انہوں نے احمدیوں کو اجازت دی ہے کہ وہ ان مسلمانوں کی نمازِ جنازہ میں شریک ہوسکتے ہیں

جو مرزا صاحب کے مکذّب اور مکفّر نہ ہوں۔ لیکن اس کے بعد بھی معاملہ وہیں کا وہیں رہتا ہے، کیونکہ اس فتویٰ کا ضروری مفہوم یہی ہے کہ اس مرحوم کی نماز جنازہ نہیں پڑھی جائے گی جو مرزا صاحب کو نہ مانتا ہو، لہٰذا اس اعتبار سے یہ فتویٰ موجودہ طرزِ عمل ہی کی تائید و تصدیق کرتا ہے۔"

(رپورٹ تحقیقاتی عدالت پنجاب ۱۹۵۴ء ص ۲۱۲)

اب غور فرمایئے کہ فتویٰ کفر کے اعتبار سے عملاً لاہوری اور قادیانی جماعتوں میں کیا فرق رہ گیا؟ قادیانی کہتے ہیں کہ تمام مسلمان غیر احمدی ہونے کی بنا پر کافر ہیں، اور لاہوری جماعت والے کہتے ہیں کہ مرزا صاحب کو کاذب کہنے کی وجہ سے کافر ہیں وہ کہتے ہیں کہ مرزا صاحب کو نہ ماننے کی وجہ سے کافر ہیں۔ اور یہ کہتے ہیں کہ فتوائے کفر کے لوٹ کر پڑنے کی وجہ سے کافر ہیں۔ اب اس اندرونی فلسفے کو وہ خود طے کریں کہ مسلمانوں کو کافر کہنے کی وجہ کیا ہے؟ لیکن عملی اعتبار سے مسلمانوں کے لیے اس کے سوا اور کیا فرق پڑا کہ ؎

ستم سے باز آ کر بھی جفا کی تلافی کی بھی ظالم نے تو کیا کی

بعض مرتبہ لاہوری جماعت کی طرف سے یہ کہا جاتا ہے کہ ہم مرزا صاحب کی تکذیب کرنے والوں کو جو کافر قرار دیتے ہیں اس سے مراد ایسا کفر نہیں جو دائرہ اسلام سے خارج کر دے، بلکہ ایسا کفر ہے جو "فسق" کے معنٰی میں بھی استعمال ہو جاتا ہے۔ لیکن سوال یہ ہے کہ اگر "کفر" سے ان کی مراد "فسق" ہی ہے تو پھر جو غیر احمدی مرزا صاحب کو کافر یا کاذب نہیں کہتے، ان کے لیے اس لفظ کفر کا استعمال کیوں درست نہیں؟ بلکہ وہ بھی لاہوریوں کے نزدیک "فاسق" ضرور ہیں۔

(دیکھئے النبوۃ فی الاسلام صفحہ ۲۱۵ طبع دوم و مباحثۂ راولپنڈی صفحہ ۲۴۷)

لاہوری جماعت کی وُجوہِ کُفر

مذکورہ بالا تشریحات سے یہ بات کھل کر سامنے آجاتی ہے کہ قادیانی جماعت اور لاہوری جماعت کے درمیان بنیادی عقائد کے اعتبار سے کوئی عملی فرق نہیں۔ فرق اگر ہے تو وہ الفاظ و اصطلاحات اور فلسفیانہ تعبیروں کا فرق ہے اور ان کی تاریخ سے واقفیت رکھنے والا ہر شخص جانتا ہے کہ یہ فرق لاہوری جماعت نے ضرورۃً اور مصلحتہً پیدا کیا ہے، اسی لیے ۱۹۱۴ء کے تنازعہ خلافت سے پہلے اس کا کوئی نشان نہیں ملتا۔ اب منقّح طور پر ان کے کفر کی وجوہ درج ذیل ہیں:

۱۔ قرآن وحدیث، اجماعِ امت مرزا غلام احمد کے عقائد اور ذاتی حالات کی روشنی میں یہ بات قطعی اور یقینی ہے کہ مرزا غلام احمد ہرگز وہ مسیح نہیں جس کا قربِ قیامت میں وعدہ کیا گیا ہے۔ اور ان کو مسیح موعود ماننا قرآنِ کریم، متواتر احادیث اور اجماعِ اُمّت کی تکذیب ہے، لاہوری مرزائی چونکہ مرزا غلام احمد کو مسیح موعود مانتے ہیں، اس لیے کافر اور دائرہ اسلام سے اسی طرح خارج ہیں جس طرح قادیانی مرزائی۔

۲۔ مرزا غلام احمد قادیانی کا دعوائے نبوّت قطعی اور یقینی طور پر ثابت ہو چکا ہے۔ لہٰذا اس کو کافر کہنے کی بجائے اپنا دینی پیشوا قرار دینے والا مسلمان نہیں ہو سکتا۔

۳۔ پیچھے بتایا جا چکا ہے کہ مرزا غلام احمد قادیانی کی سینکڑوں کُفریات کے باوجود لاہوری جماعت اس بات کی قائل ہے کہ (معاذ اللہ) وہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلّم کا بروز تھا اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلّم کی نُبوّت اس میں منعکس ہو گئی تھی، اور اس اعتبار سے اسے نبی کہنا درست ہے، یہ عقیدہ دائرۂ اسلام میں کسی طرح نہیں کھپ سکتا۔

۴۔ دعوائے نُبوّت کے علاوہ مرزا غلام احمد قادیانی کی تصانیف بے شمار کفریات سے لبریز ہیں (جن کی کچھ تفصیل آگے آ رہی ہیں) لاہوری جماعت مرزا صاحب کی تمام تحریروں کو حُجّت اور واجبُ الاطاعت قرار دے کر ان تمام کفریات کی تصدیق کرتی ہے محمد علی لاہوری

صاحب لکھتے ہیں:

> ''اور مسیح موعود کی تحریروں کا انکار درحقیقت مخفی رنگ میں خود مسیح موعود کا انکار ہے۔''

(النبوۃ فی الاسلام صفحہ ۱۱۱ طبع دوم لاہور)

یہاں یہ واضح رہنا بھی ضروری ہے کہ اسلام میں ''مجدّد'' کا مفہوم صرف اتنا ہے کہ جب اسلام کی تعلیمات سے روگردانی عام ہو جاتی ہے تو اللہ تعالیٰ کا کوئی بندہ پھر سے لوگوں کو اسلامی تعلیمات کی طرف متوجہ کرتا ہے۔ ان مجدّدین کی کوئی قانونی حیثیت نہیں ہوتی، نہ ان کی کسی بات کو شرعی حُجت سمجھا جاتا ہے، نہ وہ اپنے مجدّد ہونے کا دعویٰ کرتے ہیں اور نہ لوگوں کو یہ دعوت دیتے ہیں کہ انہیں ضرور مجدّد مان کر ان کے ہاتھ پر بیعت کریں، بلکہ یہ بھی ضروری نہیں کہ لوگ انہیں مجدّد کی حیثیت سے پہچان بھی جائیں چنانچہ چودہ سو سالہ تاریخ میں مجدّدین کے ناموں میں بھی اختلاف رہا ہے اسی طرح اگر کوئی شخص انہیں مجدّد تسلیم نہ کرے تو شرعاً وہ گنہگار بھی نہیں ہوتا، نہ وہ اپنے تجدیدی کارنامے الہام کی بنیاد پر پیش کرتے ہیں اور نہ ان کے الہام کی تصدیق شرعاً واجب ہوتی ہے۔

اس کے بالکل برخلاف لاہوری جماعت مرزا صاحب کے لیے ان تمام باتوں کی قائل ہے لہٰذا اس کا یہ دعویٰ کہ ''ہم مرزا صاحب کو صرف مجدّد مانتے ہیں'' مغالطے کے سوا کچھ نہیں۔

مِرزائی نبُوّت کی جھلکیاں

ایک نظر میں

ہم نے اپنی قرارداد میں کہا ہے کہ

“ہر گاہ کہ نبی ہونے کا اُس کا جھوٹا اِعلان‘ بہت سی قرآنی آیات کو جُھٹلانے کی کوششیں اسلام کے بڑے بڑے احکام کے خلاف غدّاری تھیں”

آئندہ صفحات میں اس کی تشریح پیش کی جا رہی ہے

مرزائیوں کی مزید کفریات اور گستاخیاں

عقیدہ ختم نبوت کی صریح خلاف ورزی کے علاوہ مرزا صاحب کی تحریریں اور بہت سی کفریات سے بھری ہوئی ہیں یہاں تمام کفریات کا ذکر کرنا تو مشکل ہے لیکن نمونے کے طور پر چند مثالیں پیش خدمت ہیں۔

اللہ تعالیٰ کے بارے میں

مرزا غلام احمد صاحب نے اپنے آپ کو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا بروز تو قرار دیا ہی تھا۔ اس کے علاوہ انہوں نے متعدد مقامات پر اپنے آپ کو خدا کا بُروز بھی قرار دیا، چنانچہ ۱۵/ مارچ ۱۹۰۶ء کے خودساختہ الہامات میں ایک الہام یہ بھی تھا کہ انت منی بمنزلۃ بروزی

یعنی "تو مجھ سے میرے بروز کے رُتبے میں ہے"

(ریویو آف ریلیجنز ج ۵ نمبر ۵ ماہ اپریل ۱۹۰۶ء ص ۲۲)

نیز انجام آتھم میں اپنے الہامات بیان کرتے ہوئے لکھا ہے:

اَنْتَ مِنِّیْ بِمَنْزِلَةِ تَوْحِیْدِیْ وَتَفْرِیْدِیْ

تو مجھ سے ایسا ہے جیسا کہ میری توحید اور تفرید

(اربعین نمبر ۳ ص ۲۷ انجام آتھم ص ۴۸ طبع قادیان ۸۹۷)

نیز لکھتے ہیں:

"میں نے اپنے کشف میں دیکھا کہ میں خود خدا ہوں اور یقین کیا کہ میں وہی ہوں"

(کتاب البریہ ص ۷۸ طبع دوم قادیان ۱۹۳۲ء آئینہ کمالات اسلام صفحہ ۵۶۴ طبع جدید ربوہ)

مزید کہتے ہیں:

"اور دانیئل نبی نے اپنی کتاب میں میرا نام میکائیل رکھا ہے اور عبرانی میں لفظی معنی میکائیل کے ہیں۔ خدا کی مانند یہ گویا اس الہام کے مطابق ہے جو براہین احمدیہ میں ہے۔ انت منّی بمنزلة توحیدی و تفریدی۔"

(اربعین نمبر ۳ صفحہ ۳۰ کا حاشیہ مطبوعہ قادیان ۱۹۰۰ء)

قُرآن کریم کی تحریف اور گُستاخیاں

مرزا صاحب نے قرآن کریم میں اس قدر لفظی اور معنوی تحریفات کی ہیں کہ ان کا شمار مشکل ہے یہاں تک کہ اس شخص نے یہ جسارت بھی کی ہے کہ قرآن کریم کی بہت سی آیات جو صراحۃً آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی شان میں نازل ہوئی تھیں اُن کو اپنے حق میں قرار دیا اور جو القاب اور امتیازات قرآن کریم نے سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم کے لئے بیان فرمائے تھے تقریباً سب کے سب اس نے اپنے لئے مخصوص کر لئے اور یہ کہا کہ مجھے بذریعہ وحی ان القاب سے نوازا گیا ہے، مثلاً مندرجہ ذیل آیاتِ قرآنی:۔

(۱) وَمَا اَرْسَلْنٰكَ اِلَّا رَحْمَتَه لِّلْعٰالَمِیْنَ (اربعین نمبر ۳ ص ۲۸/۴ ۷)

(۲) وَمَا یَنْطِقُ عَنِ الْهَوٰی اِنْ هُوَ اِلَّا وَحْی" یُّوْحٰی (اربعین نمبر ۲ ص ۳۹)

(۳) دَاعِیاً اِلَی اللّٰهِ بِاِذْنِهٖ وَ سِرَاجاً مُّنِیْراً (حقیقۃ الوحی ص ۷۵)

(۴) قُلْ اِنْ كُنْتُمْ تُحِبُّوْنَ اللّٰهَ فَا تَّبِعُوْنِیْ یُحْبِبْكُمُ اللّٰهُ (اربعین نمبر ۳ ص ۲۸/۴ ۷ و حقیقۃ الوحی ص ۷۹)

(۵) اِنَّ الَّذِیْنَ یُبَایِعُوْنَكَ اِنَّمَا یُبَایِعُوْنَ اللّٰهَ یَدُ اللّٰهِ فَوْقَ اَیْدِیْهِم (حقیقۃ الوحی ص ۸۰)

(۶) اِنَّا فَتَحْنَالَكَ فَتْحاً مُّبِیْناً لِّیَغْفِرَلَكَ اللّٰه مَاتَقَدَّمَ مِنْ ذَنْبِكَ وَمَاتَاَخَّرَ (حقیقۃ الوحی ص ۹۴)

(۷) یٰسٓ وَالْقُرْاٰنِ الْحَكِیْم اِنَّكَ لَمِنَ الْمُرْسَلِیْنَ (حقیقۃ الوحی ص ۱۰۷)

(۸) اِنَّآاَرْسَلْنَاء اِلَیْكُمْ رَسُوْلاً شَاهِدً اعَلَیْكُمْ (ریویو آف ریلیجنز ۱۰/ اپریل ۱۹۰۶ء ص ۱۶۴)

(۹) سُورۂ اِنَّـا أَعْـطَیْـنٰكَ الْكَوْثَرَ کے بارے میں ہر شخص جانتا ہے کہ یہ سورت بطورِ خاص آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا امتیاز بتانے کے لئے نازل ہوئی تھی اور اس میں اللہ تعالےٰ نے فرمایا تھا کہ ''ہم نے آپؐ کو کوثر عطا کی ہے'' لیکن مرزا صاحب نے اس سورت کو اپنے حق میں قرار دیا ہے اور لکھا ہے کہ ان شـانئك هـو الابتر (بے شک آپؐ کا دشمن مقطوع النسل ہے) میں شانی یعنی بدگو اور دشمن سے مراد اُن کا ایک ''شقی، خبیث بدطینت، فاسد القلب، ہندو زادہ، بدفطرت'' مخالف یعنی نومسلم سعد اللہ ہے، (ملاحظہ ہو انجام آتھم صفحہ ۵۴ صفحہ ۵۵/ ۵۸)

[At this stage Mr. Chairman vacated the Chair which was occupied by (Dr. Mrs. Ashraf Khatoon Abbasi.)]

مولوی مفتی محمود:

(۱۰) آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے خصوصی اعزاز یعنی معراج کو بھی مرزا نے اپنی طرف منسوب کرتے ہوئے لکھا کہ یہ میرے بارے میں کہا گیا ہے کہ:۔

سُبۡحٰنَ الَّذِیۡ اَسۡرٰی بِعَبۡدِہٖ لَیۡلاً مِّنَ الۡمَسۡجِدِ الۡحَرَامِ اِلَی الۡمَسۡجِدِ الۡاَقۡصٰی

پاک ہے وہ ذات جو اپنے بندے کو رات کے وقت مسجد حرام سے مسجد اقصیٰ کی طرف لے گئی۔ (دیکھیے حقیقۃ الوحی ص ۷۶)

(۱۱) اسی معراج کے ایک واقعہ کی طرف اشارہ کرتے ہوئے قرآن کریم نے فرمایا ہے کہ:

ثُمَّ دَنَا فَتَدَلّٰی فَکَانَ قَابَ قَوۡسَیۡنِ اَوۡ اَدۡنٰی،

''پھر قریب ہوا، تو بہت قریب ہو گیا، دو کمانوں یا اس سے بھی قریب تر'' (حقیقۃ الوحی ص ۷۶)

مرزا غلام احمد نے یہ آیت بھی اپنی طرف منسوب کی ہے۔ (حقیقۃ الوحی ص ۷۶)

(۱۲) قرآن کریم نے بیان کیا ہے کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے اپنی قوم کو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی تشریف آوری کی بشارت دیتے ہوئے فرمایا تھا:۔

وَمُبَشِّراً بِرَسُوۡلٍ یَّاۡتِیۡ مِنۡ بَعۡدِیۡ اِسۡمُہٗ اَحۡمَد

''اور میں ایک رسول کی خوش خبری دینے کے لئے آیا ہوں جو میرے بعد آئے گا اور اس کا نام احمدؐ ہوگا۔''

مرزا غلام احمد نے انتہائی جسارت اور ڈھٹائی سے دعویٰ کیا کہ اس آیت میں میرے آنے کی پیش گوئی کی گئی ہے اور احمد سے مراد میں ہوں۔

(دیکھئے ازالہ اوھام طبع اوّل ص ۶۷۳ و طبع دوم ص ۱۱۷۵ مطبوعہ کاشی رام پریس لاہور ۱۳۰۸ھ)

چنانچہ مرزائی صاحبان اسی پر ایمان رکھتے ہیں کہ اس آیت میں احمدؐ سے مراد آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے بجائے (معاذ اللہ ثم معاذ اللہ) مرزا غلام احمد ہے۔ قادیانیوں کے خلیفۂ دوم مرزا

بشیر الدین محمود نے اس بات کو ثابت کرنے کے لئے ۲۷؍دسمبر ۱۹۱۵ء کو ایک مستقل تقریر کی جو انوارِ خلافت میں ان کی نظر ثانی کے بعد چھپی ہے۔ اس کے آغاز میں وہ کہتے ہیں:۔

> ”پہلا مسئلہ یہ ہے کہ آیا حضرت مسیح موعودؑ کا نام احمد تھا۔ یا آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا، اور کیا سورہ صف کی آیت جس میں ایک رسول کی جس کا نام احمد ہوگا بشارت دی گئی ہے، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے متعلق ہے۔ یا حضرت مسیح موعود کے متعلق؟ میرا یہ عقیدہ ہے کہ یہ آیت مسیح موعود کے متعلق ہے اور احمد آپ ہی ہیں۔ لیکن اس کے خلاف کہا جاتا ہے کہ احمد نام رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا ہے اور آپ کے سوا کسی اور شخص کو احمد کہنا آپؐ کی ہتک ہے۔ لیکن میں جہاں تک غور کرتا ہوں میرا یقین بڑھتا جاتا ہے۔ اور میں ایمان رکھتا ہوں کہ احمد کا جو لفظ قرآن کریم میں آیا ہے۔ وہ حضرت مسیح موعود علیہ السلام (یعنی مرزا غلام احمد) کے متعلق ہی ہے۔
>
> (انوارِ خلافت صفحہ ۱۸ مطبوعہ امرتسر ۱۹۱۶ء)

یہ شرمناک، اشتعال انگیز، جگر سوز اور ناپاک جسارت اس حد تک بڑھی کہ ایک قادیانی مبلغ سیّد زین العابدین ولی اللہ شاہ نے ”اسمہ احمد“ کے عنوان سے ۱۹۳۴ء کے جلسہ سالانہ قادیان میں ایک مفصل تقریر کی جو الگ شائع ہو چکی ہے۔ اس میں اس نے صرف یہ ہی دعویٰ نہیں کیا کہ ”مذکورہ آیت میں احمد سے مراد آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے بجائے مرزا غلام احمد ہے۔ بلکہ یہ بھی ثابت کرنے کی کوشش کی کہ سورۃ صف میں صحابہ کرام کو فتح و نصرت کی جتنی بشارتیں دی گئی ہیں وہ صحابہ کرام کے لئے نہیں قادیانی جماعت کے لئے تھیں۔ چنانچہ اپنی جماعت کو مخاطب کرتے ہوئے وہ کہتا ہے۔

> ”پس یہ اُخریٰ[1] کتنی بے بہا نعمت ہے جس کی صحابہؓ تمنی کرتے رہے مگر وہ اسے حاصل نہ کر سکے اور آپ کو مل رہی ہے۔“
>
> (اسمہٗ احمد ص ۴۷ مطبوعہ قادیان ۱۹۳۴ء)

غور فرمایئے کہ سرکارِ دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم اور آپؐ کے اصحاب کرامؓ کی یہ توہین اور قرآن کریم کی آیات کے ساتھ یہ گھناؤنا مذاق مسلمانوں جیسا نام رکھنے کے بغیر ممکن تھا؟

---

[1] آیتِ قرآنی وأخرى تحبّونها نصر من الله و فتح قریب۔

مرزائی ''وحی'' قرآن کے برابر

پھر یہ جسارت یہیں پر ختم نہیں ہوئی۔ بلکہ مرزا غلام احمد نے یہ بھی دعویٰ کیا کہ اس پر نازل ہونے والی نام نہاد وحی (جس میں انتہائی درجے کی کفریات اور بازاری باتیں بھی موجود ہیں) ٹھیک قرآن کے برابر ہے، چنانچہ اپنے ایک فارسی قصیدے میں وہ کہتا ہے،

آنچہ من بشنوم ز وحی خدا
بخدا پاک دانمش ز خطا
ہمچو قرآن منزہ اش دانم
از خطا ہا، ہمیں ست ایمانم (نزول المسیح صفحہ ۹۹ طبع اول قادیان ۱۹۰۹ء)

''یعنی خدا کی جو وحی میں سنتا ہوں خدا کی قسم میں اسے ہر غلطی سے پاک سمجھتا ہوں قرآن کی طرح اسے تمام غلطیوں سے پاک یقین کرتا ہوں، یہی میرا ایمان ہے۔''

مرزا غلام احمد نے یہ بھی دعویٰ کیا کہ قرآن کی طرح میری وحی بھی حدِ اعجاز کو پہنچی ہوئی ہے اور اس کی تائید میں انہوں نے ایک پورا قصیدہ اعجازیہ تصنیف کیا ہے جو اُن کی کتاب ''اعجاز احمدی'' میں شائع ہو گیا ہے،

انبیاء علیہم السّلام کی توہین

اس کے علاوہ پوری امت مسلمہ انبیاء علیہم السلام پر ایمان لانے اور ان کی تعظیم و تقدیس کو جزو ایمان سمجھتی ہے سرکار دو عالم محمد مصطفیٰؐ بغیر کسی ادنیٰ شبہہ کے تمام انبیاء سے افضل تھے لیکن کبھی آپ نے کسی دوسرے نبی کے بارے میں کوئی ایسا لفظ استعمال نہیں فرمایا جو ان کے شایانِ شان نہ ہو لیکن مرزا غلام احمد قادیانی انسانی پستیوں کے تحت الثریٰ میں کھڑے ہو کر بھی انبیاء علیہم السلام کی شان میں جو گستاخیاں کرتے رہے اس کا نمونہ ملاحظہ فرمایئے!

(۱) ‘‘یورپ کے لوگوں کو جس قدر شراب نے نقصان پہنچایا ہے، اس کا سبب تو یہ تھا کہ حضرت عیسٰی علیہ السلام شراب پیا کرتے تھے شاید کسی بیماری کی وجہ سے یا پرانی عادت کی وجہ سے’’ (کشتی نوح حاشیہ ص ۱۲۰ مطبوعہ ربوہ ۱۹۵۷ء)

(۲) مجھے کئی سال سے ذیابطیس کی بیماری ہے پندرہ بیس مرتبہ روز پیشاب آتا ہے اور بعض وقت سو سو دفعہ ایک ایک دن میں پیشاب آتا ہے...... ایک دفعہ مجھے ایک دوست نے یہ صلاح دی کہ ذیابطیس کے لئے افیون مفید ہوتی ہے پس علاج کی غرض سے مضائقہ نہیں...... میں نے جواب دیا کہ اگر میں ذیابطیس کے لئے افیون کھانے کی عادت کر لوں تو میں ڈرتا ہوں کہ لوگ ٹھٹھا کر کے یہ نہ کہیں کہ پہلا مسیح تو شرابی تھا اور دوسرا افیونی’’

(نسیم دعوت ص ۶۹ مطبوعہ قادیان ۱۹۳۶ء)

(۳) مرزا غلام احمد ایک نظم میں کہتے ہیں۔

ابنِ مریم کے ذکر کو چھوڑو
اس سے بہتر غلام احمد ہے

اور اس کے بعد لکھتے ہیں:۔

‘‘یہ باتیں شاعرانہ نہیں بلکہ واقعی ہیں اور اگر تجربہ کی رو سے خدا کی تائید مسیح ابنِ مریم سے بڑھ کر میرے ساتھ نہ ہو تو میں جھوٹا ہوں’’

(دافع البلاء ص ۲۰، ۲۱ طبع سوم قادیان ۱۹۴۶)

(۴) ازالہ ادہام میں مرزا صاحب نے اپنی ایک فارسی نظم لکھی ہے اس میں وہ کہتے ہیں:۔

اینک منم کہ حسب بشارات آدمم
عیسٰی کجاست تا بہ نہد پا بہ منبرم

(ازالہ ادہام طبع اول ص ۱۵۸ و طبع دوم ص ۹۵۶ مطبوعہ کاشی رام پریس لاہور ۱۳۰۸ھ)

یعنی! ’’یہ میں ہوں جو بشارتوں کے مطابق آیا ہوں۔ عیسٰی کی کیا مجال کہ وہ میرے منبر پر پاؤں رکھ سکے‘‘

(۵) خدا نے اس امت میں سے مسیح موعود __________ بھیجا جو اس سے پہلے مسیح سے تمام شان میں بہت بڑھ کر ہے اور اس نے اس دوسرے مسیح کا نام غلام احمد رکھا۔ (دافع البلاء ص ۱۳ طبع قادیان ۱۹۴۶ء)

(۶) مجھے قسم ہے اس ذات کی جس کے ہاتھ میں میری جان ہے کہ اگر مسیح ابن مریم میرے زمانہ میں ہوتا تو وہ کام جو میں کر سکتا ہوں وہ ہرگز نہ کر سکتا اور وہ نشان جو مجھ سے ظاہر ہو رہے ہیں وہ ہرگز دکھلا نہ سکتا‘‘

(حقیقۃ الوحی ص ۱۴۸ طبع قادیان ۱۹۰۷)

(۷) مسیح کی راست بازی اپنے زمانہ کے راست بازوں سے بڑھ کر ثابت نہیں ہوتی بلکہ یحیٰ نبی کو اس پر ایک فضیلت ہے کیونکہ وہ شراب نہیں پیتا تھا اور کبھی نہیں سنا گیا کہ کسی فاحشہ عورت نے آ کر اپنی کمائی کے مال سے اس کے سر پر عطر ملا تھا یا ہاتھوں یا اپنے سر کے بالوں سے اس کے بدن کو چھوا تھا، یا کوئی بے تعلق جوان عورت اس کی خدمت کرتی تھی[۱]۔ اسی وجہ سے خدا

---

[۱] ناانصافی ہوگی، اگر یہاں خود مرزا صاحب کی ’’راست باز‘‘ سیرت کے دو ایک واقع ذکر نہ کئے جائیں۔ مرزا صاحب کے مرید خاص مفتی محمد صادق صاحب مرزا صاحب کے ’’غض بصر‘‘ یعنی نگاہیں نیچی رکھنے کے بیان میں لکھتے ہیں:

حضرت مسیح موعود کے اندرون خانہ ایک نیم دیوانی سی عورت بطور خادمہ کے رہا کرتی تھی ایک دفعہ اس نے کیا حرکت کی کہ جس کمرے میں حضرت بیٹھ کر لکھنے پڑھنے کا کام کرتے تھے وہاں ایک کونے میں گھڑا تھا جس کے پانی کے گھڑے رکھے تھے۔ وہاں اپنے کپڑے اتار کر اور ننگی بیٹھ کر نہانے لگ گئی حضرت صاحبؑ اپنے کام تحریر میں مصروف رہے اور کچھ خیال نہ کیا کہ وہ کیا کرتی ہے۔

(ذکر حبیب مؤلفہ مفتی محمد صادق ص ۳۸ قادیان ۱۹۳۶ء)

نیز ایک نوجوان عورت عائشہ نامی مرزا صاحب کے پاؤں دبایا کرتی تھی، اس کے شوہر غلام محمد لکھتے ہیں، ’’حضور کو مرحومہ کی خدمت پاؤں دبانے کی بہت پسند تھی‘‘ (الفضل ۲۰ مارچ ۱۹۲۸ء ص ۸)

اس کے علاوہ جو اجنبی عورتیں مرزا صاحب کے گھر میں رہتی تھیں اور ان کی مختلف خدمات پر مامور تھیں۔

نے قرآن میں یحییٰ کا نام حَصُوْرا (باعفت) رکھا مگر مسیح کا یہ نام رکھا، کیونکہ ایسے قصے اس نام کے رکھنے سے مانع تھے'' (مقدمہ دافع البلاء)

(۸) نیز تمام انبیاء علیہم السلام پر اپنی فضیلت ثابت کرتے ہوئے لکھتے ہیں: ۔

''میں دعویٰ سے کہتا ہوں کہ ہزارہا میری ایسی کھلی کھلی پیش گوئیاں ہیں جو نہائت صفائی سے پوری ہو گئیں جن کے لاکھوں انسان گواہ ہیں، ان کی نظیر اگر گذشتہ نبیوں میں تلاش کی جائے تو بجز آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے کسی اور جگہ ان کی مثال نہیں ملے گی'' (کشتی نوح ص ۱۴ طبع ربوہ ۱۹۵۷ء)

آنحضرت صلّی اللہ علیہ وسلم کی شان میں گُستاخی

پھر تمام انبیاء علیہم السلام پر اپنی فضیلت ظاہر کر کے بھی انہیں تسلی نہیں ہوئی بلکہ مرزا غلام احمد کی گستاخیوں نے سرکار دو عالم رحمتہ للعالمین حضرت محمد مصطفٰے صلی اللہ علیہ وسلم کے دامن عظمت پر بھی دست درازی کی کوشش کی ہے، لکھا ہے کہ: ۔

''خوب توجہ کر کے سن لو کہ اب اسم محمدؐ کی تجلی ظاہر کرنے کا وقت نہیں یعنی اب جلالی رنگ کی کوئی خدمت باقی نہیں، کیونکہ مناسب حد تک وہ جلال ظاہر ہو چکا سورج کی

ان کی تفصیل کے لئے ملاحظہ ہو سیرت المہدی از مرزا بشیر احمد ایم اے۔

(ص۔۲۱ ج ۳، ۲۱۳ ج ۳، ۲۷۳ ج ۳، ۸۸ ج ۳، ۱۲۶ ج ۳، ۳۵ ج ۳، ۳ ج ۳، ۲۵۹ ج ۱)

جب کہ عوام کے لئے فتویٰ یہ تھا کہ بوڑھی عورت سے بھی مصافحہ کرنا جائز نہیں۔

(ایضاً صفحہ ۷۶ ج ۲ مطبوعہ ۱۹۲۷ء)

اور مفتی محمد صادق صاحب لکھتے ہیں۔

ایک شب دس بجے کے قریب میں تھیٹر میں چلا گیا جو مکان کے قریب ہی تھا حضرت صاحبؑ نے فرمایا ایک دفعہ ہم بھی گئے تھے تا کہ معلوم ہو کہ وہاں کیا ہوتا ہے!

(ذکر حبیب ص ۱۸)

کرنوں کی اب برداشت نہیں، اب چاند کی ٹھنڈی روشنی کی ضرورت ہے اور وہ احمدؐ کے رنگ میں ہو کر میں ہوں۔" (اربعین نمبر ۴ صفحہ ۱۷ مطبوعہ ۱۹۰۰ء)

اور خطبہ الہامیہ کی وہ عبارت پیچھے گزر چکی ہے جس میں اس نے آپ کو سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم کا بروزِ ثانی قرار دے کر کہا ہے کہ یہ نیا ظہور پہلے سے اشد اقویٰ اور اکمل ہے۔ (دیکھئے خطبہ الہامیہ ص ۲۷۲)

نیز اپنے قصیدۂ اعجازیہ میں (جسے قرآن کی طرح معجز قرار دیا ہے) یہ شعر بھی کہا ہے کہ:

لهٗ خسف القمر المنیر وان لی   عنسا القمران المشرقان اتنکر

اس یعنی آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے لئے چاند کے خسوف کا نشان ظاہر ہوا اور میرے لئے چاند اور سورج دونوں کا۔ اب کیا تو انکار کرے گا۔

(اعجاز احمدی ص ۷۱ مطبوعہ قادیان ۱۹۰۲ء)

سچ ہے کہ:-   ناوک نے تیرے صید نہ چھوڑا زمانے میں۔

صحابہؓ کی توہین

جو شخص اس دیدہ دلیری کے ساتھ انبیاء علیہم السّلام کی توہین کر سکتا ہو، وہ صحابۂ کرامؓ کو تو کیا خاطر میں لا سکتا ہے؟ چنانچہ مندرجہ ذیل عبارتیں بلا تبصرہ پیش خدمت ہیں۔

(۱) "جو شخص میری جماعت میں داخل ہوا در حقیقت سردارِ خیر المرسلین کے صحابہ میں داخل ہوا۔" (خطبۂ الہامیہ ص ۲۵۸ طبع ربوہ)

(۲) "میں وہی مہدی ہوں جس کی نسبت ابن سیرین سے سوال کیا گیا کہ کیا وہ حضرت ابو بکرؓ کے درجہ پر ہے؟ تو انہوں نے جواب دیا کہ ابو بکرؓ کیا وہ تو بعض انبیاء سے بہتر ہے۔" (اشتہار معیار الاخیار ص ۱۱)

(۳) ”پرانی خلافت کا جھگڑا چھوڑو، اب نئی خلافت لو، ایک زندہ علی تم میں موجود ہے اس کو چھوڑتے ہو اور مردہ علی کو تلاش کرتے ہو۔“ (ملفوظات احمدیہ ص ۱۳۱ ج ۱)

(۴) ”بعض نادان صحابی جن کو درایت سے کچھ حصہ نہ تھا وہ ابھی اس عقیدے سے بے خبر تھے۔“ (ضمیمہ براھین احمدیہ ج ۵ ص ۱۲۰ طبع ربوہ)

یہاں ”نادان صحابیؓ“ کا لفظ حضرت عمرؓ اور حضرت ابو ہریرہؓ کے لئے استعمال کیا ہے۔ (دیکھئے خطبۂ الہامیہ ص ۱۴۹ و حقیقۃ الوحی ص ۳۳ و ۳۴)

اہلِ بیتؑ کی توہین

(۱) گستاخی اور جسارت کی انتہا ہے کہ لکھتے ہیں:

”حضرت فاطمہؓ نے کشفی حالت میں اپنی ران پر میرا سر رکھا اور مجھے دکھایا کہ میں اس میں سے ہوں۔“ (ایک غلطی کا ازالہ حاشیہ ص ۱۱)

(۲) ”میں خدا کا کشتہ ہوں، لیکن تمہارا حسین دشمنوں کا کشتہ تھا۔ پس فرق کھلا کھلا اور ظاہر ہے۔“ (اعجاز احمدی ص ۸۱)

(۴) ”تم نے خدا کے جلال اور مجد کو بھلا دیا، اور تمہارا ورد صرف حسین ہے کیا تو انکار کرتا ہے؟ پس یہ اسلام پر ایک مصیبت ہے۔ کستوری کی خوشبو کے پاس گُوہ کا ڈھیر ہے۔“ (ایضاً ص ۸۲)

(۵) کربلائیست سیرِ ہر آنم
صد حسین است در گریبانم (نزول المسیح ص ۹۹)

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے اہل بیت کی توہین کے بعد اپنی اولاد کو ”پنج تن“ کے لقب سے مقدس قرار دیتے ہوئے کہا:۔

(۶) مری اولاد سب تیری عطا ہے   ہر اک تیری بشارت سے ہوا ہے
یہ پانچوں جو کہ نسلِ سیّدہ ہیں   یہی ہیں پنج تن جن پر بنا ہے

(درِثمین اردو ص ۴۵)

شعائرِ اسلامی کی توہین

مرزا بشیر الدین محمود لکھتے ہیں۔

’’اس زمانے میں خدا تعالےٰ نے قادیان کو تمام دُنیا کی بستیوں کی اُم قرار دیا ہے اس لئے اب وہی بستی پورے طور پر روحانی زندگی پائے گی۔ جو اس کی چھاتیوں سے دُودھ پیئے گی۔‘‘ (حقیقۃ الرویا ص ۴۵)

آگے کہتے ہیں۔

’’حضرت مسیح موعود نے اس کے متعلق بڑا زور دیا ہے اور فرمایا ہے کہ جو بار بار یہاں نہیں آتے، مجھے ان کے ایمان کا خطرہ ہے، پس جو قادیان سے تعلق نہیں رکھے گا وہ کاٹا جائے گا تم ڈرو کہ تم میں سے نہ کوئی کاٹا جائے، پھر یہ تازہ دودھ کب تک رہے گا، آخر ماؤں کا دودھ سوکھ جایا کرتا ہے، کیا مکہ اور مدینہ کی چھاتیوں سے یہ دودھ سوکھ گیا کہ نہیں۔‘‘

(حقیقۃ الرؤیا ص ۴۵، ۴۶ مطبوعہ قادیان ۱۳۳۶ھ)

آج جلسہ کا دن ہے اور ہمارا جلسہ بھی حج کی طرح ہے...... حج کا مقام ایسے لوگوں کے قبضہ میں ہے، جو احمدیوں کو قتل کر دینا بھی جائز سمجھتے ہیں، اس لئے خدا تعالےٰ نے قادیان کو اس کام کے لئے مقرر کیا ہے،

(برکات خلافت صفحہ طبع قادیان ۱۹۱۴ء)

۳۔ اور مرزا غلام احمد قادیانی کہتے ہیں،

زمین قادیان اب محترم ہے
ہجومِ خلق سے ارضِ حرم ہے

(درثمین ص۵۲)

اسلام اور مسلمانوں کی مکرم ترین شخصیات انبیاء علیہم السلام، صحابہ کرامؓ اور اہلِ بیت عظام کی شان میں ایسی کھلم کھلا گستاخیوں کے بعد مرزا غلام احمد جیسے شخص کو نبی، رسول، اللہ کا بروز، خاتم انبیاء اور محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم، جیسے خطابات دیئے گئے۔ اس کے مریدوں کو صحابۂ کرام کہا گیا اور ان کے ساتھ رضی اللہ عنہم لکھا گیا۔ مرزا غلام احمد کی بیوی کو ام المومنین قرار دیا گیا۔ مرزا کے جانشینوں کو خلفاء اور صدیقین کے لقب عطا ہوئے، قادیان ارضِ حرم اور ”ام القریٰ“ کہلایا اور اپنے سالانہ جلسے کو ”حج“ کہا گیا۔ اس کے باوجود یہ اصرار ہے کہ مسلمان ہیں تو بس یہی، اور اسلام ہے تو صرف قادیانیوں کے مذہب میں، ع

تفو بر تو اے چرخِ گرداں تفو

مرزا صاحب کے چند الہامات

معزز ارکانِ اسمبلی کی معلومات اور دلچسپی کے لئے مرزا صاحب کے چند خاص الہامات اور اُن کی زندگی کے چند اہم گوشے پیش کرتے ہیں تا کہ وہ یہ اندازہ کر سکیں کہ مرزائی صاحبان جس شخص کو نبی اور رسول کہتے ہیں، وہ کیا تھا؟ اور عقیدۂ ختم نبوّت سے قطع نظر، اس مزاج اور اس انداز کے انسان میں کہیں دُور دُور ”نبوت“ کے مقدس منصب کی کوئی بُو نظر آتی ہے! پہلے الہامات کو لیجئے جو بلا تبصرہ حاضر ہیں۔

> ”زیادہ تر تعجب کی بات یہ ہے کہ بعض الہامات مجھے ان زبانوں میں ہوتے ہیں جن سے مجھے کچھ بھی واقفیت نہیں جیسے انگریزی یا سنسکرت یا عبرانی وغیرہ۔“
>
> (نزول المسیح ص۵۷ مصنف مرزا صاحب)

حالانکہ قرآن حکیم میں اللہ تعالےٰ نے فرمایا ہے وما ارسلنا من رسول الا بلسان قومت یبین لھم (ہم نے کوئی رسول نہیں بھیجا مگر اپنی قوم ہی کی زبان میں تا کہ انہیں کھول کر بتا دے)

اس طرح خود مرزا صاحب نے بھی چشمہ معرفت ص ۲۰۹ میں تحریر کیا ہے،

> ”بالکل غیر معقول اور بیہودہ امر ہے کہ انسان کی اصل زبان تو کوئی ہو اور الہام کسی اور زبان میں جس کو وہ سمجھ بھی نہیں سکتا کیونکہ اس میں تکلیف مالایطاق ہے اور ایسے الہام سے فائدہ کیا ہوا جو انسانی سمجھ سے بالاتر ہو۔“

اب مرزا صاحب کے ایسے الہامات اور مکاشفات ملاحظہ فرمائیے قرآن حکیم اور اپنے فیصلے کے خلاف مرزا صاحب کو ان زبانوں میں بھی الہامات ہوئے ہیں جن کو وہ خود بھی نہیں سمجھ سکتے۔

ہم بطور نمونہ مرزا صاحب کے چند الہام درج ذیل کرتے ہیں۔

(۱) اَیلِیُ اَیلِیُ لِمَا سَبقُتَنِیُ اَیلی آوس ۔ ترجمہ: اے میرے خدا، اے میرے خدا مجھے کیوں چھوڑ دیا۔ آخری فقرہ اسی الہام کا یعنی ایلی آوس بباعث سرعت ورود مشتبہ رہا اور نہ اس کے کچھ معنی کھلے“ (البشریٰ جلد اول ص ۳۶ مجموعہ الہامات مرزا)

(۲) خدا تعالیٰ نے اس الہام میں میرا نام مریم رکھا پھر جیسا کہ براہین احمدیہ سے ظاہر ہے دو برس تک صفت مریمیت میں میں نے پرورش پائی اور پردہ میں نشو و نما پاتا رہا۔ پھر جب اس پر دو برس گزر گئے۔ مریم کی طرح عیسیٰ کی روح مجھ میں نفخ کی گئی اور استعارہ کے رنگ میں مجھے حاملہ ٹھہرایا گیا۔ دردِ زہ مجھے تنہ کھجور کی طرف لے گیا اور آخر کئی مہینے کے بعد جو دس مہینے سے زیادہ نہیں مجھے مریم سے عیسیٰ بنایا گیا بس اس طور سے میں ابن مریم ٹھہرا۔
(کشتی نوح ص ۴۶/۴۷)

(۳) یریدون ان یروا طمثك یعنی بابو الٰہی بخش چاہتا ہے کہ تیرا حیض دیکھے یا کسی پلیدی اور ناپاکی پر اطلاع پائے مگر خدا تعالیٰ تجھے اپنے انعامات دکھائے گا جو متواتر ہوں گے اور تجھ میں حیض نہیں بلکہ بچہ ہو گیا ہے ایسا بچہ جو بمنزلہ اطفال اللہ ہے۔ (تتمہ حقیقۃ الوحی ص ۱۴۳)

(۴) رَبُّنَا عَاج ہمارا رب عاجی ہے۔ عاج کے معنی ابھی تک نہیں کھلے۔

(براہین احمدیہ ہر چہار جلد اول ص ۵۵۶)

) ایک دفعہ ۵/ مارچ ۱۹۰۵ء کے مہینے میں بوقت آمدنی لنگر خانہ کے مصارف میں بہت دقت ہوئی کیونکہ کثرت سے مہمانوں کی آمد تھی اور اس کے مقابل پر روپیہ کی آمدنی کم اس لئے دعا کی گئی ۵/ مارچ ۱۹۰۵ء کو میں نے خواب میں دیکھا کہ ایک شخص جو فرشتہ معلوم ہوتا تھا میرے سامنے آیا اور اس نے بہت سا روپیہ میرے دامن میں ڈال دیا میں نے اس کا نام پوچھا اس نے کہا نام کچھ نہیں میں نے کہا آخر کچھ تو نام ہوگا اس نے کہا میرا نام ہے ٹیچی۔ ٹیچی (حقیقۃ الوحی ص ۳۳۲)

(متعدد اراکین نے ''ٹیچی ٹیچی'' کا مطلب پوچھا)

مولوی مفتی محمود: ''ٹیچی'' شاید ''ٹیچنگ'' سے ہے، یعنی پڑھانے والا۔

ڈاکٹر ایس محمود عباس بخاری: مولانا صاحب! ''ٹیچی کا مطلب ہے ''ٹچ ٹائم تے آن والا'' (یعنی عین وقت پر آنے والا) اس کی تفسیر انہوں نے کی ہے۔ ٹچ ٹائم پر آنے والا۔

مولوی مفتی محمود: مرزا جی کے فرشتہ نے یا پہلے جھوٹ بولا یا پھر جس نبی کا فرشتہ جھوٹ بولتا ہے وہ نبی کیسے سچا ہو سکتا ہے۔

(۶) ''۲۴ فروری ۱۹۰۵ء حالت کشفی میں جبکہ حضرت کی طبیعت ناساز تھی ایک شیشی دکھائی گئی جس پر لکھا ہوا تھا۔ خاکسار پیپر منٹ۔'' (مکاشفات مرزا ص ۳۸ تذکرہ ص ۵۲۵ طبع ۲)

(۷) مرزا صاحب کے ایک خاص مرید قاضی یار محمد صاحب بی۔ او۔ ایل پلیڈر اپنے مرتبہ ٹریکٹ نمبر ۳۴ موسوم ''اسلامی قربانی صفحہ ۱۲ میں تحریر کرتے ہیں ''جیسا کہ حضرت مسیح موعود نے ایک موقعہ پر اپنی حالت یہ ظاہر فرمائی ہے کہ کشف کی حالت آپ پر اس طرح طاری ہوئی کہ گویا آپ عورت ہیں اور اللہ تعالیٰ نے رجولیت کی طاقت کا اظہار فرمایا سمجھنے والے کے لئے اشارہ کافی ہے۔''

(۸) پھر بعد اس کے خدا نے فرمایا شعنا، نعسا دونوں فقرے شائد عبرانی ہیں۔ اور ان کے معنی ابھی تک اس عاجز پر نہیں کھلے پھر بعد اس کے دو فقرے انگریزی میں جن کے الفاظ کی

صحت بباعث سرعت الہام ابھی تک معلوم نہیں اور وہ یہ ہیں آئی لو یُو آئی شیل گو یولارج پارٹی اوف اسلام۔ (براہین احمدیہ طبع دوم ص ۵۱۶)

(۹) ایک دفعہ کی حالت یاد آئی ہے۔ کہ انگریزی میں اول یہ الہام ہوا آئی لو یو۔ آئی ایم وِد یو۔ آئی شیل ہیلپ یو آئی کین وہٹ آئی ول ڈو۔ پھر بعد اس کے بہت زور سے جس سے بدن کانپ گیا یہ الہام ہوا۔ وی کین وٹ وی ول ڈو۔ اور اس وقت ایک ایسا لہجہ اور تلفظ معلوم ہوا کہ گویا کہ ایک انگریز ہے جو سر پر کھڑا بول رہا ہے اور باوجود پر دہشت ہونے کے پھر اس میں ایک لذت تھی جس سے روح کو معنی معلوم کرنے سے پہلے ہی ایک تسلی اور تشفی ملتی تھی اور یہ انگریزی زبان کا الہام اکثر ہوتا رہتا ہے،

(تذکرہ مجموعہ الہامات مرزا طبع دوم ص ۶۴/۶۵)

(۱۰) کشفی طور پر ایک مرتبہ ایک شخص دکھایا گیا اور مجھے مخاطب کر کے بولا۔ ہے رودر گوپال تیری استت گیتا میں لکھی ہے۔ (تذکرہ مجموعہ الہامات مرزا ص ۳۹۰ ط ۲)

(۱۱) مجھے منجملہ اور الہاموں کے اپنی نسبت ایک یہ بھی الہام ہوا ”ہے کرشن رودر گوپال تیری مہما گیتا میں لکھی ہے۔“ (تذکرہ ص ۳۹۱ ط ۲)

(۱۲) جب کہ آریہ قوم کے لوگ کرشن کے ظہور کا ان دنوں میں انتظار کرتے ہیں وہ کرشن میں ہی ہوں اور یہ دعویٰ صرف میری طرف سے نہیں بلکہ خدا تعالیٰ نے بار بار میرے پر ظاہر کیا ہے۔ جو کرشن آخری زمانے میں ظاہر ہونے والا تھا۔ وہ تو ہی ہے آریوں کا بادشاہ۔

(تذکرہ ص ۳۹۱ ط ۲)

(۱۳) مرزا صاحب کا ایک نام خدا تعالیٰ نے بقول مرزا بشیر الدین حسب ذیل رکھا، دیکھو الفضل ۵/اپریل ۱۹۴۷ء۔

امین الملک جے سنگھ بہادر، (تذکرہ مجموعہ الہامات مرزا ص ۶۶۶ ط ۲)

مرزا صاحب کی پیشنگوئیاں

مرزا غلام احمد صاحب قادیانی تحریر کرتے ہیں کہ:

''بد خیال لوگوں کو واضح رہے کہ ہمارا صِدق یا کِذب جانچنے کے لیے ہماری پیش گوئی بڑھ کر اور کوئی محک امتحان نہیں ہوسکتا۔'' (آئینہ کمالات اسلام ص ۲۸۸ طبع لاہور)

اب ہم یہاں مرزا غلام احمد صاحب کی صرف دو (۲) پیش گوئیاں بطور نمونہ آپ کے سامنے رکھتے ہیں، جنہیں پورا کرنے کے لیے جناب مرزا صاحب نے ایڑی چوٹی کا زور لگایا۔ حیلے حوالے کیے ٹوٹکے استعمال کیے اور یہاں تک کہ رشوت تک دینے کی بھی پیش کش کی مگر وہ پوری نہ ہوسکیں۔

محمدّی بیگم سے نکاح

مرزا صاحب کی چچازاد بہن کی ایک لڑکی تھی جس کا نام محمدّی بیگم تھا۔ والد اس لڑکی کا اپنے کسی ضروری کام کے لیے مرزا صاحب کے پاس آیا۔ پہلے تو مرزا صاحب نے شخص مذکورہ کو حیلوں بہانوں سے ٹالنے کی کوشش کی مگر جب وہ کسی طرح بھی نہ ٹلا اور اس کا اصرار بڑھا تو مرزا صاحب نے الہامِ الٰہی کا نام لے کر ایک عدد پیش گوئی کر دی کہ ''خدا تعالیٰ کی طرف سے مجھ کو الہام ہوا ہے کہ تمہارا یہ کام اس شرط پر ہوسکتا ہے کہ اپنی بڑی لڑکی کا نکاح مجھ سے کر دو۔''

(آئینہ کمالات اسلام ص ۲۳۰ طبع لاہور)

وہ شخص غیرت کا پُتلا تھا۔ یہ بات سُن کر واپس چلا گیا۔ مرزا صاحب نے بعد ازاں ہر چند کوشش کی نرمی، سختی، دھمکیاں، لالچ، غرض ہر طریقہ کو استعمال کیا مگر وہ شخص کسی طرح بھی رام نہ ہوسکا۔ آخر نوبت یہاں تک پہنچی کہ مرزا صاحب نے چیلنج کر دیا کہ:

> ''میں اس پیشگوئی کو اپنے صِدق و کذب کے لیے معیار قرار دیتا ہوں اور یہ خدا سے خبر پانے کے بعد کہہ رہا ہوں۔'' (ملاحظہ ہو انجام آتھم ص ۲۲۳ طبع لاہور)

اور فرمایا کہ:

> ''ہر روک دُور کرنے کے بعد اس لڑکی کو خدا تعالیٰ اس عاجز کے نکاح میں لاویگا۔''
>
> (آئینہ کمالات اسلام ص ۳۱)

آخر کار مرزا صاحب کی ہزار کوششوں کے باوجود محمدی بیگم کا نکاح اُن سے نہ ہوسکا۔ اور سلطان محمد نامی ایک صاحب سے اس کی شادی ہوگئی۔ اس موقع پر مرزا صاحب نے پھر پیشگوئی کی کہ:

> ''نفس پیشگوئی یعنی اس عورت کا اس عاجز کے نکاح میں آنا یہ تقدیر مبرم ہے جو کسی طرح ٹل نہیں سکتی۔''

آگے اپنا الہام ان الفاظ میں بیان کیا:

> ''میں اس عورت کو اس کے نکاح کے بعد واپس لاؤں گا اور تجھے دوں گا اور میری تقدیر کبھی نہیں بدلے گی۔'' (مجموعہ اشتہارات ص ۴۳ ج ۲ طبع ربوہ ۱۹۷۲ء)

اور ایک موقع پر یہ دعا کی کہ:

> ''اور احمد بیگ کی دختر کلاں کا آخر اس عاجز کے نکاح میں آنا، یہ پیشگوئیاں تیری طرف سے ہیں تو ان کو ایسے طور سے ظاہر فرما جو خلق اللہ پر حجت ہو......اور اگر اے خداوندا! یہ پیشگوئیاں تیری طرف سے نہیں ہیں تو مجھے نامُرادی اور ذلت کے ساتھ ہلاک کر۔'' (مجموعہ اشتہارات ص ۱۱۶ ج ۲ طبع ربوہ ۱۹۷۲ء)

لیکن محمدی بیگم بدستور اپنے شوہر کے گھر میں رہی اور مرزا صاحب کے نکاح میں نہ آنا تھا نہ آئی اور مرزا صاحب ۲۶؍ مئی ۱۹۰۸ء کو ہیضہ کے مرض میں مُبتلا ہو کر انتقال کر گئے۔

(حیاتِ ناصر ص ۱۴)

اس کے بعد کیا ہوا؟ مرزا صاحب کے منجھلے صاحبزادے مرزا بشیر احمد ایم۔ اے رقمطراز ہیں:

''بسم اللہ الرحمٰن الرحیم۔ بیان کیا مجھ سے میاں عبداللہ سنوری نے کہ ایک دفعہ حضرت (مرزا) صاحب جالندھر جا کر قریباً ایک ماہ ٹھہرے تھے اور ان دنوں میں محمدی بیگم کے ایک حقیقی ماموں نے محمدی بیگم کا حضرت صاحب سے رشتہ کرا دینے کی کوشش کی تھی مگر کامیاب نہیں ہوا۔ یہ ان دنوں کی بات ہے کہ جب محمدی بیگم کا والد مرزا احمد بیگ ہوشیار پوری زندہ تھا اور ابھی محمدی بیگم کا مرزا سلطان محمد سے رشتہ نہیں ہوا تھا۔ محمدی بیگم کا یہ ماموں جالندھر اور ہوشیار پور کے درمیان یکّے (تانگے) میں آیا جایا کرتا تھا اور وہ حضرت صاحب (مرزا قادیانی، مؤلف) سے کچھ انعام کا بھی خواہاں تھا اور چونکہ محمدی بیگم کے نکاح کا عُقدہ زیادہ تر اسی شخص کے ہاتھ میں تھا۔ اس لیے حضرت صاحب نے اس سے کچھ انعام کا وعدہ بھی کر لیا تھا۔ خاکسار عرض کرتا ہے یہ شخص اس معاملہ میں بدنیت تھا اور حضرت صاحب سے فقط کچھ روپیہ اُڑانا چاہتا تھا، کیونکہ بعد میں یہی شخص اور اس کے دوسرے ساتھی اس لڑکی کے دوسری جگہ بیاہے جانے کا موجب ہوئے۔''

(سیرت المہدی حصہ اول طبع دوم ص۱۹۲، ۱۹۳)

حالانکہ جناب مرزا صاحب خود تحریر کرتے ہیں کہ:

''ہم ایسے مرشد کو اور ساتھ ہی ایسے مرید کو کتوں سے بدتر اور نہایت ناپاک زندگی والا خیال کرتے ہیں کہ جو اپنے گھر سے پیشگوئیاں بنا کر پھر اپنے ہاتھ سے، اپنے مکر سے، اپنے فریب سے اُن کے پوری ہونے کی کوشش کرے اور کرا دے۔''

(سراج منیر ص۲۳ طبع قادیان)

اور محمدی بیگم اپنے خاوند مرزا سلطان محمد کے گھر تقریباً چالیس سال بخیر و خوبی آباد رہی اور

اب لاہور میں اپنے جواں سال ہونہار مسلمان بیٹوں کے ہاں ۱۹؍نومبر ۱۹۶۶ء کو انتقال فرما گئیں۔ اِنّا للہ وانّا الیہ راجعون۔ (ہفتہ وار الاعتصام لاہور اشاعت ۲۵؍نومبر ۱۹۶۶ء)

آتھم کی موت کی پیشینگوئی

مرزا صاحب نے عبداللہ آتھم پادری سے امرتسر میں پندرہ دن تحریری مناظرہ کیا۔ جب مباحثہ بے نتیجہ رہا تو مرزا صاحب ۵؍جون ۱۸۹۳ء کو ایک عدد پیشگوئی صادر فرمادی جس کا خلاصہ حسبِ ذیل ہے:

> ''مباحثہ کہ ہر دن کے لحاظ سے ایک ماہ مراد ہوگا۔ یعنی پندرہ ماہ میں فریق مخالف ہاویہ میں سزا کے اٹھانے کے لیے تیار ہوں، مجھ کو ذلیل کیا جاوے، روسیاہ کیا جاوے، میرے گلے میں رسہ ڈال دیا جائے مجھ کو پھانسی دیا جاوے، ہر ایک بات کے لیے تیار ہوں۔'' (جنگِ مقدس ص ۱۸۳، ۱۸۴ روداد مباحثہ طبع لاہور)

غرض مرزا صاحب کی پیشگوئی کے مطابق عبداللہ آتھم کی موت کا آخری دن ۵؍ستمبر ۱۸۹۴ء بنتا تھا۔ اس دن کی کیفیت مرزا صاحب کے فرزندِ ارجمند جناب مرزا محمود احمد خلیفہ قادیانی کی زبانی ملاحظہ ہو، فرماتے ہیں:

''قادیان میں ماتم''

> ''آتھم کے متعلق پیشگوئی کے وقت جماعت کی جو حالت تھی وہ ہم سے مخفی نہیں۔ میں اس وقت چھوٹا بچہ تھا اور میری عمر کوئی پانچ ساڑھے پانچ سال کی تھی مگر مجھے وہ نظارہ خوب یاد ہے کہ جب آتھم کی پیشگوئی کا آخری دن آیا تو کتنے کرب و اضطراب سے دعائیں کی گئیں۔ میں نے تو محرم کا ماتم بھی کبھی اتنا سخت نہیں دیکھا۔ حضرت مسیح موعود علیہ السّلام ایک طرف دُعا میں مشغول تھے اور دوسری

> طرف بعض نوجوان (جن کی اس حرکت پر بعد میں بُرا بھی منایا گیا) جہاں حضرت خلیفہ اول مطب کیا کرتے تھے اور آجکل مولوی قطب الدین صاحب بیٹھتے ہیں، وہاں اکٹھے ہو گئے اور جس طرح عورتیں بین ڈالتی ہیں اس طرح انہوں نے بین ڈالنے شروع کر دیئے۔ ان کی چیخیں سو سو گز تک سنی جاتی تھیں اور ان میں سے ہر ایک کی زبان پر یہ دعا جاری تھی کہ یا اللہ! آتھم مر جائے، یا اللہ! آتھم مر جائے مگر اس کہرام اور آہ وزاری کے نتیجے میں آتھم تو نہ مرا۔"
>
> (خطبہ مرزا محمود احمد۔ مندرجہ الفضل قادیان ۲۰؍ جولائی ۱۹۴۰ء)

اور اس قادیانی اضطراب پر مزید روشنی مرزا صاحب کے منجھلے صاحبزادے بشیر ایم اے کی روایت سے پڑتی ہے کہ ابا جان نے آتھم کی موت کے لئے کیا کیا تدبیریں اختیار کیں اور کون کون سے ٹوٹکے استعمال کئے۔ چنانچہ تحریر کرتے ہیں:۔

> "بسم اللہ الرحمٰن الرحیم۔ بیان کیا مجھ سے میاں عبداللہ صاحب سنوری نے کہ جب آتھم کی میعاد میں صرف ایک دن باقی رہ گیا تو حضرت مسیح موعود نے مجھ سے اور میاں حامد علی سے فرمایا کہ اتنے چنے (مجھے تعداد یاد نہیں رہی کہ کتنے چنے آپ نے بتائے تھے) لے لو اور ان پر فلاں سورۃ کا وظیفہ اتنی تعداد میں پڑھو (مجھے وظیفہ کی تعداد بھی یاد نہیں رہی) میاں عبداللہ صاحب بیان کرتے ہیں کہ مجھے وہ سورۃ یاد نہیں رہی مگر اتنا یاد ہے کہ وہ کوئی چھوٹی سی سورۃ تھی جیسے اَلَمْ تَرَ کَیْفَ فَعَلَ رَبُّکَ بِاَصْحَابِ الْفِیْلِ الخ اور ہم نے یہ وظیفہ قریب ساری رات صرف کر کے ختم کیا تھا۔ وظیفہ ختم کرنے پر ہم وہ دانے حضرت صاحب (مرزا قادیانی) کے پاس لے گئے کیونکہ آپ نے ارشاد فرمایا تھا کہ وظیفہ ختم ہونے پر یہ دانے میرے پاس لے آنا۔ اس کے بعد حضرت صاحب ہم دونوں کو قادیان سے باہر غالباً شمال کی طرف لے گئے اور فرمایا دانے کسی غیر آباد کنوئیں میں ڈالے جائیں گے اور فرمایا کہ جب میں دانے کنوئیں میں پھینک دوں تو ہم سب کو سُرعت کے ساتھ منہ پھیر کر واپس

لوٹ آنا چاہیے اور مڑ کر نہیں دیکھنا چاہیے۔ چنانچہ حضرت صاحب نے ایک غیر آباد کنوئیں میں اُن دانوں کو پھینک دیا اور پھر جلدی سے مُنہ پھیر کر پیچھے کی طرف نہیں دیکھا۔“ (سیرت المہدی جلد اول طبع دوم ص ۱۷۸)

مگر دشمن ایسا سخت جان نکلا کہ بجائے ۵ کے ۶؍ستمبر کا سورج بھی غروب ہو گیا مگر وہ نہ مرا۔ اور یہ پیشگوئی بھی جھوٹی نکلی۔

[At this stage Dr. Mrs. Ashraf Khatoon Abbasi vacated the Chair which was occupied by Mr. Chairman (Sahibzada Farooq Ali)]

مولوی مفتی محمود:

تمہی کہو کہ یہ اندازِ گفتگو کیا ہے؟

انبیاء علیہم السّلام کے بارے میں یہ بات طے شُدہ ہے کہ وہ دُشنام طرازی کبھی نہیں کرتے، انہوں نے کبھی گالیوں کے جواب میں بھی گالیاں نہیں دیں۔ اس معیار کے مطابق مرزا صاحب، کی مندرجہ ذیل عبارتیں ملاحظہ فرمائیں:

عُلماء کو گالیاں

(۱) ”اے بدذات فرقۂ مولویاں! تم کب تک حق کو چھپاؤ گے۔ اب وہ وقت آئے گا کہ تم یہودیانہ خصلت کو چھوڑو گے، اے ظالم مولویو! تم پر افسوس کہ تم نے جس بے ایمان کا پیالہ پیا، وہی عوام کالانعام کو بھی پلوادیا۔“ (انجام آتھم ص ۲۱)

(۲) ”بعض جاہل سجادہ نشین اور فقیری اور مولویت کے شُتر مُرغ۔“ (ضمیمہ انجام آتھم ص ۱۸)

(۳) مگر کیا یہ لوگ قسم کھالیں گے؟ ہرگز نہیں کیونکہ یہ جُھوٹے ہیں اور کتوں کی طرح جُھوٹ کا مُردار کھا رہے ہیں۔'' (ضمیمہ انجام آتھم ص ۲۵)

(۴) ہمارے دعویٰ پر آسمان نے گواہی دی مگر اس زمانہ کے ظالم مولوی اس سے بھی منکر ہیں، خاص کر رئیس الدجالین عبدالحق غزنوی اور اس کے تمام گروہ، علیہم نعال لعن اللہ الف الف مرۃ[1]'' (ضمیمہ انجام آتھم ص ۵۰)

(۵) ''اے بد دیانت، خبیث، نابکار۔'' (ضمیمہ انجام آتھم ص ۵۰)

(۶) اِس جگہ فرعون سے مُراد شیخ محمد حسین بطالوی اور ہامان سے مُراد نومُسلم سعد اللہ ہے۔'' (ضمیمہ انجام آتھم ص ۵۶)

(۷) نامعلوم کہ یہ جاہل اور وحشی فرقہ اب تک کیوں شرم اور حیا سے کام نہیں لیتا۔ مخالف مولویوں کا مُنہ کالا کیا۔'' (ضمیمہ انجام آتھم ص ۵۸)

مسلمانوں کو گالیاں

(۸) تِلکَ کتب ینظر الیها کل مسلم بعین المحبّته و المودة و ینتفع من معارفها و یقبلنی و یصدق دعوتی الاّ ذریة البغایا الذین ختم اللہ علی قلوبهم فهم لا یقبلون (آئینہ کمالات ص ۵۴۷/۵۴۸)

ترجمہ: ''ان میری کتابوں کو ہر مسلمان محبت کی آنکھ سے دیکھتا ہے۔ اور اُن کے معارف سے فائدہ اٹھاتا ہے اور مجھے قبول کرتا ہے مگر رنڈیوں (زناکاروں) کی اولاد جن کے دلوں پر خدا نے مہر کردی ہے وہ مجھے قبول نہیں کرتے۔''

(۹) انّ العدیٰ صارو أخنازیر الفلا هرنسائهم من دونهن الا کلب

(نجم الہدیٰ ص ۵۲۲ مصنفہ مرزا غلام احمد)

---

[1] یعنی ان پر ہزار ہزار بار لعنت کے جُوتے پڑیں۔

ترجمہ: ''میرے دشمن جنگلوں کے سُور ہو گئے ہیں اور ان کی عورتیں کُتیوں سے بڑھ کر ہیں۔''

(۱۰) جو شخص اپنی شرارت سے بار بار کہے گا (کہ پادری آتھم کے زندہ رہنے سے مرزا صاحب کی پیشگوئی غلط اور عیسائیوں کی فتح ہوئی) اور کچھ شرم وحیا کو کام نہیں لائے گا اور بغیر اس کے جو ہمارے اس فیصلہ کا انصاف کی رُو سے جواب دے سکے، انکار اور زبان درازی سے باز نہیں آئے گا اور ہماری فتح کا قائل نہیں ہوگا تو صاف سمجھا جائے گا کہ اس کو ولد الحرام بننے کا شوق ہے اور حلال زادہ نہیں۔ (انوار الاسلام ص ۳۰ مصنفہ مرزا غلام احمد)

یہ شیریں زبانی ملاحظہ فرمایئے اور مرزائیوں سے پوچھیئے: ؎

محمدؐ بھی تیرا، جبریلؑ بھی، قرآں بھی تیرا
مگر یہ حرفِ شیریں ترجماں تیرا ہے یا میرا

لَنْ تَجْتَمِعَ أُمَّتِي عَلَى الضَّلَالَةِ

ترجمہ

میری اُمّت گمراہی پر ہرگز جمع نہیں ہوگی ___!

(حدیث نبوی)

عالم اسلام کا فیصلہ

عالم اسلام کا فیصلہ

گزشتہ صفحات میں جو ناقابلِ انکار دلائل پیش کئے گئے ہیں۔ ان کی وجہ سے اس بات پر پوری اُمتِ اسلامیہ کا اجماع ہو چکا ہے۔ کہ مرزائی مذہب کے متبعین کافر اور دائرہ اسلام سے خارج ہیں۔ ہم اپنی اس یادداشت کے ساتھ علماء کرام کے اُن فتاویٰ اور عدالتی مقدمات کے فیصلوں کی مطبوعہ نقول بطور ضمیمہ منسلک کر رہے ہیں۔ جو عالمِ اسلام کے مختلف مکاتب فکر، مختلف حلقوں اور اداروں نے شائع کئے ہیں۔ لیکن ان کا خلاصہ ذیل میں پیشِ خدمت ہے۔

فتاویٰ

مرزائیوں کے کافر اور دائرہ اسلام سے خارج ہونے پر عالم اسلام میں جو فتوے دیئے گئے ان کا شمار بھی مشکل ہے۔ تاہم چند اہم مطبوعہ فتاویٰ کا حوالہ درج ذیل ہے:۔

(۱) رجب ۱۳۳۶ھ میں ایک استفتاء بّرِصغیر کے تمام مکاتب فکر کے علماء سے کیا گیا تھا، جو ''فتویٰ تکفیر قادیان'' کے نام سے شائع ہوا تھا، اس میں دیوبند، سہارنپور، تھانہ بھون، رائے پور دہلی، کلکتہ، بنارس، لکھنؤ، آگرہ، مراد آباد، لاہور، امرتسر، لدھیانہ، پشاور، راولپنڈی، ملتان، ہوشیار پور، گورداسپور، جہلم، سیالکوٹ، گوجرانوالہ، گجرات، حیدر آباد دکن، بھوپال اور رام پور کے تمام مکاتب فکر اور تمام دینی مراکز کے علماء نے باتفاق مرزائیوں کو کافر اور دائرہ اسلام سے خارج قرار دیا ہے۔ (ملاحظہ ہو فتویٰ تکفیر قادیان شائع کردہ کتب خانہ اعزازیہ دیوبند ضلع سہارنپور)

(۲) اسی قسم کا ایک فتویٰ ۱۹۶۵ء میں دفتر اہل حدیث امرتسر کی طرف سے ''فسخ نکاح مرزائیاں'' کے نام سے شائع ہو چکا ہے، اور اس میں برصغیر کے مکاتب فکر کے علماء کے دستخط موجود ہیں۔

(۳) مقدمۂ بہاولپور میں جو فتاویٰ پیش ہوئے ان میں بّرِصغیر کے علاوہ بلادِ عربیہ کے فتاویٰ بھی شامل تھے۔ (دیکھئے فتاویٰ مندرجہ ''حجت شرعیہ'' شائع کردہ مجلس تحفظ ختم نبوت لاہور و ملتان)

(۴) ایک فتویٰ "موسسة مكة للطباعته والاعلام" کی طرف سے سعودی عرب میں شائع ہوا جس میں حرمین شریفین، بلادِ حجاز و شام کے مختلف مکاتبِ فکر کے علماء کا فیصلہ درج ہے اس کے چند جملے یہ ہیں:۔

"لا شك ان اذنابهُ من القاديانية واللاهورية كلّها كافرون"

''اس میں کوئی شک نہیں کہ مرزا غلام احمد کے تمام متبعین خواہ قادیانی ہوں یا لاہوری سب کافر ہیں''

(القادیانیۃ فی نظر علماء الامۃ الاسلامیہ ص ا الطبع مکہ مکرمہ)

پاکستان کے ۳۳ علماء کا مطالبۂ ترمیم

۱۹۵۳ء میں پاکستان کے دستور پر غور کرنے کے لئے تمام مکاتب فکر کے مسلّمہ نمائندہ علماء کا جو مشہور اجتماع ہوا اس میں ایک ترمیم یہ بھی تھی کہ قادیانیوں کو مسلمانوں سے الگ ایک اقلیت قرار دیکر پنجاب اسمبلی میں ان کے لئے ایک نشست مخصوص کر دی جائے اور دوسرے علاقوں کے قادیانیوں کو بھی اس نشست کے لئے کھڑے ہونے اور ووٹ دینے کا حق دے دیا جائے۔ اس ترمیم کو علماء نے ان الفاظ کے ساتھ پیش کیا ہے:

ترمیم

''یہ ایک نہایت ضروری ترمیم ہے۔ جسے ہم پورے اصرار کے ساتھ پیش کرتے ہیں۔ ملک کے دستور سازوں کے لئے یہ بات کسی طرح موزوں نہیں ہے کہ وہ اپنے ملک کے حالات اور مخصوص اجتماعی مسائل کے بے پرواہ ہو کر محض اپنے ذاتی نظریات کی بناء پر دستور بنانے لگیں۔ انہیں معلوم ہونا چاہیئے کہ ملک کے جن علاقوں میں قادیانیوں کی بڑی تعداد مسلمانوں کے ساتھ ملی جلی ہے وہاں اس قادیانی مسئلے نے کس قدر نازک صورت حال پیدا کر دی ہے۔ ان کو پچھلے دور کے بیرونی حکمرانوں کی طرح نہ ہونا چاہیئے جنہوں نے ہندو مسلم مسئلہ کی نزاکت کو

اس وقت تک محسوس کر کے ہی نہ دیا جب تک متحدہ ہندوستان کا گوشہ گوشہ دونوں قوموں کے فسادات سے خون آلودہ نہ ہو گیا۔ جو دستور ساز حضرات خود اس ملک کے رہنے والے ہیں ان کی یہ غلطی بڑی افسوسناک ہوگی کہ وہ جب تک پاکستان میں قادیانی مسلم تصادم کو آگ کی طرح بھڑکتے ہوئے نہ دیکھ لیں اس وقت تک انہیں اس بات کا یقین نہ آئے کہ یہاں ایک قادیانی مسلم مسئلہ موجود ہے جسے حل کرنے کی شدید ضرورت ہے۔ اس مسئلہ کو جس چیز نے نزاکت کی آخری حد تک پہنچا دیا ہے وہ یہ ہے کہ قادیانی ایک طرف مسلمان بن کر مسلمانوں میں گھستے بھی ہیں اور دوسری طرف عقائد، عبادات اور اجتماعی شیرازہ بندی میں مسلمانوں سے نہ صرف الگ بلکہ ان کے خلاف صف آراء بھی ہیں۔ اور مذہبی طور پر تمام مسلمانوں کو علانیہ کافر قرار دیتے ہیں اس خرابی کا علاج آج بھی یہی ہے اور پہلے بھی یہی تھا۔ (جیسا کہ علامہ اقبال مرحوم نے اب سے بیس برس پہلے فرمایا تھا۔) کہ قادیانیوں کو مسلمانوں سے الگ ایک اقلیت قرار دیدیا جائے''

رابطۂ عالمِ اسلامی کی قرارداد

مکۂ مکرمہ کے مقدس شہر میں جو مرکزِ اسلام کی حیثیت رکھتا ہے۔ ربیع الاول ۱۳۹۴ھ مطابق اپریل ۱۹۷۴ء میں پورے عالمِ اسلام کی دینی تنظیموں کا ایک عظیم الشان اجتماع منعقد ہوا جس میں اسلامی ممالک بلکہ مسلم آبادیوں کی ۱۴۴ تنظیموں کے نمائندے شامل تھے۔ یہ مراکش سے لے کر انڈونیشیا تک کے مسلمانوں کا ایک نمائندہ اجتماع تھا۔ اس میں مرزائیت کے بارے میں جو قرارداد منظور ہوئی، وہ مرزائیت کے کفر ہونے پر تازہ ترین اجماعِ اُمت کی حیثیت رکھتی ہے۔ اس قرارداد کا متن حسب ذیل ہے:

القاديانية نحلته هدّامة تتخذ من اسم الاسلام شعارالستراُ غراضها الخبيثة وأبرز مخالفتها للاسلام ادعاء[۱] زعميها النبوّة وتحريف [۲] النصوص القرانية[۳] وابطالهم للجهاد القاديانية ربيبة الستعمار البريطانى ولاتظهر الافى ظل حماية تخون القاديانية قضاياالامة الاسلامية وتقف موالية للاستعمار والصهيونية تتعاون مع القوى الناهضة للاسلام وتتخذ هذه القوى واجهت لتحطيم لاعقيدة الاسلامية وتحريفها وذلك بمايأتى:۔

أ۔ انشاء معابد تمولها القوى المعادية ويتم فيها التضليل بالكفرالقاديانى المنحرف۔

ب۔ فتح مدارس و معاهدوملاجئ للايتام و فيها جميعا تمارس القاديانية نشاطها التخريبى لحساب القوى المعارية للاسلام وتقوم القاديانية بنشرترجمات محرفة لمعانى القرآن الكريم بمختلف اللغات العالمية ولمقاومة خطرهاقررالمؤتمر:

أ۔ تقوم كل هيئة اسلامية بحصر النشاط القاديانى فى معابد هم ومدارسهم وملاجئهم و كل الامكنة التى يمارسون فيها نشاطهم الهدام۔ فى منطقتها و كشف القاديانيين والتعريف بهم للعالم الاسلامى تفاديا للوقوع فى حبائلهم۔

۲۔ اعلان كفرهذه الطائفة وخروجها على الاسلام۔

۳۔ عدم التعامل مع القاديانيين اوالاحمديين ومقاطعتهم اقتصاديا واجتماعيا و ثقافيا وعدم التزوج منهم وعدم دفنهم فى مقابر المسلمين و معاملتهم باعتبارهم كفارا۔

۴۔ مطالبة الحکومات الاسلامیة بمنع کل نشاط لا تباع میرزا غلام احمد مدعی النبوّة واعتبارھم اقلیت مسلمة ویمنعون من تولی الوظائف الحساسة للدولة۔

۵۔ نشر مصورات لکل التحریفات القادیانیة فی القرآن الکریم مع حصر الترجمات القادیانیة لمعانی القرآن والتغبیه علیھا و منع تداول ھذه الترجماتء

ترجمۂ قرارداد

قادیانیت ایک باطل فرقہ ہے جو اپنی اغراضِ خبیثہ کی تکمیل کے لئے اسلام کا لبادہ اوڑھ کر اسلام کی بنیادوں کو ڈھانا چاہتا ہے۔ اسلام کے قطعی اصولوں سے اس کی مخالفت ان باتوں سے واضح ہے۔

(الف) اس کے بانی کا دعوئ نبوّت کرنا۔

(ب) قرآنی آیات میں تحریف۔

(ج) جہاد کے باطل ہونے کا فتوٰی دینا۔

قادیانیت کی داغ بیل برطانوی سامراج نے رکھی اور اسی نے اسے پروان چڑھایا۔ وہ سامراج کی سرپرستی میں سرگرم عمل ہے۔ قادیانی اسلام دشمن قوتوں کا ساتھ دے کر مسلمانوں کے مفادات سے غداری کرتے ہیں۔ اور ان طاقتوں کی مدد سے اسلام کے بنیادی عقائد میں تحریف وتبدیل اور بیخ کنی کے لئے کئی ہتھکنڈے استعمال کرتے ہیں، مثلاً

(الف) دنیا میں مساجد کے نام پر اسلام دشمن طاقتوں کی کفالت سے ارتداد کے اڈے قائم کرنا۔

(ب) مدارس، سکولوں، یتیم خانوں اور امدادی کیمپوں کے نام پر غیر مسلم قوتوں کی مدد سے ان ہی کے مقاصد کی تکمیل۔

(ج) دنیا کی مختلف زبانوں میں قرآن کریم کے تحریف شدہ نسخوں کی اشاعت وغیرہ ان خطرات کے پیش نظر کانفرنس میں طے کیا گیا کہ:

دنیا بھر کی ہر اسلامی تنظیم اور جماعتوں کا فریضہ ہے: کہ وہ قادیانیت اور اس کی ہر قسم اسلام دشمن سرگرمیوں کی ان کے معابد، مراکز، یتیم خانوں وغیرہ میں کڑی نگرانی کریں اور ان کے تمام درپردہ سیاسی سرگرمیوں کا محاسبہ کریں، اور اس کے بعد ان کے پھیلائے ہوئے جال، منصوبوں، سازشوں سے بچنے کے لئے عالم اسلام کے سامنے انہیں پوری طرح بے نقاب کیا جائے۔ نیز

(الف) اس گروہ کے کافر اور خارج از اسلام ہونے کا اعلان کیا جائے اور یہ کہ اس وجہ سے انہیں مقاماتِ مقدسہ حرمین وغیرہ میں داخلہ کی اجازت نہیں دی جا سکے گی۔ مسلمان احمدیوں سے کسی قسم کا معاملہ نہیں کریں گے۔ اور اقتصادی، معاشرتی، اجتماعی، عائلی وغیرہ ہر میدان میں ان کا بائیکاٹ کیا جائے گا۔

(د) کانفرنس تمام اسلامی ملکوں سے مطالبہ کرتی ہے کہ وہ قادیانیوں کی ہر قسم کی سرگرمیوں پر پابندی لگائیں۔ ان کے تمام وسائل اور ذرائع کو ضبط کیا جائے اور کسی قادیانی کو کسی اسلامی ملک میں کسی قسم کا بھی ذمہ دارنہ عہدہ نہ دیا جائے۔

(ہ) قرآن مجید میں قادیانیوں کی تحریفات سے لوگوں کو خبردار کیا جائے، اور ان کے تمام تراجم قرآن کا شمار کر کے لوگوں کو ان سے متنبہ کیا جائے۔ اور ان تراجم کی ترویج کا انسداد کیا جائے۔

جناب چیئرمین: مولانا صاحب! دس پندرہ منٹ کیلئے رسٹ کر لیں۔

The House is adjourned for 15 minutes. We will start at 11.15 a.m.

The Special Committee adjourned for tea break to re-assemble at 11.15 a.m.

[The Special Committee re-assembled after tea break, Mr. Chairman (Sahibzada Farooq Ali) in the Chair.]

جناب چیئرمین: مفتی صاحب کو بلائیں جی۔

(مفتی صاحب اندر داخل ہوئے)

جناب چیئرمین: دو منٹ انتظار کر لیں۔ (وقفہ) مولانا مفتی محمود!

مولوی مفتی محمود:

عدالتوں کے فیصلے

اب ان عدالتی فیصلوں کا خلاصہ پیش خدمت ہے جن میں مرزائیوں کو کافر اور دائرہ اسلام سے خارج قرار دیا گیا ہے۔

فیصلہ مُقدّمہٗ بہاوَلپور

باجلاس جناب منشی محمد اکبر خاں صاحب، بی۔ اے۔ ایل۔ ایل۔ بی ڈسٹرکٹ جج ضلع بہاول پور بمقدمہ مسماۃ غلام عائشہ بنت مولوی الٰہی بخش سکنہ احمد پور شرقیہ۔ ریاست بہاول پور۔ بنام عبدالرزاق ولد مولوی جان محمد سکنہ موضع مہند تحصیل احمد پور شرقیہ ریاست بہاول پور۔ دعویٰ دلا پانے ڈگری استقرار یہ مشعر تنسیخ نکاح فریقین بوجہ ارتداد شوہر مدعا علیہ تاریخ فیصلہ ۷/فروری ۱۹۳۵ء۔

Sheikh Muhammad Rashid (Minister for Health and Social Welfare): I may only point out that all important parts of the judgments of different courts should be read out.

Mr. Chairman: The judgments of the courts run into hundred of pages and their operative parts are many. The details are given in the judgments.

He is giving operative portions to support their claim.

مولوی مفتی محمود: عدالت مذکور نے مقدمہ کی تفصیلات بیان کرنے کے بعد آخر میں اپنا فیصلہ مندرجہ ذیل الفاظ میں تحریر کیا اور سنایا۔

اوپر کی تمام بحث سے یہ ثابت کیا جا چکا ہے کہ مسئلہ ختم نبوّت اسلام کے بنیادی اصولوں میں سے ہے۔ اور کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو خاتم النّبیّین بایں معنٰی نہ ماننے سے کہ آپ آخری نبی ہیں ارتداد واقع ہو جاتا ہے۔ اور کہ عقائد اسلامی کی رو سے ایک شخص کلمہ کفر کہہ کر بھی دائرہ اسلام سے خارج ہو جاتا ہے۔

مدعا علیہ مرزا غلام احمد صاحب کو عقائد قادیانی کی رو سے نبی مانتا ہے اور ان کی تعلیم کے مطابق یہ عقیدہ رکھتا ہے کہ امت محمدیہ میں قیامت تک سلسلہ نبوّت جاری ہے یعنی کہ وہ رسول اللہ صلے اللہ علیہ وآلہ وسلّم کو خاتم النّبیّین یعنی آخری نبی تسلیم نہیں کرتا آنحضرت صلّی اللہ علیہ وسلّم کے بعد کسی دوسرے شخص کو نیا نبی تسلیم کرنے سے جو قباحتیں لازم آتی ہیں ان کی تفصیل اوپر بیان کی جا چکی ہے۔ اس لئے مدعا علیہ اس اجماعی عقیدۂ امت سے منحرف ہونے کی وجہ سے مرتد سمجھا جاویگا اور اگر ارتداد کے معنی کسی مذہب کے اصولوں سے بکُلّی انحراف کے لئے جاویں تو بھی مدعا علیہ مرزا صاحب کو نبی ماننے سے ایک نئے مذہب کا پیرو سمجھا جائے گا۔ کیونکہ اس صورت میں اس کے لئے قرآن کی تفسیر اور معمول بہ مرزا صاحب کی وحي ہوگی۔ نہ کہ احادیث و اقوالِ فقہا جن پر کہ اس وقت تک مذہب اسلام قائم چلا آیا ہے اور جن میں سے بعض کے مستند ہونے کو خود مرزا صاحب نے بھی تسلیم کیا ہے۔

علاوہ ازیں احمدی مذہب میں بعض احکام ایسے ہیں کہ شرع محمدی پر امتزاد ہیں اور بعض اس کے خلاف ہیں مثلاً چندہ ماہواری کا دینا جیسا کہ اوپر دکھایا گیا ہے زکوٰۃ پر ایک زائد حکم ہے۔ اسی طرح غیر احمدی کا جنازہ نہ پڑھنا۔ کسی احمدی کی لڑکی غیر احمدی کو نکاح میں نہ دینا۔ کسی غیر احمد کے پیچھے نماز نہ پڑھنا شرع مُحمدی کے خلاف اعمال ہیں۔

مدعا علیہ کی طرف سے ان امور کی توجیہیں بیان کی گئی ہیں کہ وہ کیوں غیر احمدی کا جنازہ نہیں پڑھتے، کیوں ان کو نکاح میں لڑکی نہیں دیتے، لیکن یہ توجیہیں اسلئے کارآمد نہیں کہ یہ امور ان کے پیشواؤں کے احکام میں مذکور ہیں۔ اس لئے وہ ان کے نقطۂ نگاہ سے شریعت کا جزو سمجھے جائیں گے جو کسی صورت میں بھی شرع محمدی کے موافق تصور نہیں ہو سکتے اس کے ساتھ جب یہ دیکھا جاوے کہ وہ تمام غیر احمدی کو کافر سمجھتے ہیں تو ان کے مذہب کو مذہب اسلام سے ایک جُدا مذہب قرار دینے میں کوئی شک نہیں رہتا۔ علاوہ ازیں مدعا علیہ کے گواہ مولوی جلال الدین شمس نے اپنے میں مسلیمہ وغیرہ کاذب مدعیانِ نبوت کے سلسلہ میں جو کچھ کہا ہے اس سے یہ پایا جاتا ہے کہ گواہ مذکور کے نزدیک دعوے نبوّت کاذبہ ارتداد ہے اور کاذبِ مدعی نبوّت کو جو مان لے وہ مرتد سمجھا جاتا ہے۔

مدعیہ کی طرف سے یہ ثابت کیا گیا ہے کہ مرزا صاحب کاذب مدعی نبوّت ہیں اس لئے مدعا علیہ بھی مرزا صاحب کو نبی تسلیم کرنے سے مرتد قرار دیا جائے گا۔ لہذا ابتدائی تنقیحات جو ۴ نومبر ۱۹۲۶ء عیسوی کو عدالت منصفی احمد پور شرقیہ سے وضع کی گئی تھیں بحق مدعیہ ثابت قرار دے جاکر یہ قرار دیا جاتا ہے کہ مدعا علیہ قادیانی عقائد اختیار کرنے کی وجہ سے مرتد ہو چکا ہے لہذا اس کے ساتھ مدعیہ کا نکاح تاریخ ارتداد مدعا علیہ سے فسخ ہو چکا ہے اور اگر مدعا علیہ کے عقائد کو بحث مذکورہ بالا کی روشنی میں دیکھا جاوے تو بھی مدعا علیہ کے ادعا کے مطابق مدعیہ یہ ثابت کرنے میں کامیاب رہی ہے کہ رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کے بعد کوئی اُمتی نبی نہیں ہوسکتا۔ اور کہ اس کے علاوہ جو دیگر عقائد مدعا علیہ نے اپنی

طرف منسوب کئے ہیں وہ گو عام اسلامی عقائد کے مطابق ہیں لیکن ان عقائد پر وہ انہی معنوں میں عمل پیرا سمجھا جاوے گا۔ جو معنٰے کہ مرزا صاحب نے بیان کئے ہیں اور یہ معنیٰ چونکہ ان معنوں کے مغائر ہیں جو جمہورِ اُمّت آج تک لیتی آئی اس لئے بھی وہ مسلمان نہیں سمجھا جا سکتا ہے اور ہر دو صورتوں میں وہ مرتد ہی ہے اور مرتد کا نکاح جو ارتداد سے فسخ ہو جاتا ہے۔ لہٰذا ڈگری بدیں مضمون بحق مدعیہ صادر کی جاتی ہے کہ وہ تاریخ ارتداد مدعا علیہ سے اس کی زوجہ نہیں رہی۔ مدعیہ خرچہ مقدمہ بھی ازاں مدعا علیہ لینے کی حقدار ہوگی۔

اس ضمن میں مدعا علیہ کی طرف سے ایک سوال یہ پیدا گیا ہے کہ ہر دو فریق چونکہ قرآن مجید کو کتاب اللہ سمجھتے ہیں اور اہل کتاب کا نکاح جائز ہے اس لئے بھی مدعیہ کا نکاح فسخ قرار نہیں دینا چاہیئے۔ اس کے متعلق مدعیہ کی طرف سے یہ کہا گیا ہے کہ جب دونوں فریق ایک دوسرے کو مرتد کہتے ہیں تو ان کے اپنے اپنے عقائد کی رُو سے بھی ان کا باہمی نکاح قائم نہیں رہتا۔ علاوہ ازیں اہل کتاب عورتوں سے نکاح کرنا جائز ہے نہ کہ مردوں سے بھی۔ مدعیہ کے دعوٰے کی رُو سے چونکہ مدعا علیہ مرتد ہو چکا ہے اس لئے اہل کتاب ہونے کی حیثیت سے بھی اس کے ساتھ مدعیہ کا نکاح قائم نہیں رہ سکتا۔ مدعیہ کی یہ حجت وزن دار پائی جاتی ہے۔ لہٰذا اس بنا پر بھی وہ ڈگری پانے کی مستحق ہے۔

مدراس ہائی کورٹ وغیرہ کے فیصلے کا جواب

مرزائیوں کی طرف سے مدراس ہائی کورٹ کے فیصلے کا حوالہ بڑے زور شور سے دیا جاتا ہے۔ فاضل جج نے اس کا جواب دیتے ہوئے کہا ہے۔

''مدعا علیہ کی طرف سے اپنے حق میں چند نظائر قانونی کا بھی حوالہ دیا گیا تھا ان میں سے پٹنہ اور پنجاب ہائی کورٹ کے فیصلہ جات کو عدالت عالیہ چیف کورٹ نے پہلے واقعات مقدمہ ہذا پر حاوی نہیں سمجھا اور مدراس ہائی کورٹ کے فیصلے کو عدالتِ معلےٰ اجلاس خاص نے قابل پیروی

قرار نہیں دیا۔ باقی رہا عدالت عالیہ چیف کورٹ بہاولپور کا فیصلہ بمقدمہ مسمات جندوڈی بنام کریم بخش اس کی کیفیت یہ ہے کہ یہ فیصلہ جناب مہتہ اودھوداس صاحب جج چیف کورٹ کے اجلاس سے صادر ہوا تھا اور اس مقدمے کا صاحب موصوف نے مدراس ہائی کورٹ کے فیصلہ پر ہی انحصار رکھتے ہوئے فیصلہ فرمایا تھا۔ اور خود ان اختلافی مسائل پر جو فیصلہ مذکور میں درج تھے کوئی محاکمہ نہیں فرمایا تھا مقدمہ چونکہ بہت عرصہ سے دائر تھا اس لئے صاحب موصوف نے اسے زیادہ عرصہ معرضِ تعویق میں رکھنا پسند نہ فرما کر باتباع فیصلہ مذکور اسے طے فرما دیا۔ دربار معلےٰ نے چونکہ اس فیصلہ کو قابل پابندی قرار نہیں دیا جس فیصلہ کی بناء پر کہ وہ فیصلہ صادر ہوا اس لئے فیصلہ زیر بحث بھی قابل پابندی نہیں رہتا۔

فریقین میں سے مختار مدعیہ حاضر ہے اسے حکم سنایا گیا۔ مدعا علیہ کارروائی مقدمہ ہذا ختم ہونے کے بعد جب کہ مقدمہ زیر غور تھا فوت ہو گیا ہے۔ اس کے خلاف یہ حکم زیر آرڈر ۲۲ رول ۶ ضابطہ دیوانی تصور ہوگا، پرچہ ڈگری مرتب کیا جاوے اور مثل داخل دفتر ہو۔

۷؍فروری ۱۹۳۵ء بمطابق ۳ ذیقعدہ ۱۳۵۳ھ

بمقام بہاولپور

دستخط:۔

محمد اکبر ڈسٹرکٹ جج ضلع بہاول نگر
ریاست بہاول پور (بحروف انگریزی)

فیصلہ مُقدّمہ راولپنڈی

باجلاس جناب شیخ محمد اکبر ایڈیشنل ڈسٹرکٹ جج راولپنڈی سول اپیل ۱۹۵۵ء

امۃ الکریم بنت کرم الٰہی راجپوت جنجوعہ مکان نمبر ۵۰۰/B محلہ ٹرنک بازار راولپنڈی

(مرزائی)

بنام

لیفٹیننٹ نذیر الدین ملک خلف ماسٹر محمد دین اعوان محلہ کرشن پورہ راولپنڈی

(مسلمان)

تاریخ فیصلہ ۳/جون ۱۹۵۵ء

عدالت مذکورہ نے مقدمہ کی تفصیلات پر بحث کرنے کے بعد آخر میں اپنا فیصلہ مندرجہ ذیل الفاظ میں تحریر کیا، اور فیصلہ سنایا۔

”مندرجہ بالا صورت میں میں حسب ذیل نتائج پر پہنچا ہوں۔

۱۔ مسلمانوں میں اس پر اجماع ہے کہ پیغمبرؐ اسلام خدا کے آخری نبیؐ تھے۔ اور ان کے بعد کسی اور نبی کو نہیں آنا ہے۔

۲۔ مسلمانوں میں اس پر اجماع ہے کہ جسے ہمارے نبیؐ کے آخری ہونے پر ایمان نہ ہو وہ مسلمان نہیں ہے۔

۳۔ مسلمانوں میں اس پر اجماع ہے کہ قادیانی غیر مسلم ہیں۔

۴۔ مرزا غلام احمد نے خود اپنے اعلانات کے مطابق یہ دعوٰے کیا کہ ان پر ایسی وحی آتی ہے جو وحی نبوّت کے برابر ہے۔

۵۔ خود مرزا غلام احمد نے اپنی پہلی کتابوں میں معیار رکھے ہیں وہ خود ان کے دعوئ نبوّت کی تکذیب کرتے ہیں۔

۶۔ انہوں نے اپنے مکمل پیغمبر ہونے کا دعوٰے کیا۔ ظِل اور بروز کا سارا قصہ محض ڈھونگ ہے۔

۷۔ نبی کریمؐ کے بعد کسی پر وحی نبوت نہیں آسکتی، اور جو ایسا دعوٰے کرتا ہے اسلام کے دائرہ سے خارج ہے۔

مندرجہ بالا استدلال اور نتائج کی بناء پر میں سمجھتا ہوں کہ ابتدائی سماعت کرنے والی عدالت کا فیصلہ صحیح ہے، اور میں سارے فیصلے کی توثیق کرتا ہوں۔ مسمات اُمت الکریم کی اپیل میں کوئی وزن نہیں اور میں اپیل خارج کرتا ہوں۔

جہاں تک لیفٹیننٹ نذیر الدین کی اپیل کا تعلق ہے اس کے متعلق مسٹر ظفر محمود ایڈووکیٹ نے مجھے بہت کم باتیں بتائیں۔ اُمت الکریم کے جہیز کا سامان ان کے قبضے میں پایا گیا، اس کی قیمت لگائی جا چکی ہے۔ ان کی اپیل میں بھی کوئی وزن نہیں ہے اس لئے اسے بھی خارج کرتا ہوں۔ چونکہ دونوں فریقوں کی اپیل خارج ہوگئی ہے، اس لئے میں خرچہ کے متعلق کوئی حکم نہیں دیتا۔

دستخط
شیخ محمد اکبر
سیشن جج بمقام راولپنڈی
۳/جون ۱۹۵۵ء

[At this stage Mr. Chairman vacated the Chair which was occupied by (Dr. Mrs. Ashraf Khatoon Abbasi)]

مولوی مفتی محمود:

مقدمہ جیمس آباد کا فیصلہ

فیملی سوٹ نمبر ۹/۱۹۶۹ء   مسماۃ امتہ الہادی دختر سردار خان   مدعیہ

بنام

حکیم نذیر احمد برق   مدعا علیہ

مندرجہ بالا بحث کا نتیجہ یہ نکلا کہ مدعیہ جو ایک مسلمان عورت ہے کی شادی مدعا علیہ کے ساتھ جس نے شادی کے وقت خود اپنا قادیانی ہونا تسلیم کیا ہے، اور اس طرح خود غیر مسلم قرار پایا ہے، غیر مؤثر ہے، اور اس کی کوئی قانونی حیثیت نہیں۔ مدعیہ اسلامی تعلیمات کے مطابق مدعا علیہ کی بیوی نہیں۔

تنسیخ نکاح کے بارے میں مدعیہ کی درخواست کا فیصلہ اس کے حق میں کیا جاتا ہے۔ اور مدعا علیہ کو ممانعت کی جاتی ہے کہ وہ مدعیہ کو اپنی بیوی قرار نہ دے مدعیہ اس مقدمے کے اخراجات بھی وصول کرنے کی حقدار ہے۔

یہ فیصلہ ۱۳ر جولائی کو شیخ محمد رفیق گریجہ کے جانشین جناب قیصر احمد حمیدی نے جو ان کی جگہ جیمس آباد کے سول اور فیملی کورٹ جج مقرر ہوئے ہیں کھلی عدالت میں پڑھ کر سنایا۔

ماریشس سپریم کورٹ میں سب سے بڑا مقدمہ

’’مسجد روز ہل کے مقدمہ‘‘ کو تاریخ ماریشس کا سب
بڑا مقدمہ کہا جاتا ہے کیوں کہ پورے دو سال
تک سپریم کورٹ نے بیانات لئے، شہادتیں سنیں،
اور پہلی مرتبہ یہ فیصلہ دیا کہ:
’’مسلمان الگ امت ہیں اور قادیانی الگ‘‘

یہ مقدمہ لڑنے کے لئے مسلمانوں اور قادیانیوں دونوں نے دوسرے ممالک سے مشہور وکلاء منگوائے قادیانیوں سے مسجد واپس لینے کے سلسلہ میں روز ہل کے جن مسلمانوں نے کام کیا ان میں محمود اسحاق جی، اسمٰعیل حسن جی، ابراہیم حسن جی قابل ذکر ہیں یہ لوگ وہاں کے تجارتی حلقوں میں بڑا مقام رکھتے تھے انہوں نے جو مقدمہ دائر کیا اس کی بنیاد یہ تھی۔

دعویٰ

روز ہل کی مسجد جہاں مسلمانوں کے حنفی (سنی) فرقہ کے لوگ نماز پڑھتے تھے یہ مسجد انہوں نے تعمیر کروائی تھی اور مسلسل قابض چلے آرہے تھے اس پر قادیانیوں نے قبضہ کرلیا ہے جن کا تعلق امت اسلامیہ نہیں ہے، قادیانی ہم مسلمانوں کو مسلمان نہیں سمجھتے، ہمارے پیچھے ان کی نماز نہیں ہوتی، ایسی صورت میں ان کو مسجد سے باہر نکالا جائے۔

چنانچہ ۲۶/فروری ۱۹۱۹ء کو یہ مقدمہ دائر ہوا، قادیانیوں کے خلاف ۲۱ شہادتیں پیش کی گئیں ان شہادتوں میں مولانا عبداللہ رشید نواب کی شہادت خاص طور سے قابل ذکر ہے۔ آپ نے عدالتِ عالیہ میں نہایت جرأت و بے باکی سے قادیانیوں کو بے نقاب کیا اور سینکڑوں کتب، اخبارات، رسائل و جرائد پیش کر کے عدالت کو یہ باور کرانے کی یہ کامیاب کوشش کی کہ قادیانی اور مسلمان الگ الگ اُمتیں ہیں، مرزا غلام احمد کی کتب اور حوالے مولانا رشید نے پیش کئے۔

قادیانیوں کی طرف سے مولوی غلام محمد بی اے نے وکلاء کی مدد کی اور جوابِ دعوٰے تیار کیا۔ مولوی غلام محمد اس مقصد کے لئے خاص طور سے قادیان گیا تھا۔ مسلمانوں کے وکلاء میں مسٹر رولرڈ کے سی، ای سویزا کے، سی ای اسنوف اور ای نیاریک تھے، جب کہ قادیانیوں کا وکیل مسٹر آر پزانی تھا۔

عدالتِ عالیہ کی کارروائی کے دوران ہزاروں مسلمان موجود ہوتے، اور ملک میں پہلی مرتبہ یہ علم ہوا کہ قادیانی مسلمان نہیں ہیں بلکہ مسلمانوں کے بھیس میں اپنا مقصد حاصل کرتے ہیں،

چنانچہ ۱۹ر نومبر ۱۹۲۰ء کو چیف جج سرا ے ہر چیز وڈر نے یوں فیصلہ پڑھ کر سنایا۔

فیصلہ

> ”عدالتِ عالیہ اس نتیجہ پر پہنچی ہے کہ مدعا علیہ (قادیانی) کو یہ حق نہیں پہنچتا کہ روزہل مسجد میں اپنی پسند کے امام کے پیچھے نماز ادا کریں، اس مسجد میں صرف مدعی (مسلمان) ہی نماز ادا کر سکیں گے، اپنے اعتقادات کی روشنی میں۔“

اسی عدالت کے ایک دوسرے جج جناب ٹی، ای روزلی نے بھی اس فیصلہ سے اتفاق کیا۔

مصوّرِ پاکستان علاّمہ اقبال کی رائے

آخر میں شاعر مشرق، مصور پاکستان علامہ اقبال صاحب کے کچھ ارشادات پیش کئے ہیں۔ انہوں نے مرزائیت کی اسلام دشمنی محسوس کر کے ساری امت کو اس خطرے سے لرنے کے لئے بے شمار مضامین لکھے ہیں ان تمام مضامین کو یہاں پیش کرنا مشکل ہے البتہ وری اقتباسات پیشِ خدمت ہیں۔

وہ اسٹیٹمین کی ۱۰ر جون کی اشاعت میں فرماتے ہیں۔

> ”اسلام لازماً ایک دینی جماعت ہے جس کی حدود مقرر ہیں یعنی وحدتِ الوہیت پر ایمان، انبیاء پر ایمان اور رسولِ کریمؐ کی ختمِ رسالت پر ایمان۔ دراصل یہ آخری یقین ہی وہ ایک حقیقت ہے جو مسلم اور غیر مسلم کے درمیان وجہ امتیاز ہے، اور اس

امر کے لئے فیصلہ کن ہے کہ فرد یا گروہ ملتِ اسلامیہ میں شامل ہے یا نہیں؟ مثلاً برہمو خدا پر یقین رکھتے ہیں اور رسول کریمؐ کو خدا کا پیغمبر مانتے ہیں، لیکن انہیں ملتِ اسلامیہ میں شمار نہیں کیا جا سکتا۔ کیوں کہ قادیانیوں کی طرح وہ انبیاء کے ذریعے وحی کے تسلسل پر ایمان رکھتے ہیں۔ اور رسولِ کریمؐ کی ختمِ نبوت پر ایمان نہیں رکھتے، جہاں تک مجھے معلوم ہے کوئی اسلامی فرقہ اس حدِ فاصل کو عبور کرنے کی جسارت نہیں کر سکا۔ ایران میں بہائیوں نے ختم نبوت کے اصول کو صریحاً جھٹلایا۔ لیکن ساتھ ہی انہوں نے کہا، کہ وہ ایک الگ جماعت ہیں اور مسلمانوں میں شامل نہیں ہیں.......... میری رائے میں تو قادیانیوں کے سامنے صرف دو راہیں ہیں، یا وہ بہائیوں کی تقلید کریں یا پھر ختم نبوت کی تاویلوں کو چھوڑ کر اس اصول کو اس کے پورے مفہوم کے ساتھ قبول کریں ان کی جدید تاویلیں محض اس غرض سے ہیں کہ ان کا شمار حلقۂ اسلام میں ہوتا کہ انہیں سیاسی فوائد پہنچ سکیں۔"

(حرف اقبال ص ۱۲۷، ۱۲۸ مطبوعہ لاہور ۱۹۵۵ء)

ایک اور مقام پر تحریر فرماتے ہیں۔

"نام نہاد تعلیم یافتہ مسلمانوں نے ختم نبوت کے تمدنی پہلو پر کبھی غور نہیں کیا اور مغربیت کی ہوا نے اسے حفظِ نفس کے جذبے سے بھی عاری کر دیا ہے، بعض ایسے ہی نام نہاد تعلیم یافتہ مسلمانوں نے اپنے مسلمان بھائیوں کو رواداری کا مشورہ دیا ہے،" (حرف اقبال ص۶۱۱)

آگے ہندوستان کی غیر مسلم حکومت سے خطاب کرتے ہوئے لکھتے ہیں۔

"حکومت کو موجودہ صورتِ حالات پر غور کرنا چاہیئے اور اس معاملہ میں جو قومی وحدت کے لئے اشد اہم ہے عالمِ مسلمانوں کی ذہنیت کا اندازہ لگانا چاہیئے، اگر

> کسی قوم کی وحدت خطرے میں ہو تو اس کے لئے اس کے سوا کوئی چارہ کار نہیں رہتا کہ وہ معاندانہ قوتوں کے خلاف اپنی مدافعت کرے......؛ سوال پیدا ہوتا ہے کہ مدافعت کا کیا طریقہ ہے......؟ وہ طریقہ یہی ہے کہ اصل جماعت میں جس شخص کو تلقب بالدین، دین کے ساتھ کھیل، کرتے پائے، اس کے دعاوی کو تقریر و تحریر کے ذریعے سے جھٹلایا جائے۔ پھر کیا یہ مناسب ہے کہ اصل جماعت کو روا داری کی تلقین کی جائے، حالاں کہ اس کی وحدت خطرے میں ہو، اور باغی گروہ کو تبلیغ کی پوری اجازت ہو، اگر چہ وہ تبلیغ جھوٹ اور دشنام سے لبریز ہو۔
>
> اگر کوئی گروہ جو اصل جماعت کے نقطہ نظر سے باغی ہے حکومت کے لئے مفید ہے تو حکومت اس کی خدمات کا صلہ دینے کی پوری طرح مجاز ہے دوسری جماعتوں کو اس سے کوئی شکایت پیدا نہیں ہو سکتی، لیکن یہ توقع رکھنی بیکار ہے کہ خود جماعت ایسی قوتوں کو نظر انداز کر دے جو اس کے اجتماعی وجود کے لئے خطرہ ہیں۔''

کہا جاتا ہے کہ مسلمانوں کے مختلف فرقوں کے بعض لوگ ایک دوسرے کو کافر قرار دیتے ہیں لہذا ان کے فتووں کا کوئی اعتبار نہیں رہا، اس کا جواب دیتے ہوئے شاعرِ مشرق تحریر فرماتے ہیں؛

> ''اس مقام پر یہ دہرانے کی غالباً ضرورت نہیں کہ مسلمانو کے بے شمار فرقوں کے مذہبی تنازعوں کا اُن بنیادی مسائل پر کچھ اثر نہیں پڑتا، جن کے مسائل پر سب فرقے متفق ہیں اگر چہ وہ ایک دوسرے پر الحاد کے فتوے ہی دیتے ہوں۔''

(حرفِ اقبال ص ۱۱۷، ۱۱۸)

پھر شاعرِ مشرق قادیانی مسئلہ کا حل تجویز کرتے ہوئے فرماتے ہیں،

> ’’میری رائے میں حکومت کے لئے بہترین طریق کار یہ ہوگا، کہ وہ قادیانیوں کو ایک الگ جماعت تسلیم کر لے، یہ قادیانیوں کی پالیسی کے عین مطابق ہوگا، اور مسلمان اُن سے ویسی رواداری سے کام لے گا جیسے وہ باقی مذاہب کے معاملے میں اختیار کرتا ہے، (ایضاً)

یہ وہ مطالبہ ہے کہ جو ڈاکٹر اقبال مرحوم نے انگریز کی حکومت سے کیا تھا اب جو مملکت شاعرِ مشرق کے خوابوں کی تعبیر کی حیثیت سے انہی کا نام لے کر وجود میں آئی ہے یہ اس کا پہلا فریضہ ہے کہ وہ شاعرمشرق کی اس آرزو کو پایۂ تکمیل تک پہنچائے،

ضمیمہ

بعض مرزائی مُغالطے

خود بدلتے نہیں قُرآں کو بَدل دیتے ہیں

چند شبہات کا اِزالہ

جب مسلمانوں کی طرف سے مرزائیوں کو غیر مسلم اقلیت قرار دینے کا مطالبہ کیا جاتا ہے تو ائی صاحبان طرح طرح سے مغالطے دینے کی کوشش کرتے ہیں۔ یہاں مختصراً ان مغالطوں کا جائزہ پیشِ خدمت ہے:

کلمہ گو کی تکفیر کا مسئلہ

مرزائیوں کی طرف سے کہا جاتا ہے کہ جو شخص کلمہ گو ہو، اور اپنے مسلمان ہونے کا اقرار کرتا ، کسی بھی شخص کو اسے کافر قرار دینے کا حق نہیں پہنچتا۔ یہاں سب سے پہلے تو یہ بوالعجبی ملاحظہ رمایئے کہ یہ بات ان لوگوں کی طرف سے کہی جا رہی ہے جو دنیا کے ستر کروڑ مسلمانوں کو کھلم کھلا افر کہتے ہیں اور جو کلمہ لا الہ الا اللہ مُحمّد" رسول اللہ پر اور اس کے تمام ضروری تقاضوں صحیح معنٰی میں ایمان رکھنے والوں کو دائرۂ اسلام سے خارج، شقی، بدطینت، یہاں تک کہ کنجریوں کی اولاد[1]‘‘ قرار دینے میں بھی کوئی شرم محسوس نہیں کرتے۔ گویا ہر ’’کلمہ گو‘‘ کو مسلمان کہنا صرف یک طرفہ حکم ہے جو صرف غیر احمدیوں پر عائد ہوتا ہے اور خود مرزائی صاحبان کو کھلی چھٹی ہے کہ خواہ وہ مسلمانوں کو کتنی شدّ و مدّ سے کافر کہیں، خواہ انہیں بازاری گالیاں دیں خواہ ان کے اکابر اور مقدس ترین شخصیات کی ناموس پر حملہ آور ہوں، اُن کے ’’اسلام‘‘ میں کبھی کوئی فرق نہیں آ سکتا اور نہ ان پر کلمہ گو کو کافر کہنے کا الزام لگ سکتا ہے۔ یہ ہے اس مرزائی مذہب کا انصاف جو شرم و حیا اور دیانت و اخلاق کا منہ نوچ کر اپنے آپ کو روحانیتِ ’’محمد صلی اللہ علیہ وسلم‘‘ کا ظہور ثانی قرار دیتا ہے۔

---

[1] مرزا صاحب کہتے ہیں کہ میری کتابوں کو ہر شخص محبت کی نگاہ سے دیکھ کر ان کے معارف سے فائدہ اٹھاتا اور میری دعوت کی تصدیق کرتا ہے، سوائے ’’بغایا‘‘ (فاحشاؤں، کنجریوں) کی اولاد کے جن کے دلوں پر اللہ نے مہر لگا دی، وہ انہیں نہیں مانتے۔

(آئینہ کمالاتِ اسلام ص ۵۴۸ طبع جدید ربوہ)

پھر خدا جانے یہ اصول کہاں سے گھڑا گیا ہے کہ ہر وہ شخص جو کلمہ پڑھتا ہو اور اپنے آپ کو مسلمان کہتا ہو وہ مسلمان ہے اور اسے کوئی شخص کافر قرار نہیں دے سکتا؟ سوال یہ ہے کہ کیا مسیلمۂ کذّاب کلمۂ شہادت نہیں پڑھتا تھا؟ پھر خود آنحضرت صلّی اللہ علیہ وسلم اور صحابۂ کرامؓ نے اسے کافر قرار دے کر اس کے خلاف جہاد کیوں کیا؟ اور خود مرزا غلام احمد نے جابجا نہ صرف مسیلمہ کذاب بلکہ آپ کے بعد اپنے سوا مدّعی نبوت کو کافر اور کذاب کیوں کہا؟ اگر آج کوئی نیا مدّعی نبوت کلمہ پڑھتا ہوا اُٹھے اور آنحضرت صلّی اللہ علیہ وسلم کے سوا تمام انبیاء کو جھٹلائے۔ آخرت کے عقیدے کا مذاق اڑائے، قرآنِ کریم کو اللہ کی کتاب ماننے سے انکار کرے اپنے آپ کو افضل الانبیاء قرار دے، نماز روزے کو منسوخ کر دے، جھوٹ، شراب، زنا، سود اور قمار کو جائز کہے اور کلمہ لا الٰہ الا اللہ محمد رسول اللہ کے سوا اسلام کے ہر حکم کی تکذیب کر دے تو کیا اسے پھر بھی ”کلمہ گو“ ہونے کی بنا پر مسلمان ہی سمجھا جائے گا؟ اگر اسلام ایسا ہی ڈھیلا ڈھالا جامہ ہے جس میں کلمہ پڑھنے کے بعد دنیا کا ہر بُرے سے بُرا عقیدہ اور بُرے سے بُرا عمل سما سکتا ہے تو پھر فضول ہی اسلام کے بارے میں یہ دعوٰے کیے جاتے ہیں کہ وہ دنیا کے تمام مذاہب میں سب سے زیادہ بہتر، مستحکم، منظم اور باقاعدہ مذہب ہے۔

جو لوگ ہر ”کلمہ گو“ کو مسلمان کہنے پر اصرار کرتے ہیں، کیا وہ یہ سمجھتے ہیں کہ یہ کلمہ (معاذ اللہ) کوئی منتر یا ٹونا ٹوٹکا ہے جسے ایک مرتبہ پڑھ لینے کے بعد انسان ہمیشہ کے لیے ”کفر پروف“ ہو جاتا ہے اور اس کے بعد بُرے سے بُرا عقیدہ بھی اسے اسلام سے خارج نہیں کر سکتا؟

اگر عقل و خرد اور انصاف و دیانت دنیا سے بالکل اُٹھ ہی نہیں گئی تو اسلام جیسے علمی اور عقلی دین کے بارے میں یہ تصور کیسے کیا جا سکتا ہے کہ محض چند الفاظ کو زبان سے ادا کرنے کے بعد انسان جہنمی سے جنتی اور کافر سے مسلمان بن جاتا ہے۔ خواہ اس کے عقائد اللہ اور رسول کی مرضی کے بالکل خلاف ہوں؟

واقعہ یہ ہے کہ کلمہ لا الہ الا اللہ محمد رسول اللہ (معاذ اللہ) کوئی جادو یا طلسم نہیں ہے یہ ایک معاہدہ اور اقرار نامہ ہے اور اس میں اللہ تعالےٰ کو معبودِ واحد قرار دینے اور حضرت محمد

مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وسلم کو اللہ کا رسول ماننے کا مطلب یہ معاہدہ کرنا ہے کہ میں اللہ اور اس کے رسول صلّی اللہ علیہ وسلّم کی ہر بات کی تصدیق کروں گا۔ لہذا اللہ یا اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلّم کی بتائی ہوئی جتنی باتیں ہم تک تواتر اور قطعیت کے ساتھ پہنچی ہیں ان سب کو درست تسلیم کرنا لا الہ الا اللّٰہ محمد رسول اللّٰہ پر ایمان کا لازمی جُز اور اس کا ناگزیر تقاضا ہے اگر کوئی شخص ان متواتر قطعیات میں سے کسی ایک چیز کو بھی درست ماننے سے انکار کر دے تو درحقیقت وہ کلمۂ توحید پر ایمان نہیں رکھتا، خواہ زبان سے لا الہ الا اللّٰہ پڑھتا ہو اس لیے اس کو مسلمان نہیں کہا جا سکتا عقیدہ ختم نبوت چونکہ قران کریم کی بیسیوں آیات اور سرکارِ دو عالم صلی اللہ علیہ وسلّم کے سینکڑوں ارشادات سے بطریق تواتر ثابت ہے، اس لیے باجماعِ اُمّت وہ انہی قطعیات میں سے ہے جن پر ایمان لانا کلمۂ طیبہ کا لازمی جزء ہے اور جس کے بغیر انسان مسلمان نہیں ہو سکتا۔

اس سلسلے میں بعض ان احادیث سے استدلال کی کوشش کی جاتی ہے جن میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے مسلمان کی علامتیں بیان کرتے ہوئے ارشاد فرمایا ہے کہ ”جو ہماری طرح نماز پڑھے۔ ہمارے قبلے کی طرف رُخ کرے اور ہمارا ذبح کیا ہوا جانور کھائے وہ مسلمان ہے“۔ لیکن جس شخص کو بھی بات سمجھنے کا سلیقہ ہو وہ حدیث کے اسلوب و انداز سے یہ سمجھ سکتا ہے کہ یہاں مسلمان کی کوئی قانونی اور جامع و مانع تعریف نہیں کی جا رہی بلکہ مسلمانوں کی وہ معاشرتی علامتیں بیان کی جا رہی ہیں جن کے ذریعہ مسلم معاشرہ دوسرے مذاہب اور معاشروں سے ممتاز ہوتا ہے، اور اس کا مقصد صرف یہ ہے کہ جس شخص کی ظاہری علامتیں اس کے مسلمان ہونے کی گواہی دیتی ہوں اس پر خواہ مخواہ بدگمانی کرنا یا بلاوجہ اس کی عیب جوئی کرنا درست نہیں، لیکن اس کا یہ مطلب کہاں سے نکل آیا کہ اگر وہ خود مسلمانوں کے سامنے اعلانیہ کفریات کا اقرار کرتا پھرے، بلکہ ساری دنیا کو ان کفریات کی دعوت دے کر اپنے متبعین کے سوا تمام مسلمانوں کو کافر قرار دے تب بھی وہ صرف مسلمانوں کا ذبیحہ کھانے کی وجہ سے مسلمان کہلانے کا مستحق ہوگا۔ خواہ لا الہ الا اللّٰہ اور اس کے تقاضوں کا بھی قائل نہ ہو۔

درحقیقت اس حدیث میں مسلمان کی تعریف نہیں بلکہ اس کی ظاہری علامتیں بیان کی گئی ہیں، مسلمان کی پوری تعریف درحقیقت آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے اس ارشاد میں بیان کی گئی ہے:

> امرت اَن اقاتل الناس حتی یشهد وا أن لا اله لا اللّٰه و یؤ منوابی و بما جمُت به (رواہ مسلم عن ابی ہریرہؓ ص ۳۷ ج ۱)
>
> مجھے حکم دیا گیا ہے کہ لوگوں سے جہاد کروں، یہاں تک کہ وہ اس بات کی گواہی دیں کہ اللہ کے سوا کوئی عبادت کے لائق نہیں اور مجھ پر ایمان لائیں اور ہر اُس بات پر جو میں لے کر آیا ہوں۔

اس میں مسلمان کی پوری حقیقت بیان کر دی گئی ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی لائی ہوئی ہر تعلیم کو ماننا أشهد ان محمداً رسول اللّٰه کا لازمی جز ہے، اور آپ کا یہ ارشاد قرآنِ کریم کی اُس آیت سے ماخوذ ہے جس میں اللہ تعالےٰ نے ارشاد فرمایا ہے کہ:

> فلا و ربك لا یُومنون حتی یحکموك فیما شجر بینهم ثم لا یجدوا فی أنفسهم حرجاً ممّا قضیت ویسلّموا تسلیماً۔
>
> ”پس نہیں، تمہارے رب کی قسم یہ لوگ مؤمن نہ ہوں گے جب تک یہ تمہیں اپنے ہر متنازعہ معاملے میں حکم نہ مان لیں، پھر تمہارے فیصلے سے اپنے دل میں کوئی تنگی محسوس نہ کریں اور اسے خوشی سے تسلیم نہ کریں۔“

یہ ہے کلمہ گو کی حقیقت اور اس کے برخلاف محض کلمہ پڑھ لینے کے بعد ہمیشہ کے لیے کفر سے محفوظ ہو جانے کا تصور ان دشمنانِ اسلام کا پیدا کردہ ہے جو یہ چاہتے تھے کہ اسلام اور کفر کی درمیانی حدِ فاصل کو مٹا کر اسے ایک ایسا معجونِ مرکب بنا دیا جائے جس میں اپنے سیاسی اور مذہبی مفادات کے مطابق ہر بُرے سے بُرے عقیدے کی ملاوٹ کی جا سکے۔

انتہا یہ ہے کہ بعض لوگ مسلمان کی تعریف کے سلسلے میں اس آیتِ قرآنی کو بھی پیش کرنے

سے نہیں چوکتے جس میں ارشاد ہے:

لا تقولو المن القیٰ الیکم السلام لست مؤمناً

''یعنی جو شخص تمہیں سلام کرے اسے یہ نہ کہو کہ تو مومن نہیں''

چلئے پہلے تو مسلمان ہونے کے لیے کم از کم کلمہ پڑھنا ضروری تھا، اس آیت کو مسلمان کی تعریف میں پیش کرنے کے بعد اس سے بھی چھٹی ہوگئی، اب مسلمان ہونے کے لیے صرف ''السلام علیکم'' بلکہ صرف ''سلام'' کہہ دینا بھی کافی ہوگیا، اور ہر وہ ہندو، پارسی، بدھسٹ اور عیسائی، یہودی بھی مسلمان بننے کے قابل ہوگیا جو مسلمانوں کو ''سلام'' کہہ کر خطاب کرلے۔ والعیاذ باللّٰہ العظیم۔

مُسلمانوں کی باہم تکفیر کے فتوے اور اُن کی حقیقت

اصل مسئلہ سے توجہ ہٹانے کے لئے دوسرا مغالطہ مرزائیوں کی طرف سے یہ دیا جاتا ہے کہ جو علماء ہم پر کفر کا فتویٰ لگاتے ہیں۔ وہ خود آپس میں ایک دوسرے کو کافر قرار دیتے آئے ہیں لہذا ان کے فتوؤں کا اعتبار اٹھ گیا ہے۔ لیکن اس ''دلیل'' کی مثال بالکل ایسی ہے، جیسے کوئی شخص یہ کہنے لگے کہ چونکہ بعض عطائیوں اور ڈاکٹروں نے کچھ لوگوں کا غلط علاج کیا ہے۔ اس لئے اب کوئی ڈاکٹر مستند نہیں رہا اور اب پوری میڈیکل سائنس ہی ناکارہ ہوگئی ہے اور وہ طبی مسئلے بھی قابل بقدر نہیں رہے جن پر تمام دنیا کے ڈاکٹر متفق ہیں۔

حال ہی میں مرزائی جماعت کی طرف سے ایک کتابچہ شائع ہوا ہے جس کا عنوان ہے ''ہم غیر احمدیوں کے پیچھے کیوں نماز نہیں پڑھتے'' اور اس میں مسلمان مکاتب فکر کے باہمی اختلافات اور ان فتاویٰ کو انتہائی مبالغہ آمیز انداز میں پیش کیا گیا ہے جن میں ایک دوسرے کی تکفیر کی گئی ہے لیکن اول تو اس کتابچے میں بعض ایسے فتوؤں کا حوالہ ہے جن کے بارے میں پوری ذمہ داری سے کہا جا سکتا ہے کہ وہ اپنے کہنے والوں کی طرف بالکل غلط منسوب کئے گئے ہیں۔

دوسرے اس کتابچے میں اگرچہ کافی محنت سے وہ تمام تشدد آمیز مواد اکٹھا کرنے کی کوشش کی گئی ہے جو باہمی اختلافات کے دوران منظر عام پر آیا ہے۔ لیکن ان بیسیوں اقتباسات میں مسلمان مکاتب فکر کے ایک دوسرے پر کفر کے فتوے کل پانچ ہیں۔ باقی فتوے نہیں بلکہ وہ عبارتیں ہیں جو ان کے افسوس ناک باہمی جھگڑوں کے درمیان ان کے قلم یا زبان سے نکلیں۔ ان میں ایک دوسرے کے خلاف سخت زبان تو بے شک استعمال کی گئی ہے لیکن انہیں کفر کے فتوے قرار دینا کسی طرح درست نہیں۔

تیسرے یہ پانچ فتوے بھی اپنے اپنے مکاتب فکر کی مکمل نمائندگی نہیں کرتے۔ یعنی ایسا نہیں ہے کہ جن مکاتب فکر سے وہ تعلق رکھتے ہیں وہ پورا مکتب فکر ان فتوؤں سے متفق ہو۔ اس کے بجائے ہر مسلمان مکتب فکر میں محقق اور اعتدال پسند علماء نے ہمیشہ اس بے احتیاطی اور عجلت پسندی سے شدید اختلاف کیا ہے۔ جو اس قسم کے فتووں میں روا رکھی گئی ہے۔ لہذا ان چند فتاویٰ کو پیش کر کے یہ تاثر دینا بالکل غلط، بے بنیاد اور گمراہ کن ہے کہ یہ سارے مکاتب فکر ایک دوسرے کو کافر قرار دیتے ہیں۔ اس کے بجائے حقیقت یہ ہے کہ ہر مکتب فکر میں ایک عنصر ایسا رہا ہے جس نے دوسرے کی مخالفت میں اتنا تشدد کیا کہ وہ تکفیر کی حد تک پہنچ جائے لیکن اسی مکتب فکر میں ایک بڑی تعداد ایسے علماء کی ہے جنہوں نے فروعی اختلافات کو ہمیشہ اپنی حدود میں رکھا اور ان حدود سے نہ صرف یہ کہ تجاوز نہیں کیا بلکہ اس کی مذمت کی ہے اور عملاً یہی محتاط اور اعتدال پسند عنصر غالب رہا ہے جس کی واضح مثال یہ ہے کہ جب بھی مسلمانوں کا کوئی مشترک مسئلہ پیدا ہوتا ہے ان تمام مکاتب فکر کے مل بیٹھنے میں بعض حضرات کے فتوے کبھی رکاوٹ نہیں بنتے۔

یہ مسلمان فرقے جن کی فرقہ بندیوں کا پروپیگنڈہ دنیا بھر میں گلا پھاڑ پھاڑ کر کیا گیا ہے اور جن کے اختلافات کا شور مچا مچا کر لوگوں نے اپنے باطل نظریات کی دکانیں چمکائی ہیں۔ وہی تو ہیں جو ۱۹۵۱ء میں پاکستان کی دستوری بنیادیں طے کرنے کے لئے جمع ہوئے اور کسی ادنیٰ اختلاف کے بغیر اسلامی دستور کے اساسی اصول طے کر کے اٹھے جبکہ پروپیگنڈہ یہ تھا اس قسم کا

اتفاق ایک امر محال ہے ۱۹۵۳ء کے موقعہ پر جب مجوزہ دستور میں متعین اسلامی ترمیمات طے کرنے کا مرحلہ آیا تو انہوں نے اکٹھے ہو کر متفقہ سفارشات پیش کیں۔ جبکہ یہ کام پہلے کام سے زیادہ غیر متوقع سمجھا جاتا تھا۔ ۱۹۵۳ء ہی میں انہوں نے قادیانیت کے مسئلہ پر اجتماعی طریقے سے ایک مشترکہ مؤقف اختیار کیا۔ ۱۹۷۲ء میں دستور سازی کے دوران شیر و شکر رہ کر اس بنیادی کام میں شریک رہے۔ دنیا بھر میں شور تھا کہ یہ لوگ مل کر مسلمان کی متفقہ تعریف بھی نہیں کر سکتے۔ لیکن ۱۹۷۲ء میں انہوں نے ہی کامل اتفاق و اتحاد سے اس پروپیگنڈے کی قلعی کھولی۔ اور اب پھر یہ مرزائیت کے کھلے کفر کے مقابلے میں شانہ بشانہ موجود ہیں۔ غرضیکہ جب بھی اسلام اور مسلمانوں کا کوئی مشترکہ مذہبی مسئلہ سامنے آیا۔ تو ان کے باہمی مذہبی اختلافات اجتماعی مؤقف اختیار کرنے میں کبھی سدراہ ثابت نہیں ہوئے۔ لیکن کیا کبھی کسی نے دیکھا ہے کہ اس قسم کے اجتماعات میں کسی مرزائی کو بھی دعوت دی گئی ہو؟

اس طرف عمل پر غور کرنے سے چند باتیں کھل کر سامنے آجاتی ہیں۔

اول یہ کہ باہم ایک دوسرے کی تکفیر کے فتوے انفرادی حیثیت رکھتے ہیں۔ کسی مکتب فکر کی نمائندہ حیثیت نہیں۔ ورنہ یہ مکاتب فکر کبھی بحیثیت مسلمان جمع نہ ہوتے۔

دوسرے یہ کہ ہر مکتب فکر میں غالب عنصر وہی ہے جو فروعات کو فروعات ہی کے دائرے میں رکھتا ہے اور آپس کے اختلاف کو تکفیر کا ذریعہ نہیں بناتا۔ ورنہ اس قسم کے اجتماعات کو قبول عام حاصل نہ ہوتا تیسرے یہ کہ اسلام کے وہ بنیادی عقائد جو واقعتاً ایمان اور کفر میں حد فاصل کی حیثیت رکھتے ہیں ان میں یہ سب لوگ متفق ہیں

لہٰذا

اگر کچھ حضرات نے تکفیر کے سلسلہ میں غلو اور تشدد کی روش اختیار کی ہے تو اس سے یہ نتیجہ کیسے نکالا جا سکتا ہے کہ اب دنیا میں کوئی شخص کافر ہو ہی نہیں سکتا اور اگر یہ سب لوگ مل کر بھی کسی کو کافر کہیں تو وہ کافر نہیں ہوگا۔

کیا دنیا میں عطائی قسم کے لوگ علاج کر کے انسانوں پر مشق ستم نہیں کرتے؟ بلکہ کیا ماہر سے ماہر ڈاکٹر سے بھی غلطی نہیں ہوتی؟ لیکن کیا کبھی کوئی انسان جو عقل سے بالکل ہی معذور نہ ہو یہ کہہ سکتا ہے کہ ان انفرادی غلطیوں کی سزا کے طور پر ڈاکٹروں کے طبقے کی کوئی بات قابل تسلیم نہیں ہونی چاہئیے۔ کیا عدالتوں کے فیصلوں میں ججوں سے غلطیاں نہیں ہوتیں؟ لیکن کیا کسی نے سوچا ہے کہ ان انفرادی غلطیوں کی وجہ سے عدالتوں میں تالے ڈال دیئے جائیں۔ یا ججوں کا کوئی فیصلہ مانا ہی نہ جائے؟ کیا مکانات، سڑکوں اور عمارتوں کی تعمیر میں انجینئر غلطی نہیں کرتے؟ لیکن کبھی کسی ذی ہوش نے یہ تجویز بھی پیش کی ہے کہ ان غلطیوں کی بنا پر تعمیر کا ٹھیکہ انجینئروں کی بجائے گورکنوں کو دے دیا جائے؟ پھر یہ اگر چند جزوی نوعیت کے فتوؤں میں بے احتیاطیاں یا غلطیاں ہوئی ہیں۔ تو اس کا مطلب یہ کیسے نکل آیا کہ اب اسلام اور کفر کے فیصلے قرآن وسنت کی بجائے مرزائی تحریفات کی بنیاد پر کرنے چاہئیں۔

شاعر مشرق مصور پاکستان علامہ اقبال مرحوم نے مرزائیوں کو اقلیت قرار دینے کا مطالبہ کرتے ہوئے بالکل صحیح بات کہی تھی:

> ''مسلمانوں کے بیشمار فرقوں کے مذہبی تنازعوں کا ان بنیادی مسائل پر کچھ اثر نہیں پڑتا جن مسائل پر سب فرقے متفق ہیں۔ اگر چہ وہ ایک دوسرے پر الحاد کے فتوے دیتے ہوں۔''

(حرف اقبال ص ۱۲۷۔ مطبوعہ المنار اکادمی لاہور ۱۹۴۷ء)

دو روایتیں

مرزائی صاحبان نے لاکھوں احادیث کے ذخیرے میں سے دو ضعیف وسقیم روایتیں نکال کر اور انہیں من مانا مفہوم پہنا کر ان سے اپنی خود ساختہ نبوت کے لئے سہارا لینے کی کوشش کی ہے اس لئے یہاں ان پر بھی ایک نظر ڈال لینا مناسب

ہوگا۔ قولو اخاتم النبیّین وَلا تقولو الا نبی بعدہَ۔

پہلی مجہول الاسناد روایت ''درِ منثور'' سے لی گئی ہے، اور وہ یہ کہ حضرت عائشہؓ نے فرمایا۔

(آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو) خاتم النبیّین کہو اور یہ نہ کہو کہ آپ کے بعد کوئی نبی نہیں آئے گا۔

پہلے تو اس بات پر غور فرمائیے کہ یہ روایت کہاں سے لائی گئی ہے۔ اگر آپ حدیث کی کسی معروف کتاب میں اسے تلاش کرنا چاہیں گے تو آپ کو مایوسی ہوگی، کیونکہ یہ روایت بخاری، مسلم تو کجا نسائی ابوداؤد، ترمذی، ابن ماجہ، داری، مسند احمد، غرض حدیث کی کسی دستیاب کتاب میں موجود نہیں۔ اسے لایا کہاں سے گیا ہے؟ علامہ سیوطیؒ کی درِ منثور سے جس کے بارے میں ادنیٰ طالب علم بھی یہ جانتا ہے کہ اس میں ہر قسم کی رطب ویابس ضعیف اور موضوع روایات بھی بغیر کسی چھان پھٹک کے صرف جمع کردی گئی ہیں، پھر حدیث میں سارا مدار اس کی سند پر ہوتا ہے اور اس روایت کی کوئی سند معلوم نہیں۔ اب یہ سرکار دوعالم صلی اللہ علیہ وسلم کے الفاظ میں مدّعیانِ نبوّت کا ''دجل'' نہیں تو اور کیا ہے، کہ ایک طرف تو مرزائی صاحبان کی نگاہ میں قرآن کریم کی صاف اور صریح آیات اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی سینکڑوں متواتر اور صحیح احادیث ناقابلِ التفات ہیں اور دوسری طرف یہ مجہول الاسناد روایت جس کا علم حدیث کی رو سے کچھ بھی اعتبار نہیں ایسی قطعی اور یقینی ہے کہ اسے ختمِ نبوّت جیسے متواتر قطعی اور اجماعی عقیدے کو توڑنے کے لئے پیش کیا جارہا ہے کیا کسی نبی کی نبوّت ایسی ہی روایت سے ثابت ہوا کرتی ہے؟ لیکن یہ بات اس شخص سے کہی جائے جو کسی علمی یا عقلی قاعدے اور ضابطے کا پابند ہو اور جہاں عقل، علم اور اخلاق پر مبنی ہر بات کا جواب سوائے خود ساختہ الہام کے اور کچھ نہ ہو وہاں دلائل و براہین کا کتنا انبار لگا دیجئے مرزا صاحب کے الفاظ میں اس کا جوب یہی ملے گا کہ ''خدا نے مجھے اطلاع دے دی ہے کہ یہ تمام حدیثیں جو پیش کرتے ہیں تحریفِ معنوی یا لفظی میں آلودہ ہیں اور یا سرے سے موضوع ہیں اور جو شخص حَکَم ہو کر آیا ہے اس کا اختیار ہے کہ حدیثوں کے ذخیرے میں سے جس انبار کو چاہے

خدا سے علم پا کر قبول کرے اور جس ڈھیر کو چاہے خدا سے علم پا کر رد کر دے۔"

(اربعین نمبر ۳ ص ۱۸ (حاشیہ) مطبوعہ ۱۹۰۰ء)

(وقفہ)

مولوی مفتی محمود: جناب والا! مجھے یہ شکایت ہے کہ وہ حضرات جو یہاں آئے تھے اور دو دو، تین تین ہفتے یہاں گزارے، ان کے لیے تو پانی کے گلاس بھر بھر کے آتے تھے اور میں تین گھنٹے سے کھڑا ہوں۔ یہ اتنی تفریق کیوں ہے؟

محترم قائمقام چیئرمین (ڈاکٹر مسز اشرف خاتون عباسی): آپ نے مانگا نہیں۔

مولوی مفتی محمود: ان کے بغیر مانگے بھر بھر کے لاتے تھے۔ میرے لیے کربلا ہے پتہ نہیں۔

محترم قائمقام چیئرمین: معاف کیجیے، مولانا! ابھی لاتے ہیں، ابھی خیال آیا۔

مولوی مفتی محمود: ویسے میں نے بطور مذاق یہ بات کہی ہے۔

ایک رکن: مولانا! آپ تو گھر کے آدمی ہیں، آپ مانگ سکتے ہیں۔

مولوی مفتی محمود: اسی لیے تو مانگ لیا۔

(وقفہ)

مولوی مفتی محمود: پھر اس روایت میں جو بات بیان کی گئی ہے اس کا مرزائی اعتقادات سے دور دور کوئی واسطہ نہیں بلکہ یہ روایت تو نزول عیسیٰ علیہ السلام کے عقیدے میں مرزائی نظریہ کی صریح تردید کر رہی ہے۔ اس کا مقصد محض اتنا ہے کہ اگر صرف یہ جملہ بولا جائے کہ "آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد کوئی نبی نہیں آئے گا تو ایک ناواقف آدمی اسے مسیح علیہ السلام کے نزولِ ثانی کے عقیدے کے خلاف سمجھ سکتا ہے اور اس سے یہ نتیجہ نکالا جا سکتا ہے کہ آپؐ کے بعد حضرت مسیح علیہ السلام بھی تشریف نہیں لائیں گے۔ لہٰذا جو مقصد "خاتم النبیین" کہنے سے مکمل طور پر حاصل ہو سکتا ہے اس کے لئے ایسے الفاظ استعمال کرنے کی ضرورت نہیں ہے جو ناواقفوں کے

لئے کسی غلط فہمی کا سبب بن سکتے ہوں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے لاَ نبی بعدی فرمایا تو ساتھ ساتھ ایک دو مرتبہ نہیں سینکڑوں مرتبہ اس کی تشریح بھی فرما دی کہ اس کا مطلب یہ ہے کہ میرے بعد کوئی نبی پیدا نہیں ہوگا، ہاں حضرت عیسیٰ علیہ السلام جنہیں پہلے ہی سے نبوّت حاصل ہے اور جو بہت پہلے پیدا ہو چکے ہیں وہ دوبارہ نزول فرمائیں گے اس کے برخلاف اگر کوئی دوسرا شخص صرف اتنا جملہ کہے کہ آپؐ کے بعد کوئی نبی نہیں آئے گا تو صرف اتنی بات سننے والا کوئی ناواقف انسان کسی غلط فہمی کا شکار ہوسکتا ہے۔

حضرت عائشہؓ کی طرف منسوب اس قول کی یہ تشریح خود دُرِ منثور ہی میں موجود ہے:

عن الشّعبی قال قال رجلٌ عند المغیرة بن شعبةؓ صلّی اللّٰه علی محمّدٍ خاتم الانبیاء لانبّی بعدهٗ فقال المغیرة بن شبعة حسبك اذا قلت خاتم الانبیاء فانّا کنّا محدّث أن عیسیٰ علیه السّلام خارج فان هو خرج فقد کان قبلهٗ و بعدهٗ

حضرت شعبیؒ جو ایک جلیل القدر تابعی ہیں فرماتے ہیں کہ ایک شخص نے حضرت مغیرہ بن شعبہؓ کے سامنے یہ کہا کہ اللہ تعالیٰ جناب محمدؐ پر رحمت نازل فرمائے، جو خاتم الانبیاء ہیں اور جن کے بعد کوئی نبی نہیں آئے گا۔ حضرت مغیرہؓ نے فرمایا کہ ''خاتم الانبیاء'' کہہ دینا کافی تھا، کیوں کہ ہمیں یہ بتایا گیا ہے کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام نازل ہونے والے ہیں جب وہ نازل ہوں گے تو وہ آپؐ سے پہلے بھی آئے اور آپؐ کے بعد بھی آئیں گے۔ (درمنثور ص۲۰۴ ج۵)

لہٰذا حضرت عائشہؓ اور حضرت مغیرہ بن شعبہؓ کی یہ ہدایت، اگر بالفرض سنداً ثابت ہو حضرت علیؓ کے اس ارشاد کے مطابق ہے جس میں آپ نے فرمایا تھا کہ:

حَدِّثو النّاس بِمَا یَعرِفُون

لوگوں سے وہ باتیں کرو جن کو وہ سمجھ سکیں (صحیح بخاری)

اور اس روایت سے مرزائی اعتقادات کو نہ صرف یہ کہ کوئی سہارا نہیں ملتا ہے، بلکہ یہ صراحۃً

اُن کی تردید کرتی ہے، ورنہ جہاں تک حضرت عائشہؓ کا تعلق ہے امام احمد بن حنبلؒ کی مُسند میں خود اُن کی یہ روایت موجود ہے: عن عائشه رضی الله عنها عن النبی صلّی اللّٰه علیه و سلّم انهٗ قال لا یبقی بعدی من النبوّة شیئ الّا المبشرات قالوا یا رسول اللّٰه و ما المبشرات قال الرویا الصّالحة یراها المسلم او ترىٰ لهٗ۔

> حضرت عائشہؓ روایت فرماتی ہیں کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ میرے بعد نبوت کا کوئی جزء باقی نہیں رہے گا سوائے مبشرات کے...... صحابہؓ نے عرض کیا کہ یا رسولؐ اللہ مبشرات کیا چیز ہیں! آپ نے فرمایا کہ اچھے خواب جو کوئی مسلمان خود دیکھے یا اس کے لئے کوئی اور دیکھے۔"

(مسند احمد، ص ۱۲۹ ج ۶، کنز العمال)

کیا اس کے بعد بھی اس بات میں کوئی شک وشبہ رہ سکتا ہے کہ حضرت عائشہؓ کے نزدیک نبوت کی ہر قسم اور سوائے اچھے خوابوں کے اُس کا ہر جزء آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم پر ختم ہوگیا اور اب کسی بھی شخص کو کسی بھی صورت میں یہ منصب عطا نہیں کیا جاسکتا؛

۲۔ دوسری ضعیف روایت سُنن ابنِ ماجہؒ سے نقل کی جاتی ہے کہ جب آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے صاحبزادے ابراہیم کا انتقال ہوا تو آپؐ نے فرمایا:

لَوْ عَاشَ لَكَانَ صِدِّيقاً نَّبِيًّا

(اگر یہ زندہ رہتے تو صدیق نبی ہوتے)

اس حدیث کا حال بھی یہ ہے کہ حدیث کے ناقد ائمہ نے اسے ضعیف بلکہ باطل قرار دیا ہے۔ امام نوویؒ جیسے بلند پایہ محدث فرماتے ہیں۔

هذا الحدیث باطل

یہ حدیث باطل ہے (موضوعات کبیر ص ۵۸)

اس حدیث کے ایک راوی ابو شیبہ ابراہیم بن عثمان کے بارے میں امام احمد بن حنبلؒ

ماتے ہیں کہ ''ثقہ نہیں ہے''۔ امام ترمذیؒ فرماتے ہیں کہ ''منکر الحدیث ہے''۔ امام نسائی لکھتے ں ''کہ متروک الحدیث ہے''۔ امام جوزجانیؒ کہتے ہیں کہ ''اس کا اعتبار نہیں''۔ امام ابوحاتمؒ کا شاد ہے کہ یہ ''ضعیف الحدیث ہے''۔

(ملاحظہ ہو التہذیب التہذیب ص ۱۴۴ و ۱۴۵ ج ۱)

البتہ اس روایت کے الفاظ صحیح بخاریؒ میں حضرت عبداللہ بن ابی ادفیؓ کے اثر کے طور پر اس رح مروی ہیں: لو قضی ان یکون بعد محمّد نبي لعاش ابنه و لکن لا نبي بعدهٗ

اگر محمد صلی اللہ علیہ وسلّم کے بعد کسی نبی کی بعثت مقدر ہوتی تو آپؐ کے صاحبزادے زندہ ہتے لیکن آپؐ کے بعد کوئی نبی نہیں۔

ان الفاظ نے ابنِ ماجہ کی ضعیف روایت کی حقیقت بھی واضح کر دی ہے کہ اس کا اصل مقصد کیا ہے؟ اور وہ ختم نبوت کے خلاف تو کیا ہوتی درحقیقت اس سے یہ عقیدہ اور زیادہ پختہ مؤکدّ اور ناقابل تردید ہو جاتا ہے۔

یہ ایک طے شدہ حقیقت ہے کہ صحیح بخاری قرآن کریم کے بعد تمام کتابوں میں سب سے زیادہ صحیح کتاب ہے لہذا اگر کوئی ضعیف روایت کہیں اور آئی ہو یا اس کی تشریح صحیح بخاری کے الفاظ سے بھی جانی جائے اور اگر تطبیق ممکن نہ ہو تو ضعیف روایت کو چھوڑ کر صحیح بخاری کی روایت کو اختیار کیا جائے گا مرزا صاحب کا حال تو یہ ہے کہ وہ صحیح مسلمؒ کی ایک حدیث کو محض اس بنا پر ترک کر دیتے ہیں کہ امام بخاری نے اسے ذکر نہیں کیا چنانچہ ازالۂ اوہام میں لکھتے ہیں۔

''یہ وہ حدیث ہے جو صحیح مسلم میں امام مسلم صاحب نے لکھی ہے جس کو ضعیف سمجھ کر رئیس الحدیثن امام محمد اسماعیل بخاریؒ نے چھوڑ دیا ہے۔'' (ازالۂ اوہام، ص ۹۳ ج ۱ طبع پنجم)

حالانکہ صحیح مسلمؒ خود نہایت معتبر ہے اور امام بخاری کا محض کسی روایت کو چھوڑ دینا اس کے ضعیف کی دلیل نہیں اس کے برخلاف ابنِ ماجہؒ کی یہ روایت ضعیف ہے اور صحیح بخاری میں اس کی واضح تشریح موجود ہے مگر مرزائی صاحبان ہیں کہ اسے بار بار اپنی دلیل کے طور پر پیش کئے جا رہے ہیں وجہ ظاہر ہے کہ کوئی صحیح دلیل ہو تو پیش کی جائے۔ اگر ایسی روایت میں صراحۃً عقیدہ ختم

نبوت کی تردید کی گئی ہوتی تب بھی وہ ایک متواتر عقیدے کے معاملے میں قطعاً قابل اعتبار نہ ہوتی اور یہاں تو معاملہ یہ ہے کہ اگر اسے صحیح مان لیا جائے تب بھی اس میں محض ایک ایسے مفروضے کا بیان ہے جس کے وجود میں آنے کا کوئی امکان نہیں۔ اگر حضرت ابراہیم کی زندگی میں یہ بات کہی جاتی تب تو اس سے کسی درجے میں یہ بات نکل سکتی تھی کہ آپؐ کے بعد نبوت کا سلسلہ جاری ہے۔ چنانچہ حضرت عمرؓ کے بارے میں ان کی زندگی ہی میں آپؐ نے اسی جیسی بات ارشاد فرمائی تھی۔ وہاں چونکہ نبوت کے جاری رہنے کا شبہ ہو سکتا تھا اس لئے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے وہاں بالکل دوسری تعبیر اختیار فرمائی اور اس شبہ کو ہمیشہ کے لئے ختم فرما دیا۔ ارشاد فرمایا کہ:۔

لو كان بعدي نبي لكان عمر بن الخطابؓ (رواہ الترمذی)

اگر میرے بعد کوئی نبی ہوتا تو عُمر بن الخطابؓ ہوتے۔

مطلب یہ ہے کہ میرے بعد چونکہ نبوت کا دروازہ بند ہو چکا ہے اس لئے حضرت عمرؓ نبی نہیں بن سکتے اسی طرح آپؐ نے غزوہ تبوک کے موقعہ پر مدینۂ طیّبہ میں حضرت علیؓ کو اپنا نائب مقرر فرمایا تو ان سے خطاب کرتے ہوئے ارشاد فرمایا:۔ اما ترضى ان تكون بمنزلة هارون من موسىٰ الا انه لا نبوة بعدي۔ (رواہ البخاریؒ و مسلمؒ واللفظ لمسلمؒ)

کیا تم اس پر راضی نہیں ہو کہ تم میرے ساتھ ایسے ہو جاؤ جیسے موسیٰ علیہ السلام کے ساتھ ہارون علیہ السلام (کہ کوہ طُور پر جاتے وقت حضرت موسیٰؑ انہیں نائب بنا کر لے گئے تھے) لیکن میرے بعد نبوّت نہیں، یہاں آپ نے حضرت علیؓ کو حضرت ہارون علیہ السلام سے تشبیہ محض نائب بنا کر جانے میں دی تھی لیکن چونکہ اس سے ختم نبوّت کے خلاف غلط فہمی کا اندیشہ تھا اس لئے آپ نے فوراً الّا انّهٗ لا نبوة بعدي (مگر میرے بعد کوئی نبوّت باقی نہیں) فرما کر اس اندیشے کا خاتمہ فرما دیا۔

البتہ حضرت ابراہیم کے بارے میں یہ بات چونکہ ان کی وفات کے بعد کہی جا رہی تھی اور ان کے زندہ رہنے کا کوئی امکان ہی باقی نہیں رہا تھا اس لئے الفاظ یہ استعمال کئے گئے کہ:

''اگر وہ زندہ رہتے تو صدیق نبی ہوتے'' لیکن چونکہ زندہ نہیں رہے اس لئے نبی ہونے کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا، لہذا یہ ایسا ہی ہے جیسے قرآن کریم میں ہے کہ لو کان فیھما الھة الا اللہ لفسلتا (اگر زمین و آسمان میں اللہ کے سوا کچھ معبود ہوتے تو زمین و آسمان میں فساد مچ جاتا) ظاہر ہے کہ یہ محض ایک مفروضہ ہے اور اگر کوئی شخص اس سے یہ استدلال کرنے بیٹھ جائے کہ معاذ اللہ کائنات میں اللہ تعالیٰ کے سوا معبودوں کا وجود ممکن ہے تو یہ زبردستی نہیں تو اور کیا ہے؟

یہ تھی لاکھوں احادیثِ نبویؐ کے ذخیرے میں سے مرزائی ''استدلال'' کی کُل کائنات

ں کی بنیاد پر اصرار کیا جاتا ہے کہ قرآن کریم کی بیسیوں آیات کو، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی نکڑوں صریح اور متواتر احادیث کو اور اُمتِ مُسلمہ کے قطعی اجماع کو چھوڑ کر مرزا غلام احمد احب کو نبی تسلیم کرو، ورنہ تمہارا ٹھکانا جہنم ہے۔

قرآنِ کریم کی ایک آیت

مسلمانوں کو متاثر کرنے کے لئے یہ بھی ضروری تھا کہ مرزا صاحب کی ''نبوّت'' کے لئے رآن کریم سے بھی کوئی تائید تلاش کی جاتی، تاکہ کم از کم کہنے کو یہ کہا جاسکے کہ قرآن سے بھی 'استدلال'' کیا گیا ہے اس مقصد کے لئے قرآن کریم کی جو آیت مرزائی صاحبان کی طرف سے تلاش کرکے لائی گئی ہے وہ یہ ہے۔

> وَمَنْ يُطِعِ اللّٰهَ وَ الرَّسُوْلَ فَاُولٰٓئِكَ مَعَ الَّذِيْنَ اَنْعَمَ اللّٰهُ عَلَيْهِمْ مِنَ النَّبِيّٖنَ وَ الصِّدِّيْقِيْنَ وَ الشُّهَدَآءِ وَ الصّٰلِحِيْنَ وَ حَسُنَ اُولٰٓئِكَ رَفِيْقاً۔
>
> اور جو شخص اللہ اور رسول کی اطاعت کرے تو وہ ان لوگوں کے ساتھ ہوگا جن پر اللہ نے انعام کیا ہے۔ یعنی نبیوں کے ساتھ اور صدیقوں کے ساتھ اور شہداء کے ساتھ اور صالحین کے ساتھ، اور یہ لوگ بہترین ساتھی ہیں۔

اس آیت کو بار بار پڑھ کر دیکھئے، کیا اس میں خوردبین لگا کر بھی کہیں یہ بات نظر آتی ہے کہ نبوت کا

سلسلہ جاری ہے؛ اور کوئی شخص اب بھی نبی بن سکتا ہے؟ لیکن جو مذہب ''دمشق سے قادیان'' مراد لے سکتا ہو۔ جسے قرآن میں بھی ''قادیان'' کا ذکر دکھائی دیتا ہو اور جو ''خاتم النبیّن'' کا ایسا مطلب نکال سکتا ہو۔ جس سے تمام ''نبوتوں کا سرتاج'' نبوت کا دروازہ کھلا رہے وہ اس آیت سے بھی نبوت کے جاری رہنے پر استدلال کر لے تو کون سی تعجب کی بات ہے۔

اس آیت میں صاف طور سے یہ بتایا گیا ہے کہ اللہ اور اس کے رسول کی اطاعت کرنے والا آخرت میں انبیاء، صدیقین، شہداء اور صالحین کا ساتھی ہوگا۔ لیکن مرزائی صاحبان اس کا یہ مطلب بیان کرتے ہیں کہ وہ خود نبی بن جائے گا۔ کہا جاتا ہے کہ یہاں لفظ ''مَعَ'' (ساتھ) استعمال ہوا ہے۔ جو اس معنی میں بھی لیا جا سکتا ہے کہ اس دن انبیاء وغیرہ کے گروہ کے محض ساتھ ہی نہیں ہوگا بلکہ ان میں شامل ہو جائے گا۔

لیکن جو شخص مذکورہ بالا آیت کے الفاظ سے بالکل ہی آنکھیں بند کر کے نہیں بیٹھ گیا وہ دیکھ سکتا ہے کہ اسی آیت کے آخیر یہ ارشاد فرمایا گیا ہے:

حسن اولئك رفيقا

اور یہ لوگ بہترین ساتھی ہیں

اس آخری جملے میں لفظ رفیق نے یہ بات واضح کر دی کہ اگر بالفرض کہیں ''مَعَ'' کے معنی کچھ اور ہو بھی سکتے ہیں تو یہاں سوائے ساتھی بننے کے کوئی اور مطلب نہیں کیوں کہ آگے اس کی تشریح کے لئے صراحۃً لفظ ''رفیق'' آ رہا ہے۔

پھر اگر (معاذ اللہ) مطلب یہی تھا کہ ہر شخص اللہ اور رسول کی اطاعت کر کے نبی بن سکتا ہے تو کیا پوری امت میں اللہ اور رسول کی اطاعت کرنے والا ایک مرزا غلام احمد ہی پیدا ہوا ہے۔ اور کسی نے اللہ اور رسول کی اطاعت نہیں کی۔ حالانکہ قرآن (معاذ اللہ) یہ کہہ رہا ہے کہ جو شخص بھی اللہ اور اس کے رسول کی فرمانبرداری کرے گا وہ نبیوں کے زمرے میں شامل ہو جائے گا۔ اگر اسی کا نام ''استدلال'' ہے تو نہ جانے قرآن کی معنوی تحریف کیا چیز ہوگی۔

بعض صُوفیاء کے غلط حوالے

مرزائی صاحبان بعض صوفیاء کے ناتمام اور مبہم حوالے ڈھونڈ کر انہیں اپنی خود ساختہ نبوّت ید میں پیش کرتے ہیں۔ ان کے پیش کئے ہوئے ایسے غلط حوالوں کا مسلمانوں کی طرف ہنائی مدلّل اور اطمینان بخش جواب دیا جا چکا ہے اور بار بار دیا جا چکا ہے۔ یہاں اس کو ں دوہرانے کی ضرورت نہیں، البتہ چند اصولی حقائق کی طرف اشارہ ضروری ہے۔

دین میں اقوالِ سلف کی حقیقت

سب سے پہلے یہ بات قابل ذکر ہے کہ دین کا اصل سرچشمہ قرآن کریم، سرکار دو عالم صلی وسلّم کی احادیث اور اجماعِ اُمّت ہے، اور اِکا دکا افراد کی ذاتی آراء اس مسئلے پر کبھی اثر ں ہو سکتیں جو دین کے ان بنیادی سرچشموں میں وضاحت کے ساتھ بیان ہوا ہو۔ خاص ے نبوّت و رسالت جیسا بنیادی عقیدہ تو خبرِ واحد سے بھی ثابت نہیں ہوتا، چہ جائیکہ اسے کسی تحریر سے ثابت کیا جائے۔ اس لئے اس مسئلے میں قرآن و حدیث کی متواتر تصریحات اور اُمّت کے خلاف اگر کچھ انفرادی تحریریں ثابت ہو بھی جائیں تو وہ قطعی طور پر خارج از بحث انہیں بطور استدلال پیش نہیں کیا جا سکتا۔ لہٰذا جن صوفیاء کے مبہم جملوں سے مرزائی ن سہارا لینے کی کوشش کرتے ہیں ان کی تشریح و توجیہ سے ہمارا یہ مقصد ہرگز نہیں ہے کہ اگر ان کی تحریروں کا مفہوم عقیدہ ختم نبوّت سے متضاد ثابت ہو جائے تو اس مستحکم اور مسلمہ ے کو کوئی نقصان پہنچنے کا خطرہ ہے۔ بلکہ جس کسی نے اُن کے کلام کی صحیح تشریح پیش کی ہے

یہی وجہ ہے کہ جہاں تک دین کے بنیادی مسائل، عقائد اور عملی احکام کا تعلق ہے وہ نہ علم تصوّف کا موضوع ہیں اور نہ علمائے اُمت نے تصوف کی کتابوں کو ان معاملات میں کوئی مأخذ یا حجت قرار دیا ہے۔ اس کے بجائے عقائد کی بحثیں علم کلام میں اور عملی احکام وقوانین کے مسائل علم فقہ میں بیان ہوتے ہیں اور انہی علوم کی کتابیں اس معاملے میں معتبر سمجھی جاتی ہیں۔ خود صوفیائے کرام ان معاملات میں انہی علوم کی کتابوں کی طرف رجوع کرتے ہیں اور یہ تصریح کرتے ہیں کہ جو شخص تصوف کے ان باطنی اور نفسیاتی تجربات سے نہ گزرا ہو اس کے لئے ان کتابوں کا دیکھنا بھی جائز نہیں۔ بسا اوقات ان کتابوں میں ایسی باتیں نظر آتی ہیں جن کا بظاہر کوئی مفہوم سمجھ میں نہیں آتا، بعض اوقات جو مفہوم بادی النظر میں معلوم ہوتا ہے وہ بالکل عقل کے خلاف ہوتا ہے۔ لیکن لکھنے والے کی مراد کچھ اور ہوتی ہے اس قسم کی عبارتوں کو ''شطحیات'' کہا جاتا ہے۔ اسلئے کسی بنیادی عقیدے کے مسئلہ میں تصوف کی کتابوں سے استدلال ایک ایسی اصولی غلطی ہے جس کا نتیجہ گمراہی کے سوا کچھ نہیں۔

اس اُصول کو خود اکابر صوفیا نے بھی تسلیم کیا ہے۔ حضرت مجدّد الف ثانی رحمتہ اللہ علیہ تصوف کے بھی امام ہیں، لیکن وہ تحریر فرماتے ہیں:۔

> ''پس مقرر شد کہ معتبر در اثبات احکام شرعیہ کتاب وسنت است و قیاس مجتہدان و اجماعِ امت نیز مثبت احکام است۔ بعد از یں چہار ادلۂ شرعیہ ہیچ دلیلے مثبت احکام شرعیہ نمی تواند شد۔ الہام مُثبت حلِ وحرمت نہ بود و کشف از باب باطن اثباتِ فرض وسنت نہ نماید'' (مکتوبات حصہ ہفتم دفتر دوم ص ۱۵ مکتوب نمبر ۵۵)

ایک اور جگہ صوفیاء کی ''شطحیات'' سے کلامی مسائل مستنبط کرنے کا ذکر کرتے ہوئے لکھتے ہیں۔

> ''قائل آں سخناں شیخ کبیر یمنی باشد یا شیخ اکبر شامی، کلام محمد عربی وعلی آلہ

نیز مرزا صاحب لکھتے ہیں:۔

”و من تفوہ بکلمة یس لهٗ أصل صحیح فی الشّرع ملهماً سبحان أو
مجتهداً فیهِ الشّیاطین متلاعبة

یعنی ”اگر کوئی شخص کوئی ایسی بات زبان سے نکال دے جس کی شریعت میں کوئی اصل نہ ہو وہ صاحب الہام ہو یا مجتہد ہو تو درحقیقت وہ شیاطین کا کھلونا ہے۔

(آئینہ کمالات اسلام ص ۲۱ طبع ربوہ مصنفہ ۱۸۹۳ء)

لہذا مرزائی صاحبان کے لئے قرآن کریم کی صریح آیات اور متواتر احادیث کو چھوڑ کر چند ؤفیاء کے اقوال سے استدلال کیسے درست ہو سکتا ہے؟

صُوفیاءِ کرام کا اُسلوب

تیسری اصولی بات یہ ہے کہ دنیا کے مسلّمہ اصول کے مطابق ہر علم و فن کا موضوع، اس کی ٰن و غائیت، اس کی اصلاحات اور اس کے ماہرین جدا ہوتے ہیں اور اسی اعتبار سے ہر علم و فن اسلوب بیان بھی الگ ہوتا ہے۔ جو شخص کسی علم و فن کا ماہر اور تجربہ کار نہ ہو۔ بسا اوقات اس فن ، کتابیں پڑھ کر شدید غلط فہمیوں کا شکار ہو جاتا ہے۔ اگر کوئی عام آدمی میڈیکل سائنس کی نابیں پڑھ کر اس سے اپنا علاج شروع کر دے تو یہ اس کی ہلاکت کا سبب بھی بن سکتا ہے۔ یہی املہ اسلامی علوم کا ہے کہ تفسیر، حدیث، فقہ، عقائد اور تصوف میں سے ہر ایک علم کا وظیفہ، اس کی لاحات اور اس کی اسلوب بالکل الگ ہے، اور ان میں سب سے زیادہ دقیق اور پیچیدہ یرات ان کتابوں میں ملتی ہیں جو تصوف اور اس کے فلسفے پر لکھی گئی ہیں۔ کیونکہ ان کتابوں کا ق نظریات اور ظاہری اعما کے بجائے ان باطنی تجربات اور ان واردات و کیفیات سے ہے جو فیائے کرام پر اپنے اشغال کے دوران طاری ہوتی ہیں اور معروف الفاظ کے ذریعے ان کا

لہذا ان حضرات کے کلام کی تشریح میں جو کچھ کہا گیا ہے وہ عقیدۂ ختم نبوّت کا دفاع نہیں، بلکہ ان بزرگوں کا دفاع ہے، لہذا وہ ہمارے موضوع بحث سے خارج ہے۔

[At this stage Dr. Mrs. Ashraf Khatoon Abbasi vacated the Chair which was occupied by Mr. Chairman (Sahibzada Farooq Ali)]

مولوی مفتی محمود: مرزائی مذہب میں اقوالِ سلف کی حقیقت

دوسری بات یہ ہے کہ مرزائی صاحبان کو تو اپنے مذہب کے مطابق کسی بھی درجے میں یہ حق نہیں پہنچتا کہ وہ ان بزرگوں کے اقوال سے استدلال کریں۔ کیونکہ کتنے ہی معاملات ایسے ہیں جن میں انہوں نے اجماع اُمّت کو بھی درست قرار نہیں دیا، بلکہ اسے حُجّتِ شرعیہ ماننے سے ہی انکار کیا ہے چنانچہ عقیدۂ نزول مسیحؑ کی تردید کرتے ہوئے مرزا غلام احمد صاحب لکھتے ہیں۔

”جبکہ پیش گوئیوں کے سمجھنے کے بارے میں خود انبیاء سے امکان غلطی ہے تو پھر اُمّت کا کورانہ اتفاق یا اجماع کیا چیز ہے؟“ (ازالۂ اوحام طبع دوم ۱۹۰۲ء ص ۷۱ ج ۱)

اور آگے لکھتے ہیں:۔

”میں پھر دوبارہ کہتا ہوں کہ اس بارے میں عام خیال مسلمانوں کا، گو ان میں اولیاء بھی داخل ہوں، اجماع کے نام سے معصوم نہیں ہو سکتا۔“ (حوالہ بالا ص ۷۲ ج ۱)

اور جب اجماع کا یہ حال ہے تو سلف کے انفرادی اقوال کی حیثیت تو خود بخود واضح ہو جاتی ہے چنانچہ مرزا صاحب لکھتے ہیں:۔

”اور اقوال سلف و خلف درحقیقت کوئی مستقل حُجّت نہیں، اور ان کے اختلاف کی حالت میں وہ گروہ حق پر ہوگا جن کی رائے قرآن کریم کے مطابق ہے۔“

(ازالۂ اوھام طبع دوم ۱۹۰۲ء ص ۲۶۹ حصہ دوم)

الصلواۃ السّلام درکار است، نہ کلامِ محیَ الدین ابن عربی و صدر الدین قونیوی و عبدالرزاق کاشی۔ مارا بہ نص کار است نہ بفص، فتوحاتِ مدنیہ از فتوحاتِ مکّیہ مستغنی ساختہ است''

''یہ باتیں خواہ شیخ کبیر یمنی نے کہی ہوں، یا شیخ اکبر شامی نے، ہمیں محمد عربی صلی اللہ علیہ وسلّم کا کلام چاہیئے، نہ کہ محی الدین ابن عربیؒ، صدر الدین قونیوی اور عبدالرزاق کاشی کا کلام ہمیں ''نص'' (یعنی قرآن وحدیث) سے غرض ہے نہ کہ فص سے (یہ ابنِ عربیؒ کی فصوص الحکم کی طرف اشارہ ہے) فتوحاتِ مدنیہ نے ہمیں فتوحاتِ مکّہ سے مستغنی کردیا ہے۔'' (مکتوبات حصہ اول دفتر اول مکتوب نمبر۱۰۰)

ان تین بنیادی باتوں کے بعد عقائد کے اس بنیادی مسئلے میں جو قرآن وحدیث اور اجماعِ مت کی رُو سے کفر و اسلام کا مسئلہ ہے۔ صوفیائے کرام کی کتابوں سے استدلال قطعی طور پر مارج از بحث ہے، اور اگر بالغرض بعض صوفیاء سے اس قسم کی ''شطحیات'' ثابت بھی ہوں تو ان سے عقیدۂ ختمِ نبوّت کی قطعیّت اور استحکام میں ذرہ برابر کمی نہیں آتی۔

البتہ یہ درست ہے کہ جن صوفیائے کرامؒ پر یہ الزام لگایا گیا ہے کہ وہ غیر تشریعی نبوت کے باقی رہنے کے قائل ہیں۔ اُن پر یہ ایک ایسا اتہام ہے جو محض ان کی اصلاحات اور اسلوبِ بیان سے ناواقفیت کی بناء پر عائد کیا گیا ہے۔ یہاں ہم ان کے کلام کی صحیح صحیح تشریح کریں تو اس کے لئے طویل مضمون درکار ہوگا، اور چونکہ ہماری مذکورہ بالا معروضات کی روشنی میں یہ عقیدہ ختم نبوت کا نہیں، بلکہ ان بزرگوں کا دفاع ہے۔ اس لئے یہ ہمارے موضوع سے خارج بھی ہے لیکن یہاں ان حضرات کی بعض صریح عبارتیں نقل کی جاتی ہیں جن سے یہ واضح ہوجاتا ہے کہ وہ پوری امت کی طرح ختم نبوت کے عقیدے پر مستحکم ایمان رکھتے ہیں۔

مجدّد الف ثانیؒ کی عبارت میں مرزا کی صریح تحریف

اس سلسلے میں سب سے پہلے مرزا غلام احمد صاحب کی یہ ڈھٹائی اور دیدہ دلیری ملاحظہ فرمایئے کہ انہوں نے اپنی نبوت ثابت کرنے کے لئے مجدّدِ الف ثانیؒ کی ایک عبارت نقل کی ہے اور اس میں ایک لفظ خود اپنی طرف سے بڑھا دیا ہے، لکھتے ہیں: ۔

> ''بات یہ ہے کہ جیسا مجدّد صاحب سرہندیؒ نے اپنے مکتوبات میں لکھا ہے کہ اگرچہ اس امت کے بعض افراد مکالمہ ومخاطبہٗ الٰہیہ سے مخصوص ہیں اور قیامت تک مخصوص رہیں گے۔ لیکن جس شخص کو بکثرت اس مکالمہ ومخاطبہ سے مشرف کیا جائے اور بکثرت امورِ غیبی اس پر ظاہر کئے جائیں وہ نبی کہلاتا ہے۔''
>
> (حقیقۃ الوحی ص ۳۹۰ مطبوعہ ۱۹۰۷ء)

حالانکہ حضرت مجدّد صاحبؒ کی جس عبارت کا حوالہ مرزا صاحب نے دیا ہے وہ یہ ہے: ۔

> واذا کثر ھذا القسم من الکلام مع واحدٍ منھم یسمّٰی مُحَدَّثاً
>
> ''اور جب اللہ کی طرف سے اس قسم کا کلام کسی کے ساتھ بکثرت ہونے لگے تو اسے محدث کہا جاتا ہے۔'' (مکتوبات جلد دوم ص ۹۹)

ملاحظہ فرمایئے کہ حضرت مجدّد صاحبؒ کی عبارت میں 'مُحدّث' کے لفظ کو مرزا صاحب نے کس طرح ''نبی'' کے لفظ سے بدل دیا۔ محمد علی لاہوری صاحب اس کا اعتراف کرتے ہوئے لکھتے ہیں: ۔

> ''جب ہم مجدّد صاحب سرہندیؒ کے مکتوبات کو دیکھتے ہیں تو وہاں یہ نہیں پاتے کہ کثرتِ مکالمہ ومخاطبہ پانے والا نبی کہلاتا ہے۔ بلکہ وہاں لفظ محدّث ہے۔''
>
> (النبوۃ فی الاسلام ص ۲۴۸ لاہور طبع دوم)

پھر آگے اس صریح خیانت کی تاویل کرتے ہوئے لکھتے ہیں کہ درحقیقت مرزا صاحب نے یہاں لفظِ ''نبی'' کو ''محدّث'' ہی کے معنی میں استعمال کیا ہے اور: ۔

> ''اگر اس توجیہہ کو قبول نہ کیا جائے تو حضرت مسیح موعود پر یہ الزام عائد ہوگا کہ آپ نے نعوذ باللہ اپنی مطلب براری کے لئے مجدّد صاحب کی عبارت میں تحریف کی ہے۔'' (النبوۃ فی الاسلام از محمد علی لاہوری ص ۲۳۸)

حالانکہ مرزا صاحب خود لفظِ نبی کو اپنے کلام میں محدّث کے معنی میں استعمال کرتے تو ایک ت بھی تھی، حضرت مجدّد صاحبؒ کی طرف زبردستی لفظِ ''نبی'' منسوب کر کے اُسے ''محدّث'' کے معنی میں قرار دینا کون سی شریعت، کون سے دین اور کون سی عقل کی رُو سے جائز ہے؟ حیرت ہے ان لوگوں کی عقلوں پر جو مرزا صاحب کے کلام میں ایسی ایسی صریح خیانتیں دیکھتے ہیں، اور ہر بھی انہیں نبی، مسیح موعود اور مجدّد قرار دینے پر مُصر ہیں۔

مُلاّ علی قاریؒ

دوسرے بزرگ جن کی طرف یہ بات منسوب کی جاتی ہے کہ وہ ختمِ نبوّت کے خلاف نبوّت کی کسی قسم کو جائز سمجھتے ہیں، ملاّ علی قاریؒ ہیں۔ لیکن ان کی درج ذیل عبارت ملاحظہ فرمایئے،

> "التّحدی فرع دعوی النبوّۃ و دعوی النبوۃ بعد نبیّنا صلّی اللّٰہ علیہ وسلّم کفر بالاِ جماع۔"
>
> ''اس قسم کا چیلنج دعویٰ نبوت کی ایک شاخ ہے اور ہمارے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد نبوّت کا دعویٰ کرنا بہ اجماع کُفر ہے۔'' (ملحقات شرح فقہ اکبر ص ۲۰۱)

یہ عبارت ملاّ علی قاریؒ نے اس شخص کے بارے میں لکھی ہے جو محض معجزے میں دوسرے کے مقابلے پر غلبہ پانے کا دعویٰ کر رہا ہو۔ اس سے ظاہر ہے کہ یہاں گفتگو محض غیر تشریعی نبوت میں ہے اور اس کا دعویٰ بھی ملاّ علی قاریؒ نے کفر قرار دیا ہے۔

شیخ ابنِ عربیؒ اور شیخ شعرانیؒ

شیخ محی الدین ابنِ عربی کی طرف خاص طور سے یہ بات زور شور سے منسوب کی جاتی ہے کہ وہ غیر تشریعی نبوت کے قائل ہیں، مگر ان کی درج ذیل عبارت ملاحظہ ہو:۔

> "فما بقی للاولیاء الیوم بعد ارتفاع النبوۃ الا التعریفات و انسدّت أبراب الا و امر الالٰھیّۃ و النّھی فمن ادّعا ھا بعد محمّد صلّی اللّٰہ علیہ وسلم فھو مدّع شریعۃ اوحی بھا الیہ سواء وافق بھا شرعنا أو خالف۔"
>
> ’’پس نبوت کے ختم ہو جانے کے بعد اولیاء اللہ کے لئے صرف معارف باقی رہ گئے ہیں۔ اور اللہ تعالیٰ کی طرف سے کسی امر (کسی چیز کا حکم) یا نہی (کسی چیز سے منع کرنا) کے دروازے بند ہو چکے۔ اب ہر وہ شخص جو اس کا دعویٰ کرے وہ درحقیقت شریعت کا مدعی ہے خواہ اس کا الہام ہماری شریعت کے موافق ہو یا مخالف۔‘‘ (فتوحات مکیہ ج۳ ص۵۱)

اس عبارت نے واضح کر دیا کہ:۔

(۱) شیخ اکبرؒ کے نزدیک مدّعی شریعت صرف وہ نہیں ہے جو شریعت محمدیہؐ کے بعد نئے احکام لائے بلکہ وہ مدّعی نبوت بھی ان کے نزدیک مدعی شریعت ہے جس کی وحی بالکل شریعتِ محمدیہ کے موافق ہی ہو۔

(۲) آنحضرت صلی اللہ علیہ کے بعد جس طرح نئی شریعت کا دعویٰ ختم نبوت کا انکار ہے۔ شریعت محمدیہؐ کی موافق وحی کا دعویٰ بھی ختم نبوت کا انکار ہے۔

(۳) شیخ اکبر کے نزدیک تشریعی نبوت سے مراد وہ نبوت ہے جسے شریعت نبوت کہے، خواہ وہ نبوت شریعت جدیدہ کی مدعی ہو اور خواہ شریعت محمدیہؐ کی موافقت کا دعویٰ کرے پس غیر تشریعی نبوت سے مراد وہ کمالات نبوت اور کمالات ولایت ہوں گے جن پر شریعت

نبوت کا اطلاق نہیں کرتی اور وہ نبوت نہیں کہلاتی۔

عارف باللہ امام شعرانیؒ نے ''الیواقیت والجواہر'' میں شیخ اکبرؒ کی مندرجہ بالا عبارت نقل تے ہوئے اس کے ساتھ یہ الفاظ بھی نقل کیے ہیں:۔

فان کان مکلّفاً ضربنا عنقه والا ضربنا عنه صفحاً (الیواقیت جلد۲ص۳۸۰)

اگر وہ شخص مکلف یعنی عاقل بالغ ہو تو ہم پر اس کا قتل واجب ہے۔ ورنہ اس سے اغراض ئے گا۔

ایک رکن: جناب والا! آج جمعہ ہے۔

جناب چیئرمین: ایک چیپٹر ''مرزائیت کی اسلام دشمنی'' پڑھ لیں، جو چھ صفحے کا ہے۔

ایک رکن: ساڑھے بارہ بج گئے ہیں۔

جناب چیئرمین: صرف دس منٹ لگیں گے۔

ایک رکن: شام کو کر لیں۔

جناب چیئرمین: شام کو آپ کہتے ہیں کہ صبح، اور صبح کو کہتے ہیں کہ شام کو کریں۔ کوئی وقت ا دیں۔

مولوی مفتی محمود: جلد کر لیتے ہیں۔

جناب چیئرمین: ہاں، چھ صفحے ہیں۔ سات تاریخ کو پھر آپ باہر نکل جائیں گے۔

مولوی مفتی محمود:

مرزائیت کی اسلام دشمنی

- O استعماری اور سامراجی کردار
- O جہاد کی تنسیخ
- O عالم اسلام سے غدّاری
- O اکھنڈ بھارت
- O سیاسی عزائم، منصوبے اور سرگرمیاں

ہم نے اپنی قرارداد میں کہا ہے کہ

جہاد کو ختم کرنے کی اس کی کوششیں اسلام کے بڑے بڑے احکام کے خلاف غداری تھیں نیز یہ کہ وہ سامراج کی پیداوار تھا، اور اس کا واحد مشن مسلمانوں کے اتحاد کو تباہ کرنا اور اسلام کو جھٹلانا تھا۔ نیز ان کے پیروکار، چاہے انہیں کوئی بھی نام دیا جائے، مسلمانوں کے ساتھ گھل مل کر اور اسلام کا ایک فرقہ ہونے کا بہانہ کر کے اندرونی اور بیرونی طور پر تخریبی سرگرمیوں میں مصروف ہیں۔

آئندہ صفحات میں اس کی تشریح
پیش کی جارہی ہے ———

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

سیاسی پس منظر

۳۰؍ جون کو قومی اسمبلی میں پیش کی گئی ہماری قرارداد میں مرزا غلام احمد کے جہاد کو ختم کرنے کی کوششوں کا بھی ذکر ہے اور یہ کہ وہ سامراج کی پیداوار تھا اور اس کا واحد مقصد مسلمانوں کے اتحاد کو تباہ کرنا تھا اور یہ کہ مرزائی خواہ انہیں کوئی بھی نام دیا جائے۔ اسلام کے فرقہ ہونے کا بہانہ کر کے اندرونی اور بیرونی طور پر تخریبی سرگرمیوں میں مصروف ہیں۔

ہم ان حسب ذیل چار باتوں کا جائزہ مرزائی تحریرات اور ان کی سرگرمیوں اور عزائم کی روشنی میں لیتے ہیں۔

(ا) مرزائیت سامراجی اور استعماری مقاصد اور ارادوں کی پیداوار ہے۔

(ب) ان مقاصد کے حصول کے لئے جہاد کو نہ صرف ہندوستان بلکہ پورے عالم اسلام میں قطعی حرام ناجائز اور منسوخ کرانا۔

(ج) ملّت مسلمہ کے شیرازۂ اتحاد اور وحدتِ ملّت کو منتشر اور تباہ کرنا۔

(د) پورے عالم اسلام اور پاکستان میں تخریبی اور جاسوسی سرگرمیاں۔

یورپی استعمار اور مرزائیت

پہلی بات کہ مرزا صاحب اور اس کے پیروکار یورپی استعمار کے آلہ کار ہیں۔ ایک ایسی کھلی حقیقت ہے جس کا نہ صرف مرزا قادیانی کو اعتراف ہے بلکہ وہ فخر و مباہات کے ساتھ بانگ دہل ان باتوں کا اپنی ہر تحریر اور تصنیف میں اعلان کرتے پھرتے ہیں۔ وہ بلا جھجک اپنے کو انگریزوں کا خود کاشتہ پودا اور خاندانی وفادار اور سلطنت انگلشیہ کو آقائے ولی نعمت اور رحمت

خداوندی اور انگریزوں کی اطاعت کو مقدس دینی فریضہ قرار دیتے ہیں۔ ادھر انگریزی حکام اور سامراج بھی دل کھول کر ان کی وفا شعاریوں کو سراہتے ہیں۔ اب دیکھنا یہ ہے کہ یورپ اور برطانیہ مرزا کو اپنے استعماری اور اسلام دشمن مقاصد کے لئے کن طریقوں سے استعمال کرتے رہے۔

اٹھارھویں صدی کا نصفِ آخر اور یورپی استعمار

اٹھارہویں صدی عیسوی کے نصف آخر ہی میں یورپی سامراج دنیا کے بیشتر حصوں پر اپنے نوآبادیاتی عزائم کے ساتھ حملہ آور ہوا۔ ان سامراجی طاقتوں میں برطانیہ پیش پیش تھا، اطالوی، فرانسیسی اور پرتگالی براعظم افریقہ کو اطالوی سومالی لینڈ، فرانسیسی سومالی لینڈ، پرتگالی مشرقی افریقہ، جرمی مشرقی افریقہ اور برطانوی مشرقی افریقہ میں منقسم کرنے کے بعد مشرق وسطیٰ کے بعض علاقوں میں سامراجی ریشہ دوانیوں میں مصروف تھے۔ اٹلی نے اریٹریا، فرانس نے جزیرہ مڈگاسکر اور برطانیہ نے رہوڈیشیا اور یوگنڈا کو نوآبادیوں میں تقسیم کر دیا۔ نام نہاد خودمختار علاقوں میں یونین آف ساؤتھ افریقہ کے علاوہ مصر، حبشہ اور لائبیریا کا شمار ہوتا تھا۔ یورپی سامراج نے اس زمانے میں ہندوستان، برما اور لنکا کو زیر نگین لانے کے لئے کشمکش کا آغاز کر دیا تھا اور بحر ہند کو اپنی استعماری سرگرمیوں کی آماجگاہ بنا لیا۔ مشرقی ساحل پر ملائی ریاستوں میں سنگاپور ایک اہم بحری اڈہ تھا جس کو بنیاد بنا کر بحرِ ہند، بحرالکاہل، ڈچ ایسٹ انڈیز اور جنوبی آسٹریلیشیا کو جدا جدا کیا جا سکتا تھا۔ استعماری طاقتوں کو اپنے مذموم ارادوں کی تکمیل میں اس وقت زیادہ آسانی ہو گئی جب ۱۷۶۹ء میں نہر سویز کی تعمیر کا مرحلہ اختتام پذیر ہوا اس کی وجہ سے راسِ امید کا لمبا چکر لگانے کی بجائے بحیرہ قلزم اور بحیرہ احمر کا آسان راستہ اختیار کیا جانے لگا۔ ۱۸۷۸ء تک برطانیہ جبرالٹر اور مالٹا کو زیر اثر لا کر قبرص پر تسلط جما چکا تھا، عدن ۱۸۳۹ء میں محکوم بنایا جا چکا تھا اب پورے جنوب مغربی ایشیاء پر قبضہ کرنا باقی تھا۔

انگریز اور برِصغیر

انگریز نے جب برصغیر اور عالم اسلام میں اپنا پنجۂ استبداد جمانا شروع کیا تو اس کی راہ میں دو باتیں رکاوٹ بننے لگیں۔ ایک تو مسلمانوں کی نظریاتی وحدت دینی معتقدات سے غیر متزلزل وابستگی اور مسلمانوں کا وہ تصور اخوت جس نے مغرب و مشرق کو جسد واحد بنا کے رکھ دیا تھا۔ دوسری بات مسلمانوں کا لافانی جذبہ جہاد جو بالخصوص عیسائی یورپ کے لئے صلیبی جنگوں کے بعد وبال جان بنا ہوا تھا۔ اور آج ان کے سامراجی منصوبوں کے لئے قدم قدم پر سد راہ ثابت ہو رہا تھا۔ اور یہی جذبہ جہاد تھا جو مسلمانوں کی مِلّی بقاء اور سلامتی کے لئے گویا حصار اور قلعہ کا کام دے رہا تھا۔ انگریزی سامراج ان چیزوں سے بے خبر نہ تھی اس لئے اپنی معروف ابلیسی سیاست لڑاؤ اور حکومت کرو (DIVIDE AND RULE) سے عالم اسلام کی جغرافیائی اور نظریاتی وحدت کو ٹکڑے کرنا چاہا۔ دوسری طرف عالم اسلام بالخصوص برصغیر میں نہایت عیاری سے مناظروں اور مباحثوں کا بازار گرم کر کے مسلمانوں میں فکری انتشار اور تذبذب پیدا کرنا چاہا، اور اس کے ساتھ ہی انگریزوں پر سلطان ٹیپو شہیدؒ، سیّد احمد شاہ شہیدؒ اور شاہ اسماعیل شہیدؒ اور ان کے بعد جماعت مجاہدین کی مجاہدانہ سرگرمیاں علماء حق کا ہندوستان کو دارالحرب قرار دے کر جہاد کا فتویٰ دینا اور بالآخر ۵۷ء کے جہاد آزادی نہ صرف ہندوستان بلکہ باہر عالم اسلام میں مغربی استعمار کے خلاف مجاہدانہ تحریکات سے یہ حقیقت اور بھی عیاں ہو کر سامنے آ گئی کہ جب تک مسلمانوں کے اندر جذبۂ جہاد قائم ہے سامراج کبھی بھی اور کہیں بھی اپنا قدم مضبوطی سے نہیں جما سکے گا۔ مسلمانوں کی یہ چیز نہ صرف ہندوستان بلکہ پوری دنیا میں یورپ کے لئے وبال جان بنی ہوئی تھی۔

مرزا صاحب کے نشو ونماء کا دَور اور عالمِ اسلام کی حالت

انیسویں صدی کا نصف آخر جو مرزا صاحب کے نشو ونما کا دور ہے اکثر ممالک اسلامیہ جہاد اسلامی اور جذبۂ آزادی کی آماجگاہ بنے ہوئے تھے۔ برصغیر کے حالات تو مختصراً معلوم ہو چکے۔ ہم دیکھتے ہیں کہ یہی زمانہ ہے جب برصغیر کے باہر پڑوسی ممالک افغانستان میں ۷۹-۱۸۷۸ء میں برطانوی افواج کو افغانوں کے جذبۂ جہاد وسروشی سے دوچار ہونا پڑتا ہے جو بالآخر انگریزوں کی شکست اور پسپائی پر ختم ہوجاتا ہے۔

ترکی میں ۱۸۷۶ء سے لے کر ۱۸۷۸ء تک انگریزوں کی خفیہ سازشوں اور درپردہ معاہدوں کو دیکھ کر جذبۂ جہاد بھڑکتا ہے۔ طرابلس الغرب میں شیخ سنوسی الجزائر میں امیر عبدالقادر (۱۸۸۰ء) اور روس کے علاقہ داغستان میں شیخ محمد شامل (۱۸۷۰ء) بڑی پامردی اور جانفشانی سے فرانسیسی اور روسی استعمار کو للکارتے ہیں۔ ۱۸۸۱ء میں مصر میں مصری مسلمان سربکف ہو کر انگریزوں کو مزاحمت کرتے ہیں۔

سوڈان میں انگریز قوم قدم جمانا چاہتی ہے تو ۱۸۸۱ء میں مہدی سوڈانی اور ان کے درویش جہاد کا پھریرا بلند کر کے بالآخر انگریز جنرل گارڈن اور اس کی فوج کا خاتمہ کرتے ہیں۔

اسی زمانہ میں خلیج عرب، بحرین، عدن وغیرہ میں برطانوی فوجیں مسلمانوں کے جہاد اور استخلاص وطن کے لئے جان فروشی اور جان نثاری کے جذبہ سے دوچار تھیں۔

مسلمانوں کی ان کامیابیوں کے اسباب کا ذکر کرتے ہوئے ایک انگریز مصنف لکھتا ہے کہ مسلمانوں میں دینی سرگرمی بھی کام کرتی تھی کہتے تھے کہ فتح پائی تو غازی مرد کہلائے، حکومت حاصل کی، مر گئے، تو شہید ہو گئے۔ اس لئے مرنا یا مار ڈالنا بہتر ہے اور پیٹھ دکھانا بیکار۔

(تاریخ برطانوی ہند ۳۰۲ مطبوعہ ۱۹۳۵ء)

ایک حواری نبی کی ضرورت

ایک برطانوی دستاویز ’’دی ارائیول آف برٹش ایمپائر اِن انڈیا‘‘ میں ہے اور بیرونی تمام شواہد بھی اس کی تائید کرتے ہیں کہ ’’۱۸۶۹ء میں انگلینڈ سے برطانوی مدبّروں اور مسیحی رہنماؤں کا ایک وفد اس بات کا جائزہ لینے برصغیر آیا کہ مسلمانوں کو رام کرنے کی ترکیب اور برطانوی سلطنت سے وفاداری کے راستے نکالنے پر غور کیا جائے۔ اس وفد نے ۱۸۷۰ء میں دو رپورٹیں پیش کیں جن میں کہا گیا تھا کہ ہندوستانی مسلمانوں کی اکثریت اپنے روحانی رہنماؤں کی اندھا دھند پیروکار ہے۔ اگر اس وقت ہمیں کوئی ایسا آدمی مل جائے جو اپاسٹالک (APOSTOLIC PROPHET) پرافٹ (حواری نبی) ہونے کا دعویٰ کرے تو بہت سے لوگ اس کے گرد اکٹھے ہو جائیں گے۔ لیکن مسلمانوں میں ایسے کسی شخص کو ترغیب دینا مشکل نظر آتا ہے۔ یہ مسئلہ حل ہو جائے تو پھر ایسے شخص کی نبوّت کو حکومت کی سرپرستی میں بطریق احسن پروان چڑھایا جا سکتا ہے۔ اب کہ ہم پورے ہندوستان پر قابض ہیں تو ہمیں ہندوستانی عوام اور مسلمان جمہور کی داخلی بے چینی اور باہمی انتشار کو ہوا دینے کے لئے اس قسم کے عمل کی ضرورت ہے۔

(بحوالہ عجمی اسرائیل ص۱۹) (THE ARRIVAL OF BRITISH EMPIRE IN INDIA)

سامراجی ضرورتیں — مرزا صاحب اور اُن کا خاندان

یہ ماحول تھا اور سامراجی ضرورتیں تھیں جس کی تکمیل مرزا غلام احمد کے دعویٰ نبوّت اور تنسیخ جہاد کے اعلان نے کی اور بقول علاّمہ اقبال یہ حالات تھے کہ ’’قادیانی تحریک فرنگی انتداب کے حق میں الہامی سند بن کر سامنے آئی۔ (حرف اقبال ص۱۴۵)

انگریز کو مرزا غلام احمد سے بڑھ کر کوئی اور موزوں شخص ان کے مقاصد کے لئے مل بھی نہیں سکتا تھا۔ اس لئے کہ مسلمانوں کے مقابلہ میں کافروں کی حمایت اور مسلم دشمنی اس کو خاندانی ورثہ میں ملی تھی۔

مرزا کا والد غلام مرتضیٰ اپنے بھائیوں سمیت مہاراجہ رنجیت سنگھ کی فوج میں داخل ہوا اور سکھوں کیلئے قابل قدر خدمات انجام دیں۔ پہلے سکھوں سے مل کر مسلمانوں سے لڑا جس کے صلہ میں رنجیت سنگھ نے ان کو کچھ جائیداد واگزار کردی۔

مرزا صاحب کی سیرت میں ہے کہ ۱۸۴۲ء میں ان کا والد ایک پیادہ فوج کا کمیدان بنا کر پشاور روانہ کیا گیا اور ہزارہ کے مفسدے (یعنی سید احمد شہید اور مجاہدین کے جہاد) میں اس نے کارہائے نمایاں انجام دیئے (آگے ہے) کہ یہ تو تھا ہی سرکار کا نمک حلال ۱۸۴۸ء کی بغاوت میں ان کے ساتھ اس کے بھائی غلام محی الدین (مرزا غلام احمد کے چچا) نے بھی اچھی خدمات انجام دیں ان لوگوں نے سکھوں کے باغیوں سے مقابلہ کیا ان کو شکست فاش دی۔

(سیرت مسیح موعود ص ۳،۴ مرتبہ مرزا البشیرالدین محمود مطبوعہ اللہ بخش سٹیم پریس قادیان)

۱۸۵۷ء کے جہادِ آزادی میں مرزا غلام احمد کے والد مرزا غلام مرتضیٰ نے انگریز کا حق نمک یوں ادا کیا کہ خود مرزا غلام احمد کو اعتراف ہے کہ:

> ’’میں ایک ایسے خاندان سے ہوں جو اس گورنمنٹ کا پکا خیر خواہ ہے۔ میرا والد مرزا غلام مرتضیٰ گورنمنٹ کی نظر میں ایک وفادار اور خیر خواہ آدمی تھا۔ جن کو دربار گورنری میں کرسی ملی تھی۔ اور جن کا ذکر مسٹر گریفن کے تاریخ رئیسان پنجاب میں ہے اور ۱۸۵۷ء میں انہوں نے اپنی طاقت سے بڑھ کر سرکار انگریزی کو امداد دی تھی۔‘‘

یعنی پچاس سوار اور گھوڑے بہم پہنچا کر عین زمانہ غدر کے وقت سرکار انگریزی کی امداد میں دیئے تھے۔ (اشتہار واجب الاظہار منسلک کتاب البریہ ص ۳ از مرزا غلام احمد)۔ اس کے بعد مرزا غلام احمد کے والد اور بھائی غلام قادر کو انگریزی حکام نے اپنی خوشنودی کے اظہار اور ان کی خدمات کے اعتراف کے طور پر جو خطوط لکھے ان خطوط کا تذکرہ بھی محولہ بالا کتاب میں مرزا غلام احمد نے کہا ہے کہ مسٹر ولسن نے ان کے والد مرزا غلام مرتضیٰ کو لکھا ہے۔ کہ:

> ’’میں خوب جانتا ہوں بلاشبہ آپ اور آپ کا خاندان ان سرکار انگریزی کا جان نثار وفادار اور ثابت قدم خدمت گار رہا ہے۔‘‘

(خط ۱۱ر جون ۱۹۴۹ء لاہور مراسلہ ص ۳۵۳ حوالہ بالا ص ۴)

مسٹر رابرٹ کسٹ کمشنر لاہور بنام مرزا غلام مرتضیٰ اپنے خطوط مورخہ ۲۰/ستمبر ۱۸۸۵ء میں ۱۸۵۷ء کے جہاد آزادی میں انگریز کے لئے ان کی خدمات کے اعتراف اور اس کے بدلے خلعت اور خوشنودی سے نوازنے کی اطلاع دیتے ہیں۔

یہ خاندانی اطاعت جس شخص کی گھٹی میں شامل تھی اس نے اپنی وفا شعاریوں کا یوں اعتراف کیا ہے۔ ستارۂ قیصرہ میں مرزا صاحب لکھتا ہے۔

> ”مجھ سے سرکار انگریزی کے حق میں جو خدمت ہوئی وہ یہ تھی کہ میں نے پچاس ہزار کے قریب کتابیں اور اشتہارات چھپوا کر اس ملک میں اور نیز دوسرے بلاد اسلام میں ایسے مضمون شائع کئے کہ گورنمنٹ انگریزی ہم مسلمانوں کی محسن ہے لہذا ہر ایک مسلمان کا یہ فرض ہونا چاہئیے کہ اس گورنمنٹ کی سچی اطاعت کرے اور دل سے اس دولت کا شکر گذار اور دعا گو رہے اور یہ کتابیں میں نے مختلف زبانوں یعنی اردو، فارسی، عربی میں تالیف کر کے اسلام کے تمام ملکوں میں پھیلا دیں اور یہاں تک کہ اسلام کے دو مقدس شہروں مکے اور مدینے میں بھی بخوشی شائع کر دیں۔ اور روم کے پایہ تخت قسطنطنیہ اور بلاد شام اور مصر اور کابل اور افغانستان کے متفرق شہروں میں جہاں تک ممکن تھا اشاعت کر دی جس کا نتیجہ یہ ہوا کہ لاکھوں انسانوں نے جہاد کے وہ غلیظ خیالات چھوڑ دیئے جو نافہم ملاؤں کی تعلیم سے ان کے دلوں میں تھے یہ ایک ایسی خدمت مجھ سے ظہور میں آئی ہے کہ مجھے اس بات پر فخر ہے کہ برٹش انڈیا کے تمام مسلمانوں میں سے اس کی نظیر کوئی مسلمان دکھا نہیں سکا۔ (ستارہ قیصرہ ص ۲۷۳ مرزا غلام احمد قادیانی)

یہی نہیں بلکہ پورے برٹش انڈیا میں اتنی بے نظیر خدمت کرنے والے شخص نے بقول خود انگریزی اطاعت کے بارہ میں اتنا کچھ لکھا کہ پچاس الماریاں ان سے بھر سکتی ہیں۔

(تریاق القلوب ص ۱۵ مطبوعہ ۱۹۰۴ء)

مرزا صاحب سرکار برطانیہ کے متعلق لیفٹیننٹ گورنر پنجاب کو ایک چھٹی میں اپنے خاندان کو پچاس برس سے وفادار و جان نثار اور اپنے آپ کو انگریز کا خود کاشتہ پودا لکھتا ہے اور اپنی ان وفاداریوں اور اخلاص کا واسطہ دے کر اپنے اور اپنی جماعت کے لئے خاص نظر عنایت کی التجا کرتا ہے۔

(تبلیغ رسالت ج نمبر ۷ مجموعہ اشتہارات مرزا قادیانی ص ۱۹۰)

Mr. Chairman: Thank you very much. We meet at 5.30 p.m.

[The Special Committee adjourned for lunch break to meet at 5.30 p.m.]

[The Special Committee re-assembled after lunch break, Mr. Chairman (Sahibzada Farooq Ali) in the Chair.]

جناب چیئرمین: مولانا مفتی محمود!

مولوی مفتی محمود:

ہو اگر قوّتِ فرعون کی در پردہ مُرید
قوم کے حق میں ہے لعنت وہ کلیم اللّٰہی
اقبالؔ: ضرب کلیم

اِسلام کے ایک قطعی عقیدۂ جہاد کی تنسیخ

انگریز کی ان وفا شعاریوں کا نتیجہ تھا کہ مرزا قادیانی نے کھلم کھلا جہاد کے منسوخ ہونے کا اعلان کر دیا۔ جہاد اسلام کا ایک مقدس دینی فریضہ ہے اسلام اور مسلمانوں کی بقاء کا دارو مدار اسی پر ہے۔ شریعت محمدی نے اسے قیامت تک اسلام اور عالم اسلام کی حفاظت اور اعلاء کلمۃ اللہ کا ذریعہ بنایا ہے۔ قرآن کریم کی بے شمار آیات اور حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے بے شمار احادیث اور خود حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم اور صحابہ کرام کی عملی زندگی ان کا جذبۂ جہاد و شہادت یہ سب باتیں جہاد کو ہر دور میں مسلمانوں کے لئے ایک ولولہ انگیز عبادت بناتی رہیں۔ آنحضرتؐ کا واضح ارشاد ہے۔

وقاتلوهم حتى لاتكون فتنة و يكون الدين لله اور ان کے ساتھ اس حد تک لڑو کہ فتنہ کفر و شرارت باقی نہ رہے اور دین اللہ کا ہو جائے۔

حضورؐ نے ایک دوسری حدیث میں فریضہ جہاد کی تا قیامت ابدیّت اس طرح ظاہر فرمائی ہے۔ لن يبح هذا الدين قائماً يقاتل عليه عصا بةٌ من المسلمين حتى تقوم الساعة
(مسلم و مشکوٰۃ ص ۲۳۰)

ترجمہ: حضورؐ نے فرمایا ہمیشہ یہ دین قائم رہے گا اور مسلمانوں کی ایک جماعت قیامت تک جہاد کرتی رہے گی۔

لیکن مرزا غلام احمد نے انگریز کے بچاؤ اور تحفظ اور عالم اسلام کو ہمیشہ ان کی طوق غلامی میں باندھنے اور کافر حکومتوں کے زیر سایہ مسلمانوں کو اپنی سیاسی اور مذہبی سازشوں کا شکار بنانے کی خاطر نہایت شد و مد سے عقیدۂ جہاد کی مخالفت کی۔ اور نہ صرف برصغیر میں بلکہ پورے عالم اسلام میں جہاں جہاں بھی اس کو ظاہر اور خفیہ سرگرمیوں کا موقعہ مل سکا جہاد کے خلاف نہایت شدّت سے پروپیگنڈہ کیا گیا۔ مرزا صاحب کو جہاد حرام کرانے کی ضرورت کیا تھی۔ اس کا جواب

ہمیں لارڈ ریڈنگ وائسرائے ہند کے نام قادیانی جماعت کے ایڈریس مندرجہ اخبار الفضل قادیان ۹۷۰ مورخہ ۴ر جولائی ۱۹۲۱ء سے نہایت واضح طور پر مل سکتا ہے جس میں کہا گیا۔

''جس وقت آپ (مرزا غلام احمد) نے دعویٰ کیا اس وقت تمام عالم اسلام جہاد کے خیالات سے گونج رہا تھا۔ اور عالم اسلامی کی ایسی حالت تھی کہ وہ پٹرول کے پیپہ کی طرح بھڑ کنے کے لئے صرف ایک دیا سلائی کا محتاج تھا۔ مگر بانئ سلسلہ نے اس خیال کی لغویّت اور خلاف اسلام اور خلاف امن ہونے کے خلاف اس قدر زور سے تحریک شروع کی کہ ابھی چند سال نہیں گزرے تھے کہ گورنمنٹ کو اپنے دل میں اقرار کرنا پڑا کہ وہ سلسلہ جسے وہ امن کے لئے خطرہ کا موجب خیال کر رہی تھی اس کے لئے غیر معمولی اعانت کا موجب تھا۔'' (حوالہ بالا)

جہاد منسوخ ہونے اور دنیا سے جہاد کا حکم تا قیامت اٹھ جانے پر مرزا صاحب کس شدّ و مد سے زور دیتے ہیں۔ ان کا اندازہ ان کی حسب ذیل عبارات سے لگایا جا سکتا ہے۔

اپنی کتاب اربعین نمبر ۴ میں ص ۱۵ کے حاشیہ پر مرزا صاحب لکھتے ہیں۔

''جہاد یعنی دینی لڑائیوں کی شدّت کو خدا تعالیٰ آہستہ آہستہ کم کرتا گیا ہے۔ حضرت موسیٰؑ کے وقت[1] میں اس قدر شدّت تھی کہ ایمان لانا بھی اس سے بچا نہیں سکتا تھا اور شیر خوار بچے بھی قتل کئے جاتے تھے۔ پھر ہمارے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے وقت میں بچوں اور بوڑھوں اور عورتوں کا قتل کرنا حرام کیا گیا اور پھر بعض قوموں کے لئے بجائے ایمان کے صرف جزیہ دے کر مؤاخذہ سے نجات پانا قبول کیا گیا اور پھر مسیح موعود (یعنی بزعم خود مرزا صاحب) کے وقت قطعاً جہاد کا حکم موقوف کر دیا گیا۔''

(از قادیانی مذہب ص ۲۲۵ فصل نمبر ۴ عنوان نمبر ۳۷)

---

[1] نعوذ باللہ یہ ایک برگزیدہ پیغمبر حضرت موسیٰ پر کتنا صریح بہتان ہے مومنوں اور شیر خوار بچوں کو اگر قتل کرتا تھا تو فرعون اور اس کا شکر یہ مرزا صاحب نے اس انداز میں یہ بات پیش کی گویا ایمان لانے کے باوجود ان شیر خوار بچوں کی بھی شریعت موسوی میں بچنے کی گنجائش نہیں تھی۔

ص ۲۸ پر لکھتے ہیں:

’’آج سے انسانی جہاد جو تلوار سے کیا جاتا تھا۔ خدا کے حکم کے ساتھ بند کیا گیا۔ اب اس کے بعد جو شخص کافر پر تلوار اٹھاتا اور اپنا نام غازی رکھتا ہے۔ وہ اس رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی نافرمانی کرتا ہے۔ جس نے آج سے تیرہ سو برس پہلے فرما دیا ہے مسیح موعود کے آنے پر تمام تلوار کے جہاد ختم ہو جائیں گے۔ سو اب میرے ظہور کے بعد تلوار کا کوئی جہاد نہیں۔ ہماری طرف سے امان اور صلح کاری کا سفید جھنڈا بلند کیا گیا۔‘‘ (الفیا)

ضمیمہ تحفۂ گولڑویہ ص ۳۹ میں مرزا صاحب کا یہ اعلان درج ہے کہ:

اب چھوڑ دو جہاد کا اے دوستوں خیال   دیں کیلئے حرام ہے اب جنگ اور قتال
اب آ گیا مسیح جو دین کا امام ہے   دیں کی تمام جنگوں کا اب اختتام ہے
اب آسماں سے نور خدا کا نزول ہے   اب جنگ اور جہاد کا فتویٰ فضول ہے
دشمن ہے وہ خدا کا جو کرتا ہے اب جہاد   منکر نبی کا ہے جو یہ رکھتا ہے اعتقاد

(تبلیغ رسالت جلد ۹ صفحہ ۲۲۶)

نیز انگریزی حکومت کے نام ایک معروضہ میں جو ریویو آف ریلیجنز بابت ۱۹۰۲ء ج ۱ ص ۴۹۸ نمبر ۱۲ شائع ہوا تھا۔ مرزا صاحب لکھتے ہیں:

’’یہی وہ فرقہ (یعنی مرزا صاحب کا اپنا فرقہ) ہے جو دن رات کوشش کر رہا ہے کہ مسلمانوں کے خیالات میں سے جہاد کی بے ہودہ رسم کو اٹھا دے۔‘‘

(از قادیانی مذہب ص ۵۳۷، ۵۳۸)

رسالہ گورنمنٹ انگریز اور جہاد ص ۱۴ پر مرزا صاحب لکھتے ہیں:

’’دیکھو میں (غلام احمد قادیانی) ایک حکم لے کر آپ لوگوں کے پاس آیا ہوں، وہ یہ ہے کہ اب سے تلوار کے جہاد کا خاتمہ ہے۔‘‘

ان تمام عبارات سے صاف طور پر معلوم ہوتا ہے کہ مرزا صاحب کے نزدیک جہاد کی مخالفت کا حکم خاص حالات سے مجبوریوں کا تقاضا نہیں بلکہ اب اسے ہمیشہ ہمیشہ کے لئے منسوخ، حرام اور ختم سمجھا جائے نہ اس کے لئے شرائط پوری ہونے کا انتظار رہے اور کسی پوشیدہ طور پر بھی اس کی تعلیم جائز نہیں۔

تریاق القلوب ص ۳۲۲ میں لکھتے ہیں کہ:

> ''اس فرقہ (مرزائیت) میں تلوار کا جہاد بالکل نہیں۔ نہ اس کا انتظار ہے بلکہ یہ مبارک فرقہ نہ ظاہر طور پر نہ پوشیدہ طور جہاد کی تعلیم ہرگز ہرگز جائز نہیں سمجھتا اور قطعاً اس بات کو حرام جانتا ہے کہ دین کی اشاعت کے لئے لڑائیاں کی جائیں''
>
> ''اب سے زمینی جہاد بند کئے گئے اور لڑائیوں کا خاتمہ ہوگیا۔''

(ضمیمہ خطبہ الہامیہ ص ۷ طبع ربوہ مرزا قادیانی)

> ''سو آج سے دین کے لئے لڑنا حرام کیا گیا۔'' (ایضاً)

مرزائی تاویلات کی حقیقت

نسخِ جہاد کے بارے میں ان واضح عبارات کے باوجود مرزائیوں کی دونوں جماعتیں آج کہتی ہیں کہ چونکہ ۵۷ء کے بعد انگریزی سلطنت قائم ہوگئی اور وسائل جہاد منقود تھے اس لیے وقتی طور پر جہاد کو موقوف کیا گیا۔ آیئے ہم اس تاویل اور مرزا کی غلط وکالت کا جائزہ لیں۔

(ا) پچھلی چند عبارات سے ایک منصف مزاج شخص بخوابی اندازہ لگا سکتا ہے کہ مرزا صاحب کے ہاں جہاد کی ممانعت ایک وقتی حکم نہیں۔ نہ وہ کچھ وقت کے لئے موقوف بلکہ وہ مکمل طور پر جہاد کے خاتمہ اس کی انتظار تک کی نفی اور ظاہری اور پوشیدہ کسی قسم کی تعلیم کو بھی ناجائز اور ہمیشہ ہمیشہ کے لئے دین کے لئے لڑنا ممنوع اور منسوخ قرار دیتے ہیں۔

(ب) اگر مرزا صاحب ۵۷ء کے بعد انگریزی سلطنت کے قدم جمانے کی وجہ سے مجبوراً جہاد

کی مخالفت کرتے ہیں۔ تو ۵۷ء اور اس سے قبل ایسٹ انڈیا کمپنی کی آمد کے فوراً بعد مجاہدین سید احمد شہید کے جہاد میں مرزا صاحب اور ان کا پورا خاندان سکھوں اور انگریزی استعمار کے لئے میدان ہموار کرنے کے لئے جانی اور مالی قربانیاں دیتے رہے۔ جس کا مرزا صاحب نے انگریزی حکام کے نام خطوط اور چٹھیوں میں بڑے فخر سے اعتراف کیا ہے اور ان مساعی کی نہ صرف تائید کی بلکہ تحسین بھی کی ہے۔ ان کے خاندانی بزرگوں نے سکھوں سے مسلمانوں کے جہاد میں سکھوں کی حمایت کی۔ مرزا کے والد نے ۵۷ء میں پچاس سوار سرکار انگریزی کی امداد کے لئے فراہم کئے۔ مرزا غلام احمد نے ۱۸۵۷ء میں جہاد آزادی کے غیور اور جان نثار مجاہدین کو جہلا اور بدچلن کہا۔ (براہین احمدیہ ج اول صفحہ الف اشتہار اسلامی انجمنوں سے التماس) انگریز کے ہاتھوں ہندوستان میں مسلمانوں کی مظلومیت پر ہندو کا ذرہ ذرہ اشکبار تھا۔ اسلامیاں ہند کی عظمتیں لٹ رہی تھی۔ ہزار سالہ عظمت رفتہ پاش پاش ہو رہی تھی۔ علماء اور شرفاء ہند کو سور کے چمڑوں میں سی کر اور زندہ جلا کر دہلی کے چوکوں میں پھانسی پر لٹکایا جا رہا تھا، اور انگریزوں کا شقی القلب نمائندہ جنرل نکلسن، ایڈورڈ سے ایسے آئینی اختیارات مانگ رہا تھا کہ مجاہدین آزادی کے زندہ حالت میں چمڑے ادھیڑے جا سکیں۔ اور انہیں زندہ جلایا جا سکے۔ مگر وہ شقی اور ظالم نکلسن اور مرزا غلام احمد اور اس کے خاندان کو ہندوستان میں اپنے مفادات کا نگران اور وفادار ٹھہرا رہا تھا۔ جنرل نکلسن نے مرزا غلام قادر کو سند دی جس میں لکھا کہ ۱۸۵۷ء میں خاندان قادیان ضلع گورداسپور کے تمام دوسرے خاندانوں سے زیادہ نمک حلال رہا (سیرت مسیح موعود ص ۴ از مرزا بشیر الدین محمود۔ طبع قادیان) اور وہی مرزا صاحب جو ابھی تک اپنے تشریعی نبی ہونے کی حیثیت میں سامنے نہیں آئے تھے۔ اور خود براہین احمدیہ اور دیگر تحریروں میں جہاد کے فرض واجب اور غیر منقطع ہونے کا اعتراف کر چکے تھے۔ دعویٰ نبوّت کے بعد ایک

قطعی حکم کو حرام قرار دیتے ہوئے عملاً بھی قرآن کریم کی تمام آیات جہاد خمس وفئی کو منسوخ قرار دے کر تشریعی نبی ہونے کا ثبوت دیتے ہیں لیکن جس دور میں وہ جہاد کو فرض کہتے ہیں کیا مرزا صاحب خود عملی طور پر بھی اس پر عمل پیرا رہے اسکا جواب ہمیں انگریز لیفٹیننٹ گورنر کے نام چھٹی سے مل جاتا ہے وہ اس درخواست میں اپنی اصل حقیقت کو اس طرح واشگاف الفاظ میں ظاہر کرتے ہیں۔

[At this stage Mr. Chairman vacated the Chair which was occupied by (Dr. Mrs. Ashraf Khatoon Abbasi)]

مولوی مفتی محمود: ''میں ابتدائی عمر سے اس وقت تک (گویا ۱۸۳۹ء سے لے کر جو ۵۷ء سے بہت کا پہلے کا زمانہ ہے) جو قریباً ساٹھ برس کی عمر تک پہنچا ہوں۔ اپنی زبان اور قلم سے اس اہم کام میں مشغول ہوں تا کہ مسلمانوں کے دلوں کو گورنمنٹ انگلشیہ کی سچی محبت اور خیر خواہی اور ہمدردی کی طرف پھیروں — اور ان کم فہموں کے دلوں سے غلط خیال جہاد وغیرہ کو دور کروں جو ان کی دلی صفائی اور مخلصانہ تعلقات سے روکتے ہیں۔''

(تبلیغ رسالت ج ۷ ص ۱۰ مطبوعہ قادیان پریس قادیان اگست ۲۲)

۳۔ تیسری بات یہ ہے کہ بالفرض ہم تسلیم کئے دیتے ہیں کہ مرزا صاحب نے برصغیر میں انگریزی سلطنت کی وجہ سے بعض مجبوریوں کی بناء پر اتنی شدومد سے جہاد کی مخالفت کی۔ لیکن اگر حقیقت یہی ہوتی تو مرزا صاحب کی ممانعت جہاد اور اطاعت انگریز کی تبلیغ صرف برٹش انڈیا تک محدود ہوتی مگر یہاں تو ایسے کھلے شواہد اور قطعی ثبوت موجود ہیں کہ مرزا صاحب کی تحریک وتبلیغ کا اصل محرک نہ صرف انڈیا بلکہ پورے عالم اسلام اور دنیا بھر کے مسلمانوں کے دلوں سے جذبۂ جہاد نکالنا اور انگریزوں کے لئے یا کسی

بھی کافر سلطنت کے لئے راستہ ہموار کرنا تھا۔ تاکہ اس طرح ایک نئی امت اور نئے نبی کے نام سے پوری ملّت مسلمہ اور امت محمدیہ کا سارا نظام درہم برہم کیا جائے۔ اور پورے عالم اسلام کو انگریز یا ان کے حلیفوں کے قدموں میں لاگرایا جائے اس لئے مرزا صاحب نے مخالفت جہاد کی تبلیغ صرف برٹش انڈیا تک محدود نہ رکھی۔ اور نہ صرف اردو لٹریچر پر اکتفا کیا بلکہ فارسی، عربی، انگریزی میں لٹریچر لکھ لکھ کر بلاد روم، شام، مصر، ایران، افغانستان، بخارا یہاں تک کہ مکہ اور مدینہ تک پھیلاتا رہا تاکہ بخارا میں اگر زار روس کے لشکر آئیں تو کوئی مسلمان ہاتھ مزاحمت کے لئے نہ اٹھے۔ فرانس، تیونس، الجزائر اور مراکش پر لشکر کشی ہو تو مسلمان جہاد کو حرام سمجھیں۔ عرب اور مصری دل و جان سے انگریز کے مطیع بن جائیں۔ اور ترک و افغان کی غیرت ایمانی ہمیشہ کے لئے جذبۂ جہاد سے خالی ہو کر سرد پڑ جائے۔

اس سلسلہ میں مرزا صاحب کے اعترافات دیکھئے وہ لکھتے ہیں۔

’’میں نے نہ صرف اس قدر کام کیا کہ برٹس انڈیا کے مسلمانوں کو گورنمنٹ انگلینڈ کی سچی اطاعت کی طرف جھکایا بلکہ بہت سی کتابیں عربی اور فارسی اور اردو میں تالیف کر کے ممالک اسلامیہ کے لوگوں کو بھی مطیع کیا۔ (تبلیغ رسالت جلد ۷ بنام لیفٹیننٹ گورنر ص ۱۰) اسی کتاب کے صفحہ ۱۷ پر لکھتے ہیں:۔

’’ان نادان مسلمانوں کے پوشیدہ خیالات کے برخلاف دل و جان سے گورنمنٹ انگلشیہ کی شکر گذاری کے لئے ہزار ہا اشتہارات شائع کئے گئے۔ اور ایسی کتابیں بلاد عرب و شام وغیرہ تک پہنچادی گئیں۔‘‘ ۔

’’اس کے بعد میں نے عربی اور فارسی میں بعض رسائل تالیف کر کے بلاد شام و روم اور مصر اور بخارا وغیرہ کے اطراف روانہ کئے۔ اور ان میں اس گورنمنٹ کے اوصاف حمیدہ درج کئے اور بخوبی ظاہر کیا کہ اس محسن گورنمنٹ کے ساتھ جہاد قطعاً حرام ہے۔ اور بعض شریف عربوں کو وہ

کتابیں دے دے کر بلاد شام و روم کی طرف روانہ کیا۔ بعض عربوں کو مکہ اور مدینہ کی طرف بھیجا گیا۔ بعض بلاد فارس کی طرف بھیجے گئے۔ اور اسی طرح مصر میں بھی کتابیں بھیجی گئیں اور یہ ہزارہا روپیہ کا خرچ تھا جو محض نیک نیتی سے کیا گیا۔" (تبلیغ رسالت ج دوم ص۱۶۶)

اور یہ سب کچھ مرزا صاحب نے اس لئے کیا کہ:۔

"تاکہ کج طبعیتیں ان نصیحتوں سے راہ راست پر آ جائیں۔ اور وہ طبیعتیں اس گورنمنٹ کا شکر کرنے اور اس کی فرمانبرداری کے لئے صلاحیت پیدا کریں اور مفسدوں کی بلائیں کم ہو جائیں۔ (نور الحق حصہ اول ص ۳۲،۳۳)

تبلیغ رسالت ج ۷ ص ۱۷ میں اس ساری جدوجہد کا حاصل مرزا صاحب کے الفاظ میں یہ ہے کہ میں یقین رکھتا ہوں کہ جیسے جیسے میرے مرید بڑھیں گے ویسے ویسے مسئلہ جہاد کے معتقد کم ہوتے جائیں گے۔ کیوں کہ مجھے مسیح اور مہدی مان لینا ہی مسئلہ جہاد کا انکار کرنا ہے۔

گورنمنٹ انگریزی اور جہاد ضمیمہ ص ۷ میں لکھتے ہیں:۔

"جو شخص میری بیعت کرتا ہے اور مجھ کو مسیح موعود مانتا ہے۔ اسی روز سے اس کو یہ عقیدہ رکھنا پڑتا ہے کہ اس زمانہ میں جہاد قطعی حرام ہے کیوں کہ مسیح آ چکا خاص کر میری تعلیم کے لحاظ سے اس گورنمنٹ انگریزی کا سچا خیر خواہ اس کو بننا پڑتا ہے۔"

یہ حقیقت کہ مرزائی تبلیغ و تلقین اور تمام کوششوں کے محرکات اور مقاصد کیا تھے۔ مرزائی مذہب کے بانی کے مذکورہ اقوال سے خود ظاہر ہو جاتی ہے۔ اس پر بھی اگر تاویل کے پردوں میں اس حقیقت کو چھپایا جاتا ہے تو آنکھیں کھولنے کے لئے حسب ذیل واقعات اور اعترافات کافی ہیں:۔

"کہ مرزا صاحب نہ صرف ہندوستان میں بلکہ آزاد اسلامی ممالک میں بھی

کسی قسم کے جہاد کے روادار نہ تھے۔ افغانستان کے امیر امان اللہ خان کے عہد حکومت میں نعمت اللہ خان مرزائی اور عبداللطیف مرزائی کو علماء افغانستان کے متفقہ فتویٰ سے مرتد قرار دے کر قتل کر دیا گیا۔ اس قتل کے محرکات یہی تھے کہ یہ لوگ مبلغین کے پردہ میں جہاد کے خلاف تعلیم دیتے تھے۔ اور یہ محض اس لئے کہ انگریزوں کا اقتدار چھا جائے۔ حالانکہ افغانستان میں جہاد اسلامی کی شرائط مکمل موجود تھیں۔ اس سلسلہ میں مرزا بشیر الدین محمود احمد کا خطبۂ جمعہ مندرجہ الفضل مورخہ ۶/ اگست ۱۹۳۵ء ملاحظہ کیجئے:۔

''عرصہ دراز کے بعد اتفاقاً ایک لائبریری میں ایک کتاب ملی جو چھپ کر نایاب بھی ہو گئی تھی۔ اس کتاب کا مصنف ایک اطالوی انجینئر جو افغانستان میں ذمہ دار عہدہ پر فائز تھا۔ وہ لکھتا ہے کہ صاحبزادہ عبداللطیف (قادیانی) کو اس لئے شہید کیا گیا کہ وہ جہاد کے خلاف تعلیم دیتے تھے تو حکومت افغانستان کو خطرہ لاحق ہو گیا تھا کہ اس سے افغانوں کا جذبۂ حریت کمزور ہو جائے گا۔ اوران پر انگریزوں کا اقتدار چھا جائے گا۔ ایسے معتبر راوی کی روایت سے یہ امر پایۂ ثبوت تک پہنچ جاتا ہے کہ اگر صاحبزادہ عبداللطیف خاموشی سے بیٹھے رہتے اور جہاد کے خلاف کوئی لفظ بھی نہ کہتے تو حکومت افغانستان کو انہیں شہید کرنے کی ضرورت محسوس نہ ہوتی۔ اخبار الفضل بحوالہ امان افغان مورخہ ۳/ مارچ ۱۹۲۵ء نے افغانستان گورنمنٹ کے وزیر داخلہ کے حوالہ سے مندرجہ ذیل بیان نقل کیا:

''کابل کے دو اشخاص ملا عبدالحلیم و ملا نور علی دکاندار قادیانی عقائد کے گرویدہ ہو چکے تھے۔ اور لوگوں کو اس عقیدہ کی تلقین کر کے انہیں راہ سے بھٹکا رہے تھے۔ ان کے خلاف مدت سے ایک اور دعویٰ دائر ہو چکا تھا۔ اور مملکت افغانیہ کے مصالح کے خلاف غیر ملکی لوگوں کے سازشی خطوط ان کے قبضے سے

> پائے گئے جن سے پایا جاتا ہے کہ وہ افغانستان کے دشمنوں کے ہاتھ بک چکے تھے۔''

خلیفہ قادیان اپنے ایک خطبہ جمعہ مندرجہ اخبار الفضل مورخہ یکم نومبر ۱۹۳۴ء میں اعتراف کرتا ہے کہ نہ صرف مسلم ممالک بلکہ غیر مسلم ممالک اور اقوام بھی مرزائیوں کو آلۂ کار سمجھتے تھے۔ دنیا ہمیں انگریزوں کا ایجنٹ سمجھتی ہے چنانچہ جب قبرص میں احمدیہ عمارت کی افتتاح کی تقریب میں ایک جرمن انگریز نے شمولیت کی تو حکومت نے اس سے جواب طلب کیا کہ کیوں تم ایسی جماعت کی کسی تقریب میں شامل ہوئے جو انگریزوں کی ایجنٹ ہے۔

اِسلامی جہاد منسوخ مگر مرزائی جہاد جائز

۴۔ یہ امر حیرت اور تعجب کا باعث ہے کہ ایک طرف تو قادیانیوں نے جہاد کو اتنی شدومد سے منسوخ اور حرام قرار دیا مگر دوسری طرف انگریزوں کی فوج میں شامل ہو کر مسلمانوں کے ساتھ لڑنا نہ صرف ان کے لئے جائز بلکہ ضروری تھا۔ گویا ممانعت جہاد کی یہ ساری جدوجہد صرف انگریزوں اور کافروں کے ساتھ مسلمانوں کو جہاد سے روکنے کے لئے تھی کہ وہ نہ تو اپنی عزت و ناموس اور نہ ملک وملّت کی بقاء کے لئے لڑیں نہ اپنے دین، اسلامی شعائر معابد و مساجد کے لئے علم جہاد بلند کریں لیکن انگریزی اقتدار کے فروغ و تحفظ کے لئے ان کی فوجوں میں شامل ہو کر بلاد اسلامیہ پر بمباری ایک مقدس فریضہ تھا مرزا محمود احمد نے کہا:۔

> ''صداقت کے قیام کے لئے گورنمنٹ کی فوج میں شامل ہو کر ان ظالمانہ روکوں کو دفع کرنے کے لئے گورنمنٹ کی مدد احمدیوں کا مذہبی فرض ہے۔''

(خطبہ مرزا محمود احمد الفضل ۲؍مئی ۱۹۱۹ء)

قادیانی جماعت نے لارڈ ریڈنگ کو اپنے ایڈریس میں بھی اپنی جنگی خدمات کا ذکر کرتے ہوئے کہا کہ کابل سے جنگ میں ہماری جماعت نے علاوہ ہر قسم کی مدد کے ایک ڈبل کمپنی اور

ایک ہزار افراد کے نام بھرتی کے لئے پیش کئے اور ہمارے موجودہ امام کے چھوٹے بھائی چھ ماہ تک ٹرانسپورٹ کور میں رضا کارانہ کام کرتے رہے۔ (الفضل ۴؍جولائی ۱۹۳۱ء)

ایک اور خطبہ جمعہ میں مرزا محمود احمد نے کہا کہ شاید کابل کے ساتھ ہمیں کسی وقت جہاد ہی کرنا پڑتا (آگے چل کر کہا) کہ پس نہیں معلوم کہ ہمیں کب خدا کی طرف سے دنیا کا چارج سپرد کیا جاتا ہے ہمیں اپنی طرف سے تیار رہنا چاہئے کہ دنیا کو سنبھال سکیں۔

(الفضل ۲۷؍فروری ۲؍مارچ ۱۹۲۲ء)

امن و آشتی اور اسلامی نظریہ جہاد کو ملاؤں کے وحشیانہ اور جاہلانہ بے ہودہ خیالات قرار دینے والے مرزائیوں کے حقیقی خدوخال مرزا محمود احمد خلیفہ ثانی کے ان الفاظ سے اور بھی عیاں ہوجاتی ہے انہوں نے کہا کہ ''اب زمانہ بدل گیا ہے دیکھو پہلے جو مسیح (حضرت عیسیٰ) آیا تھا اسے دشمنوں نے صلیب پر چڑھایا مگر اب مسیح اس لئے آیا ہے کہ اپنے مخالفین کو موت کے گھاٹ اتار دے۔'' (عرفان الٰہی ص ۹۴)

> ''پہلے عیسیٰ کو تو یہودیوں نے صلیب پر لٹکایا مگر اب (مرزا غلام احمد) اس زمانے کے یہودی صفت لوگوں کو سولی پر لٹکائیں گے۔''

(تقدیر الٰہی ص ۲۹ مصنفہ مرزا محمود احمد)

اس سے اندازہ ہوا کہ اسلام کے نظریۂ جہاد کو منسوخ قرار دینے اور سارے عالم اسلام میں اس کے خلاف پروپیگنڈہ کرنے کے بعد اپنے لئے اور سامراجی مقاصد کے لئے جہاد اور قتال کو جائز قرار دینے کے لئے کیا کچھ نہیں کیا جارہا تھا۔ ان تمام باتوں کو سامنے رکھ کر ہم اس نتیجہ پر پہنچ جاتے ہیں کہ مرزائیوں کے نزدیک مسلمانوں کا کافروں یا خود ان کے خلاف لڑنا تو ہمیشہ کے لئے حرام تھا مگر عیسائیت کے جھنڈے تلے یا کسی کافر حکومت کے مفاد میں یا خود مرزائیوں کے لئے جہاد اور قتال اور لڑنا لڑانا سب جائز ہے۔

مرزا غلام احمد اور مرزائیوں کی تبلیغی خدمات کی حقیقت

افغانستان اور دیگر اسلامی ممالک میں قادیانیوں کے تبلیغ کے نام پر استعماری سرگرمیوں سے ان کے تبلیغ اسلام کی خدمات کی قلعی تو کھل جاتی ہے مگر بہت سے لوگ مرزا صاحب کی خدمات کے سلسلہ میں ان کے مدافعت اسلام میں مناظرانہ بحث ومباحثہ اور علمی کوششوں کا ذکر کرتے ہیں اور کہا جاتا ہے کہ انہوں نے آریہ سماج اور عیسائیوں سے اسلام کے دفاع میں بڑے معرکے سر کیئے اور اب بھی قادیانی دنیا میں اسلام کی تبلیغ کرتے پھرتے ہیں اس لئے ان کے ساتھ غیر مسلموں جیسا سلوک نہیں کرنا چاہیئے۔ اس لئے ہم اس غلط فہمی کو جس میں بالعموم تعلیم یافتہ افراد بھی مبتلا ہوتے ہیں۔ مرزا صاحب کی ایک دو عبارتوں ہی سے دُور کرنا چاہتے ہیں جو بانی قادیانیت کے تبلیغی مقاصد اور نیت کو خود ہی بڑی خوبی سے عیاں کر رہی ہیں کہ انہوں نے عیسائی مشنریوں کی اشتعال انگیز تحریروں اور اسلام پر ان کے جارحانہ حملوں سے مسلمانوں کے اندر انگریزوں کے خلاف پُر جوش ردعمل کا خطرہ محسوس کیا تو اس عام جوش کو دبانے کے لئے حکمت عملی کی بناء پر عیسائیوں کا کسی قدر سختی سے جواب دیا اور سخت کتابیں عیسائیوں کے خلاف لکھیں۔

تریاق القلوب مطبوعہ ضیاء الاسلام قادیان ۲۸/ اکتوبر ۱۹۰۲ء ضمیمہ ۳ بعنوان گورنمنٹ عالیہ میں ایک عاجزانہ درخواست میں مرزا غلام احمد اپنے بیس برس کی تمام علمی اور تصنیفی کاوش کا خلاصہ مسلمانوں کے دل سے جہاد اور خونی مہدی وغیرہ کے معتقدات کا ازالہ اور انگریز کی وفاداری پیدا کرنے کے بعد لکھتے ہیں:۔

> ”اب میں اپنی گورنمنٹ محسنہ کی خدمت میں جرأت سے کہہ سکتا ہوں کہ یہ وہ بست سالہ میری خدمت ہے جس کی نظیر برٹش انڈیا میں ایک بھی اسلامی خاندان پیش

نہیں کرسکتا، یہ بھی ظاہر ہے کہ اس قدر لمبے زمانے تک جو بیس برس کا زمانہ ہے ایک مسلسل طور پر تعلیم مذکورہ بالا پر زور دیتے جانا کسی منافق اور خودغرض کا کام نہیں ہے بلکہ ایسے شخص کا کام ہے جس کے دل میں اس گورنمنٹ کی سچی خیرخواہی ہے۔

ہاں میں اس بات کا اقرار کرتا ہوں کہ میں نیک نیتی سے دوسرے مذاہب کے لوگوں سے مباحث بھی کیا کرتا ہوں جب کہ بعض پادریوں اور عیسائی مشنریوں کی تحریر نہایت سخت ہوگئی اور حد اعتدال سے بڑھ گئی اور بالخصوص پرچہ نور افشاں میں جو ایک عیسائی اخبار لدھیانہ سے نکلتا ہے نہایت گندی تحریریں شائع ہوئیں اور ان مبلغین نے ہمارے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی نسبت نعوذ باللہ ایسے الفاظ استعمال کیے کہ یہ شخص ڈاکو تھا، چور تھا، زناکار تھا اور صدہا پرچوں میں یہ شائع کیا کہ یہ شخص اپنی لڑکی پر بدنیتی سے عاشق تھا اور باایں ہمہ جھوٹا تھا اور لوٹ مار اور خون کرنا اس کا کام تھا تو مجھے ایسی کتابوں اور اخباروں کے پڑھنے سے یہ اندیشہ دل میں پیدا ہوا کہ مبادا مسلمانوں کے دلوں پر جو ایک جوش رکھنے والی قوم ہے ان کلمات کا کوئی سخت اشتعال دینے والا اثر پیدا ہو تب میں نے ان جوشوں کو ٹھنڈا کرنے کے لئے اپنی صحیح اور پاک نیت سے یہی مناسب سمجھا کہ اس عام جوش کو دبانے کے لئے حکمت عملی یہی ہے کہ ان تحریرات کا کسی قدر سختی سے جواب دیا جائے تاکہ سریع الغضب انسانوں کے جوش فرو ہو جائیں اور ملک میں کوئی بدامنی پیدا نہ ہو تب میں نے بمقابل ایسی کتابوں کے جن میں کمال سختی سے بدزبانی کی گئی تھی چند ایسی کتابیں لکھیں جن میں بالمقابل سختی تھی کیوں کہ میرے کانشنس نے قطعی طور پر مجھے فتویٰ دیا کہ اسلام میں جو بہت سے وحشیانہ جوش رکھنے والے آدمی موجود ہیں ان کے غیظ وغضب کی آگ بجھانے کے لئے یہ طریق کافی ہوگا۔ (ص ۳۰۸-۳۰۹)

چند سطور کے بعد لکھتے ہیں:۔

’’سو مجھ سے پادریوں کے مقابل پر جو کچھ وقوع میں آیا یہی ہے کہ حکمت عملی سے بعض وحشی مسلمانوں کو خوش کیا گیا اور میں دعویٰ سے کہتا ہوں کہ میں تمام مسلمانوں سے اول درجے کا خیر خواہ گورنمنٹ انگریز کا ہوں کیونکہ مجھے تین باتوں نے خیر خواہی میں اول درجے پر بنا دیا ہے۔ (۱) اول والد مرحوم کے اثر نے (۲) دوسرا اس گورنمنٹ عالیہ کے احسانوں نے (۳) تیسرے خدا تعالیٰ کے الہام نے۔‘‘ (ص ۳۰۹-۱۱۰)

دوسری بڑی وجہ مرزا صاحب کے ایسے علمی تحریرات اور مناظروں کی یہ تھی کہ وہ ابتداً اس طرح عام مسلمانوں کی عقیدت اور توجہات اپنی طرف مبذول کراتے چلے گئے اور ساتھ ہی ساتھ اسلام کے دفاع میں جن مسائل پر بحث کا بازار گرم کرتے اسی میں آئندہ اپنے دعویٰ نبوت و رسالت کے لئے فضا بھی ہموار کرتے چلے گئے اور اسلام کی تبلیغ کے نام پر شکر میں لپٹی ہوئی زہر کی ایک مثال آریہ سماج سے معجزات انبیاء کے اثبات پر مرزا صاحب کا مناظرہ ہے جس میں اثبات معجزات کے ضمن میں انہوں نے یہ بھی ثابت کرنا چاہا ہے کہ ہر دور اور ہر زمانہ میں معجزات کا صدور متوقع ہے ظاہر ہے کہ معجزہ بنیادی طور پر نبوت و رسالت کا لازمہ ہے اور جب نبوت و رسالت حضور نبی کریمؐ پر ختم ہو چکی تھی تو اس کے لوازمات، معجزات، وحی وغیرہ کا ہر دور میں متوقع ہونا بحث و مناظروں کے پردہ میں اپنی جھوٹی نبوّت کے پیش بندی نہ تھی...... تو اور کیا چیز تھی؟

تصنیفی ذخیرہ

درحقیقت جب ہم مرزا غلام احمد کی ربع صدی کی تصنیفی و علمی زندگی پر نظر ڈالتے ہیں تو ان کی تمام تحریری اور تقریری سرگرمیوں کا محور صرف یہی ملتا ہے کہ انہوں نے چودہ سو سال کا ایک متفقہ، طے شدہ اجماعی ''مسئلہ حیات و نزول مسیح'' کو نشانہ تحقیق بنا کر اپنی ساری جدوجہد وفات مسیح اور مسیح موعود ہونے کے دعویٰ پر مبذول کر دی۔ مسلمانوں کو عیسائیوں کے عقیدہ تثلیث اور ہندوؤں کے عقیدہ تناسخ کی طرح ظلی و بروزی اور مجازی گورکھ ہندوؤں میں الجھانا چاہا۔ جدلیات اور سفسطوں کا ایک نہ ختم ہونے والا چکر۔ یہ مرزا صاحب کے علمی و تبلیغی خدمات کا دوسرا نام ہے اگر ان کی تصنیفات سے ان کے متضاد دعوے اور اس سے پیدا ہونے والے مسائل و مباحث نکال لیے جائیں تو جو کچھ بچتا ہے وہ جہاد کی حرمت اور حکومت انگلشیہ کی اطاعت دلی وفاداری اور اخلاص کی دعوت ہے جبکہ ہندوستان پہلے سے ذہنی و فکری اور سیاسی انتشار کا مرکز بنا ہوا تھا اور عالم اسلام مغرب مادہ پرست تہذیب اور خود فراموش تمدن کی لپیٹ میں تھا مگر ہمیں مرزا صاحب کی تصانیف اور ''علمی خدمات'' میں انبیاء کرام کے طریق دعوت کے مطابق کوئی بھی وقیع اور کام کی بات نہیں ملتی سوائے اس کے کہ انہوں نے اپنے قلم اور زبان کے ذریعہ مذہبی اختلافات اور دینی جھگڑوں کے شکار ہندوستانی مسلمانوں کو مزید ذہنی انتشار اور غیر ضروری مذہبی کشمکش میں ڈال کر ان کا شیرازہ اتحاد پاش پاش کرنے کی کوشش کی۔

ہے زندہ فقط وحدتِ افکار سے ملّت
وحدت ہو فنا جس سے وہ اِلہام بھی الحاد

اقبالؔ : ضربِ کلیم

مِرزائیت اور عالمِ اسلام

اسلامی وحدت ختمِ نبوّت ہی سے استوار ہوتی ہے

’’ہر ایسی مذہبی جماعت جو تاریخی طور پر اسلام سے وابستہ ہو لیکن اپنی بنیاد نئی نُبوّت پر رکھے اور بزعمِ خود اپنے الہامات پر اعتقاد نہ رکھنے والے تمام مسلمانوں کو کافر سمجھے۔ مسلمان اسے اسلام کی وحدت کے لیے خطرہ تصوّر کرے گا، اور یہ اس لیے کہ اسلامی وحدت ختمِ نُبوّت ہی سے استوار ہوتی ہے۔ قادیانیت باطنی طور پر اسلام کی روح اور مقاصد کے لیے مہلک ہے۔ یہ اپنے اندر یہودیت کے اتنے عناصر رکھتی ہے۔ گویا یہ تحریک ہی یہودیت کی طرف رجوع ہے۔‘‘

اقبالؔ : حرفِ اقبال

سامراجی عزائم کی تکمیل

سابقہ تفصیلات کے علاوہ مرزا غلام احمد اور اس کی جماعت نے پورے عالم اسلام کے ساتھ استعماری عزائم کی تکمیل کی خاطر جو رویہ اختیار کیا اس کی چند مثالوں پر اکتفاء کرتے ہوئے فیصلہ خود ہر انصاف پسند شخص پر چھوڑا جاتا ہے۔ کہ کیا ایسی جماعت سامراجی جماعت کہلانے کی مستحق نہیں اور یہ کہ اس نے پورے عالم اسلام کے اتحاد اور سلامتی کو برباد کرنے کی کوششیں کیں یا نہیں؟ ....اور یہ کہ عالم اسلام کو نوآبادیاتی نظام میں جکڑنے اور انگریزوں کا غلام بنانے میں قادیانیوں کی تمامتر ہمدردیاں انگریزوں کے ساتھ تھیں یا نہیں؟ وہ انگریزوں کے فتح پر چراغاں مناتے خوشی کے جشن برپا کرتے انگریزی فوج کو ’’ہماری فوج‘‘ اور مقابلہ میں مسلمانوں کو دشمن کی فوج قرار دیتے۔

عراق و بغداد

جب انگریزوں نے عراق پر قبضہ کرنا چاہا اور اس غرض کے لئے لارڈ ہارڈنگ نے عراق کا دورہ کیا۔ تو مشہور قادیانی اخبار الفضل نے لکھا یقیناً اس نیک دل افسر (لارڈ ہارڈنگ) کا عراق میں جانا عمدہ نتائج پیدا کرے گا۔ ہم ان نتائج پر خوش ہیں۔ کیونکہ خدا ملک گیری اور جہان بانی اسی کے سپرد کرتا ہے جو اس کی مخلوق کی بہتری چاہتا ہے اور اسی کو زمین پر حکمران بناتا ہے جو اس کا اہل ہوتا ہے۔ پس ہم پھر کہتے ہیں کہ ہم خوش ہیں کیونکہ ہمارے خدا کی بات پوری ہوتی ہے اور ہمیں امید ہے کہ برٹش حکومت کی توسیع کے ساتھ ہمارے لئے اشاعت اسلام کا میدان بھی وسیع ہو جائے گا اور غیر مسلم کو مسلم بنانے کے ساتھ ہم مسلمان کو پھر مسلمان کریں گے۔

(الفضل قادیان جلد نمبر ۲ نمبر ۱۰۳ مورخہ ۱۱ ؍ فروری ۱۹۱۵ء)

پھر اس واقعے کے آٹھ سال بعد انگریزوں نے بغداد پر قبضہ کر لیا اور مسلمانوں کو شکست ہوئی۔ تو الفضل نے لکھا:

> ''حضرت مسیح موعود فرماتے ہیں کہ میں مہدی معہود ہوں اور گورنمنٹ برطانیہ میری وہ تلوار ہے جس کے مقابلہ میں ان علماء کی کچھ نہیں جاتی۔ اب غور کرنے کا مقام ہے کہ پھر ہم احمدیوں کو اس فتح سے کیوں خوشی نہ ہو۔
>
> عراق عرب ہو یا شام ہم ہر جگہ اپنی تلوار کی چمک دیکھنا چاہتے ہیں۔''

یہ بات جسٹس منیر نے بھی لکھی ہے کہ:

> ''جب پہلی جنگ عظیم میں ترکوں کو شکست ہوگئی تھی بغداد پر انگریزوں کا قبضہ ہوگیا تھا تو قادیان میں اس فتح پر جشن منایا گیا۔

(تحقیقاتی رپورٹ ص ۲۰۸ و ص ۲۰۹ مرتبہ جسٹس محمد منیر)

یہ بات بھی جسٹس منیر ہی نے لکھی کہ:

> ''بانی قادیانیت نے اسلامی ممالک کا انگریزی حکومت کے ساتھ توہین آمیز مقابلہ وموازنہ کیا۔''

(تحقیقاتی رپورٹ ۹،۲۰۸ مرتبہ جسٹس محمد منیر)

فتحِ عراق کے بعد پہلا مرزائی گورنر

سقوط بغداد میں مرزائیوں کے اس انگریز نوازی کا اتنا حصہ تھا کہ جب انگریزوں نے عراق فتح کیا تو مرزا بشیر الدین محمود احمد کے سالے میجر حبیب اللہ شاہ کو ابتداءً عراق پر اپنا گورنر نامزد کیا میجر حبیب اللہ شاہ پہلی جنگ عظیم میں بھرتی ہو کر عراق گئے تھے اور وہاں فوج میں ڈاکٹر تھے۔

مسئلۂ فلسطین اور قیامِ اسرائیل سے لے کر اب تک

اخبار الفضل قادیان جلد ۹ نمبر ۳۶ رقمطراز ہے۔

> ”اگر یہودی اس لئے بیت المقدس کی تولیت کے مستحق نہیں ہیں کہ وہ جناب مسیح اور حضرت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی رسالت ونُبوّت کے منکر ہیں ....اور عیسائی اس لئے غیر مستحق ہیں کہ انہوں نے خاتم النبیین کی رسالت کا انکار کر دیا۔ تو یقیناً یقیناً غیر احمدی (مسلمان) بھی مستحق تولیت ہیں۔ اگر کہا جائے کہ حضرت مرزا صاحب کی نُبوّت ثابت نہیں تو سوال ہوگا، کن کے نزدیک؟ اگر جواب یہ ہی کہ نہ ماننے والوں کے نزدیک تو اس طرح یہود کے نزدیک مسیح اور آنحضرت کی اور مسیحوں کے نزدیک آنحضرت کی نُبوّۃ اور رسالت بھی ثابت نہیں اگر منکرین کا فیصلہ ایک نبی کو غیر ٹھہراتا ہے تو کروڑوں عیسائیوں اور یہودیوں کا اجماع ہے کہ نعوذ باللہ کہ آنحضرت منجانب اللہ رسول نہ تھے۔ پس اگر غیر احمدی بھائیوں کا یہ اصل درست ہے کہ بیت المقدس کی تولیت کے مستحق تمام نبیوں کے ماننے والے ہی ہو سکتے ہیں تو ہم اعلان کرتے ہیں کہ احمدیوں کے سوا خدا کے تمام نبیوں کا مومن اور کوئی نہیں۔“

صرف یہی نہیں بلکہ جب فلسطین کے مظلوم مسلمانوں کو ان کے صدیوں پرانے وطن سے نکال کر عربوں کے سینے میں مغربی سامراجیوں کے ہاتھوں اسرائیل کی شکل میں خنجر بھونکا جا رہا ہے تو قادیانی امت ایک پورے منصوبہ سے اس کام میں صیہونیت اور مغربی سامراجیت کے لئے فضا بنانے میں مصروف تھی ایک قادیانی مبلّغ لکھتا ہے۔

> ”میں نے یہاں کے ایک اخبار میں اس پر آرٹیکل دیا ہے جس کا خلاصہ یہ ہے کہ یہ وعدہ کی زمین ہے جو یہودیوں کو عطا کی گئی تھی۔ مگر نبیوں کے انکار اور

> بالآخر مسیح کی عداوت نے یہود کو ہمیشہ کے واسطے وہاں کی حکومت سے محروم کر دیا۔ اور یہودیوں کو سزا کے طور حکومت رومیوں کو دیدی گئی۔ اور بعد میں عیسائیوں کو ملی۔ پھر مسلمانوں کو، اب اگر مسلمانوں کے ہاتھ سے وہ زمین نکلی ہے۔ تو پھر اس کا سبب تلاش کرنا چاہیے کیا مسلمانوں نے کسی نبی کا انکار تو نہیں کیا۔ سلطنت برطانیہ کے انصاف اور امن اور آزادیٔ مذہب کو ہم دیکھ چکے ہیں۔ آزما چکے ہیں اور آرام پا رہے ہیں۔ اس سے بہتر کوئی حکومت مسلمانوں کے لئے نہیں ہے۔ بیت المقدس کے متعلق جو میرا مضمون یہاں (انگلستان) کے اخبار میں شائع ہوا ہے۔ اس کا ذکر میں اوپر کر چکا ہوں اس کے متعلق وزیراعظم برطانیہ کی طرف سے ان کے سیکرٹری نے شکریہ کا خط لکھا ہے۔ فرماتے ہیں کہ مسٹر لائڈ جارج اس مضمون کی بہت قدر کرتے ہیں۔“

(الفضل قادیان ج ۵ نمبر ۷۵ مورخہ ۱۹ ؍ مارچ ۱۹۱۸ء)

فلسطین کے قیام میں مرزائیوں کی عملی کوششوں کے ضمن میں مولوی جلال الدین شمس اور خود مرزا بشیر الدین محمود کی سرگرمیاں کسی سے ڈھکی چھپی نہیں غالباً ۱۹۲۶ء میں مولوی جلال الدین شمس مرزائی مبلغ کو شام بھیجا گیا۔ وہاں کے حریت پسندوں کو پتہ چلا تو قاتلانہ حملہ کیا۔ آخر تاج الدین الحسن کی کابینہ نے شام بدر کر دیا۔ جلال الدین شمس فلسطین چلا آیا اور ۲۸ء میں قادیانی مشن کیا۔ اور ۱۹۳۱ء تک برطانوی انقلاب کی حفاظت میں عالمی استعمار کی خدمت بجالاتا رہا۔ تاریخ احمدیت مؤلفہ دوست محمد شاہد قادیانی سے ثابت ہوتا ہے کہ ۱۹۱۷ء میں قیام فلسطین کے برطانوی منصوبے کے اعلان کے بعد مرزا بشیر الدین محمود نے ۱۹۲۴ء میں فلسطین میں قیام کیا اور فلسطین کے ایکٹنگ گورنر سر کلٹین سے ساز باز کر کے ایک لائحہ عمل مرتب کیا۔ اور جلال الدین شمس قادیانی کو دمشق میں یہودی مفادات کا نگران مقرر کیا گیا۔

(ماھنامہ الحق اکوڑہ خٹک ج ۹ نمبر ۳ از تاریخ احمدیت مؤلفہ دوست محمد شاھد)

۴۷ء تک قادیانی سرگرمیاں فلسطین میں پھلتی پھولتی رہیں۔ مولوی اللہ دتہ جالندھری، محمد سلیم چوہدری، محمد شریف، نور احمد، منیر رشید احمد چغتائی جیسے معروف قادیانی تبلیغ کے نام پر عربوں کو محکوم بنانے کی مذموم سازشیں کرتے رہے۔ ۳۴ء میں مرزا محمود خلیفہ قادیان نے اپنے استعماری صیہونی مقاصد کی تکمیل کے لئے تحریک جدید کے نام سے ایک تحریک کی بنیاد رکھی اور جماعت سے سیاسی مقاصد کے لئے اس تحریک کے لئے بڑی رقم کا مطالبہ کیا (تاریخ احمدیت ص ۱۹) تو بیرون ہند قادیانی جماعتوں میں سب سے زیادہ حصہ فلسطین کی جماعت نے لیا۔ اور تاریخ احمدیت کے مطابق فلسطین کے جماعت حیفہ اور مدرسہ احمدیہ کبابیر نے قربانی اور اخلاص کا نمونہ پیش کیا۔ اور مرزا محمود نے اس کی تعریف کی (ایضاً ص ۴۰) بالآخر جب برطانوی وزیر خارجہ مسٹر بالفور کے ۱۹۱۷ء کے اعلان کے مطابق ۱۹۴۸ء میں بڑی ہوشیاری سے اسرائیل کا قیام عمل میں آیا۔ تو چن چن کر فلسطین کے اصل باشندوں کو نکال دیا گیا۔ مگر یہ سعادت صرف قادیانیوں کو نصیب ہوئی کہ وہ بلاخوف و جھجک وہاں رہیں اور انہیں کوئی تعرض نہ کیا جائے۔ خود مرزا بشیر الدین محمود نہایت فخریہ انداز میں اس کا اعتراف کرتے ہوئے فرماتے ہیں۔

’’عربی ممالک میں بے شک ہمیں اس قسم کی اہمیت حاصل نہیں جیسی ان (یورپی اور افریقی) ممالک میں ہے پھر بھی ایک طرح کی اہمیت ہمیں حاصل ہوگئی ہے اور وہ یہ کہ فلسطین کے عین مرکز میں اگر مسلمان رہے تو وہ صرف احمدی ہیں۔‘‘

(الفضل لاہور ص ۵۔ ۳۰ راگست ۱۹۵۰ء)

’’مرزا محمود کی جماعت کو اس طرح کی اہمیت کیوں نہ ملتی۔ جب کہ مرزا محمود خلیفہ دوم نے فلسطین میں یہودی ریاست اسرائیل کے قیام و استحکام میں صیہونیوں سے بھرپور تعاون کیا۔‘‘ (ماہنامہ الحق ج ۹ ش ۲ بحوالہ تاریخ احمدیت از دوست محمد شاہد قادیانی)

’’اور جب عربوں کے قلب کا یہ رستا ہوا ناسور اسرائیل قائم ہوا۔ تمام مسلمان ریاستوں نے اس وقت سے اب تک اس کا مقاطعہ کیا۔ پاکستان کا کوئی

سفارتی یا غیر سفارتی مشن وہاں نہیں۔ اس لئے کہ اسرائیل کا وجود بھی پاکستان کے نزدیک غلط ہے پاکستان عربوں کا بڑا حمایتی ہے۔ مونٹ اکرل کبابیر وغیرہ میں ان کے استعماری اور جاسوسی سرگرمیوں کے اڈے قادیانی مشنریوں کے پردے میں قائم ہوئے۔ یہ تعجب اور حیرت کی بات نہیں تو کیا ہے۔ کافی عرصہ تک جس اسرائیل میں کوئی عیسائی مشن قائم نہیں ہو سکا۔ اور بعد میں کچھ عیسائی مشنیں قائم ہوئیں۔ اسرائیل کے سب سے بڑی ربّی شلوگورین نے آرچ بشپ آف کنٹربری، ڈاکٹر ریمزے اور کارڈینل پادری ہی نان سے خصوصی ملاقات کر کے ن پر زور دیا کہ اسرائیل میں عیسائی مشنریوں پر پابندی عائد کریں۔“

(ماھنامہ الحق اکوڑہ خٹک ج۹ ش۲ ص۲۶ بحوالہ مارننگ نیوز کراچی ۲۶ر ستمبر ۱۹۷۳ء)

عیسائی مشنوں کے خلاف اسرائیل میں منظم تحریک چلی۔ عیسائی مراکز پر حملے ہوئے دکانوں اور بائیبل کے نسخوں کا جلانا معمول بن گیا۔ مگر ۱۹۲۸ء سے لے کر اب تک ۴۶ سال میں یہودیوں نے قادیانیوں کے خلاف کوئی آواز نہ اٹھائی، نہ ان کے لٹریچر کو روکا۔ نہ کوئی معمولی رکاوٹ ڈالی۔ جو اس کا واضح ثبوت ہے کہ وہ مرزائیوں کو اپنے مفادات کی خاطر تحفظ دے رہے ہیں۔

اسلام کی تبلیغ کے نام پر مسلمانوں اور پاکستان کے سب سے بڑے دشمن اسرائیل میں قادیانیوں کا مشن ایک لمحہ فکریہ نہیں تو اور کیا ہے۔ اس لمحہ فکریہ کا عربوں کے لئے مختلف وقفوں سے بے چینی اور اضطراب اور پاکستان سے سوئظن کا باعث بن جانا کوئی تعجب کی بات نہیں۔ ان کا کہنا ہے کہ یہ مشن عرب ریاستوں کی جاسوسی، فوجی راز معلوم کرنے، عالم اسلام کے معاشی، اخلاقی حالات اور دینی جذبات معلوم کرنے عرب گوریلوں کے خلاف کارروائیاں کرنے اور عالمی استعمار اور یہودی استحصال کے لئے راہیں تلاش کرنے میں سرگرم عمل رہتے ہیں۔

اسرائیل مشن

قیام اسرائیل سے لے کر اب تک مسٹر ظفر اللہ خان کی اس سلسلہ میں تگ و دو کسی سے مخفی نہیں۔ لیکن جب آپ وزیر خارجہ تھے۔ تو کسی نے ربوہ کے ماتحت اس اسرائیل مشن کے بارہ میں سوال کیا۔ تو آپ نے روایتی عیاری سے کام لے کر کہا کہ حکومت پاکستان کو تو اس کا علم نہیں۔ ع الاماں از حرف پہلو دار تو لیکن جب پچھلے دنوں اخبارات میں اسرائیل کے قادیانی مشن کا چرچا ہوا۔ تو بڑی ہوشیاری سے کہا گیا کہ ایسے مشن ہیں مگر قادیان بھارت کے ماتحت ہیں۔ یہ ایک ایسا جھوٹ تھا کہ خود ربوہ کی تحریک جدید کے سالانہ بجٹ ۶۷-۱۹۶۶ء سے اس کی قلعی کھل جاتی ہے۔ اس بجٹ کے صفحہ ۲۵ پر مشنہائے بیرون کے ضمن میں اسرائیل میں واقع حیفا کے قادیانی مشن کی تفصیل دی گئی۔ (جس کی فوٹوسٹیٹ کاپی منسلک ہے)۔

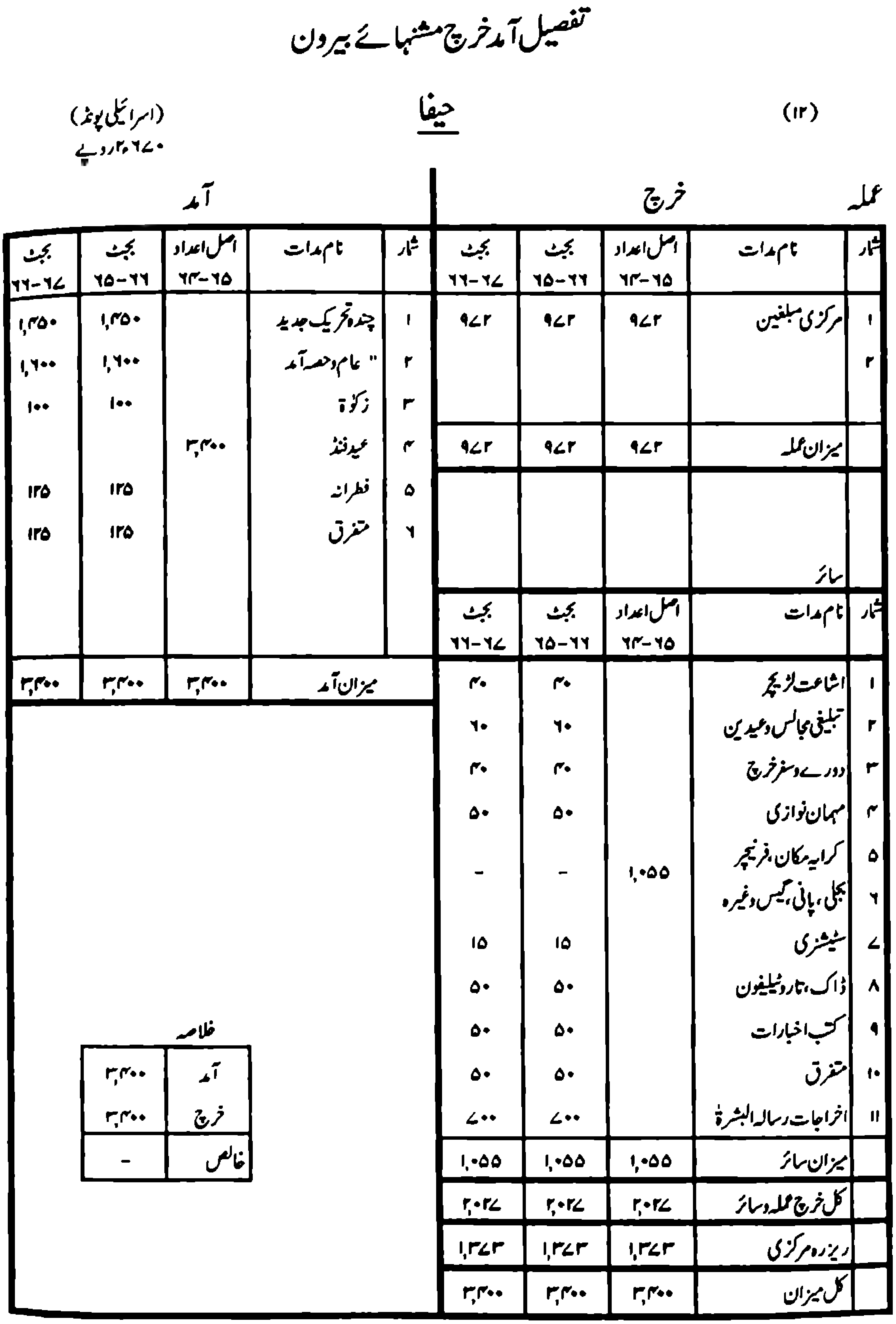

تفصیل آمد خرچ مشنہائے بیرون

(۱۲)

حیفا

(اسرائیلی پونڈ)
۲,۶۷۰ روپے

خرچ

عملہ

شمار	نام مدات	اصل اعداد ۶۴-۶۵	بجٹ ۶۵-۶۶	بجٹ ۶۶-۶۷
۱	مرکزی مبلغین	۹۷۲	۹۷۲	۹۷۲
۲				
	میزان عملہ	۹۷۲	۹۷۲	۹۷۲

سائر

شمار	نام مدات	اصل اعداد ۶۴-۶۵	بجٹ ۶۵-۶۶	بجٹ ۶۶-۶۷
۱	اشاعت لٹریچر		۴۰	۴۰
۲	تبلیغی مجالس و عیدین		۶۰	۶۰
۳	دورے و سفر خرچ		۴۰	۴۰
۴	مہمان نوازی		۵۰	۵۰
۵	کرایہ مکان، فرنیچر	۱,۰۵۵	-	-
۶	بجلی، پانی، گیس وغیرہ			
۷	سٹیشنری		۱۵	۱۵
۸	ڈاک، تار و ٹیلیفون		۵۰	۵۰
۹	کتب اخبارات		۵۰	۵۰
۱۰	متفرق		۵۰	۵۰
۱۱	اخراجات رسالہ البشریٰ		۷۰۰	۷۰۰
	میزان سائر	۱,۰۵۵	۱,۰۵۵	۱,۰۵۵
	کل خرچ عملہ و سائر	۲,۰۲۷	۲,۰۲۷	۲,۰۲۷
	ریزرو مرکزی	۱,۳۷۳	۱,۳۷۳	۱,۳۷۳
	کل میزان	۳,۴۰۰	۳,۴۰۰	۳,۴۰۰

آمد

شمار	نام مدات	اصل اعداد ۶۴-۶۵	بجٹ ۶۵-۶۶	بجٹ ۶۶-۶۷
۱	چندہ تحریک جدید		۱,۴۵۰	۱,۴۵۰
۲	" عام و حصہ آمد		۱,۶۰۰	۱,۶۰۰
۳	زکوٰۃ		۱۰۰	۱۰۰
۴	عید فنڈ	۳,۴۰۰		
۵	فطرانہ		۱۲۵	۱۲۵
۶	متفرق		۱۲۵	۱۲۵
	میزان آمد	۳,۴۰۰	۳,۴۰۰	۳,۴۰۰

خلاصہ

آمد	۳,۴۰۰
خرچ	۳,۴۰۰
خالص	-

احمدیہ تحریکِ جدید کے سالانہ بجٹ ۶۷-۱۹۶۶ء کے صفحہ ۲۵ کا عکس۔

[At this stage Dr. Mrs. Ashraf Khatoon Abbasi vacated the Chair which was occupied by Mr. Chairman (Sahibzada Farooq Ali)]

مولوی مفتی محمود:

اسرائیل مشن

ہم یہاں اسرائیل میں قادیانی مشن کا ایک اور ثبوت مع اصل عبارت پیش کرتے ہیں، یہ اقتباس قادیانیوں ہی کی شائع کردہ کتاب ''اور فارن مشن'' مؤلفہ مبارک احمد ص ۷۸ شائع کردہ احمدیہ فارن مشن ربوہ سے لیا گیا ہے، مؤلف کتاب مرزا غلام احمد کے پوتا ہیں۔

احمدیہ مشن اسرائیل میں حیفہ (ماؤنٹ کرمل) کے مقام پر واقع ہے اور وہاں ہماری ایک مسجد، ایک مشن ہاؤس، ایک لائبریری، ایک بک ڈپو اور ایک سکول موجود ہے۔ ہمارے مشن کی طرف سے ''البشریٰ'' کے نام سے ایک ماہانہ عربی رسالہ جاری ہے جو تیس مختلف ممالک میں بھیجا جاتا ہے۔ مسیح موعود کی بہت سی تحریریں اس مشن نے عربی میں ترجمہ کی ہیں۔ فلسطین کے تقسیم ہونے سے یہ مشن کافی متاثر ہوا۔ چند مسلمان جو اس وقت اسرائیل میں موجود ہیں ہمارا مشن ان کی ہر ممکن خدمت کر رہا ہے اور مشن کی موجودگی سے اُن کے حوصلے بلند ہیں۔ کچھ عرصہ قبل ہمارے مشنری کے لوگ حیفہ کے میئر سے ملے اور اُن سے گفت وشنید کی، میئر نے وعدہ کیا کہ احمدیہ جماعت کے لیے کبابیر میں حیفہ کے قریب وہ ایک سکول بنانے کی اجازت دے دیں گے۔ یہ علاقہ ہماری جماعت کا مرکز اور گڑھ ہے۔ کچھ عرصہ بعد میئر صاحب ہماری مشنری دیکھنے کیلئے تشریف لائے۔ حیفہ کے چار معززین بھی اُن کے ہمراہ تھے۔ اُن کا پُروقار استقبال کیا گیا۔ جس میں جماعت کے سرکردہ ممبر اور اسکول کے طالب علم بھی موجود تھے۔ اُن کی آمد کے اعزاز میں ایک جلسہ بھی منعقد ہوا۔ جس میں انہیں سپاسنامہ پیش کیا گیا۔ واپسی سے پہلے میئر صاحب نے اپنے تاثرات مہمانوں کے رجسٹر میں بھی تحریر کیے، ہماری جماعت کے مؤثر ہونے کا ثبوت ایک چھوٹے سے مندرجہ ذیل واقعہ سے ہوسکتا ہے، ۱۹۵۶ء میں جب ہمارے مبلغ چودھری محمد

شریف صاحب ربوہ پاکستان واپس تشریف لا رہے تھے، اس وقت اسرائیل کے صدر سے ہماری مشنری کو پیغام بھیجا کہ چودھری صاحب روانگی سے پہلے صدر صاحب سے ملیں۔ موقع سے فائدہ اُٹھا کر چودھری صاحب نے ایک قرآنِ حکیم کا نُسخہ جو جرمن زبان میں تھا، صدرِ محترم کو پیش کیا، جس کو خلوصِ دل سے قبول کیا گیا، چودھری صاحب کا صدر صاحب سے انٹرویو اسرائیل کے ریڈیو پر نشر کیا گیا اور ان کی ملاقات اخبارات میں جلی سُرخیوں سے شائع کیا گیا۔

This substract has been taken from Page 79 of the fourth revised edition of the book styled as "OUR FOREIGN MISSION" written by Mirza Mubarak Ahmad son of Late Mirza Bashiruddin Mahmood Ahmad and Grandson of Mirza Ghulam Ahmad which published in 1965 by Ahmadiyya Muslim foreign Missions Rabwah, West Pakistan, and printed at Nusrat Art Press, Rabwah.

ISRAEL MISSION

The Ahmadiyya Mission in Israel is situated in Haifa at Mount Karmal. We have a mosque there, a Mission House, a library, a book depot, and a school. The mission also brings out a monthly, entitled *Al-Bushra* which is sent out to thirty different countries accessible through the medium of Arabic. Many works of the Promised Massih have been translated into Arabic through this mission.

In many ways this Ahmadiyya Mission has been deeply affected by the Partition of what formerly was called Palestine. The small number of Muslims left in Israel derive a great deal of strength from the presence of our mission which never misses a chance of being of service to them. Some time ago, our missionary had an interview with the Mayor of Haifa, when during the discussion on many points, he offered to build for us a school at Kababeer, a village near Haifa, where we have a strong and well-established Ahmadiyya community of Palestinian Arabs. He also promised that he would come to see our missionary at Kababeer, which he did later, accompanied by four notables from Haifa. He was duly received by members of the community, and by the students of our school, a meeting having been held to welcome the guests. Before his return he entered his impressions in the Visitors' Book.

Another small incident, which would give readers some idea of the position our mission in Israel occupies, is that in 1956 when our missionary Choudhry Muhammad Sharif, returned to the Headquarters of the movement in Pakistan, the President of Israel sent word that he (our missionary) should she him before embarking on the journey back; Choudhry Muhammad Sharif utilized the opportunity to present a copy of the German translation of the Holy Quran to the President, which he gladly accepted. This interview and what transpired at it was widely reported in the Israeli Press, and a brief account was also broadcast on the radio.

(OUR FOREIGN MISSIONS)
(by Mirza Mubarak Ahmad)

یہودیوں اور قادیانیوں کے نظریاتی مماثلت اور اشتراک کا تجزیہ کرتے ہوئے آج سے ۲۸ سال قبل علامہ اقبال نے کہا تھا کہ مرزائیت اپنے اندر یہودیت کے اتنے عناصر رکھتی ہیں کہ گویا یہ تحریک ہی یہودیت کی طرف رجوع ہے۔ (حرف اقبال ص ۱۱۵) مگر ۱۹۳۶ء میں تو یہ ایک نظری بحث تھی جس پر رائے زنی کی گنجائش ہو سکتی تھی۔ لیکن بعد میں علم و نظر کے دائرہ سے لے کر سعی و عمل کے میدان میں دونوں یعنی قادیانیت اور صیہونیت کا باہمی اشتراک اور تماثل ایک بدیہی حقیقت کی شکل میں سامنے آیا۔

مرزائیت اور یہودیت کا باہمی اشتراک

یہ باہمی ربط و تعلق کن مشترکہ مقاصد پر مبنی ہے۔ اس کے لئے ہمیں زیادہ غور و فکر کی ضرورت نہیں۔ انگریزی سامراج کی اسلام دشمنی کسی سے ڈھکی چھپی نہیں اور صیہونی استعمار بھی مغرب کا آلہ کار بن کر مسلمان بالخصوص عربوں کے لئے ایک چیلنج بنا ہوا ہے۔ دونوں کے مقاصد اور وفاداریاں اسلام سے عداوت پاکستان دشمنی کا منطقی نتیجہ قادیانیوں اور اسرائیل کے باہمی گہرے دوستانہ تعلقات کی شکل میں برآمد ہوا عالم عرب کے بعد اگر اسرائیل اپنا سب سے بڑا دشمن کسی ملک کو سمجھتا تھا تو وہ پاکستان ہی تھا۔ اسرائیل کے بانی ڈیوڈ بن گوریاں نے اگست ۱۹۶۷ء میں سارابوں یونیورسٹی پیرس میں جو تقریر کی وہ اس کا واضح ثبوت ہے۔ بن گوریان نے کہا۔

> ''پاکستان دراصل ہمارا آئیڈیالوجیکل چیلنج ہے۔ بین الاقوامی، صیہونی تحریک کو کسی طرح بھی پاکستان کے بارے میں غلط فہمی کا شکار نہیں رہنا چاہیئے اور نہ ہی پاکستان کے خطرہ سے غفلت کرنی چاہیئے۔''

(آگے چل کر پاکستان اور عربوں کے باہمی رشتوں کا ذکر کرتے ہوئے کہا) کہ۔

> ''لہذا ہمیں پاکستان کے خلاف جلد سے جلد قدم اٹھانا چاہیئے۔ پاکستان کا فکری سرمایہ اور جنگی قوت ہمارے لئے آگے چل کر سخت مصیبت کا باعث بن سکتا ہے لہذا ہندوستان سے گہری دوستی ضروری ہے۔ بلکہ ہمیں اس تاریخی عناد و نفرت سے فائدہ اٹھانا چاہیئے جو ہندوستان، پاکستان کیخلاف رکھتا ہے۔ یہ تاریخی عناد ہمارا سرمایہ ہے۔ ہمیں پوری قوت سے بین الاقوامی دائروں کے ذریعہ سے اور بڑی طاقتوں میں اپنے نفوذ سے کام لے کر ہندوستان کی مدد کرنی اور پاکستان پر بھرپور ضرب لگانے کا انتظام کرنا چاہیئے یہ کام نہایت راز داری کے ساتھ اور خفیہ منصوبوں کے تحت انجام دینا چاہیئے۔

(یروشلم پوسٹ ۱۹/اگست ۱۹۶۷ء از روزنامہ نوائے وقت لاہور ص امورخہ ۲۲/مئی ۱۹۷۲ء و ۳/ستمبر ۱۹۷۲ء)

بن گوریان نے پاکستان کے جس فکری سرمایہ اور جنگی قوت کا ذکر کیا ہے وہ کونسی چیز ہے اس کا جواب ہمیں مشہور یہودی فوجی ماہر پروفیسر ہرٹر سے مل جاتا ہے وہ کہتے ہیں۔

> ”پاکستانی فوج اپنے رسول محمد صلی اللہ علیہ وسلم سے غیر معمولی عشق رکھتی ہے یہی وہ بنیاد ہے جس نے پاکستان اور عربوں کے باہمی رشتے مستحکم کر رکھے ہیں یہ صورتحال عالمی یہودیت کے لئے شدید خطرہ رکھتی ہے اور اسرائیل کی توسیع میں حائل ہو رہی ہے لہذا یہودیوں کو چاہیئے کہ وہ ہر ممکن طریقے سے پاکستانیوں کے اندر سے حبِ رسول کا خاتمہ کریں۔“

(نوائے وقت ص ۶، ۲۲؍ مئی ۱۹۷۲ء نیز جزائر برطانیہ میں صیہونی تنظیموں کا آرگن جیوئش کرائیکل ۱۹؍ اگست ۱۹۶۷ء)

بن گوریان کے بیان کے پس منظر میں یہ بات تعجب خیز ہو جاتی ہے کہ پاکستان سے اس شدت سے نفرت کرنے والے اسرائیل نے ایسی جماعت کو سینے سے کیوں لگائے رکھا جن کا ہیڈکوارٹر یعنی پاکستان ہی ان کے لئے نظریاتی چیلنج ہے۔ ظاہر ہے پاکستانی فوج کے فکری اساس رسول عربیؐ سے غیر معمولی عشق اور جنگی قوت کا راز جذبۂ جہاد ختم کرنے کے لئے جو جماعت نظریۂ انکار ختم نبوت اور ممانعت جہاد کی علمبردار بن کر اٹھی تھی وہی پورے عالم اسلام اور پاکستان میں ان کی منظور نظر بن سکتی تھی واضح رہے کہ بہت جلد جب سامراجی طاقتوں اور صہیونیوں کو مشرقی پاکستان کی شکل میں اپنے جذباتِ عناد نکالنے کا موقعہ ہاتھ آیا تو اسرائیل وزیر خارجہ ابا ایبان نے نہ صرف اس تحریکِ علیٰحدگی کو سراہا بلکہ بروقت ضروری ہتھیار بھی فراہم کرنے کی پیش کش کی۔

(ماہنامہ الحق اکوڑہ خٹک ج ۷ ش ۹ ص ۸ بحوالہ ماہنامہ فلسطین بیروت جنوری ۱۹۷۲ء)

اس تاثر کو موجودہ وزیر اعظم ذوالفقار علی بھٹو کے اس بیان سے اور زیادہ تقویت ملتی ہے جس میں انہوں نے انکشاف کیا کہ پاکستان کے عام انتخابات ۷۰ء میں اسرائیلی روپیہ پاکستان

آیا اور انتخابی مہم میں اس کا استعمال ہوا۔ آخر وہ روپیہ مرزائیوں کے ذریعے نہیں تو کس ذریعے سے آیا اور پاکستان کے وجود کے خلاف تل ابیب میں تیار کی گئی سازش جس کا انکشاف بھٹو صاحب نے الاہرام مصر کے ایڈیٹر حسنین ہیکل کو انٹرویو دیتے کیا۔ کیسے پروان چڑھی جب کہ پاکستان کے اسرائیل کے ساتھ سوائے قادیانی مشنوں کے اور کوئی رابطہ نہیں تھا۔

اگر قادیانی جماعت بین الاقوامی صہیونیت کی آلہ کار نہ ہوتی اور عالم اسلام اور پاکستان کے خلاف اس کا کردار نہایت گھناؤنا نہ ہوتا تو کبھی بھی اسرائیل کے دروازے ان پر نہ کھل سکتے قادیانی اس بارہ میں ہزار مرتبہ تبلیغ و دعوت اسلام کے پردہ میں پناہ لینا چاہیں مگر یہ سوال اپنی جگہ قائم رہے گا کہ اسرائیل میں کیا یہ تبلیغ ان یہودیوں پر کی جارہی ہے جنہوں نے صہیونیت کی خاطر اپنے بلاد اور اوطان کو خیر باد کہا اور تمام عصبیتوں کے تحت اسرائیل میں اکٹھے ہوئے یا ان بچے کھچے مسلمان عربوں پر مشق تبلیغ کی جارہی ہے جو پہلے سے محمد عربی علیہ السّلام کے حلقہ بگوش ہیں اور صیہونیت کے مظالم سہہ رہے ہیں۔

اسرائیل نے ۶۵ء اور پھر ۷۳ء میں عربوں پر مغربی حلیفوں کی مدد سے بھرپور جارحانہ حملہ کیا جنگ چھڑی تو قادیانیوں کو اسرائیل سے باہمی روابط و تعلقات کے تقاضے پورا کرنے اور حق دوستی ادا کرنے کا موقعہ ملا اور دونوں نے عالم اسلام کے خلاف جی بھر کر اپنی تمنائیں نکالیں۔ قادیانیوں کی وساطت سے عرب گوریلا اور چھاپہ مار تنظیموں کے خلاف کارروائیاں کی جاتی رہیں ان تنظیموں میں مسلمان ہونے کے پردہ میں قادیانی اثر و رسوخ حاصل کر کے داخلی طور پر سبوتاژ کرتے رہے اور حالیہ عرب اسرائیل جنگوں میں وہ صہیونیوں کے ایسے وفادار بنے جیسے کہ برطانوی دور میں انگریز کے اور یہ اس لئے بھی کہ عربوں کی زبردست تباہی کے بارے میں مرزا غلام احمد کا وہ خود ساختہ الہام بھی پورا ہو جس میں عربوں کی تباہی کے بعد سلسلہ احمدیہ کی ترقی و عروج کی خبر ان الفاظ میں دی گئی جو درحقیقت الہام نہیں بلکہ الہام کے پردہ میں اپنے بیٹے کو

آئندہ اسلام اور عرب دشمن سازشوں کی راہ دکھائی گئی تھی۔

’’خدا نے مجھے خبر دی ہے کہ ایک عالمگیر تباہی آوے گی اور اس تمام واقعات کا مرکز ملک شام ہوگا۔ صاحبزادہ صاحب (یعنی ان کے مخاطب پیر سراج الحق قادیانی) اس وقت میرا لڑکا موعود ہوگا خدا نے اس کے ساتھ ان حالات کو مقدر کر رکھا ہے ان واقعات کے بعد ہمارے سلسلہ کو ترقی ہوگی اور سلاطین ہمارے سلسلہ میں داخل ہوں گے تم اس موعود کو پہچان لینا۔‘‘

(تذکرہ مرزا کا مجموعہ وحی والہام مطبوعہ ربوہ ص ۷۹۹ طبع دوم ص ۷۹۵)

علامہ اقبال نے ایسے ہی الہامات کے بارے میں کہا تھا ؎

محکوم کے الہام سے اللہ بچائے غارتگرِ اقوام ہے وہ صورتِ چنگیز

مولوی مفتی محمود: جناب والا! مغرب کی نماز کا وقت ہو گیا ہے۔

جناب چیئرمین: 7:20 پر دوبارہ کارروائی شروع ہوگی۔ آدھے گھنٹے کے لئے ملتوی کیا جاتا ہے۔

[The Special Committee adjourned for Maghrib Prayers to re-assemble at 7.20 p.m.]

[The Special Committee re-assembled after Maghrib Prayers, Mr. Chairman (Sahibzada Farooq Ali), in the Chair.]

جناب چیئرمین: مولانا مفتی محمود!

مولوی مفتی محمود:

خلافتِ عثمانیہ اور ترکی

(قادیان جماعت کا ایڈریس بخدمت ایڈورڈ میکلیگن لیفٹیننٹ گورنر پنجاب اخبار الفضل ۲۲ر دسمبر ۱۹۰۹ء جلد ۷ نمبر ۴۸)

ہم یہ بتا دینا چاہتے ہیں کہ مذہباً ہمارا ترکوں سے کوئی تعلق نہیں۔ ہم اپنے مذہبی نقطہ خیال سے اس امر کے پابند ہیں کہ اس شخص کو اپنا پیشوا سمجھیں جو مسیح موعود کا جانشین ہو اور دنیاوی لحاظ سے اس کو اپنا بادشاہ اور سلطان یقین کریں، جس کی حکومت کے نیچے ہم رہتے ہیں پس ہمارے خلیفہ حضرت مسیح موعود (مرزا صاحب) کے خلیفہ ثانی ہیں اور ہمارے بادشاہ حضور سلطان ملک معظم ہیں۔ سلطان ترکی ہرگز خلیفۃ المسلمین نہیں۔

(صیغہ امور عامہ قادیان کا اعلان مندرجہ اخبار الفضل قادیان جلد ۷ نمبر ۱۶۱، ۱۶ر فروری ۱۹۲۰ء)

اخبار لیڈر آلہ آباد مجریہ ۲۱ر جنوری ۱۹۲۰ء میں خلافت کانفرنس کا ایڈریس:

بخدمت جناب وائسرائے شائع کیا گیا۔ فہرست دستخط کنندگان میں مولوی ثناء اللہ امرتسری کے نام سے پہلے کسی شخص مولوی محمد علی قادیانی کا نام درج ہے۔ مولوی محمد علی کے نام کے ساتھ قادیانی کا لفظ محض اس لئے لگایا گیا کہ لوگوں کو دھوکہ دیا جائے ورنہ قادیان سے تعلق رکھنے والا احمدی نہیں ہے جو سلطان ترکی کو خلیفۃ المسلمین تسلیم کرتا ہو...... معلوم ہوتا ہے یہ مولوی صاحب لاہوری سرگردہ کے غیر مبائع ہیں لیکن وہ لفظ قادیان کے ساتھ لکھنے کے ہرگز مستحق نہیں۔ نہ اس لئے کہ وہ قادیان کے باشندے ہیں اور نہ اس لئے کہ مرکز قادیاں سے رکھنے والے کسی احمدی کا یہ عقیدہ نہیں کہ سلطان ترکی خلیفۃ المسلمین ہے۔"

خلافت عثمانیہ کو ٹکڑے ٹکڑے کرنے اور عربوں کو ترکوں سے لڑانے میں قادیانی انگریز کے شانہ بشانہ شریک رہے اس کا ایک اندازہ اس واقعہ سے لگایا جا سکتا ہے جو دمشق کے ایک مطبوعہ رسالہ القادیانیۃ میں مرزائیوں کے سیاسی خط و خال اور استعماری فرائض و مناسب کی نشاندہی

کے بعد لکھا گیا ہے کہ پہلی جنگ عظیم میں انگریزوں نے مرزا بشیر الدین محمود احمد کے سالے ولی اللہ زین العابدین کو سلطنتِ عثمانیہ بھیجا وہاں پانچویں ڈویژن کے کمانڈر جمال پاشا کی معرفت ۱۹۱۷ء میں قدس یونیورسٹی میں دینیات کا لیکچرر ہو گیا لیکن جب انگریزی فوجیں دمشق میں داخل ہو گئیں تو ولی اللہ نے اپنا لبادہ اتارا اور انگریزی لشکر میں آ گیا اور عربوں کو ترکوں سے لڑانے بھڑانے کی مہم کا انچارج رہا عراقی اس سے واقف ہو گئے تو گورنمنٹ انڈیا نے وہاں ان کے ٹکے رہنے پر زور دیا لیکن عراقی حکومت نہ مانی تو بھاگ کر قادیان آ گیا اور ناظر امور عامہ بنا دیا گیا۔

(عجمی اسرائیل ص ۲۷ بحوالہ القادیانیۃ طبع دمشق)

یہ واقعہ نقل کرنے کے بعد رسالہ القادیانیہ نے لکھا ہے کہ کسی بھی مسلمان عرب ریاست میں مرزائیوں کیلئے کوئی جگہ نہیں بلکہ ان کے ایسے کارناموں کی بدولت پاکستان کو عربوں میں ہدف بنایا جاتا ہے۔ سقوط خلافت عثمانیہ کے بعد مصطفیٰ کمال کے دور میں بھی مرزائیوں کی سازشیں جاری رہیں اور یہ روایت عام ہے کہ ترکی میں دو قادیانی مصطفیٰ صغیر کی ٹیم کا رکن بن کر گئے مصطفیٰ صغیر کے بارہ میں مشہور ہے کہ وہ قادیانی تھا اور مصطفیٰ کمال کو قتل کرنے پر مامور ہوا تھا لیکن راز فاش ہونے پر موت کے گھاٹ اتارا گیا۔

افغانستان

گورنمنٹ افغانستان کے خلاف سازشی خطوط اور جہاد کے جذبہ کی مخالفت کا ذکر پہلے مدلّل طور پر آ چکا ہے چند مزید حقائق سنیئے۔

جمیعۃ الاقوام سے افغانستان کے خلاف مداخلت کی اپیل

''جماعت احمدیہ کے نام مرزا بشیر الدین محمود صاحب خلیفۃ المسیح الثانی نے ''لیگ اقوام'' سے پرزور اپیل کی کہ حال میں پندرہ پولیس کانسٹیبلوں اور

سپرنٹنڈنٹ کے روبرو دو احمدی مسلمانوں کو محض مذہبی اختلاف کی وجہ سے حکومت کابل نے سنگسار کر دیا ہے اس لئے دربار افغانستان سے باز پرس کے لئے مداخلت کی جائے کم از کم ایسی حکومت اس قابل نہیں کہ مہذب سلطنتوں کے ساتھ ہمدردانہ تعلقات رکھنے کے قابل سمجھی جائے۔“

(الفضل قادیان ج ۱۲ نمبر ۹۵ ۲۸؍فروری ۲۵ء)

امیر امان اللہ خان نے نادانی سے انگریزوں کیخلاف جنگ شروع کی

میاں محمود احمد نے اپنے خطبہ جمعہ مطبوعہ الفضل ج ۶، ۲۷؍مئی ۱۹۱۹ء میں کہا:

”اس وقت (بعہد شاہ امان اللہ خان) جو کابل نے انگریزوں کے ساتھ جنگ شروع کی ہے نادانی ہے۔ احمدیوں کا فرض ہے کہ گورنمنٹ کی خدمت کریں۔ کیوں کہ گورنمنٹ کی اطاعت ہمارا فرض ہے۔ لیکن افغانستان کی جنگ احمدیوں کے لئے ایک نئی حیثیت رکھتی ہے کیوں کہ کابل وہ زمین ہے جہاں ہمارے نہایت قیمتی وجود مارے گئے۔ اور ظلم سے مارے گئے ....

اور بے سبب اور بلا وجہ مارے گئے پس کابل وہ جگہ ہے جہاں احمدیت کی تبلیغ منع ہے اور اس پر صداقت کے دروازے بند ہیں۔ اس لئے صداقت کے قیام کے لئے گورنمنٹ برطانیہ کی فوج میں شامل ہو کر ان ظالمانہ روکوں کو دفع کرنے کے لئے گورنمنٹ برطانیہ کی مدد کرنا احمدیوں کا مذہبی فرض ہے۔ پس کوشش کرو کہ تمہارے ذریعہ سے وہ شاخیں پیدا ہوں جن کی مسیح موعود نے اطلاع دی۔“

جنگِ کابل میں مرزائیوں کی انگریزوں کو معقول امداد

جب کابل کے ساتھ جنگ ہوئی تب بھی ہماری جماعت نے اپنی طاقت سے بڑھ کر مدد دی اور علاوہ کئی قسم کی خدمات سرانجام دیں۔ ایک ڈبل کمپنی پیش کی

بھرتی بوجہ جنگ ہونے کے رک گئی ورنہ ایک ہزار سے زائد آدمی اس کے لئے نام لکھوا چکے ہیں۔ اور خود ہمارے سلسلے کے بانی کے چھوٹے صاحبزادے اور ہمارے موجودہ امام کے چھوٹے بھائی نے اپنے خدمات پیش کیں اور چھ ماہ تک ٹرانسپورٹ کور میں آنریری طور پر کام کرتے رہے۔

افریقی ممالک میں استعماری اور صیہونی سرگرمیاں

افریقہ دنیا کا واحد براعظم ہے جہاں سے برٹش ایمپائر نے اپنا پنجۂ استبداد سب سے آخر میں اٹھایا اور آج تک کچھ علاقے برطانوی سامراجی اثرات کے تابع ہیں مغربی افریقہ میں قادیانیوں نے ابتداء ہی سے برطانوی سامراج کے لئے اڈے قائم کئے اور ان کے لئے جاسوسی کی ــــ ''دی کیمبرج ہسٹری آف اسلام'' مطبوعہ ۱۹۷۰ء میں مذکور ہے۔

> "THE AHMADIYYA FIRST APPEARED ON THE WEST AFRICAN COAST DURING THE FIRST WORLD WAR, WHEN SEVERAL YOUNG MEN IN LAGUS AND FREE TOWN JOINED BY MAIL. IN 1921 THE FIRST INDIAN MISSIONARRY ARRIVED. TOO UNORTHODOU TO GAIN A FOOTING IN THE MUSLIM INTERIOR, THE AHMADIYYA REMAIN CONFINED PRINCIPALLY TO SOUTHERN NIGERIA, SOUTHERN GOLD COAST SIERRALEONE. IT STRENGTHENED THE RANKS OF THOSE MUSLIMS ACTIVELY LOYAL TO THE BRITISH, AND IT CONTRIBUTED TO THE MODERNIZATION OF ISLAMIC ORGANIZATION IN THE AREA."

(The Cambridge History of Islam Vol-II edited by Holt, Lambton, and Lewis, Cambridge University Press, 1970, P-400)

ترجمہ: پہلی جنگ عظیم کے دوران احمدی فرقہ کے لوگ مغربی افریقہ کے ساحل تک پہنچے جب لاگوس اور فری ٹاؤن کے چند نوجوان ان تک پہنچے۔ ۱۹۲۱ء میں پہلی ہندوستانی مشنری وہاں آئی اگرچہ یہ لوگ کسی عقیدہ کا پرچار نہیں کر سکے لیکن ان کا ارادہ مسلم آبادی کے اندرونی علاقوں

میں قدم جمانا تھا یہ لوگ زیادہ تر جنوبی نائیجیریا، جنوبی گولڈ کوسٹ اور سیرالیون میں سرگرم عمل رہے ان لوگوں نے ان مسلمان دستوں کو مضبوط کیا جو کہ مملکت برطانیہ کے حد درجہ وفادار تھے اور ان علاقوں میں اسلام کو جدید تقاضوں سے ہمکنار کرتے رہے“

اس اقتباس سے صاف ظاہر ہے کہ قادیانی ۱۹۲۱ء کے بعد زیادہ تر جنوبی گولڈ کوسٹ اور سیرالیون میں سمٹے رہے اور غلام ہندوستان کی طرح یہاں کے مسلمانوں کو برطانوی اطاعت اور عقیدہ جہاد کی ممانعت کی تبلیغ کر کے برطانیہ سے وفاداریوں کو مضبوط بنانے کی کوشش کی گئی حال ہی میں قادیانیوں نے ”افریقہ سپکیں“ کے نام سے مرزا ناصر احمد کے دورۂ افریقہ کی جو روئداد چھاپی ہے وہ افریقہ میں قادیانی ریشہ دوانیوں کا منہ بولتا ثبوت ہے اس میں یہ عبارت خاص طور پر قابل غور ہے۔

"ONE OF THE MAIN POINTS OF GHULAM AHMAD'S HAS BEEN REJECTION OF "HOLY WARS" AND FORCIBLE CONVERSION."

('Africa Speaks' Page 93, published by Majlis Nusrat Jahan Tahrik-i-Jadid, Rabwah.)

یعنی غلام احمد کے اہم معتقدات میں سے ایک مقدس جنگ (جہاد) کا انکار ہے آخر ماریشس ایک افریقی جزیرہ ہے ۱۹۶۷ء میں یہاں سے ”دی مُسلم اِن ماریشس“ یعنی ماریشس میں مسلمان کے نام سے جناب ممتاز عمریت کی ایک کتاب شائع ہوئی جس کا دیباچہ ماریشس کے وزیراعظم نے لکھا کتاب میں فاضل مصنف نے بڑی محنت سے قادیانیوں کی ایسی تخریبی سرگرمیوں کا ذکر کیا جو مسلمانوں کے لئے تکالیف کا باعث بن رہی ہیں۔ انہوں نے اس سلسلہ میں مسلمانوں کے طرف سے دائر کردہ ایک مقدمہ کا ذکر کیا ہے۔ مسجد روز ہل کا یہ مقدمہ بقول مصنف کے تاریخ ماریشس کا سب سے بڑا مقدمہ کہا جاتا ہے جس میں دو سال تک سپریم کورٹ نے بیانات لئے شہادتیں سنیں اور ۱۹ر نومبر ۱۹۲۰ء کو چیف جج سرائے ہرچیز وڈر نے فیصلہ دیا کہ

''مسلمان الگ امّت ہیں اور قادیانی الگ''۔

کتاب کے مطالعہ سے یہ بھی معلوم ہو جاتا ہے کہ یہاں بھی ان کی آمد برطانوی فوج کی شکل میں ان کے استعماری مقاصد ہی کے لئے ہوئی۔ وہ لکھتے ہیں کہ قادیانی مذہب سے تعلق رکھنے والے دو فوجی ماریشس پہنچے ان میں سے ایک کا نام دین محمد اور دوسرے کا نام بابو اسماعیل خان تھا وہ سترہویں رائل انفنٹری سے تعلق رکھتے تھے ۱۹۱۵ء تک یہ فوجی اپنی تبلیغی کارروائیاں (فوجی ہوکر تبلیغی کارروائیاں؟ قابل غور) کرتے رہے۔

(تفصیل کے لئے دیکھئے المنیر لائلپور ج ۹ ش ۲۲ ص ۸،۷)

''دو سال قبل افریقہ میں تبلیغ کے نام پر جو دو سکیمیں نصرت جہاں ریزرو فنڈ اور آگے بڑھو سکیم کی جاری کی گئیں اس کی داغ بیل لندن ہی میں رکھی گئی اور مرزا ناصر احمد نے اکاؤنٹ کھلوایا۔''

(الفضل ربوہ ۲۹/ جولائی ۱۹۷۲ء)

افریقہ میں اپنی کارکردگیوں کے بارہ میں قادیانی مبلغ برطانیہ میں مقیم ان ممالک کے ہائی کمشنروں سے رابطہ قائم کرتے رہتے ہیں اور انہیں معلومات بہم پہنچاتے ہیں برطانوی وزارت خارجہ قادیانیوں کی ان تمام مشنوں کی حفاظت کرتی ہے۔

اور جب کچھ لوگ برطانوی وزارت خارجہ سے اس تعجب کا اظہار کرتے ہیں کہ براعظم افریقہ میں قادیانیوں کے اکثر مشن برطانوی مقبوضات ہی میں کیوں ہیں اور برطانیہ ان کی حفاظت کرتی ہے اور وہ دیگر مشنریوں سے زیادہ قادیانیوں پر مہربان ہے تو وزارت خارجہ نے جواب دیا کہ سلطنت کے مقاصد تبلیغ کے مقاصد سے مختلف ہیں جواب واضح تھا کہ سامراجی طاقتیں اپنی نوآبادیات میں اپنے سیاسی مفادات اور مقاصد کو تبلیغی مقاصد پر ترجیح دیتی ہیں اور وہ کام عیسائی مبلغین سے نہیں مرزائی مشنوں ہی سے ہو سکتا ہے۔

افریقہ میں صہیونیت کا ہراول دستہ

برطانوی مفادات کے تحفظ کے علاوہ یہ قادیانی مشن افریقہ میں اسرائیل اور صہیونیت کے بھی سب سے مضبوط اور وفادار ہراول دستہ ہیں مرزا ناصر احمد صاحب نے ۱۳؍ جولائی ۱۹۷۳ء سے ۲۶ ستمبر ۱۹۷۳ء تک بیرونی ممالک کا جو دورہ کیا اس کی غرض وغائت بھی قطعاً سیاسی تھی لندن مشن کے محمود ہال میں جو پوشیدہ سیاسی میٹنگیں ہوئیں ان کا مقصد افریقہ میں اسرائیل اور یورپی استعمار کے سیاسی مقاصد کی تکمیل تھی۔

(ماہنامہ الحق ج ۹ ش ۲ ص ۲۵)

الفضل ربوہ یکم جولائی ۱۹۷۲ء نے لندن مشن کے پریس سیکرٹری خواجہ نذیر احمد کی اطلاع کے مطابق مغربی افریقہ کے ان ممالک کے سفیروں سے ملاقات کی گئی جن کا مرزا ناصر احمد دورہ کر چکے ہیں پریس سیکرٹری لکھتے ہیں:

> ”مغربی افریقہ کے ان کچھ ممالک کے سفراء کو اپنی مساعی اور خدمات سے روشناس کرانے کے لئے مکرم ومحترم بشیر احمد خان رفیق امام مسجد فضل لندن نے سہ رکنی وفد کی قیادت فرماتے ہوئے جس میں مکرم چوہدری ہدایت اللہ سینئر سیکرٹری سفارت خانہ پاکستان اور خاکسار خواجہ نذیر احمد پریس سیکرٹری مسجد فضل لندن، ہز ایکسی لینسی ایچ وی ایچ سیکی ہائی کمشنر غانا متعینہ لندن سے ملاقات کی۔“

(الفضل ربوہ ۲۸؍ جون ۱۹۷۲ء)

افریقہ میں ان سرگرمیوں کی وسعت کارکردگی کا اندازہ اس سے لگایا جا سکتا ہے کہ اب تو عالمی صیہونی تنظیم (WZO) اور اسی کی تمام ایجنسیاں اور اسرائیل کی ”جیوش ایجنسی“ کھل کر افریقہ میں قادیانیوں کو اپنے مذموم مقاصد کے آلۂ کار بنانے کی خبریں عربوں کے لئے تشویش کا

باعث بن چکی ہیں۔ عرب اسرائیل جنگ کے بعد جن افریقی ممالک نے اسرائیل سے تعلقات توڑے قادیانیوں نے ایسے ممالک کی مخالف حکومت تحریکوں کے ساتھ ملکران پر سیاسی دباؤ ڈالا۔

لاکھوں کروڑوں کا سرمایہ

افریقی ممالک میں ان مقاصد کے لئے لاکھوں اور کروڑوں روپے کا سرمایہ کہاں سے فراہم ہوتا ہے؟ یہ ایک معمّہ ہے جس نے عالم عرب کے مشہور مصنف علامہ محمد محمود الصواف کو بھی ورطۂ حیرت میں ڈال دیا ہے وہ اپنی ایک تازہ تصنیف۔ المخططات الاستعماریہ لمکافحۃ الاسلام‘‘ کے صفحہ ۲۵۳ پر رقمطراز ہیں۔

ولا تزال هذه الطائفة الكافرة تعيث فى الارض فساداً و تسعىٰ جاهدةً لحرب و مكافحة الاسلام فى كلّ ميدان خاصتهٌ فى افريقيا ولقد و صلتنى رسالة من يوغندا با أفريقيا الشرقية و معها كتاب "حمامة البشرى" وهو من مؤلفات كذاب قاديان احمد المسيح الموعود و المهدى المعهود بزعمهم و قد وزع منهٗ الكثير هناك وهو مليٌ باالكفر و الضلال۔

والرسالة التى ور دتنى من

’’یہ کافر جماعت ہمیشہ زمین میں فساد پھیلا کر اسلام کی مخالفت ہر میدان میں کرتی چلی آرہی ہے خاص کر افریقہ میں ان کی سرگرمیاں تیزی سے بڑھ رہی ہیں مجھے اس سلسلہ میں مشرقی افریقہ کے یوگنڈا سے ایک خط ملا جس کے ساتھ مرزا غلام احمد کذاب کی جوان کے زعم میں مسیح اور مہدی موعود ہیں کتاب حمامۃ البشریٰ تھی جو وہاں بڑی تعداد میں تقسیم کی گئی اور جو کفر اور گمراہی سے بھری پڑی ہے۔

یہ خط جو مجھے مسلمانوں کے ایک بہت بڑے داعی اور رہنما نے لکھا

احد كبار الدعاة الاسلامين هناك يقول فيها :

"لقد دهانا و دهى الاسلام من القاديانية شئ عظيم لقد استفحل امرهم جداً و نشطوا كثيراً فى دعايتهم و ينفقون اموالا لا تدخل تحت الحصر، و لا شك أنها أموال الاستعمار والمبشرين بل بلغني نبايكاد يكون مؤكداً أن هناك جمعية تبشيرية قوية مركزها أديس أبابا عاصمة الحبشة و أن ميزانية هذه الجمعية ٣٥ مليون دولا و وأنها متركزة لمحاربة الاسلام۔"

تھا اس میں یہ کہا گیا۔

''یہاں قادیانیوں کی روز افزوں سرگرمیاں ہمارے لئے اور اسلام کے لئے سخت تشویش کا باعث بن گئی ہیں یہ لوگ یہاں اتنی دولت خرچ کر رہے ہیں جو حساب سے باہر ہے اور بلا شبہ یہ مال و دولت سامراج اور اس کے مشنری اداروں ہی کا ہو سکتا ہے مجھے تو یہاں تک ثقہ اطلاع پہنچی ہے کہ وہاں حبشہ کے عدیس ابابا میں ان لوگوں کے ایک مضبوط مشن کا سالانہ بجٹ ۳۵ ملیون ڈالر ہے اور یہ مشن اسلام دشمنی ہی کے لئے قائم کیا گیا ہے۔''

[At this stage Mr. Chairman vacated the Chair which was occupied by (Dr. Mrs. Ashraf Khatoon Abbasi)]

مولوی مفتی محمود: علامہ صراف نے عدیس ابابا حبشہ کے جس مشن کے ۳۵ ملیون ڈالروں (پاکستانی حساب سے ۳۵ کروڑ روپے) کا ذکر کیا ہے معلوم نہیں پچھلے کئی سال سے حبشہ میں

مسلمانوں کی حسرتناک تباہی اور بربادی میں اس کا کتنا حصہ ہوگا؟ یہ راز کھل جائے تو جوبلی فنڈ سکیم کے لئے مرزا ناصر احمد کے ڈیڑھ کروڑ روپیہ کی اپیل کے جواب میں نو کروڑ روپے تک جمع ہونے کے امکان کی گتھی بھی سلجھ جائے جس کا مژدہ انہوں نے (الفضل ربوہ ۵/مارچ ۱۹۷۴ء) میں اپنے پیروں کو سنایا ہے مذکورہ تفصیل پڑھ کر سوائے اس کے اور کیا اندازہ لگایا جا سکتا ہے کہ اگر افریقہ ابھی تک فرنگی شاطروں کے پنجۂ استبداد سے مکمل طور پر نجات حاصل نہیں کر سکا اور وہ عالمی صہیونیت کی بھی آماجگاہ بنا ہوا ہے تو اور وجوہات کے علاوہ اس کی ایک وجہ اسلام اور عالم اسلام سے دیرینہ غداری کرنے والی مرزائیوں کی جماعت بھی ہے۔

مسلمانانِ برصغیر کی فلاح و بہبود کی تنظیمیں اور مرزائیوں کا کردار

اب ہم برصغیر کے تحریک آزادی، مسلمانوں کی فلاح و بہبود کی تحریکوں اور قیام پاکستان کے سلسلہ میں ابتدا سے لے کر اب تک مرزائیوں کے کردار اور قیام پاکستان کے بعد ملک کو ٹکڑے ٹکڑے کر کے ایک قادیانی سٹیٹ کے قیام یا بصورت دیگر اکھنڈ بھارت کے لئے ان کے خطرناک سیاسی عزائم اور سرگرمیوں کا مختصراً جائزہ لیتے ہیں انگریز کے دور حکمرانی میں برصغیر میں مسلمانوں کے نشاۃ ثانیہ کے لئے جتنی بھی تحریکیں اٹھیں۔ مذکورہ تفصیلات سے بخوبی واضح ہو چکا کہ مرزائیوں نے نہ صرف انگریز کی خوشنودی کے لئے اسے نقصان پہنچایا۔ بلکہ ایسے تمام موقعوں پر جہاد آزادی ہو یا کوئی اور تحریک مرزائیوں کا کام انگریز کے لئے جاسوسی اور ان کو خفیہ معلومات فراہم کرنا اور درپردہ استعماری مقاصد کے لئے ایسی تحریکوں کو غیر مؤثر بنانا تھا۔ جہاد اور انگریزی استعمار کے سلسلہ میں ہندو بیرون ہند اس جماعت کی سرگرمیاں سابقہ تفصیلات سے سامنے آ چکی ہیں۔ یہ جاسوسی سرگرمیاں اگر عرب اور مسلم ممالک میں جاری رہیں۔ تو دوسری طرف مرزا صاحب نے جبکہ علمائے حق نے ہندوستان کو دارالحرب قرار دیا جمعہ وغیرہ کے نام پر شوشے چھوڑ کر ایک اشتہار برطانوی افسران کے پاس بھیجا اور انگریز حکومت کو مشورہ دیا کہ مسئلہ جمعہ کے

ذریعہ اس ملک کو دار الحرب قرار دینے والے نالائق نام کے بدباطن مسلمانوں کی شناخت ہو سکے گی جمعہ جو عبادت کا مقدس دن تھا مرزا صاحب نے اسے کمال عیاری سے بقول ان کے انگریز گورنمنٹ کے لئے ایک سچے مخبر اور کھرے اور کھوٹے کے امتیاز کا ذریعہ بنادیا۔

(تبلیغ رسالت جلد ۵ نمبر ۸ مجموعہ اشتہارات فاروق پریس قادیان)

ایک دوسرے اشتہار قابل توجہ گورنمنٹ میں مرزا صاحب نے ایسے ایک جاسوسی کارنامے کا ذکر بڑے فخر سے کیا اور کہا۔ چونکہ قرین مصلحت ہے کہ سرکار انگریزی کی خیر خواہی کے لئے ایسے نافہم مسلمانوں کے نام بھی نقشہ جات میں درج کئے جائیں جو در پردہ اپنے دلوں میں برٹش انڈیا کو دار الحرب قرار دیتے ہیں۔ لہذا یہ نقشہ اسی غرض سے تجویز کیا گیا ہے تاکہ اس میں ناحق شناس لوگوں کے نام محفوظ رہیں۔ (آگے چل کر کہا) کہ ہم نے اپنی محسن گورنمنٹ کی پولیٹیکل خیر خواہی کی نیت سے ایسے شریر لوگوں کے نام ضبط کئے ہیں یہ نقشے ایک پولیٹیکل راز کی طرح ہمارے پاس محفوظ ہیں۔ آگے ایسے نقشے تیار کر کے بھیجنے کا ذکر ہے جس میں ایسے لوگوں کے نام معہ پتہ ونشان ہیں۔ (تبلیغ رسالت ج ۵ ص ۱۱)

مسلمانوں کے سیاسی حقوق کے لئے جدوجہد کرنے والی تحریکات سے غداری کی ایک مثال انجمن اسلامیہ لاہور کے اس میمورنڈم سے لگائی جاسکتی ہے جو اس نے مسلمانوں کے معاشی اور تعلیمی ترقی، اردو زبان کی ترویج وغیرہ مطالبات مرتب کروانے کے سلسلہ میں مشاہیر کو روانہ کیا۔ مرزا صاحب مسلمانوں کے ان مطالبات کی شدومد سے مخالفت کرتے اور ایسی سرگرمیوں کی مذمت کرتے ہوئے کہا۔ کہ انگریز کے دل میں نقش وفاداری جمانا چاہیئے اور کہا کہ انجمن اسلامیہ کو ایسے میمورنڈم پھیلانے کے بجائے برصغیر کے علماء سے ایسے فتویٰ حاصل کرنے چاہئیں جن میں مربی ومحسن سلطنت انگلشیہ سے جہاد کی صاف ممانعت ہو اور ان کو خطوط بھیج کر ان کی مہریں لگوا کر مکتوبات علماء ہند کے نام سے پھیلایا جائے۔

(اسلامی انجمن کی خدمت میں التماس براہین۔ احمدیہ حصہ سوم مطبوعہ سفیر ہند پریس امرتسر)

۱۹۰۶ء میں جب مسلم لیگ کا قیام عمل میں آیا۔ اس وقت اس جماعت کا مقصد ہندوؤں کے مقابلے میں مسلمانوں کے معاشی حقوق کے لئے جدوجہد کرے۔ تو مرزا صاحب نے نہ صرف اس لئے شرکت سے انکار بلکہ ناپسندیدگی کا اظہار کیا کہ کل یہ جماعت انگریز کے خلاف بھی ہو سکتی ہے۔

(گورنمنٹ کی توجہ کے لائق۔ از مرزا غلام احمد اور سیرت مسیح موعود از مرزا بشیر الدین ص ۴۳ ص ۴۴)

یہی وطیرہ ان کے بعد ان کے جانشینوں کا رہا۔ ۱۹۳۱ء میں کشمیر کمیٹی کا قیام اور بالآخر مرزا بشیر الدین محمود کی خفیہ سرگرمیوں سے اس کے شکست و ریخت اور علامہ اقبال کا اس کمیٹی سے علیحدہ ہونا اور کمیٹی کو توڑ دینا جس کا ذکر آگے آرہا ہے یہ سب باتیں تاریخ کا حصہ بن چکی ہیں۔ علامہ اقبال کو وثوق سے یہاں تک معلوم ہوا کہ:۔

کشمیر کمیٹی کے صدر (مرزا بشیر الدین محمود) اور سیکرٹری (عبدالرحیم) دونوں وائسرائے اور اعلیٰ برطانوی حکام کو خفیہ اطلاعات بہم پہنچانے کا نیک کام بھی کرتے ہیں۔

(پنجاب کی سیاسی تحریکیں ص ۲۱۰ عبداللہ ملک)

یہ جاسوسی سرگرمیاں مرزائی جماعت کے "مقدس کام" کا اتنا اہم حصہ ہیں۔ کہ نہ صرف برصغیر بلکہ پورے عالم اسلام میں اس کا جال تب سے لے کر اب تک بچھا ہوا ہے۔ اور آج بھی مشرق سے لے کر مغرب تک ایشیا افریقہ اور یورپ میں مرزائی مشن مسلمانوں کے خلاف دشمنوں کے لئے انٹیلی جنس بیورو کا کام دے رہی ہیں ان سرگرمیوں اور اس کے مالی ذرائع وغیرہ مختصراً کچھ ذکر آئے گا۔ الغرض علامہ اقبال مرحوم کے الفاظ میں مسلمانوں کی بیداری کی ایسی تمام کوششوں کی مخالفت اس لئے کی جاتی رہی کہ اصل بات یہ ہے کہ قادیانی بھی مسلمانان ہند کی سیاسی بیداری سے گھبرائے ہوئے ہیں کیوں کہ وہ سمجھتے ہیں۔ کہ مسلمانان ہند کے سیاسی وقار کے بڑھ جانے سے ان کا یہ مقصد فوت ہو جائے گا۔ کہ رسول عربی کی امت میں قطع برید کر کے ہندوستانی نبی کے لئے ایک جدید امت تیار کریں۔

(حرف اقبال ص ۱۴۱ ص ۱۴۲)

مسلمانوں سے دینی، سماجی، معاشرتی ہر قسم کے تعلقات و روابط کو قطعی حرام قرار دینے والے مذہب میں برصغیر کے اسلامی اداروں اور انجمنوں سے تعاون اور اشتراک کی گنجائش بھی تھی۔

کسی مرزائی نے کہا جب مسیح موعود کا مقصد صرف اشاعت اسلام تھا۔ تو ہمیں دیگر مسلمان تحریکوں اور تنظیموں سے تعاون کرنا چاہیئے۔ تو سید سرور شاہ قادیانی نے الفضل قادیان ج ۲ ص۲۷ مورخہ ۲۰/جنوری ۱۹۱۵ء میں بڑی سختی سے اس کی ممانعت کی اور حلفاً کہا کہ مسیح موعود کا اپنی زندگی میں غیر احمدیوں سے کیا تعلق تھا۔ انہوں نے غیر احمدیوں سے کبھی چندہ مانگا؟ ہرگز نہیں۔ اگر یہی احمدیت تھی تو اور لوگ جو حضرت مسیح کے زمانہ میں اشاعت اسلام کے لئے اٹھے تھے۔ ان کے لئے حضرت مسیح موعود کو خوشی کا اظہار کرنا چاہیئے تھا اور آپ ان کی انجمنوں میں شریک ہوتے۔ انہیں چندہ دیتے مگر آپ نے کبھی اس طرح نہیں کیا۔

کسی مسلمان یتیم اور بیوہ کے لئے چندہ کی تحریک پر میاں بشیر الدین محمود سے اجازت مانگی گئی تو کہا مسلمانوں کے ساتھ مل کر چندہ دینے کی ضرورت نہیں:۔

(الفضل قادیان ج ۱۰ص ۴۵ ـ ۷/دسمبر ۱۹۲۲ء)

اکھنڈ بھارت

ہندو اور قادیانی دونوں کو ایک دُوسرے کی ضرورت کا احساس

سیاسیات کے تعلق سے قادیانیوں اور انگریزوں میں تو چولی دامن کا ساتھ تھا ہی لیکن جب جدوجہد آزادی کے نتیجہ میں اور بین الاقوامی سیاسیات کی مدوجزر سے ہندوستان پر برطانوی استعمار کی گرفت ڈھیلی پڑ گئی تو مرزا محمود نے جو اس وقت مرزا غلام احمد کے خلیفہ ثانی بن چکے تھے کروٹ بدلی اور کانگرس کے ہمنوا بن گئے ادھر ہندو سیاست اور ذہنیت بھی قادیانی تحریک کو سیاسی

اعتبار سے مفید مطلب پا کر اور مسلمانوں کے اندر اس کی ففتھ کالمسٹ حیثیت کو سمجھ کر اس کی حمایت اور وکالت پر اتر آئی۔ پنڈت جواہر لال نہرو نے جو اپنے آپ کو برملا سوشلسٹ اور دہریہ کہتے تھے ایک ایسی جماعت کی تائید کا بیڑا اٹھایا جو اپنے کو خالص مسلمان مذہبی جماعت کہنے پر مصر تھی نہرو جیسے زیرک انسان سے قادیانیوں کے در پردہ یہ سیاسی عزائم مخفی نہ رہ سکے اور انہوں نے اپنی دہریت آبی کے باوجود ماڈرن ریویو کلکتہ میں مسلمان اور احمد ازم کے عنوان سے لگاتار تین مضمون لکھے اور ڈاکٹر اقبال مرحوم سے بحث تک نوبت آئی۔ یہ بحثیں رسالوں اور اخباروں میں شائع ہو چکی ہیں یہاں ان کے دہرانے کی ضرورت نہیں۔

الغرض اقبال نے انہیں سمجھایا کہ یہ لوگ اپنے برطانوی استعماری عزائم اور منصوبوں کی بناء پر نہ مسلمانوں کے مفید مطلب ہو سکتے ہیں نہ آپ کے۔ تو تب انہوں نے خاموشی اختیار کی اور جب نہرو پہلی مرتبہ انڈین نیشنل کانگریس کے لیڈر کی حیثیت سے لندن گئے تو واپسی پر انہوں نے یہ تاثر ظاہر کیا کہ جب تک اس ملک میں قادیانی فعال ہیں انگریز کے خلاف جنگ آزادی کا کامیاب ہونا مشکل ہے بہرحال جب تک قادیانیت کا یہ استعماری پہلو پنڈت جواہر لال کی سمجھ میں نہیں آیا۔ مسلمانوں میں مستقل پھوٹ ڈالنے کے لئے مطلوبہ صلاحیت پر پورے اترنے کے لئے ہندوؤں کی نگاہ انتخاب مسلمانوں میں سے مرزائیوں ہی پر رہی اور آج بھی قادیان کے رشتے اور اکھنڈ بھارت کے عقیدہ سے وہ انہیں جاسوس اور تخریبی سرگرمیوں کے لئے آلہ کار بنائے ہوئے ہیں بہرحال جب قادیانی اور ہندوؤں دونوں کو ایک دوسرے کی ضرورت اور اہمیت کا احساس ہوا اور آقائے برطانیہ کا بسترہ گول ہوتا ہوا محسوس ہوا تو دیکھتے ہی دیکھتے قادیان ہندو سرگرمیوں کا مرکز بن گیا اور بقول قادیانی امت کے لاہوری ترجمان پیغام صلح ۳ر جون ۱۹۳۹ء۔ جب ۲۹ر مئی ۱۹۳۶ء کو پنڈت جواہر لال نہرو لاہور آئے تو قادیانی امت نے اپنے خلیفہ مرزا بشیر الدین محمود کے زیر ہدایت اور چوہدری ظفر اللہ کے بھائی چوہدری اسد اللہ خان ممبر پنجاب

کونسل نے زیر قیادت ان کا پُر جوش استقبال کیا اور اس کے بعد کانگریس قادیانی گٹھ جوڑ نے مستقل حیثیت اختیار کر لی۔

قادیان کو ارض حرم اور مکہ معظمہ کی چھاتیوں کے دودھ کو خشک بنا کر اور مسلمانوں کو تکفیر کے چھرے سے ذبح کرنے کی خوشی ہندوؤں سے بڑھ کر اور کسے ہو سکتی تھی اور جس طرح یہود نے بیت المقدس سے منہ موڑ کر سماویہ کو قبلہ بنایا اسی طرح قادیانیوں نے مکہ اور مدینہ سے مسلمانوں کا رُخ قادیان کی طرف موڑنا چاہا تو اس مسجد ضرار پر ہندو لیڈروں نے جی بھر کر انہیں داد دی چنانچہ ڈاکٹر شنکر داس مشہور ہندو لیڈر کا بیان اس کے لئے کافی ہے انہوں نے بندے ماترم میں لکھا:

> ”ہندوستانی قوم پرستوں کو اگر کوئی امید کی شعاع دکھائی دیتی ہے تو وہ احمدیت کی تحریک ہے یہ ایک حقیقت ہے کہ مسلمان جس قدر احمدیت کی طرف راغب ہوں گے اسی طرح قادیان کو مکہ تصور کرنے لگیں گے۔ مسلمانوں میں اگر عربی تہذیب اور پان اسلامزم کا خاتمہ کر سکتی ہے تو وہ یہی احمدی تحریک ہے جس طرح ایک ہندو کے مسلمان بن جانے پر اس کی شردھا (عقیدت) رام کرشن گیتا اور رامائن سے اٹھ کر حضرت محمدؐ قرآن مجید اور عرب کی بھومی (ارض حرم) پر منتقل ہو جاتی ہے اسی طرح جب کوئی مسلمان احمدی بن جاتا ہے تو اس کا زاویہ نگاہ بھی بدل جاتا ہے حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم میں اس کی عقیدت کم ہوتی چلی جاتی ہے اور جہاں پہلے اس کی خلافت عرب میں تھی اب وہ قادیان میں آ جاتی ہے۔

ایک احمدی خواہ وہ دنیا کے کسی گوشہ میں بھی ہو روحانی شکتی حاصل کرنے کے لئے وہ اپنا منہ قادیان کی طرف کرتا ہے۔ پس کانگریس اور ہندو مسلمانوں سے کم از کم جو کچھ چاہتی ہے کہ اس ملک کا مسلمان اگر ہردوار نہیں تو قادیان کی جاترا کرے۔“

(گاندھی جی کا اخبار بندے ماترم ۲۲ر اپریل ۳۲ء بحوالہ قادیان مذہب)

اخبار پیغام صلح لاہور ج ۲ ص ۶۹ مورخہ ۲۱/اپریل ۱۹۴۵ء کے ان الفاظ سے مزید وضاحت ہوسکتی ہے کہ:

> ”ہندو اخبارات اور پولیٹیکل لیڈروں کے یہ خیالات ہندوستان کے مسلمانوں کو وضاحت سے بتا رہے ہیں کہ گذشتہ دنوں قادیانی ہٹلر (مرزا بشیر الدین محمود) اور کانگریس کے جواہر (جواہر لال نہرو) میں جو چھینا چھٹوں (سرگوشیاں) ہو رہی تھیں وہ اس سمجھوتہ کے بناء پر تھی کہ محمود (خلیفہ قادیان) مسلمانوں کی اس قوت کو توڑنے کے لئے کیا کریگا اور کانگریس اس کے معاوضے میں کیا دے گی۔ “

قیامِ پاکستان کی مخالفت کے اسباب

قیام پاکستان سے قبل احمدیوں نے جس شدومد سے آخر وقت تک قیام پاکستان کی مخالفت کی اس کا اندازہ اگلی چند عبارات سے بخوبی لگایا جا سکتا ہے اس سلسلہ میں اولاً تو ان کی انتہائی کوشش رہی کہ انگریز کا سایۂ عاطفت جسے وہ رحمت خداوندی سمجھتے تھے کسی طرح بھی ہندوستان سے نہ ڈھلے اور جب برٹش سامراج کا سورج ہندوستان میں غروب ہونے لگا تو انہوں نے بجائے کسی مسلم ریاست کے قیام کے اپنا سارا وزن اکھنڈ بھارت کے حق میں ڈال دیا اور اس کی وجہ بنیادی طور پر یہ تھی کہ مرزائی تحریک کو مسلمانوں کے اندر کام کے لئے جس بیس کی ضرورت ہے وہ کوئی ایسی ریاست ہوسکتی ہے جو یا تو قطعی طور پر غیر مسلم ہو یا پھر بصورت دیگر کم از کم اسلامی بھی نہ ہوتا کہ مسلمان قوم ایک کافر حکومت کے پنجے میں بے بس ہو کر ان کی شکارگاہ اور لقمہ تر بنی رہے اور یہ اس کافر لادینی حکومت کے پکے وفادار بن کر اس کا شکار کرتے رہیں ایک آزاد اور خودمختار مسلمان ریاست ان کے لئے بڑی سنگلاخ زمین ہے جہاں ان کے مساعی ارتداد مشکل سے برگ و بار لاسکتی ہیں اس کا کچھ اندازہ ان تحریرات سے بھی لگایا جا سکتا ہے جس میں مرزا صاحب نے کہا:۔

”اگر ہم یہاں (سلطنت انگلشیہ) سے نکل جائیں تو نہ ہمارا مکہ میں گزارہ ہوسکتا ہے اور نہ قسطنطنیہ میں۔ (ملفوظات احمدیہ ج ۱ ص ۱۴۶)

تبلیغ رسالت ج ششم ص ۶۹ پر لکھتے ہیں: (مجموعہ اشتہارات جلد دوم ص ۳۷۰ طبع جدید)

”میں اپنے کام کو نہ مکہ میں اچھی طرح چلا سکتا ہوں نہ مدینہ نہ روم نہ شام میں نہ ایران میں نہ کابل میں مگر اس گورنمنٹ میں جس کے اقبال کے لئے دعا کرتا ہوں۔“

یہ تو سوچو اگر تم اس گورنمنٹ کے سائے سے باہر نکل جاؤ تو پھر تمہارا ٹھکانا کہاں ہے؟ ہر ایک اسلامی سلطنت تمہیں قتل کرنے کے لئے دانت پیس رہی ہے کیوں کہ ان کی نگاہ میں تم کافر اور مرتد ٹھہر چکے ہو۔

(تبلیغ رسالت ج دہم ص ۱۳۲)

الفضل ۱۳ر ستمبر ۱۹۱۴ء میں مسلمانوں کے تین بڑی سلطنتوں ترکی، ایران اور افغانستان کی مثالیں دے کر سمجھایا گیا ہے کہ کسی بھی اسلامی سٹیٹ میں ہمیں اپنے مقاصد کی تکمیل کی کھلی چھٹی نہیں مل سکتی ایسے ممالک میں ہمارا حشر وہی ہوسکتا ہے جو ایران میں مرزا علی محمد باب اور سلطنت ترکی میں بہاء اللہ اور افغانستان میں مرزائی مبلغین کا ہوا۔“

ایک صاحب نے مرزا بشیر الدین محمود سے انگریزوں کی سلطنت سے ہمدردی اور اس کے لئے ہر طرح ظاہری وخفیہ تعاون کے بارہ میں یہاں تک کہ جنگ میں اپنے لوگوں کو بھرتی کروا کر مدد دینے کے بارہ میں دریافت کیا تو انہوں نے اپنے مسیح موعود کے حوالے سے کہا کہ جب تک جماعت احمدیہ نظام حکومت سنبھالنے کے قابل نہیں ہوتی اس وقت تک ضروری ہے اس دیوار (انگریزوں کی حکومت) کو قائم رکھا جائے تاکہ یہ نظام ایسی طاقت (مسلمان ہی مراد ہوسکتے ہیں) کے قبضہ میں نہ چلا جائے جو احمدیت کے مفادات کے لئے زیادہ مضر اور نقصان رساں ہو۔

(الفضل قادیان ۳ر جنوری ۱۹۴۵ء)

یہ تھے قیام پاکستان کی مخالفت کے اصل اسباب

تقسیم ہند کے مُسلمان مخالف

اس میں شک نہیں کہ احمدیوں کے علاوہ کچھ مسلمان بھی تحریک پاکستان سے متفق نہ تھے مگر مذکورہ عبارات سے بخوبی واضح ہو گیا کہ مرزائیوں کی مخالفت اور بعض مسلمان عناصر کی مخالفت میں زمین و آسمان کا فرق تھا مؤخرالذکر یعنی کچھ مسلمانوں کی انفرادی مخالفت ان کے صوابدید میں مسلمانوں کے مفاد ہی کی وجہ سے تھی وہ اپنی مخالفت کے اسباب اور وجوہات بیان کرتے ہوئے تقسیم کو مسلم مفاد کے حق میں نقصان رساں اور دوسرا فریق یعنی قیام پاکستان کے داعی حضرات اسے مفید سمجھتے تھے گویا دونوں کو مسلمانوں کے مفاد سے اتفاق تھا۔ طریق کار کا فرق تھا یہ ایک سیاسی اختلاف تھا جو سیاسی بصیرت پر مبنی تھا۔

جنہوں نے مخالفت کی نہ تو وہ الہام کے مدعی تھے نہ کسی وحی کے نہ انہوں نے اسے مشیت الٰہی اور کسی نام نہاد نبی کی بعثت کا تقاضا سمجھ کر ایسا کیا۔ ان میں سے مذھباً اور عقیدتاً دونوں کو اسلامی نظامِ عدل وانصاف اور اسلامی خلافت راشدہ پر ایمان تھا دونوں مسلمانوں ہی کے خاطر اپنے اپنے میدانوں میں سرگرم کار رہے اور بالآخر جب پاکستان بن گیا تو مخالفت کرنے والے مسلمان زعماء نے اس وقت سے لے کر اب تک اپنی ساری جدوجہد اس نوزائیدہ ریاست کے استحکام وسالمیت میں لگادی۔ مگر جہادتک احمدیوں کا تعلق ہے ان کا تصور اکھنڈ بھارت نہ صرف سیاسی بلکہ مذہبی عقیدہ بھی تھا۔ مرزا محمود کہا کرتے کہ اللہ تعالیٰ کی مشیت ہندوستان کو اکٹھا رکھنا چاہتی ہے اور یہ مرزا غلام احمد کی بعثت کا تقاضا ہے اس طرح اکھنڈ بھارت کے تصور کو الہام اور مشیت ربانی کا درجہ دیکر ہر قادیانی کو مشیت الٰہی کو پورا کرنے کے لئے جدوجہد کا پابند کر دیا گیا اور جن لوگوں نے (اب تک) پاکستان کی سالمیت کی خاطر اکھنڈ بھارت نہ بننے دیا خواہ وہ قائداعظم تھے یا سیاسی زعماء عوام اور خواص مرزائیوں کے عقیدہ میں گویا سب نے مشیت الٰہی کے خلاف کام کیا۔

احمدیوں کے ہاں اکھنڈ بھارت اس لئے ضروری تھا کہ وہ اپنے آپ کو مسلمانوں سے الگ سمجھتے ہوئے کسی بھی مسلمان ریاست کے مقابلہ میں غیر مسلم اسٹیٹ کو مفید مقصد سمجھتے تھے آج بھی وہ پاکستان کی شکل میں ایک مسلم ریاست جس کا جغرافیائی حدود اربعہ بھی محدود ہے کے مقابلہ میں سیکولر اکھنڈ بھارت کو اپنے لئے مضبوط اور مفید سمجھتے ہیں جب کہ ان کے لئے مرزا غلام احمد کی بعض پیشگوئیوں نے اس تصور کو تقدس کا جامہ بھی پہنا دیا ہے۔

کسی نہ کسی طرح پھر متحّد ہونے کی کوشش

چنانچہ ۲۳؍اپریل ۴۷ء کو چوہدری ظفر خان کے بھتیجے کے نکاح کے موقعہ پر سابق خلیفہ ربوہ مرزا بشیر الدین محمود نے اپنا ایک رؤیا بیان کیا اور اس رؤیا (خواب) کی تعبیر اور اس سلسلہ میں مرزا غلام احمد کی پیشگوئیوں کا ذکر کرتے ہوئے چوہدری ظفر اللہ خان کی موجودگی میں کہا۔

’’حضور نے فرمایا جہاں تک میں نے ان پیشگوئیوں پر نظر دوڑائی ہے جو مسیح موعود (مرزا غلام احمد) کے متعلق ہیں اور جہاں تک اللہ تعالیٰ کے اس فعل پر جو مسیح موعود (مرزا غلام احمد) کی بعثت سے وابستہ ہے غور کیا ہے۔ میں اس نتیجہ پر پہنچا ہوں کہ ہندوستان میں ہمیں دوسری اقوام کے ساتھ مل جل کر رہنا چاہئیے اور ہندوؤں اور عیسائیوں کے ساتھ مشارکت رکھنی چاہئیے۔‘‘

حقیقت یہی ہے کہ ہندوستان جیسی مضبوط بیس جس قوم کو مل جائے اس کی کامیابی میں کوئی شک نہیں رہتا۔ اللہ تعالےٰ کی اس مشیت سے کہ اس نے احمدیت کے لئے اتنی وسیع بیس مہیا کی ہے پتہ لگتا ہے کہ وہ سارے ہندوستان کو ایک سٹیج پر جمع کرنا چاہتا ہے اور سب کے گلے میں احمدیت کا جوا ڈالنا چاہتا ہے۔ اس لئے ہمیں کوشش کرنی چاہئیے کہ ہندو مسلم سوال اُٹھ جائے اور ساری قومیں شیر وشکر ہوکر رہیں تا کہ ملک کے حصے بخرے نہ ہوں بے شک یہ کام بہت مشکل ہے مگر اس کے نتائج بہت شاندار ہیں۔ اور اللہ تعالےٰ چاہتا ہے کہ ساری قومیں متحد ہوں تا کہ

احمدیت اس وسیع بیس پر ترقی کرے۔ چنانچہ اس رؤیا میں اس طرف اشارہ ہے **ممکن ہے کہ عارضی طور پر کچھ افتراق ہو اور کچھ وقت کے لئے دونوں قومیں جُدا جُدا رہیں مگر** یہ حالت عارضی ہوگئی اور ہمیں کوشش کرنی چاہئیے کہ جلد دور ہو جائے بہر حال ہم چاہتے ہیں کہ اکھنڈ ہندوستان بنے اور ساری قومیں باہم شیر و شکر ہو کر رہیں۔ (روزنامہ الفضل قادیان ۵/اپریل ۱۹۴۷ء)

''میں قبل ازیں بتا چکا ہوں کہ اللہ تعالےٰ کی مشیت ہندوستان کو اکٹھا رکھنا چاہتی ہے لیکن قوموں کی منافرت کی وجہ سے عارضی طور پر الگ بھی کرنا پڑے۔ یہ اور **بات ہے ہم ہندوستان کی تقسیم پر رضامند ہوئے تو خوشی سے نہیں** بلکہ مجبوری سے اور پھر یہ کوشش کریں گے کہ کسی نہ کسی طرح جلد متحد ہو جائیں۔'' (میاں مرزا محمود خلیفہ ربوہ الفضل ۱۷/مئی ۱۹۴۷ء)

ویٹیکن سٹیٹ کا مطالبہ

پاکستان کی حد بندی کے موقع پر غداری

جماعت احمدیہ تقسیم کی مخالفت تھی لیکن جب مخالفت کے باوجود تقسیم کا اعلان ہو گیا تو احمدیوں نے پاکستان کو نقصان پہنچانے کی ایک اور زبردست کوشش کی جس کی وجہ سے گورداسپور کا ضلع جس میں قادیان کا قصبہ واقع تھا پاکستان سے کاٹ کر بھارت میں شامل کر دیا گیا۔ اس اجمال کی تفصیل یہ ہے کہ حد بندی کمیشن جن دنوں بھارت اور پاکستان کی حد بندی کی تفصیلات طے کر رہا تھا کانگریس اور مسلم لیگ کے نمائندے دونوں اپنے اپنے دعاوی اور دلائل پیش کر رہے تھے اس موقعہ پر جماعت احمدیہ نے باؤنڈری کمیشن کے سامنے اپنا الگ ایک محضر نامہ پیش کیا اور اپنے لئے کانگریس اور مسلم لیگ دونوں سے الگ موقف اختیار کرتے ہوئے قادیان کو ویٹیکن سٹی قرار دینے کا مطالبہ کیا اس محضر نامہ میں انہوں نے اپنی تعداد اپنے علیحدہ مذہب،

اپنے فوجی اور سول ملازمین کی کیفیت اور دوسری تفصیلات درج کیں۔ نتیجہ یہ ہوا احمدیوں کا ویٹیکن سٹیٹ کا مطالبہ تو تسلیم نہ کیا گیا البتہ باؤنڈری کمیشن نے احمدیوں کے میمورنڈم سے یہ فائدہ حاصل کر لیا کہ احمدیوں کو مسلمانوں سے خارج کر کے گورداسپور کو مسلم اقلیت کا ضلع قرار دے کر اس کے اہم ترین علاقے بھارت کے حوالے کر دیئے اور اس طرح نہ صرف گورداسپور کا ضلع پاکستان سے گیا بلکہ بھارت کو کشمیر ہڑپ کر لینے کی راہ مل گئی اور کشمیر پاکستان سے کٹ گیا۔

چنانچہ سید میر نور احمد سابق ڈائرکٹر تعلیمات عامہ اپنی یادداشتوں مارشل لاء سے مارشل لاء تک اس واقعہ کو یوں تحریر کرتے ہیں۔

لیکن اس سے یہ بات واضح ہو گئی ہے کہ ایوارڈ پر ایک مرتبہ دستخط ہونے کے بعد ضلع فیروز پور کے متعلق جس میں ۱۹/اگست اور ۱۷/اگست کے درمیان عرصہ میں ردوبدل کیا گیا اور ریڈکلف سے ترمیم شدہ ایوارڈ حاصل کیا گیا۔

کیا ضلع گورداسپور کی تقسیم اس ایوارڈ میں شامل تھی جس پر ریڈکلف نے ۸/اگست کو دستخط کئے تھے یا ایوارڈ کے اس حصہ میں بھی ماؤنٹ بیٹن نے نئی ترمیم کرائی۔ افواہ یہی ہے اور ضلع فیروز پور والی فائل سے اس کی تصدیق ہوتی ہے۔ اگر ایوارڈ کے ایک حصہ میں ناجائز طور پر ردوبدل ہو سکتا تھا تو دوسرے حصوں کے متعلق بھی یہ شبہ پیدا ہوتا ہے۔ پنجاب حدبندی کمیشن کے مسلمان ممبروں کا تاثر ریڈکلف کے ساتھ آخری گفتگو کے بعد یہی تھا کہ گورداسپور جو بہرحال مسلم اکثریت کا ضلع تھا قطعی طور پر پاکستان کے حصے میں آ رہا ہے لیکن جب ایوارڈ کا اعلان ہوا تو نہ ضلع فیروز پور کی تحصیلیں پاکستان میں آئیں اور نہ ضلع گورداسپور (ماسوائے تحصیل شکر گڑھ) پاکستان کا حصہ بنا۔ کمیشن کے سامنے وکلاء کی بحث کا کوئی ریکارڈ موجود نہیں۔ یہ کہنا مشکل ہے کہ کمیشن کے سامنے کشمیر کے نقطہ نگاہ سے ضلع گورداسپور کی تحصیل پٹھانکوٹ کی اہمیت کا کوئی ذکر آیا تھا یا نہیں غالباً نہیں آیا تھا۔ کیونکہ یہ پہلو کمیشن کے نقطہ نگاہ سے قطعاً غیر متعلق تھا۔ ممکن ہے ریڈکلف کو اس نقطے کا کوئی علم ہی نہ ہو۔ لیکن ماؤنٹ بیٹن کو معلوم تھا کہ تحصیل پٹھانکوٹ کے ادھر

اُدھر ہونے سے کن امکانات کے راستے کھل سکتے ہیں۔ اور جس طرح کانگریس کے حق میں ہر قسم کی بے ایمانی کرنے پر اُتر آیا تھا۔ اس کے پیش نظر یہ بات ہرگز بعید از قیاس نہیں کہ ریڈکلف عواقب اور نتائج کو پوری طرح سمجھا ہی نہ ہو اور اس پاکستان دشمنی کی سازش میں کردارِ عظیم ماؤنٹ بیٹن نے ادا کیا ہو۔

ضلع گورداسپور کے سلسلے میں ایک اور بات بھی قابل ذکر ہے اس کے متعلق چوہدری ظفر اللہ خان جو مسلم لیگ کی وکالت کر رہے تھے خود بھی ایک افسوس ناک حرکت کر چکے ہیں۔ انہوں نے جماعتِ احمدیہ کا نقطہ نگاہ عام مسلمانوں سے (جن کی نمائندگی مسلم لیگ کر رہی تھی) جداگانہ حیثیت میں پیش کیا۔ جماعت احمدیہ کا نقطۂ نگاہ بے شک یہی تھا کہ وہ پاکستان میں شامل ہونا پسند کرے گی لیکن جب سوال یہ تھا کہ مسلمان ایک طرف اور باقی سب دوسری طرف تو کسی جماعت کا اپنے آپ کو مسلمانوں سے علیٰحدہ ظاہر کرنا مسلمانوں کی عددی قوت کو کم ثابت کرنے کے مترادف تھا اگر جماعت احمدیہ یہ حرکت نہ کرتی تب بھی ضلع گورداسپور کے متعلق شاید فیصلہ وہی ہوتا جو ہوا۔ لیکن یہ حرکت اپنی جگہ بہت عجیب تھی۔'' (روزنامہ مشرق ۳رفروری ۱۹۶۴ء)

اب اس سلسلہ میں خود حد بندی کمیشن کے ایک ممبر جسٹس محمد منیر کا ایک حوالہ بھی ملاحظہ فرمائیں۔

''اب ضلع گورداسپور کی طرف آیئے کیا یہ مسلم اکثریت کا علاقہ نہیں تھا''

اس میں کوئی شک نہیں کہ اس ضلع میں مسلم اکثریت بہت معمولی تھی لیکن پٹھانکوٹ تحصیل اگر بھارت میں شامل کر دی جاتی تو باقی ضلع میں مسلم اکثریت کا تناسب خود بخود بڑھ جاتا۔

مزید برآں مسلم اکثریت کی تحصیل شکرگڑھ کو تقسیم کرنے کی مجبوری کیوں پیش آئی اگر اس تحصیل کو تقسیم کرنا ضروری تھا تو دریائے راوی کی قدرتی سرحد یا اس کے ایک معاون نالے کو کیوں نہ قبول کیا گیا بلکہ اس مقام سے اس نالے کے مغربی کنارے کو سرحد قرار دیا گیا جہاں یہ نالہ ریاست کشمیر سے صوبہ پنجاب میں داخل ہوتا ہے۔ کیا گورداسپور کو اس لئے بھارت میں

شامل کیا گیا کہ اس وقت بھی بھارت کو کشمیر سے منسلک رکھنے کا عزم و ارادہ تھا۔

اس ضمن میں میں ایک بہت ناگوار واقعہ کا ذکر کرنے پر مجبور ہوں میرے لئے یہ بات ہمیشہ ناقابل فہم رہی ہے کہ احمدیوں نے علیٰحدہ نمائندگی کا کیوں اہتمام کیا۔ اگر احمدیوں کو مسلم لیگ کے موقف سے اتفاق نہ ہوتا تو ان کی طرف سے علیٰحدہ نمائندگی کی ضرورت ایک افسوس ناک امکان کے طور پر سمجھ میں آسکتی تھی۔ شاید وہ علیٰحدہ ترجمانی سے مسلم لیگ کے موقف کو تقویت پہنچانا چاہتے تھے۔ لیکن اس سلسلے میں انہوں نے شکر گڑھ کے مختلف حصوں کے لئے حقائق اور اعداد و شمار پیش کئے اس طرح احمدیوں نے یہ پہلو اہم بنا دیا کہ نالہ بھین اور نالہ بسنتر کے درمیانی علاقے میں غیر مسلم اکثریت میں ہیں اور اس دعویٰ کے لئے دلیل میسر کر دی کہ اگر نالہ اُجھ اور نالہ بھین کا درمیانی علاقہ بھارت کے حصہ میں آیا تو نالہ بھین اور نالہ بسنتر کا درمیانی علاقہ از خود بھارت کے حصہ میں آ جائے گا۔ اس میں کوئی شک نہیں کہ یہ علاقہ ہمارے (پاکستان) کے حصے میں آ گیا ہے۔ لیکن گورداسپور کے متعلق احمدیوں نے اس وقت سے ہمارے لئے سخت مخمصہ پیدا کر دیا۔" (روزنامہ نوائے وقت ۷؍ جولائی ۱۹۶۴ء)

اس معاملہ کا افسوسناک پہلو یہ ہے کہ ایک طرف قادیانی ریڈکلف کمیشن کو الگ سٹیٹ کا میمورنڈم دے رہے تھے اور دوسری طرف وہی چوہدری ظفر اللہ خان کمیشن کے سامنے پاکستانی کیس کی وکالت کر رہے تھے جو بقول ان کے اپنی جماعت کے اس خلیفہ کو مطاع مطلق کہتے تھے۔ جن کا عقیدہ یہ تھا کہ اکھنڈ بھارت اللہ کی مشیت اور مسیح موعود کی بعثت کا تقاضہ ہے ایک ایسے شخص کو پاکستانی وکالت سپرد کر دینا جس کا ضمیر ہی پاکستان کی حمایت گوارہ نہ کر سکے نادانی نہیں تو اور کیا تھا اور خود چوہدری ظفر اللہ کا ایسے درپردہ خیالات و مقاصد کے ہوتے ہوئے پاکستانی کیس کو ہاتھ میں لینا منافقت نہیں تھی تو اور کیا تھا بہرحال ادھر چوہدری صاحب ریڈکلف کے سامنے پاکستانی کیس لڑ رہے تھے ادھر ان کے امیر اور مطاع مطلق مرزا محمود احمد نے علیٰحدہ میمورنڈم پیش کر دیا اس طرح یہ دودھاری تلوار کی جنگ گورداسپور ضلع کی تین تحصیلوں کو پاکستان

سے کاٹ کر بھارت جانے پر ختم ہوئی اور کشمیر کو پاکستان سے کاٹ دینے کی راہ بھی ہموار کر دی گئی۔

[At this stage Dr. Mrs. Ashraf Khatoon Abbasi vacated the Chair which was occupied by Mr. Chairman (Sahibzada Farooq Ali)]

مولوی مفتی محمود:

سیاسی عزائم اور منصوبے

مُلک دشمن سیاسی سرگرمیاں

اب ہم اس سوال کا جائزہ لیتے ہیں کہ بظاہر ایک خالص مذہبی جماعت کہلانے والی تنظیم اور تحریک کے سیاسی عزائم اور مسائی کیا ہیں۔

مرزائی حضرات بیک وقت کئی کھیل کھیلتے ہیں ایک طرف مذہب اور اس کی تبلیغ کی آڑ لے کر ایک خالص مذہبی جماعت ہونے کے دعویدار ہوتے ہیں دوسری طرف ان کے سیاسی عزائم اور منصوبے نہایت شدت سے اور منظم طریقے سے جاری رہتے ہیں اور اگر کہیں مسلمانوں کی اکثریت ان کے سیاسی مشاغل اور ارادوں کا محاسبہ کرے تو ایک مظلوم مذہبی اقلیت کا رونا رو کر عالمی ضمیر کو معاونت کے لئے پکارا جاتا ہے حالیہ واقعات میں لندن میں بیٹھ کر چوہدری ظفر اللہ خان کا واویلا اور اس کے جواب میں مغربی دنیا کی چیخ و پکار اسی تکنیک کی واضح مثال ہے۔

مذہبی نہیں سیاسی تنظیم

مذہب اور سیاست کے اس دو طرفہ ناٹک میں اصل حقیقت نگاہوں سے مستور ہو جاتی ہے اور حقائق سے بے خبر دنیا سمجھتی ہے کہ واقعی پاکستان کے ’’مذہبی جنونی‘‘ ایک بے ضرر چھوٹی سی

اقلیت کو کچلنا چاہتے ہیں لیکن واقعات اور حقائق کیا ہیں اس کا اندازہ حسب ذیل چند حوالوں اور پاکستانی سیاست میں اس جماعت کے عملی کردار سے لگانا چاہئیے مرزا محمود احمد صاحب نے ۱۹۲۲ء میں خطبہ جمعہ کے دوران کہا تھا۔

> ''نہیں معلوم ہمیں کب خدا کی طرف سے دنیا کا چارج سپرد کیا جاتا ہے ہمیں اپنی طرف سے تیار رہنا چاہئیے کہ دنیا کو سنبھال سکیں۔'' (الفضل ۲۷ر فروری ۲۹ر مارچ ۲۲ء)

اس سے پہلے ۱۴ر فروری ۱۹۲۲ء کو الفضل میں خلیفہ محمود احمد کی یہ تقریر شائع ہوئی۔

> ''ہم احمدی حکومت قائم کرنا چاہتے ہیں۔''

۱۹۳۵ء میں کہا۔

> ''کہ اس وقت تک کہ تمہاری بادشاہت قائم نہ ہو جائے تمہارے راستے سے یہ کانٹے ہرگز دور نہیں ہو سکتے۔'' (الفضل ۸ر جولائی ۱۹۳۵ء)

۱۹۴۵ء میں انہوں نے اپنے سیاسی عزائم کا اظہار اس طرح کیا کہ:

> ''جب تک جماعت احمدیہ نظام حکومت سنبھالنے کے قابل نہیں ہوتی اس وقت تک ضروری ہے کہ اس دیوار (انگریزی حکومت) کو قائم رکھا جائے۔''
>
> (الفضل قادیان ۳ر جنوری ۴۵ء)

۱۹۴۵ء کے بعد حصول اقتدار کے یہ ارادے تحریروں میں عام طور پر پائے جانے لگے۔

جسٹس منیر نے بھی اپنی رپورٹ کے صفحہ ۲۰۹ پر لکھا ہے کہ:

> ۱۹۴۵ء سے لے کر ۱۹۴۷ء کے آغاز تک احمدیوں کی بعض تحریروں سے منکشف ہوتا ہے کہ وہ برطانیہ کے جانشین بننے کا خواب دیکھ رہے تھے۔
>
> (رپورٹ تحقیقاتی عدالتِ فسادات پنجاب ص ۲۰۹)

ان سیاسی عزائم سے مزید پردہ ۶۵ء میں لندن میں منعقد ہونے والی جماعت احمد کے پہلے یورپی کنونشن سے اٹھ جاتا ہے جس کا افتتاح سر ظفر اللہ نے کیا۔ روزنامہ جنگ راولپنڈی

۴/اگست ۶۵ء جلد۷ شمارہ۳۰۹ فرسٹ ایڈیشن میں خبر دی گئی ہے کہ:

> لندن ۳/اگست (نمائندہ جنگ) جماعت احمدیہ کا پہلا یورپی کنونشن جماعت کے لندن مرکز میں منعقد ہو رہا ہے جن میں تمام یورپی ممالک کے احمدیہ مشن شرکت کر رہے ہیں کنونشن کا افتتاح گزشتہ روز ہیگ کی بین الاقوامی عدالت کے جج سر ظفر اللہ خان نے کیا یہ کنونشن ۷/اگست تک جاری رہے گا جماعت نے مختلف ۷۵ ممالک میں اپنے مشن قائم کر لئے ہیں برطانیہ میں جماعت کے ۱۸ مراکز قائم ہو چکے ہیں۔ کنونشن میں شریک مندوبین نے اس بات پر زور دیا کہ اگر احمدی جماعت برسر اقتدار آ جائے تو امیروں پر ٹیکس لگائے جائیں اور دولت کو از سرِ نو تقسیم کیا جائے ساہوکاری اور سود پر پابندی لگا دی جائے اور شراب نوشی ممنوع قرار دی جائے۔

اس خبر کے خط کشیدہ الفاظ میں احمدی جماعت کے برسر اقتدار آنے کی صورت میں مجوزہ اصلاحات کا ذکر ہے کیا کوئی غیر سیاسی جماعت اس قسم کے امکانات اور اصلاحات پر غور کر سکتی ہے؟

پاکستان میں قادیانی ریاست کا منصوبہ

مرزا محمود نے ۵۲ء کے شروع میں یہ اعلان کرا دیا تھا کہ:

> ”اگر ہم ہمت کریں اور تنظیم کے ساتھ محنت سے کام کریں تو ۵۲ء میں انقلاب برپا کر سکتے ہیں۔ (آگے چل کر کہا) ۵۲ء کو گزرنے نہ دیجئے جب احمدیت کا رعب دشمن اس رنگ میں محسوس نہ کرے کہ اب احمدیت مٹائی نہیں جا سکتی اور وہ مجبور ہو کر احمدیت کی آغوش میں آ گرے۔“ (الفضل ۱۶/جنوری ۵۲ء)

واضح رہے کہ یہ اعلان ربوہ میں قادیانی فرقہ کے سیاسی فوجی اور کلیدی ملازمتوں پر فائز

اہم عہدہ داروں کے اہم اجتماع اور مشورہ کے بعد کرایا گیا تھا اور ابھی پندرہ مہینے گزرنے نہ پائے تھے کہ اس اعلانِ انقلاب کی ایک صورت فسادات پنجاب ۵۳ء کی شکل میں ظاہر ہوگی۔

اس سلسلہ میں موجودہ مرزا ناصر احمد کے اعلانات دس ہزار گھوڑوں کی تیاری اور اس طرح کے کئی منصوبے اس کثرت سے ان کے اخبارات میں آتے رہے ہیں کہ سب پر عیاں ہیں۔

سیاسی عزائم کی یہ ایک معمولی سی جھلک تھی اور قیام پاکستان کے فوراً بعد مرزائیوں کے حصول اقتدار کا رجحان ابھر کر بڑی شدت سے حسب ذیل صورتوں میں سامنے آنے لگا۔

(۱) کسی نہ کسی طرح پورے ملک میں سیاسی اقتدار حاصل کیا جائے۔

(۲) بصورت دیگر کم از کم ایک صوبہ یا علاقہ کو قادیانی سٹیٹ کی حیثیت دی جائے۔

(۳) ملک کی داخلی اور بیرونی تمام اہم شعبوں، وسائل اور ذرائع کو اپنے عزائم کے حصول کا ذریعہ بنایا جائے۔

(۴) تمام کلیدی مناصب پر قبضہ کیا جائے۔

سر ظفر اللہ خاں کا کردار

اس پروگرام اور سیاسی عزائم کے حصول کا آغاز چوہدری ظفر اللہ خاں نے اپنے دور وزارت میں بڑے زور وشور سے کیا۔ چوہدری صاحب بڑے فخر سے کہا کرتے کہ وہ چین جائیں یا امریکہ ہر جگہ مرزائیت کی تبلیغ کریں گے۔ وہ اپنی جماعت کے امیر کو مطاع مطلق سمجھتے تھے وہ نہ صرف احمدیت کو خدا کا لگایا ہوا پودا سمجھتے تھے بلکہ یہ بھی کہ مرزا غلام احمد کے وجود کو نکال دیا جائے تو اسلام کا زندہ مذہب ہونا ثابت نہیں ہوسکتا ایسے خیالات کا اظہار وہ نہ صرف نجی مجالس بلکہ سرکاری ملازم ہوتے ہوئے احمدیت کے تبلیغی اجتماعات میں بھی برملا کیا کرتے تھے۔

(ملاحظہ ہو الفضل ۳۱ رمئی ۵۲ء کراچی کے احمدی اجتماع کی تقریر)

پاکستان بننے کے بعد ایسے شخص کو جب وزارت خارجہ جیسا اہم عہدہ دیا گیا جس کی نگرانی میں تمام دنیا میں سفارتخانوں کا قیام اور پاکستان سے روابط قائم کرانے کا کام بھی تھا تو

شیخ الاسلام مولانا شبیر احمد عثمانی مرحوم نے اس وقت کے وزیر اعظم کو لکھا کہ اگر کلیدی مناصب پر ایسے لوگوں کو فائز کرنے کا یہ تلخ گھونٹ آج گلے سے اتار لیا گیا تو آئندہ زہر کا پیالہ پینے کو تیار رہنا چاہیئے۔

مگر یہ نصیحت بوجوں کارگر نہ ہو سکی اور ہمیں زہر کا ایک پیالہ نہیں کئی کئی پیالے پینے پڑے۔

چوہدری صاحب موصوف تقسیم سے پہلے بھی اپنی سرکاری پوزیشن سے سراسر ناجائز فائدہ اٹھاتے ہوئے قادیانی مفادات کے لئے کام کرتے رہے مگر تقسیم کے بعد اس میں بڑھ چڑھ کر اضافہ کر دیا وزارت خارجہ کے سہارے سے انہوں نے غیر ممالک میں قادیانی تحریک کو تقویت پہنچائی اور اس وقت سے لے کر اب تک یہ لوگ پاکستان کے سفارتی ذرائع سے اپنے باطل تبلیغ کے نام پر عالم اسلام کے خلاف سیاسی، جاسوسی اور سامراجی مفادات حاصل کر رہے ہیں۔ ایسے قادیانی حاشیہ برداروں نے ملکی زر مبادلہ اتنی بے دردی سے ضائع کیا کہ جب بھی اس طرح کی خبریں آئیں مسلمانوں میں تشویش اور اضطراب کی لہر دوڑی اور قومی اسمبلی تک میں اس بارہ میں آوازیں اٹھائی گئیں۔

۵۳ء کے فسادات پنجاب کی افسوس ناک صورت ایسے مطالبات ہی کے نتیجہ میں پیدا ہوئی جس میں سواد اعظم نے دیگر مطالبوں کے علاوہ سر ظفر اللہ اور دیگر مرزائیوں کا کلیدی مناصب سے علیحدگی پر زور دیا گیا تھا مگر ہم ان کے بیرونی آقاؤں مغربی سامراج کے ہاتھوں اتنے بے بس ہو چکے تھے کہ سینکڑوں مسلمانوں کی شہادت کے بعد بھی ”اس وقت کے وزیر اعظم خواجہ ناظم الدین نے سر ظفر اللہ کی علیحدگی کے بارہ میں یہ قطعی رائے ظاہر کی کہ وہ اس اہم معاملہ میں کوئی کارروائی نہیں کر سکتے۔“ (منیر انکوائری ۳۱۹)

وزارت خارجہ جیسے اہم منصب پر فائز یہی شخص تھا جس کے افسوسناک کردار کا ایک رخ حال ہی میں لندن میں ان کے پریس کانفرنس مورخہ ۵/جون ۷۴ء کی شکل میں سامنے آیا یہ

پریس کانفرنس پاکستانی اخبارات میں آ چکی ہے۔ مغربی پریس، بی بی سی اور آکاش وانی بھارت نے اس پریس کانفرنس کے عنوان سے اُسی پروپیگنڈہ کی مہم چلائی جس قسم کی مہم المیہ مشرقی پاکستان سے پہلے چلائی گئی تھی۔

بہرحال یہ ایک مثال تھی اس بات کی کہ کلیدی مناصب پر فائز ہونے کی شکل میں ان لوگوں کے ہاتھوں ملک وملت کے مفادات کو کتنا نقصان پہنچ سکتا ہے۔

تمام محکموں اور کلیدی مناصب پر قبضہ کرنے کا منصوبہ

مرزائیوں کے ذہن میں کلیدی مناصب کی یہی مہم اور نازک پوزیشن پہلے سے موجود ہے اور ان کی تحریرات، اعلانات اور سرکاری محکموں پر منظم قبضہ کرنے کے پروگرام کا واضح ثبوت مل جاتا ہے۔

مرزا محمود نے اپنی جماعت کو مخاطب کرتے ہوئے کہا۔

> ’’جب تک سارے محکموں میں ہمارے آدمی موجود نہ ہوں ان سے پوری طرح کام نہیں لے سکتے۔ مثلاً موٹے موٹے محکموں سے فوج ہے، پولیس ہے، ایڈمنسٹریشن ہے، ریلوے ہے، فائنس ہے، کسٹمز ہے، انجینئرنگ ہے۔ یہ آٹھ دس موٹے موٹے صیغے ہیں جن کے ذریعے سے جماعت اپنے حقوق محفوظ کرا سکتی ہے۔ ہماری جماعت کے نوجوان فوج میں بے تحاشا جاتے ہیں اس کے نتیجہ میں ہماری نسبت فوج میں دوسرے محکموں کی نسبت سے بہت زیادہ ہے۔ اور ہم اس سے اپنے حقوق کی حفاظت کا فائدہ نہیں اٹھا سکتے۔ باقی محکمے خالی پڑے ہیں۔ بیشک آپ لوگ اپنے لڑکوں کو نوکری کرائیں لیکن وہ نوکری اس طرح کیوں نہ کرائی جائے جس سے جماعت فائدہ اٹھا سکے۔ پیسے بھی اس طرح کمائے جائیں کہ ہر صیغے میں ہمارے آدمی موجود ہوں اور ہر جگہ ہماری آواز پہنچ سکے۔‘‘

(خطبہ مرزا محمود احمد مندرجہ الفضل ۱۱ر جنوری ۱۹۵۲ء)

کلیدی مناصب کی اہمیت اور مطالبۂ علیحدگی کے دلائل

اس واضح پروگرام اور منصوبوں کو دیکھ کر اور سرکاری محکموں میں مرزائیوں کا اپنی آبادی سے بدرجہا بڑھ کر قبضہ کرنے پر مسلمان بجا طور پر بے چین ہیں ان کی سابقہ روش کو دیکھ کر اگر وہ یہ مطالبہ کرتے کہ آئندہ دس سال میں ملک کے ہر محکمے میں کسی بھی مرزائی کی بھرتی بند کر دی جائے تب بھی یہ مطالبہ عین قرین انصاف تھا۔ مگر مسلمان اس سے کم تر مطالبہ یعنی قادیانیوں کو کلیدی مناصب سے ہٹانے پر اکتفا کئے ہوئے ہیں جس کی معقولیت کی بنیاد صرف یہ مذہبی نظریہ نہیں کہ کسی اسلامی سٹیٹ میں قرآن و سنت کی واضح ہدایات کی بناء پر کسی بھی غیر مسلم کو کلیدی مناصب پر مامور نہیں کیا جا سکتا بلکہ اس کے علاوہ یہ مطالبہ اس لئے بھی کیا جا رہا ہے کہ:

(۱) یہ لوگ پچھلے انگریزی دور میں مسلمانوں کی غفلت اور انگریزوں کی غیر معمولی عنایات سے ناجائز فائدہ اٹھا کر مسلمانوں کے نام پر مسلمانوں کی ملازمتوں کے کوٹہ کا استحصال کرتے آئے ہیں۔

(۲) قیام پاکستان کے بعد حکمرانوں کی غفلت یا بے حسی سے فائدہ اٹھا کر اس معمولی اقلیت نے شرح آبادی کے تناسب سے بدرجہا زیادہ ملازمتوں پر قبضہ کر لیا ہے۔

(۳) اس گروہ سے تعلق رکھنے والے اہم مناصب پر فائز افراد نے اپنے ہم مذہبوں کو بھرتی کر کر کے اور اپنے ماتحت اکثریتی طبقہ مسلمانوں کے حقوق پامال کرنے میں کوئی کسر نہیں اٹھائی۔

(۴) اس کے نتیجے میں ملک کے تمام اہم شعبوں فوجی، صنعتی، معاشی، اقتصادی، انتظامیہ، مالیات، منصوبہ بندی، ذرائع ابلاغ وغیرہ پر انہیں اجارہ داری حاصل ہو گئی اور ملک کی قسمت کا فیصلہ ایک مٹھی بھر غیر مسلم جماعت کے ہاتھوں میں چلا گیا۔

(۵) اس گروہ کے سرکردہ افراد نے اپنے دائرہ اثر میں اپنے عہدہ اور منصب کو قادیانیت کی

تبلیغ واشاعت کے لئے استعمال کیا اور انہی ہدایات پر عمل کیا جو ان کے امام اور خلیفہ نے ۵۲ء میں انہیں دی تھیں اور کہا تھا کہ ''مرزائی ملازمین اپنے محکموں میں منظم صورت میں مرزائیت کی تبلیغ کریں۔'' (الفضل ۱۱ر جنوری ۵۲ء)

(۶) کلیدی مناصب پر فائز مرزائیوں کے ذمہ دار افراد ملک وملت کے مفادات سے غداری کے مرتکب ہوتے رہے۔ اس سلسلہ میں ائیر مارشل ظفر چوہدری اور کئی دوسرے جرنلوں کا کردار قوم اور حکومت کے سامنے آچکا ہے۔ بنگلہ دیش اور پاک بھارت جنگ کے سلسلہ میں ان لوگوں کا کردار موضوع عام وخاص ہے۔

ان چند وجوہات کی بناء پر مرزائیوں کا کلیدی مناصب پر برقرار رہنا صرف مذہبی نقطہ نظر سے نہیں بلکہ ملک کی اکثریت کے معاشی، سماجی، سیاسی، معاشرتی مفادات کے تحفظ اور ملک وملت کی سالمیت کا بھی تقاضا ہے۔

متوازی نظامِ حکومت

پاکستان بننے کے بعد احمدی جماعت کی سیاسی تنظیم نے حکومت پاکستان کے مقابلے میں ایک متوازی نظامِ حکومت قائم کرلیا ہے۔ ربوہ کے مقام پر خالص احمدیوں کی بستی آباد کرکے اس نظام حکومت کا مرکز بنالیا گیا۔ جماعت کا لیڈر ''امیر المومنین'' کہلاتا ہے۔ جو مسلمانوں کے فرمانروا کا معین شدہ لقب ہے۔ اس امیر المومنین کے ماتحت ربوہ میں مرزائی سٹیٹ کا نظارتیں باقاعدہ قائم ہیں۔ نظارت امور داخلہ ہے، نظارت نشر واشاعت ہے، نظارت امور عامہ ہے، نظارت امور مذہبی ہے۔ یہ نظارتیں کسی ریاست یا سلطنت کے نظام کے شعبوں کی طرح کام کر رہی ہیں۔ اس نظامِ حکومت نے خدام الاحمدیہ کے نام سے ایک فوجی نظام بھی بنا رکھا ہے۔ خدام الاحمدیہ میں ''فرقان بٹالین'' کے سابق سپاہی اور افسر شامل ہیں۔

احمدی لیڈروں کو یقین ہے کہ اب ان کے لئے پاکستان کا حکمران بن جانا کوئی مشکل بات نہیں ہے۔ سابقہ خلیفہ ربوہ مرزا بشیر الدین محمود نے اپنے سالانہ جلسہ میں اعلان کیا تھا ہم فتح یاب ہوں گے اور تم مجرموں کے طور پر ہمارے سامنے پیش ہو گے اس وقت تمہارا حشر بھی وہی ہو گا جو فتح مکہ کے دن ابوجہل اور اس کی پارٹی کا ہوا تھا۔

بلوچستان پر قبضے کا منصوبہ

ابھی قیام پاکستان کو ایک برس بھی نہ گزرنے پایا تھا کہ ۲۳ر جولائی ۱۹۴۸ء کو قادیانی خلیفہ نے کوئٹہ میں ایک خطبہ دیا جو ۱۳ر اگست کے الفضل میں ان الفاظ میں شائع ہوا۔

”برٹش بلوچستان جواب پاکی بلوچستان ہے کی کل آبادی پانچ یا چھ لاکھ ہے۔ یہ آبادی اگرچہ دوسرے صوبوں کی آبادی سے کم ہے مگر بوجہ ایک یونٹ ہونے کے اسے بہت بڑی اہمیت حاصل ہے۔ دنیا میں جیسے افراد کی قیمت ہوتی ہے یونٹ کی بھی قیمت ہوتی ہے۔ مثال کے طور پر امریکہ کی کانسٹی ٹیوشن ہے۔ وہاں اسٹیٹس سینٹ کے لئے اپنے ممبر منتخب کرتے ہیں یہ نہیں دیکھا جا سکتا کہ کسی اسٹیٹ کی آبادی دس کروڑ ہے یا ایک کروڑ ہے۔ سب اسٹیٹس کی طرف سے برابر ممبر لئے جاتے ہیں۔ غرض پاکی بلوچستان کی آبادی ۵-۶ لاکھ ہے۔ اور اگر ریاستی بلوچستان کو ملا لیا جائے تو اس کی آبادی ۱۱ لاکھ ہے لیکن چونکہ یہ ایک یونٹ ہے اس لئے اسے بہت بڑی اہمیت حاصل ہے۔ زیادہ آبادی کو تو احمدی بنانا مشکل ہے لیکن تھوڑے آدمیوں کو احمدی بنانا کوئی مشکل نہیں۔ پس جماعت اس طرف اگر پوری توجہ دے تو اس صوبے کو بہت جلدی احمدی بنایا جا سکتا ہے۔ یاد رکھو تبلیغ اس وقت تک کامیاب نہیں ہو سکتی جب تک ہماری BASE مضبوط نہ ہو۔ پہلے BASE مضبوط ہو تو پھر تبلیغ پھیلتی ہے۔ بس پہلے اپنی BASE مضبوط کر لو کسی نہ

کسی جگہ اپنی BASE بنالو کسی ملک میں ہی بنالو اگر ہم سارے صوبے کو احمدی بنا لیں تو کم از کم ایک صوبہ تو ایسا ہو جائے گا جس کو ہم اپنا صوبہ کہہ سکیں گے اور یہ بڑی آسانی کے ساتھ ہو سکتا ہے۔“

کشمیر

مرزائی حضرات جس قادیانی ریاست کا خواب دیکھتے ہیں اس کی تعبیر کے لئے انہوں نے ابتداء ہی سے کشمیر کو بھی مناسب حال سمجھا اس دلچسپی کی بعض وجوہات کو تاریخ احمدیت کے مؤلف دوست محمد شاہد نے کتاب کی جلد ششم ص ۴۴۵ تا ۴۷۹ میں ذکر بھی کیا ہے۔

(الف) قادیان ریاست جموں و کشمیر کا ہم آغوش ہے جو ان کے ”پیغمبر“ کا مولد دارالامان اور مکہ و مدینہ کا ہم پلہ بلکہ ان سے بھی افضل قرار دیتے ہیں۔

(الفضل ۱۱؍دسمبر ۳۲ء تقریر مرزا محمود صاحب وحقیقۃ الرؤیا ص ۴۶ از مرزا محمود)

اور قادیان کے بارے میں ان کا خیال ہے کہ مرزا غلام احمد کی پیشگوئی کے مطابق قادیان قادیانیوں کو ضرور ملے گا وہ اپنے چھوٹے بچوں کو ابتدائی نصاب میں یہی بات راسخ کرتے رہتے ہیں کہ:

> ”(قادیان سے ہجرت) کی حالت عارضی ہوگی آخر ایک وقت آئے گا کہ قادیان جماعت احمدیہ کو واپس مل جائے گا۔“

(راہ ایمان ص ۹۸۔ بچوں کی ابتدائی دینی معلومات کا مجموعہ)

قادیان اور جموں و کشمیر کے جغرافیائی اتصال کو برقرار رکھنے کی کوششوں سے باؤنڈری کمیشن کو احمدی میمورنڈم کی وجہ سے ضلع گورداسپور کو پاکستان سے کاٹنے اور بھارت کو کشمیر ہڑپ کر لینے کی راہ مل گئی۔

(ب) قادیانیوں کا زعم ہے کہ کشمیر میں قادیانی اثرات پہلے سے زیادہ ہیں مرزا محمود کے بقول وہاں تقریباً اسی ہزار احمدی ہیں۔

(ج) کشمیر ان کے مسیح موعود کے بقول مسیح اوّل (حضرت عیسیٰ) کا مدفن ہے اور مسیح ثانی کے پیروکاروں کی بڑی تعداد وہاں آباد ہے اور جس ملک میں دو مسیحوں کا دخل ہو وہاں کی حکمرانی کا حق صرف قادیانیوں کو مل سکتا ہے۔

(د) مہاراجہ رنجیت سنگھ نے نواب امام الدین کو کشمیر بطور گورنر بھیجا تو مرزا غلام احمد کے والد بھی ان کے ساتھ تھے۔

(ہ) مرزا غلام احمد کے خلیفہ اوّل حکیم نور الدین جو خلیفہ ثانی مرزا محمود کے استاد اور خسر تھے مدتوں ہی کشمیر میں رہے۔ بہرحال جس طرح بلوچستان پر ان کی نظر افرادی آبادی کی قلت کی وجہ سے پڑی تو کشمیر پر ہر دور میں ان کی نظر کسی عام انسانی ہمدردی اور مسلمانوں کی خیر خواہی کی وجہ سے نہیں بلکہ سابقہ شخص اور عصبیتی مفادات کی وجہ سے پڑتی رہی ہے اس سلسلہ میں کشمیر کو قادیانی سٹیٹ بنانے کی پہلی سازش ۱۹۳۰ء میں برطانوی آقاؤں کے اشارے پر کی گئی مرزا بشیر الدین کی کشمیر کمیٹی سے دلچسپی انہی سیاسی عزائم کی پیداوار تھی جسے ڈاکٹر اقبال مسلمان زعماء اور عام مسلمانوں کی مشترکہ کوششوں نے ناکام بنا دیا اور علامہ اقبال نے یہیں سے ان کے سیاسی عزائم بھانپ کر اس تحریک کا سختی سے مقابلہ شروع کیا۔

۱۹۴۸ء کی جنگ کشمیر اور فرقان بٹالین

قیام پاکستان کے تیسرے مہینے اکتوبر ۴۷ء میں پاکستان نے مقبوضہ کشمیر کا مطالبہ کیا اور ۴۸ء میں جنگ چھڑی تو قادیانی امت نے فرقان بٹالین کے نام سے ایک پلاٹون تیار کی جو جموں کے محاذ پر متعین کی گئی اس سے پہلے اپنی طویل تاریخ میں مرزائیوں کو مسلمانوں کے کسی ابتلاء اور مصیبت میں حصہ لینے کی توفیق نہیں ہوئی تھی مگر آج وہ آزادی کشمیر کے لئے فرقان بٹالین کے نام

سے جانیں پیش کرنے لگے اس وقت پاکستان کے کمانڈر انچیف جنرل سر ڈگلس گریسی تھے جو نہ تو کشمیر کی لڑائی کے حق میں تھے نہ پاکستانی فوج کو کشمیر میں استعمال کرنا چاہتے تھے بلکہ یہاں تک ان کے متعلق کہا جاتا ہے کہ وہ بعض جنگی معلومات بھارت کے کمانڈر انچیف جنرل سر آکسن لیک تک پہنچاتے رہے لیکن دوسری طرف وہی انگریز کمانڈر انچیف، پبلک سے تعلق رکھنے والی ایک آزاد فورس کو اس جنگ میں کھلی اجازت دیتا ہے انہی جنرل گریسی نے بطور کمانڈر انچیف فرقان بٹالین کو داد و تحسین کا پیغام بھی بھیجا جو تاریخ احمدیت مولفہ دوست محمد شاہد قادیانی صفحہ ۶۷۴ اور نظارت دعوۃ و تبلیغ ربوہ کی شائع کردہ ٹریکٹ میں بھی ہے فرقان فورس نے کشمیر کی اس جنگ کے دوران کیا خدمات انجام دیں۔ یہاں اس کے تفصیلات کی گنجائش نہیں لیکن جب اس جہاد کے بعد اس تنظیم کے کارنامے اور جلوتوں میں زیر بحث آنے لگے اور اخبارات میں کشمیری رہنماؤں اللہ رکھا ساغر اور آفتاب احمد سیکرٹری جموں و کشمیر مسلم کانفرنس کے بیانات آئے اس سے اس وقت کے فوجی سربراہوں اور حکومت میں کھلبلی مچ گئی سردار آفتاب احمد کا اصل بیان یہ تھا:

> ”اس فرقان بٹالین نے جو کچھ کیا اور ہندوستان کی جو خدمات سرانجام دیں مسلم مجاہدین کی جوانیوں کا جس طرح سودا چکایا اگر اس پر خون کے آنسو بھی بہائے جائیں تو کم ہیں جو سکیم بنتی ہندوستان پہنچ جاتی جہاں مجاہدین مورچہ بناتے دشمن کو پتہ چل جاتا جہاں مجاہدین ٹھکانا کرتے ہندوستان کے ہوائی جہاز پہنچ جاتے۔

(ٹریکٹ نظارت دعوت و تبلیغ انجمن احمدیہ ربوہ بحوالہ ٹریکٹ کشمیر اور مرزائیت)

الفضل ۲؍جنوری ۱۹۵۰ء صفحہ ۴ کالم ۴ کے مطابق مرزا بشیر الدین محمود نے ان بیانات اور تقریروں پر واویلا مچایا کہ اگر ہم غدار تھے تو حکومت نے ہمیں وہاں کیوں بٹھائے رکھا اور اس طرح اس وقت کی حکومت اور جنرل گریسی کی غداری کو بھی طشت از بام کرانے کا سگنل مرزا بشیر الدین نے دیدیا چنانچہ اس وقت جنرل گریسی نے ایک تو فرقان فورس کو پراسرار اور فوری طور پر توڑ دیا اور دوسرے طرف خود جنرل گریسی نے آفتاب احمد خان کے الزام کی تردید کی ضرورت محسوس کی مگر

مرزا بشیر الدین کے کہنے کے مطابق حکومت کے دباؤ سے الزام لگانے والوں نے گول مول الفاظ میں تردید کردی مگر ایک ماہ ہوا کہ پھر وہی اعتراض شائع کردیا۔

(ملاحظہ ہو الفضل ۲ر جنوری ۱۹۵۰ء صفحہ ۴ مرزا بشیر الدین کی تقریر)

سوال یہ ہے کہ ایسے الزامات اگر غلط تھے تو اتنی جلدی میں فرقان فورس کو توڑ دینے کی ضرورت کیا تھی؟ اور یہ الزامات اگر غلط تھے تو الزام لگانے والے مدتوں برسر عام اس کو دہراتے چلے گئے مگر اس وقت کی حکومت اور کمانڈر انچیف نے اس کی عدالتی انکوائری کی ضرورت کیوں محسوس نہیں کی پاکستانی افواج کے ہوتے ہوئے متوازی فوج کیسے اور کیوں؟ یہ سوالات اب تک جواب طلب ہیں مگر اس وقت آفتاب احمد صاحب سیکرٹری جموں و کشمیر مسلم کانفرنس کے کہے گئے یہ الفاظ اب بھی حقیقت کی غمازی کر رہے ہیں کہ مرزائی ۳۰ سال سے (اور اب تو ۵۶ سال) آزاد کشمیر کی راہ میں رکاوٹ بنے ہوئے ہیں۔''

فرقان فورس، ایک احمدی بٹالین اور متوازی فوجی تنظیم

چنانچہ فرقان فورس اس وقت توڑ دی گئی مگر ربوہ کے متوازی حکمران یہی سمجھتے تھے کہ عوام کا حافظہ کمزور ہوتا ہے حقائق بین نگاہیں بہت کم ہوتی ہیں آگے چل کر بہت جلد اسے اور شکلوں میں قائم رکھا گیا اور اب یہ یہ فورسیں اطفال الاحمدیہ، خدام الاحمدیہ، انصار اللہ وغیرہ نیم فوجی تنظیموں کے صورت میں قائم ہیں جسٹس منیر نے فسادات ۵۳ء کے تحقیقاتی رپورٹ ص ۲۱۱ پر فرقان فورس کی موجودگی کے علاوہ مرزائی سٹیٹ کے خودساختہ سیکرٹریٹ کی خبر ان الفاظ میں دی ہے۔

> احمدی ایک متحد و منظم جماعت ہیں ان کا صدر مقام ایک خالص احمدی قصبے میں واقع ہے جہاں ایک مرکزی تنظیم قائم ہے جس کے مختلف شعبے ہیں مثلاً شعبہ امور خارجہ، شعبہ امور داخلہ، شعبہ امور عامہ، شعبہ نشر و اشاعت یعنی وہ شعبے جو ایک

باقاعدہ سیکرٹریٹ کی تنظیم میں ہوتے ہیں وہ سب یہاں موجود ہیں ان کے پاس رضا کاروں کا ایک جیش بھی ہے۔ جس کو خدام دین کہتے ہیں فرقان بٹالین اس جیش سے مرکب ہے اور خالص احمدی بٹالین ہے۔ (تحقیقاتی رپورٹ ص ۲۱۱)

٦٦ء میں اس رسوائے زمانہ فرقان فورس کو مرزائیوں نے ٦۵ء کی جنگ کی غیور پاکستانی افواج اور مجاہدین اور شہداء کے بالمقابل اس طرح پیش کیا کہ جب پاکستانی افواج کے بہادر مجاہدین کو تمغے دیئے جانے لگے تو الفضل میں اسطرح کے اعلانات شائع ہونے لگے۔

''فرقان فورس میں شامل ہو کر جن قادیانیوں نے ۴۵ دن یعنی ۳۱ر دسمبر ۴۸ء (فائر بندی کی تاریخ) کشمیر کی لڑائی میں حصہ لیا تھا وہ اب مندرجہ ذیل نمونہ کی رسید بنا کر اس پر دستخط ثبت کر کے مقامی قادیانی جماعت کے امیر کے دستخط کروا کر ملک محمد رفیق دار الصدر عربی ربوہ کو بھجوا دیں۔ جس افسر کو ایڈریس کرنا ہے وہ جگہ خالی چھوڑ دی جائے یہ رسیدیں ربوہ سے راولپنڈی جائیں گی راولپنڈی سے ان لوگوں کے کشمیر میڈل ربوہ آئیں گے اور اس کی اطلاع الفضل میں شائع ہوگی اور پھر یہ میڈل ربوہ میں ان قادیانیوں کو تقسیم کئے جائیں گے۔ (۲۳ر مارچ ۱۹٦٦ء الفضل)

٦۵ء میں یتیم ہونے والے بچوں اجڑنے والے سہاگوں کے مقابلہ میں کشمیر میڈل کا قصہ چھیڑنا کیا ٦۵ء کے شہیدوں اور ان کی قربانیوں سے مذاق نہیں تھا!

مجاہدین ٦۵ء کے مقابلہ میں ۱۸ر برس بعد فرقان فورس کے قادیانیوں کو کشمیر میڈل ملنے کا قصہ؟ اس خطرناک سکینڈل سے پردہ اٹھانا انٹیلی جنس بیورو کا کام ہے ہم محکمہ دفاع کے نزاکت اور تقدس ملحوظ رکھتے ہوئے اس کے تفصیلات میں نہیں جانا چاہتے۔ کشمیر کے سلسلہ میں فرقان فورس کا یہ تو ضمنی ذکر تھا اصل مسئلہ کشمیر کے سلسلہ میں بظاہر یہ معمولی باتیں بھی قابل غور ہیں کہ پاک بھارت جنگ کے ہر موقع پر کشمیر و قادیان سے ملحق سرحدات کی کمان عموماً قادیانی جرنیلوں ہی کے ہاتھ میں کیوں رہتی ہے۔ ٦۵ء کی جنگ سے پہلے اور اس کے بعد بھی صدر ایوب کے دور میں

سر ظفر اللہ اور دوسرے مرزائی عمائدین کی طرف سے کشمیر پر چڑھائی اور اس کے لئے موزوں وقت کی نشاندہی کے پیغامات اور فتح کشمیر کی بشارتیں کیوں دی جاتی رہیں؟

- ☆ مرزائیوں نے تقسیم کے وقت وزارتی کمیشن سے علیحدہ حقوق طلب کر کے پاکستان سے غداری کی۔
- ☆ پاکستان ایک اسلامی نظریاتی ملک ہے جس کی حفاظت اور دفاع کے لئے عقیدۂ جہاد روح کا کام دیتا ہے مگر جو جماعت جہاد پر ایمان نہیں رکھتی وہ پاکستان کی افواج میں مقتدر حیثیت اختیار کرتی گئی اور نتیجۃً پاک بھارت جنگ کے ہر موقعہ پر انہوں نے اپنے فرائض کی ادائیگی سے گریز کیا۔ حالیہ صمدانی ٹریبونل میں قادیانی گواہ مرزا عبدالسمیع وغیرہ کی تصریح آچکی ہے کہ وہ ۷۱ء کی جنگ کو جہاد تسلیم نہیں کرتے۔
- ☆ مشرقی پاکستان کے سقوط میں افواج اور ایوان اقتدار پر فائز مقتدر مرزائیوں کا بنیادی حصہ ہے جس کے بہت سے حقائق اپنے وقت پر پیش کئے جا سکتے ہیں۔ اس سلسلہ میں سر ظفر اللہ کی جنگ کے ایام میں یحیٰی اور مجیب کے درمیان تگ و دو بے معنی نہ تھی۔
- ☆ مرزائیوں نے راولپنڈی سازش کیس میں نہ صرف حصہ لیا بلکہ وہ اس کے بانی مبانی تھے جس کا ثبوت عدالت سے ہو چکا ہے۔

مرزائی ریشہ دوانیوں کے نتیجہ ۵۳ء میں ملک کو پہلی بار مارشل لاء کی لعنت کا سامنا کرنا پڑا۔

خلاصہ کلام

ان واضح شواہد پر مبنی تفصیلات کو پڑھ کر مرزائیت کے سیاسی اور شرعی وجود کے متعلق کوئی غلط فہمی باقی نہیں رہتی۔ ہر حوالہ اپنی جگہ مکمل اور اس کے عزائم و مقاصد کی صحیح صحیح تصویر پیش کرتا ہے۔ یہی وجوہ ہیں جن کی بنا پر مسلمانوں کے تمام فرقوں نے متفقہ طور پر مرزائیت کو اسلام کا باغی اور ان کے پیروؤں کو دائرۂ اسلام سے خارج قرار دیا ہے۔ اس تحریک کے احوال ونتائج اور آثار و مظاہر تمام مسلمانوں کے علم میں ہیں۔

مرزائیوں کو غیر مسلم اقلیت قرار دینے کا مطالبہ نیا نہیں بلکہ علامہ اقبال نے پاکستان بننے سے کہیں پہلے انگریزی حکومت کو خطاب کرتے ہوئے لکھا تھا کہ:

> ''ہمیں قادیانیوں کی حکمت عملی اور دنیائے اسلام سے متعلق ان کے رویہ کو فراموش نہیں کرنا چاہیے جب قادیانی مذہبی اور معاشرتی معاملات میں علیحدگی کی پالیسی اختیار کرتے ہیں تو پھر سیاسی طور پر مسلمانوں میں شامل ہونے کے لیے کیوں مضطرب ہیں؟ ملت اسلامیہ کو اس مطالبے کا پورا پورا حق حاصل ہے کہ قادیانیوں کو علیحدہ کر دیا جائے اگر حکومت نے یہ مطالبہ تسلیم نہ کیا تو مسلمانوں کو شک گزرے گا کہ حکومت اس نئے مذہب کی علیحدگی میں دیر کر رہی ہے۔''

(اسٹیٹمین کے نام خط ۱۰؍جون ۱۹۳۵ء)

علامہ اقبال نے حکومت کے طرزِ عمل کو جھنجھوڑتے ہوئے مزید فرمایا تھا۔

> ''اگر حکومت کے لیے یہ گروہ مفید ہے تو وہ اس خدمت کا صلہ دینے کی پوری طرح مجاز ہے لیکن اس ملت کے لیے اسے نظر انداز کرنا مشکل ہے جس کا اجتماعی وجود اس کے باعث خطرہ میں ہے۔''

ان شواہد و نظائر کے پیش نظر آپ حضرات سے یہ گزارش کرنا ہم اپنا قومی و ملی فرض سمجھتے ہیں کہ یورپی سامراج کے اس ففتھ کالم کی سرگرمیوں پر نہ صرف کڑی نگاہ رکھی جائے بلکہ اس جماعت کو پاکستان میں اقلیت قرار دے کر بلحاظ آبادی ان کے حدود و حقوق متعین کیے جائیں۔ ورنہ مرزائی استعماری طاقتوں کی بدولت ملک و ملت کے لیے مستقلاً خطرہ بنے رہیں گے اور خدانخواستہ کہیں ایسا نہ ہو کہ ملک و ملت کو ایک ایسے سانحہ سے دوچار ہونا پڑے، جو سانحہ کو آج ملتِ اسلامیہ عربیہ کی حیات اجتماعی کے لیے اسرائیلی سرطان کی شکل اختیار کر چکا ہے۔

آخری دردمندانہ گزارش

معزز اراکین اسمبلی!

ہر چند اختصار کو مدِ نظر رکھنے کے باوجود مرزائیت کے بارے میں ہماری گزارشات کچھ طویل ہوگئیں لیکن اُمتِ اسلامیہ پر مرزائیت کی ستم رانیوں کی داستان اس قدر طویل ہے کہ دوسو صفحات سیاہ کرنے کے باوجود ہمیں بار بار یہ احساس ہوتا ہے کہ اس موضوع سے متعلق جتنی اہم باتیں معزز اراکین کے سامنے پیش کرنی ضروری تھیں، ان کا بہت بڑا حصہ ابھی باقی ہے۔ ملتِ اسلامیہ تقریباً نوے سال سے مرزائیت کے ستم سہہ رہی ہے۔ اس مذہب کی طرف سے اسلام کے نام پر اسلام کی جڑیں کاٹنے کی جو طویل مہم جاری ہے، اُس کی ایک معمولی سی جھلک پچھلے صفحات میں آپ کے سامنے آچکی ہے۔ اسلام کے بنیادی عقائد کی دھجیاں بکھیری گئی ہیں، قرآنی آیات کے ساتھ کھلم کھلا مذاق کیا گیا ہے۔ احادیث نبویؐ کو کھلونا بنایا گیا ہے۔ انبیاء کرامؑ، صحابہؓ کے مقدس گروہ، اہلِ بیت عظامؓ اور اسلام کی جلیل القدر شخصیتوں پر علانیہ کیچڑ اچھالا گیا ہے اسلامی شعائر کی برملا توہین کی گئی ہے، انتہا یہ ہے کہ مرزا غلام احمد قادیانی جیسے کردار کو اس رحمۃ للعالمین صلی اللہ علیہ وسلم کے ''پہلو بہ پہلو'' کھڑا کرنے بلکہ اس سے بھی آگے بڑھانے کی کوشش کی گئی ہے جسؐ کے مقامِ عظمت و رفعت کے آگے فرشتوں کا سرِ نیاز بھی خم ہے جسؐ کے نامِ نامی سے انسانیت کا بھرم قائم ہے اور جسؐ کے دامنِ رحمت کی فیاضیوں کے آگے مشرق و مغرب کی حدود بے معنی ہیں۔

مرزائیت اسی رحمۃ للعالمین (ﷺ) کے شیدائیوں کے خلاف نوے سال سے سازشوں میں مصروف ہے۔ اُس نے ہمیشہ اسلام کا رُوپ دھار کر امتِ مسلمہ کی پُشت میں خنجر بھونکنے اور دُشمنانِ اسلام کے عزائم کو اندرونی اڈے فراہم کرنے کی کوشش کی ہے۔ اُس نے عالمِ اسلام کے مختلف حصوں میں فرزندانِ توحید کے قتلِ عام اور مسلم خواتین کی بے حُرمتی پر گھی کے چراغ

جلائے ہیں اور اس نے اپنے آپ کو امتِ مسلمہ کا ایک حصہ ظاہر کر کے اسلام دشمنوں کی وہ خدمات انجام دی ہیں جو اس کے کھلم کھلا دشمن انجام نہیں دے سکتے تھے۔

ملتِ مسلمہ نوے سال سے مرزائیت کے یہ مظالم جھیل رہی ہے۔ انہی مظالم کی بنا پر تمام مسلمانوں اور مصوّرِ پاکستان علامہ اقبال مرحوم نے اپنے زمانے کی انگریز حکومت سے یہ مطالبہ کیا تھا کہ مرزائی مذہب کے متبعین کو غیر مسلم اقلیت قرار دے کر انہیں مسلمانوں کے جسدِ ملی سے علیحدہ کر دیا جائے۔ لیکن وہ ایک ایسی حکومت کے دَور میں پیدا ہوئے تھے جس نے مرزائیت کا پودا خود کاشت کیا تھا اور جس نے ہمیشہ اپنے مفادات کی خاطر مرزائیت کی پیٹھ تھپکنے کی پالیسی اختیار کی ہوئی تھی۔ لہذا پوری ملتِ اسلامیہ اور خاص طور سے علامہ اقبال کی درد میں ڈوبی ہوئی فریادیں ہمیشہ حکومت کے ایوانوں سے ٹکرا کر رہ گئیں۔ مسلمان بے دست و پا تھے، اس لیے وہ مرزائیت کے مظالم سہنے کے سوا کچھ نہیں کر سکے۔ آج اسی مصورِ پاکستان کے خوابوں کی تعبیر پاکستان کی صورت میں ہمارے سامنے ہے۔ یہاں ہم کسی بیرونی حکومت کے ماتحت نہیں تھے لیکن افسوس ہے کہ ستائیس سال گزرنے کے بعد بھی اہم ملتِ اسلامیہ کی اس ناگزیر ضرورت، اس کے دیرینہ مطالبے اور حق و انصاف کے اس تقاضے کو پورا نہیں کر سکے اور اس عرصہ میں مرزائیت کے ہاتھوں سینکڑوں مزید زخم کھا چکے ہیں۔

معزز اراکینِ اسمبلی! اب ایک طویل انتظار کے بعد یہ اہم مسئلہ آپ حضرات کے سپرد ہوا ہے اور صرف پاکستان ہی نہیں، بلکہ پورے عالمِ اسلام کی نگاہیں آپ کی طرف لگی ہوئی ہیں، پوری مسلم دُنیا آپ کی طرف دیکھ رہی ہے اور ان خُلد آشیاں مسلمانوں کی رُوحیں آپ کے فیصلے کی منتظر ہیں جنہوں نے غلامی کی تاریک رات میں مرزائیت کے بچھائے ہوئے کانٹوں پر جان دے دی تھی، جو حق و انصاف کے لیے پکارتے رہے مگر ان کی شنوائی نہ ہو سکی اور جو ستائیس سال سے اس مسلم ریاست کی طرف دیکھ رہے ہیں جو آزادی کے خوابوں کی تعبیر ہے جو اسلام کے نام پر قائم ہوئی ہے اور جو دوسالہ غلامی کے بعد مسلمانوں کی پناہ گاہ کے طور حاصل کی گئی ہے۔

معزز اراکین! مسلمان کسی پر ظلم کرنا نہیں چاہتے۔ مسلمانوں کا مطالبہ صرف یہ ہے کہ اُس مرزائی ملت کو غیر مسلم اقلیت قرار دیا جائے جس نے اسلام سے کھلم کھلا خود علیحدگی اختیار کی ہے جس نے اسلام کے مسلمہ عقائد کو جھٹلایا ہے، جس نے مسلمانوں کے ستر کروڑ مسلمانوں کو برملا کافر کہا ہے اور جس نے خود عملاً اپنے آپ کو ملتِ اسلامیہ سے کاٹ لیا ہے۔ اُن کی عبادت گاہیں مسلمانوں سے الگ ہیں، ان کے اور مسلمانوں کے درمیان شادی بیاہ کے رشتے دونوں طرف سے ناجائز سمجھے جاتے ہیں اور عدالتیں ایسے رشتوں کو غیر قانونی قرار دے چکی ہیں۔ مسلمان مرزائیوں کے اور مرزائی مسلمانوں کے جنازوں میں شرکت جائز نہیں سمجھتے اور ان کے آپس میں ہم مذہبوں کے سے تمام رشتے کٹ چکے ہیں۔ لہذا اسمبلی کی طرف سے مرزائیوں کو غیر مسلم اقلیت قرار دینے کا اقدام کوئی اچنبھا یا مصنوعی اقدام نہیں ہوگا، بلکہ یہ ایک ظاہر و باہر حقیقت کا سرکاری سطح پر اعتراف ہوگا جو پہلے ہی عالمِ اسلام میں اپنے آپ کو منوا چکی ہے۔ پچھلے صفحات میں آپ دیکھ چکے ہیں کہ مرزائیوں کو غیر مسلم اقلیت قرار دینے کی تجویز کوئی ایسی تجویز نہیں ہے جو کسی شخصی عداوت یا سیاسی لڑائی نے وقتی طور پر کھڑی کر دی ہو، بلکہ یہ قرآن کریم کی بیسیوں آیات کا، خاتم الانبیاءؐ کے سینکڑوں ارشادات کا، امت کے تمام صحابہ و تابعین اور فقہاء و محدثین کا، تاریخِ اسلام کی تمام عدالتوں اور حکومتوں کا، مذاہب عالم کی پوری تاریخ کا، دنیا کے موجود ستر کروڑ مسلمانوں کا، پاکستان کے ابتدائی مصوروں کا، خود مرزائی پیشواؤں کے اقراری بیانات کا اور ان کے نوے سالہ طرزِ عمل کا فیصلہ ہے اور اس کا انکار عین دوپہر کے وقت سورج کے وجود کا انکار ہے۔

چونکہ مرزائی جماعتیں اپنے آپ کو مسلمان ظاہر کر کے امتِ مسلمہ کے مفادات کے خلاف کارروائیوں میں مصروف رہتی ہیں اسلیے ان کے اور مسلمانوں کے درمیان اس وقت منافرت و عداوت کی ایسی فضا قائم ہے جو دوسرے اہلِ مذاہب کے ساتھ نہیں ہے۔ اس صورتحال کا اس کے سوا کوئی حل نہیں ہے کہ مرزائیوں کو سرکاری سطح پر غیر مسلم اقلیت قرار دے دیا جائے۔ اس کے

بعد دوسری اقلیتوں کی طرح مرزائیوں کے جان و مال کی حفاظت بھی مسلمانوں کی ذمہ داری ہو گی۔ مسلمانوں نے اپنے ملک کے غیر مسلم باشندوں کے ساتھ ہمیشہ انتہائی فیاضی اور رواداری کا سلوک کیا ہے۔ لہذا مرزائیوں کو سرکاری سطح پر غیر اقلیت قرار دینے کے بعد ملک میں ان کی جان و مال کا تحفظ زیادہ ہوگا اور منافرت کی وہ آگ جو وقفے وقفے سے بھڑک اُٹھتی ہے ملک کی سالمیت کے لیے کبھی خطرہ نہیں بن سکے گی۔ **لہذا** ہم آپ سے اللہ کے نام پر، شافع محشر صلی اللہ علیہ وسلم کی ناموس کے نام پر، قرآن و سنت اور امتِ اسلامیہ کے اجماع کے نام پر، حق و انصاف اور دیانت و صداقت کے نام پر دنیا کے ستر کروڑ مسلمانوں کے نام پر، یہ اپیل کرتے ہیں کہ ملت اسلامیہ کے اس مطالبے کو پورا کرنے میں کسی قسم کے دباؤ سے متاثر نہ ہوں اور اللہ اور اسکے رسولؐ کی خوشنودی حاصل کرنے کی فکر کریں جنؐ کی شفاعت میدانِ حشر میں ہمارا آخری سہارا ہے۔ اگر ہم نے اپنی اس ذمہ داری کو پورا نہ کیا تو ملت اسلامیہ ہمیں کبھی معاف نہیں کرے گی۔ اقتدار و اختیار ڈھل جاتا ہے لیکن غلط فیصلوں کا داغ موت کے بعد تک نہیں ہٹتا۔ اللہ تعالےٰ آپ کو صحیح فیصلہ کی توفیق دے۔ (محرکینِ قرارداد)

فیصلہ

مقدّمۂ بہاول پُور

——محفلِ ارشادیہ۔ سیالکوٹ——

انتساب

میں اس اشاعت کو حضرت امام ربانی قیوم دورانی قطب زمانی مجدد الف ثانی الشیخ احمد سرہندی الفاروقی قدس سرہٗ السُبحانی کے نامِ نامی سے منسوب کرنے کی سعادت حاصل کرتا ہوں اور خداوند رب العزت کی بارگاہِ اقدس میں نہایت عجز و انکسار کے ساتھ دست بدعا ہوں کہ وہ مالکِ حقیقی اپنے حبیب کے صدقے اور حضرت مجدد علیہ الرحمتہ کے فیض کی برکت سے جو کہ بزرگوارم حضرت حافظ سید ارشاد حسین سرہندی رحمتہ اللہ علیہ کے توسط سے ہم تک پہنچا ہے ہمیں توفیق عطا فرمائے کہ ہم جیسے نا اہل حضرت مجدد رحمتہ اللہ علیہ کی اُس سنّت کو زندہ کرسکیں جس کے لئے آپ اس دنیا میں تشریف لائے اور کفر و الحاد، شرک و بدعت جیسی باطل قوتوں سے ٹکرا کر انہیں ریزہ ریزہ کر کے حق و صداقت کی روشنی سے دینا کے کونے کونے کو منور کر دیا۔

خاکپائے سگانِ مجدّد الف ثانی

سید اختر حسین سرہندی

ہندوستان کی سرزمین پر بے شمار مذاہب بستے ہیں، اسلام دینی حیثیت سے ان تمام مذاہب کی نسبت زیادہ گہرا ہے کیونکہ ان مذاہب کی بنا کچھ حد تک مذہبی ہے اور ایک حد تک نسلی۔ اسلام نسلی تخیل کی سراسر نفی کرتا ہے اور اپنی بنیاد محض مذہبی تخیل پر رکھتا ہے اور چونکہ اس کی بنیاد صرف دینی ہے اس لئے وہ سراپا روحانیت ہے اور خونی رشتوں سے کہیں زیادہ لطیف بھی ہے۔ اسی لئے مسلمان ان تحریکوں کے معاملہ میں زیادہ حساس ہے جو اس کی وحدت کے لئے خطرناک ہیں۔ چنانچہ ہر ایسی مذہبی جماعت جو تاریخی طور پر اسلام سے وابستہ ہو لیکن اپنی بناء نئی نبوت پر رکھے اور بزعمِ خود اپنے الہامات پر اعتقاد نہ رکھنے والے تمام مسلمانوں کو کافر سمجھے، مسلمان اسے اسلام کی وحدت کے لئے ایک خطرہ تصور کرے گا اور یہ اس لئے کہ اسلامی وحدت ختم نبوت سے ہی استوار ہوتی ہے۔

اقبالؒ

علماء اور اکابرینِ ملّت

کی طرف سے

اِس فیصلے کا خیر مقدم

چودھویں صدی کے آغاز میں جب مرزائے قادیان نے نبوت کا دعویٰ کیا تو مشرق اور مغرب کے علماء نے اس کے کفر اور ارتداد کا فتویٰ دیا۔ اس سلسلہ میں تیس پینتیس سال قبل یہ مسئلہ بہاولپور کی عدالت میں پیش ہوا جس پر حضرت مولانا انور شاہ صاحب سابق صدر المدرّسِ دارالعلوم دیوبند اور دیگر اکابر علماء ہند نے اس سلسلہ میں اپنے بیانات عدالت میں پیش کر کے جس میں مرزائے قادیان کے وجوہِ کفر کو بیان کیا جن کا حاصل یہ تھا کہ مرزائے قادیان اگر بالفرض والتقدیر نبوت کا دعویٰ نہ بھی کرتا تب بھی قطعاً وہ دائرہ اسلام سے خارج تھا۔

فاضل محترم جسٹس محمد اکبر صاحب (بہاولپور) نوراللہ مرقدہٗ نے نہایت عاقلانہ، عادلانہ اور دانشمندانہ فیصلہ صادر فرمایا کہ مدعیِ نبوت اور اس کے پیرو کار قطعاً دائرۂ اسلام سے خارج ہیں اور یہ مسلمانوں میں شرعی طور پر کوئی ازدواجی تعلق قائم نہیں کر سکتے۔ بحمدہٖ تعالیٰ فاضل جج کا یہ فیصلہ قانونِ شریعت کے بھی مطابق تھا اور قانونِ حکومت کے بھی مطابق تھا جو شرعی اور قانونی حیثیت سے اس درجہ مستحکم اور مضبوط تھا کہ آئندہ کسی کو بھی یہ جرأت نہ ہوئی کہ اس محکم فیصلہ پر کوئی نقد اور تبصرہ کر سکے یا کسی بالائی عدالت میں اس کی اپیل کر سکے اس لئے کہ وہ فیصلہ اس درجہ محکم اور قولِ فیصل اور اٹل تھا کہ اس میں انگلی رکھنے کی گنجائش نہ تھی۔

محمد ادریس کاندھلوی

مجھے یہ معلوم کر کے بڑی مسرت ہوئی ہے کہ جناب محمد اکبر خاں صاحب بی اے ایل ایل بی ڈسٹرکٹ جج بہاولپور کا مشہور و معروف فیصلہ جس میں قادیانیوں کو کافر اور خارج از دائرۂ اسلام قرار دیا گیا تھا دوبارہ اشاعت پذیر ہو رہا ہے۔

یہ ایک واشگاف حقیقت ہے جس پر اُمتِ مسلمہ کا اجماع ہے کہ جو شخص سیدنا محمد علیہ الصلوٰۃ والتسلیم کے بعد منصبِ نبوت پر فائز ہونے کا مدعی ہو اور جو اس دعوے کو تسلیم کرے وہ دونوں بلا شک و شبہ ادّعائے اسلام کے باوجود کافر و مرتد ہیں اس لیئے یہ ضروری ہے کہ اس مسئلے کے دینی و علمی پہلوؤں کو برابر واضح کیا جاتا رہے۔ عدالتِ بہاولپور کا یہ فیصلہ اس لحاظ سے بڑی اہمیت و افادیت کا حامل ہے۔ یہ ارتدادِ زوج کی بنا پر فسخِ نکاح کے ایک استغاثے کا تصفیہ تھا جو تقریباً تین سال زیرِ سماعت رہا۔ اس میں مسلمانوں اور قادیانیوں کی جانب سے اپنے اپنے موقف کو پورے دلائل و شواہد کے ساتھ پیش کیا گیا۔ ان کے مشاہیر علماء و فضلاء بطور گواہ پیش ہوئے اور فاضل جج نے پوری تحقیق و تدقیق کے بعد یہ فیصلہ صادر فرمایا کہ قادیانی اپنے عقائد و اعمال کی بنا پر مسلمان نہیں بلکہ کافر ہیں یہ قیمتی دستاویز طبع ہونے کے بعد ایک عرصۂ دراز سے نایاب تھی میری دعا ہے کہ یہ سعی مسلمان اور قادیانی سب کے لیئے باعثِ رشد و ہدایت ثابت ہو۔ آمین۔

ابوالاعلیٰ مودودی

۵-اے ذیلدار پارک، اچھرہ

اس فیصلہ نے مسلمانوں کو قادیانیت کے عزائم و عقائد سے نہ صرف آگاہ کیا ہے بلکہ مرزائیت اپنے حقیقی خط و خال سمیت آشکار ہوئی ہے۔ یہ فیصلہ برِ عظیم کے مسلمانوں کی ذہنی سرگذشت میں ہمیشہ یادگار رہے گا۔ اور جب کبھی پاکستان کے قوانین کی شکل اسلامی ہو گی اس فیصلہ کا بہت زیادہ احترام کیا جائے گا بلکہ یہ فیصلہ مشعلِ راہ ہو گا۔ ملتِ اسلامیہ جسٹس محمد اکبر خاں مرحوم (بہاولپور) کے اس فیصلہ کی شکر گذار ہے۔ اللہ تعالیٰ اُن کی بال بال مغفرت کریں اور کروٹ کروٹ جنت نصیب فرمائیں۔

شورش کاشمیری

یہ معرکہ آراء فیصلہ محمد اکبر خاں کا تحریر کردہ ہے۔ اس فیصلہ میں جج صاحب مرحوم نے بڑی شرح و بسط کے ساتھ مرزائیت کے خارج از اسلام ہونے کے دلائل درج کیے ہیں اور مرزائی لٹریچر سے ان کے کفر و ارتداد کا ثبوت بہم پہنچایا ہے۔ میں یہ سمجھتا ہوں کہ یہ فیصلہ مرزائیت کے موضوع پر لکھی گئی کئی ایک کتب پر بھاری ہے۔

احسان الٰہی ظہیر

تکمیلِ دین اور ختمِ نبوت مترادف حقائق ہیں اور اسلام کی ابدیت اور تکمیل کا مدار انہی دو اصولوں پر ہے۔ مبارک ہیں وہ لوگ جنہوں نے اسلام کے اس بنیادی مسئلہ کے تحفظ کے لیئے مختلف ذرائع سے حسبِ مقدور خدمات انجام دیں۔ اس سلسلہ میں جناب محمد اکبر صاحب رحمتہ اللہ علیہ ڈسٹرکٹ جج بہاولپور کا تاریخی فیصلہ اپنی نوعیت کا منفرد اقدام ہے۔ مرحوم و مغفور اپنی جرأت ایمانی سے اپنی نجات کا سامان کر گئے۔ اور تا ابد اُمتِ مسلمہ کے لیئے ایسی شمع فروزاں چھوڑ گئے جو انشاء اللہ العزیز رہتی دنیا تک حق و صداقت کی روشنی پھیلاتی رہے گی ضرورت ہے کہ اس تاریخی فیصلہ کی زیادہ سے زیادہ اشاعت کی جائے۔

سیّد فیض الحسن

ختمِ نبوت کا مسئلہ ضروریاتِ دین سے ہے افسوس ہے کہ ایسے مسئلہ کو لوگوں نے اخلاقی مسئلہ قرار دے کر اس میں بحث و تمحیص شروع کر دی۔ جس سے گمراہی کا دروازہ کھل گیا اور فتنۂ ارتداد زور پکڑ گیا۔ اس ماحول میں اہلِ علم کی خدمات یقیناً قابلِ قدر ہیں۔ لیکن محترم جج اکبر صاحب رحمتہ اللہ علیہ کا کارنامہ اس سلسلہ میں بے حد قابلِ ستائش ہے اور اسلامی تاریخ میں آبِ زر سے لکھے جانے کے قابل ہے۔

سیّد احمد سعید کاظمی

فیصلہ مقدمۂ بہاولپور مسلمانوں کے لیۓ روشنی کا مینار ہے عقیدۂ ختمِ نبوت اسلام کا بنیادی تصور ہے اور بے شک جو حضور سرورِ عالم صلیٰ اللہ علیہ وسلم کے بعد نبوت کا دعویٰ کرے وہ دائرۂ اسلام سے خارج ہے۔ ملّتِ اسلامیہ کو اس فتنۂ عظیمہ سے بچانا اسلام کی عظیم خدمت ہے۔

سیّد محمود احمد رضوی

فیصلہ مقدمۂ بہاولپور عہدِ صادق کا اہم ترین واقعہ ہے اس مقدمہ کی پیروی سیّد انور شاہ صاحب حضرت مولانا غلام محمد گھوٹوی اور سیّد عطاء اللہ شاہ صاحب بخاری جیسے نامور علماء نے کی۔ ان کی فقید المثال توجہ اور تاریخ ساز کوششوں نے قادیانیت کے سومنات کو ریزہ ریزہ کر دیا۔ یہ فیصلہ جسٹس محمد اکبر کے مثالی انہماک غیر معمولی استعداد اور قابلِ تحسین استقامت کا نتیجہ ہے۔ اس فیصلہ سے قادیانیت کی گمراہ کن حیثیت ہمیشہ کے لیۓ آشکار ہوگئی ہے۔

بریگیڈیئر نذیر علی شاہ

الحمد للہ وحدہ والصلوۃ و السلام علی من لا نبی بعدہ...... جج محمد اکبر نور اللہ مرقدہٗ کی عدالت میں فسخِ نکاح کا مقدمہ دائر ہوا جس میں یہ فیصلہ کرنا تھا کہ قادیانی کا نکاح مسلمان عورت سے بوجہ ارتداد قادیانیوں کے واجب الفسخ ہے یا نہیں۔ اس ضمن قادیانیوں کے مرتد ہونے کا مسئلہ زیرِ بحث آیا۔ فریقین کے ماہرینِ مذہب جمع ہوئے۔ مفصّل دلائل نقلیہ وعقلیہ قلمبند ہونے کے بعد قادیانیوں کے ارتداد کا حکم جناب جج صاحب موصوف نے صادر فرمایا اور فسخ کا فیصلہ دیا۔ اس فیصلہ کا کچھ تعلق انکارِ ختمِ نبوّت سے تھا جس پر قرآن پاک کی متعدد آیات اور بیشمار احادیثِ صحیحہ اور اجماعِ اُمت کے اس قدر دلائل موجود ہیں کہ توحیدِ باری تعالیٰ کے علاوہ کسی مسئلے پر اس قدر دلائل نہیں۔ اسلام میں سینکڑوں گمراہ اسلامی فرقے پیدا ہوئے لیکن مسئلہ ختمِ نبوت پر سب کا اتفاق رہا اور اس لیئے دشمنانِ اسلام، اسلام کی اس بنیادی عمارت میں شگاف ڈالنے میں کامیاب نہ ہوسکے۔ حضور علیہ السلام کے وقت سے لے کر اب تک جو ۱۳۹۳ھ ربیع الاوّل اور ۱۹۷۳ء اپریل ہے پوری اُمتِ مسلمہ تقریباً چودہ سو سال سے اس عقیدہ پر متفق اور قائم ہے جس کی وجہ سے اسلام کے اصلی عقائد زندہ ہیں کہ حضور علیہ السلام کے بعد نبوت کا عہدہ دیا جانا بند ہے اور مدعیِ نبوّت اور اس کے ماننے والے مرتد اور خارج از اسلام ہیں چاہے وہ اسلام کا دعویٰ بھی کریں جیسے صرف دعویٰ سے کوئی شخص کمشنر، ڈپٹی کمشنر، تحصیلدار، تھانیدار حتیٰ کہ سرکاری چپڑاسی اگر ان عہدوں کا دعویٰ کرے اور حکومت کی لسٹ میں نام نہ ہو اور حکومت ان دعویٰ داروں کو جھوٹا قرار دیتی ہو تو پھر اسلام کے

دعویٰ سے ایک آدمی بغیر حقیقتِ اسلام کے محقق ہونے کے کیسے مسلم ہو سکتا ہے جبکہ حقیقتِ اسلام کا بنیادی عقیدہ اس میں موجود نہ ہو اور ظاہری اسلام کی کچھ نشانیاں بھی اس میں موجود ہوں۔ جیسے گھوڑے کی تصویر یا فوٹو حقیقی گھوڑا نہیں ہو سکتا اور نہ بگی کھینچ سکتا ہے کیونکہ یہ حقیقی گھوڑے کا کام ہے۔ ملت کے عملی اتحاد کے لیئے فکری اتحاد ضروری ہے اور مستحکم فکر کی بنیاد عقیدہ ہے۔ جب یہ بنیاد ہل جائے تو مسلم قوم و ملت کی عمارت دھڑام سے گر جائے گی۔ اس لئے وحدتِ ملت ختمِ نبوّت سے وابستہ ہے۔ اقبال مرحوم نے صحیح فرمایا ہے ؎

لا نبی بعدی ز احسان خداست　　پردۂ ناموسِ دینِ مصطفےٰ است
تا نہ ایں وحدت ز دست ما رود　　ہستی ما با ابد ہمدم شود

اس سے واضح ہوا کہ استحکامِ پاکستان کی نظریاتی وحدت اسلام اور ختمِ نبوت ہے جو ۹۵ کروڑ مسلمانوں کے عقیدہ سے الگ دین قائم کریں جس میں قرآن حدیث خدا اور رسول کی تکذیب اور توہین ہو وہ اسلامی قلعے میں نقب لگانے والے ہیں اور خارج از اسلام ہیں۔ اس سلسلہ میں مقدمہ بہاولپور تاریخی کارنامہ ہے۔

شمس الحق افغانی عفی عنہٗ

فیصلہ مقدمۂ بہاولپور اُمت محمدیہ صاحبہا الصلواۃ والسلام کی متفقہ کوششوں اور کاوشوں کا نتیجہ ہے مولانا سیّد انور شاہ صاحبؒ، مولانا غلام محمد صاحبؒ گھوٹوی، مولانا محمد صادق صاحبؒ بہاولپور اور جناب جسٹس محمد اکبر صاحبؒ کی ارواح مقدسہ کو اللہ تعالیٰ نے بلاشبہ اعلیٰ علیین میں مقامِ علیا سے نوازا ہوگا۔ انہوں نے اُمتِ مرحومہ پر جو احسان کیا وہ رہتی دنیا کے مسلمانوں پر یکساں ہے۔ اللہ تعالیٰ ہر مسلمان کو خاتم الانبیاء کے خصوصی مقام اور عظمت کو سمجھنے کی توفیق عطا فرمائے۔ آمین۔

محمد عبدالقادر آزاد

خطیب بادشاہی مسجد و مفتی پنجاب

نحمدہٗ و نصلی علیٰ رسوله الکریم

اگر کوئی مسلمان ہے تو وہ فیصلۂ مقدمۂ بہاولپور کے متعلق دوسری رائے نہیں رکھ سکتا۔ حضرت مولانا سیّد انور شاہ صاحب کاشمیری علیہ الرحمتہ اور دوسرے بزرگوں اور علماء نے اس مقدمہ کی پیروی کر کے دین اسلام کی ایک گرانقدر خدمت انجام دی تھی۔ اللہ تعالیٰ اُن کے درجات بلند کرے اور ہم سب کو اُن کے نقشِ قدم پر چلنے کی توفیق عطا فرمائے۔

محمد احمد عفی عنہٗ

میر واعظ کشمیر

انشاء اللہ جب یہ فیصلہ کتابی صورت میں شائع ہوا تو عقیدۂ ختمِ نبوت کے بارے میں انشراحِ قلب اور باعثِ رشد و ہدایت ثابت ہو گا۔

فقیر محبوب الرحمٰن عفی اللہ عنہٗ
عیدگاہ، راولپنڈی

تمام علمائے اسلام کا متفقہ فتویٰ ہے کہ حضور اکرم خاتم النبیین صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے بعد کسی قسم کی نبوت کو جائز قرار نہیں دیا جا سکتا۔ ایسا دعویٰ کرنے والا دائرۂ اسلام سے خارج ہے۔ پاک و ہند میں مرزا غلام احمد قادیانی کے ماننے والے مسلمانوں سے علیٰحدہ جماعت ہیں۔ اس کی پوری روئیداد جسٹس محمد اکبر خاں صاحب سابق ریاست بہاولپور کے مفصل و مدلل فیصلہ میں موجود ہے یہ فیصلہ عوام و خواص مسلمین کے لئے مشعلِ ہدایت ہے۔

مفتی محمد حسین نعیمی ناظم دارالعلوم
جامع نعیمیہ لاہور

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

ختمِ نبوّت کے متعلق میرا عقیدہ یہ ہے: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا دین دو پہلوؤں پر مشتمل ہے۔ ایک ظاہری یعنی عقلی فکری و نظری پہلو ہے اور دوسرا روحانی یعنی عقلی عالم سے بالاتر۔ میرے خیال میں ظاہری پہلو کی بنیاد ہمارے دین میں روحانی پہلو پر ہے ورنہ کسی نبی یا پیغمبر کی شاید ضرورت نہ ہوتی۔ ظاہری پہلو کی حیثیت اسبابِ سفر کی سی ہے اور روحانی کی حیثیت ایک منزل کی۔ یعنی اسبابِ سفر کا تعین منزل یا مقصد کے اعتبار سے کیا گیا ہے۔ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے آخری نبی ہونے کے بارے میں عقلی استدلال میں شکوک و اوہام کا اثر تو ملتا ہے لیکن دوسرے پہلو میں کوئی ایک بھی استثنا موجود نہیں ہے۔ میں نے اس میں جتنا غور کیا ہے میں بلا استثنا ہمیشہ اسی ایک نتیجہ پر پہنچا ہوں کہ جو شخص جنابِ محمد رسُول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو خدا کا آخری نبی یعنی آپ کے اس ارشاد کو کہ ”لا نبی بعدی“ کو دل و جان سے نہیں مانتا وہ مسلمان نہیں ہوسکتا۔ عقلی فتویٰ کچھ ہو لیکن حقیقی بات یہی ہے۔

کتاب زیرِ نظر میں بھی ایک صاحبِ عقیدہ مسلمان نے ایمانی جرأت کا مظاہرہ کیا اور ساتھ ہی عقل و فکر کی رائے کو بھی دریافت کر کے صحیح فیصلہ دیا۔ مرحوم کا یہ فیصلہ ایک صدقہ جاریہ ہے۔ اللہ تعالیٰ ہم سب مسلمانوں کو عقیدے کی پختگی عطا فرمائے۔ آمین۔

محمد عبدالقیوم

صدر آزاد کشمیر، ایوان صدر، مظفر آباد

بسم اللّٰہ الرحمٰن الرحیم

الحمد للہ واحد والصلوٰۃ علیٰ من لا نبی بعدہ۔

آج سے تقریباً ۴۰ سال پہلے مرزا غلام احمد قادیانی کا دجل وفریب انگریز کے منحوس سایہ میں پروان چڑھ رہا تھا۔ فتنۂ قادیانیت سے انگریزی پڑھا لکھا طبقہ نہ صرف یہ کہ ناواقف تھا بلکہ مدعیِ نبوت مرزا غلام احمد قادیانی کی تعریف وتائید کرتا تھا۔ اس کے علاوہ تاجِ برطانیہ اور وائسرائے ہند کے زیرِ اثر تمام طاقتوں کی سرپرستی اس فتنۂ ارتاد کو حاصل تھی۔ ایسے وقت میں محترم محمد اکبر صاحب مرحوم ومغفور (بہاولپور) نے برصغیر کے چوٹی کے علماء خصوصاً محدثِ اعظم حضرت مولانا سیّد انور شاہ صاحب کشمیریؒ کے دلائل سُننے کے بعد جرأتِ ایمانی اور عقیدۂ ختمِ نبوّت پر کامل ایمان کا مظاہرہ کرتے ہوئے مرزا غلام احمد قادیانی کو کاذب اور اس کے ماننے والوں کو مرتد اور خارج از اسلام قرار دے کر فیصلہ بہاولپور کے نام سے وہ تاریخی فیصلہ کیا ہے جو مسلمانوں کے لئے ہمیشہ مشعلِ راہ رہے گا اور جس کے پیروی کرتے ہوئے انہیں کے ہم نام دوسرے محمد اکبر صاحب اور اب سندھ کے کسی جج نے بھی یہی فیصلے کئے ہیں۔ حقیقت یہ ہے کہ مرحوم محمد اکبر صاحب بہاولپور والے اس تاریخ کے سنہرے باب کے حرف اوّل اور آخر سمجھے جائیں گے۔ اس فیصلے کی دوبارہ اشاعت نہایت مستحسن اقدام ہے۔ قانون دان اور نئی نسل اس سے روشنی حاصل کریں گے۔ خدا مرحوم کو تاجدار مدینہ کے قدموں میں مجھ سمیت جگہ نصیب فرمائے (آمین)۔

خادم عبدالحکیم عفی اللہ عنہٗ (ممبر قومی اسمبلی پاکستان)
مدرسہ فرقانیہ مدینہ راولپنڈی

بسم اللّٰہ الرحمٰن الرحیم

حضور سرکارِ دو عالم صلی اللہ علیہ وسلّم بلا شک وشبہ خاتم النبیین ہیں اور تمام اُمت کا اس بات پر اجماع رہا ہے کہ حضور محمد رسول اللہ صلّی اللہ علیہ وسلّم کے بعد کوئی ظلّی۔ بروزی اور کسی بھی قسم کا نبی نہیں آ سکتا اور تا قیامت دروازۂ نبوت آپ پر بند کر دیا گیا ہے اس نازک دَور میں جب طرح طرح کے فتنے اسلام کے خلاف سر اٹھا رہے ہیں فتنۂ مرزائیت کے لیۓ اور اس کے سدِ باب کے لیۓ اپنا وقت پیسہ اور ہمت کا صرف کرنا باعثِ اجر ہے۔

حقیر مفتی محمد مختار احمد خطیب سیالکوٹ

اما بعد

ختمِ نبوّت کا عقیدہ اہلِ اسلام کا متفقہ عقیدہ ہے جس سے انکار کی جرأت فرقِ باطلہ کو بھی نہ ہو سکی اور چودہ سو برس سے اب تک جتنے اسلامی فرقے وجود میں آئے سب نے اس عقیدہ کا اقرار کیا ہے اور تسلیم کیا ہے۔ اس کا شمار ضروریاتِ دین میں ہے یعنی اس کا اسلامی عقیدہ ہونا اس قدر روشن ہے کہ کسی مسلمان کو اس میں شک و شبہ نہیں ہو سکتا اور یہ مسلمہ قاعدہ ہے کہ ضروریاتِ دین میں سے کسی بات کا انکار یا اس میں شک اسلام سے بغاوت اور کفرِ خالص ہے، نیز یہ کہ اس میں تاویل بھی قائل کو کفر سے نہیں بچا سکتی جس طرح اس کا منکر کافر ہے اسی طرح اس کا مؤوِّل بھی کافر ہے۔ سچ یہ ہے کہ ختمِ نبوت کا مفہوم سمجھ لینے کے بعد کوئی شخص بھی جو مسلمان ہونے کا مدعی ہے، اس کے انکار یا اس کی تاویل کی جرأت نہیں کر سکتا۔ بہت سیدھی سادی بات ہے کہ نبوت کی ابتداء حضرت آدم علیہ السلام سے ہوئی اور محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ والسلام پر نبوت ختم ہوئی اور اب اس دور میں اس فتنہ کا سدِ بات بھی مسلمانوں کے فرائض میں ایک اہم فریضہ بلکہ راہِ نجات یہی ہے اور یہ کتاب جو مسلمانوں کے لئے مشعلِ راہ کی حیثیت رکھتی ہے اور ایک

صدقۂ جاریہ ہے۔ اللہ تعالیٰ جملہ مسلمانوں کو اس فتنہ کو روکنے کے لئے ہمت دے۔ آمین ثم آمین۔

سید محمد شمس الدین
(ڈپٹی سپیکر صوبائی اسمبلی بلوچستان)

مسماۃ غلام عائشہ بنت مولوی الٰہی بخش ذات ملانہ عمر ۱۸-۱۹ سال
سکنہ احمد پور شرقیہ بمختاری الٰہی بخش ولد محمود ذات ملانہ ساکن احمد
پور شرقیہ معلم مدرسۂ عربیہ

بنام

عبدالرزاق ولد مولوی جان محمد ذات باجہ عمر ۲۳ سال ساکن موضع ہند
تحصیل احمد پور شرقیہ۔ حال مقیم میلسی شہر گنج ریڈر سب ڈویژن انہار
میلسی، ضلع ملتان

دعویٰ دلاپانے ڈگری استقرائیہ مشعر تنسیخ نکاح
فریقین بوجہ ارتدادِ شوہر مدّعا علیہ

یہ ایک خاص نوعیت اور اہمیت کا مقدمہ ہے۔ جو سال ۱۹۲۶ء میں دائر ہو کر ایک دفعہ انتہائی مراحل اپیل طے کر چکا ہے۔ اور سال ۱۹۳۲ء سے پھر ایک نئی شان اور نئے اسلوب سے ابتدائی حیثیت میں عدالت ہذا میں زیر سماعت چلا آیا ہے۔ واقعات مختصراً یہ ہیں کہ مولوی الٰہی بخش والد مدعیہ اور مولوی عبدالرزاق مدعا علیہ باہمی رشتہ دار ہیں۔ اور ابتداً یہ دونوں علاقہ ڈیرہ غازی خان میں رہتے تھے۔ عبدالرزاق کی ہمشیرہ مولوی الٰہی بخش سے بیاہی ہوئی تھی اور مولوی الٰہی بخش نے اپنی لڑکی مسماۃ غلام عائشہ مدعیہ کا نکاح اس کے ایام نابالغی میں عبدالرزاق مدعا علیہ سے کر دیا تھا۔

یہ لڑکی اس کی ایک سابقہ بیوی کے بطن سے تھی اور اس کا نکاح وہیں فریقین کے ابتدائی مسکن پر ہوا تھا۔ اس کے بعد مولوی الٰہی بخش وہاں سے ترکِ سکونت کر کے علاقہ ریاست ہذا میں چلا آیا۔ اور سال ۱۹۱۷ء میں اس نے موضع مہند تحصیل احمد پور شرقیہ میں ایک زمیندار کے ہاں عربی تعلیم دینے پر ملازمت اختیار کر لی۔ مدعیہ کی طرف سے کہا جاتا ہے کہ اس سے ایک سال کے بعد مدعا علیہ بھی بمعہ اپنی والدہ اور دو ہمشیرگان کے وہاں سے ترکِ سکونت کر کے مولوی الٰہی بخش کے پاس موضع مہند میں آ گیا۔ اور اپنے کنبہ کو وہاں چھوڑ کر خود حصولِ معاش کے لئے مختلف مقامات پر پھرتا رہا۔ دورانِ قیام موضع مہند میں اس نے اپنے سابقہ اعتقادات سے انحراف کر کے مرزائی مذہب اختیار کر لیا اور وہاں اپنے قادیانی مرزائی ہونے کا اعلان بھی کرتا رہا۔ اس کے بعد اُس نے مولوی الٰہی بخش سے مدعیہ کے رخصتانہ کے متعلق استدعا کی۔ تو اس نے یہ جواب دیا کہ جب تک وہ مرزائی مذہب ترک نہ کرے گا مدعیہ کا بازو اس کے حوالے نہیں کیا جائے گا۔ چنانچہ مدعا علیہ کچھ عرصہ مدعیہ کے رخصتانہ کے درپے رہا۔ لیکن اسے یہی جواب دیا جاتا رہا کہ اس کے مرزائی مذہب پر قائم رہنے کی صورت میں مدعیہ اُس کے حوالے نہیں کی جا سکتی۔ جب اُسے کامیابی کی اُمید نظر نہ آئی۔ تو وہ پھر ریاست سے ترکِ سکونت اختیار کر کے علاقہ برٹش انڈیا میں چلا گیا اور حدودِ ریاست ہذا کے قریب علاقہ تحصیل لودھراں میں سکونت

اختیار کر لی۔

اِن سوالات پر کہ مدعا علیہ نے حدود ریاست سے سکونت کب ترک کی اور کہ اُس نے مرزائی یا احمدی مذہب کہاں اور کب اختیار کیا؟ آگے بحث کی جائے گی۔ یہاں اب صرف یہ درج کیا جاتا ہے کہ مدعیہ کے اس رخصتانہ کے سوال پر والد مدعیہ اور مدعا علیہ کے درمیان کشیدگی پیدا ہوگئی اور والد مدعیہ نے مدعیہ کیطرف سے بحیثیت اس کے مختار کے ۲۴ر جولائی ۱۹۲۶ء کو مدعا علیہ کے خلاف یہ دعویٰ بدیں بیان دائر کیا کہ مدعیہ اب تک نابالغ رہی ہے۔ اب عرصہ دو سال سے بالغ ہوئی ہے۔ مدعا علیہ ناکح مدعیہ نے مذہب اہلسنت والجماعت ترک کر کے قادیانی، مرزائی مذہب اختیار کر لیا ہے اور اس وجہ سے وہ مرتد ہو گیا ہے۔ اُس کے مرتد ہو جانے کے باعث مدعیہ اب اس کی منکوحہ نہیں رہی کیونکہ وہ شرعاً کافر ہو گیا ہے۔ اور بموجب احکام شرع شریف بوجہ ارتداد مدعا علیہ مدعیہ مستحق انفراق زوجیت ہے۔ اس لئے ڈگری تنسیخ نکاح بحق مدعیہ صادر کیجاوے اور یہ قرار دیا جاوے کہ مدعیہ بوجہ مرزائی ہو جانے مدعا علیہ کے اس کی منکوحہ جائز نہیں رہی اور نکاح بوجہ ارتداد مدعا علیہ قائم نہیں رہا۔

مدعا علیہ نے اس کے جواب میں یہ کہا ہے کہ اس نے کوئی مذہب تبدیل نہیں کیا اور نہ ہی وہ دائرۂ اسلام سے خارج ہے۔ بلکہ وہ بدستور مسلمان اور احکام شرعی کا پورا پابند ہے۔ احمدی کوئی علیحدہ مذہب نہیں، نہ وہ مرزائی ہے، نہ قادیانی۔ نکاح ہر صورت میں جائز اور قابل تکمیل ہے۔ عقائد احمدیہ کی وجہ سے جو صلاحیت مذہبی کیطرف رجوع دلاتے ہیں وہ مرتد نہیں ہو جاتا۔ عدالت عالیہ چیف کورٹ بہاولپور، مدراس اور دیگر ہائی کورٹوں سے یہ امر فیصلہ پا چکا ہے کہ جماعت احمدیہ کے مسلمان اصلاح یافتہ فرقہ میں سے ہیں، مرتد یا کافر نہیں ہیں۔ دعوے ناجائز اور قابل اخراج ہے اور کہ بناء دعوے بمقام مہند ریاست بہاولپور قائم نہیں ہو سکتی۔ کیونکہ نہ فریقین کی وہاں سکونت رہی ہے اور نہ ہی مدعا علیہ نے وہاں سرمیل کی کوئی تحریک کی۔ علاوہ ازیں کسی مقام پر سرمیل کی تحریک کئے جانے سے وہ مقام قانوناً بنائے دعوے تصور نہیں کیا جاسکتا۔

دعوٰے وہاں سماعت ہونا چاہیئے جہاں مدعا علیہ کب مستقل سکونت ہو یا بناء دعوٰے پیدا ہوئی ہو۔ مقدمہ حال میں مدعا علیہ کی مستقل سکونت چونکہ علاقہ ملتان میں ہے اور نکاح ضلع ڈیرہ غازی خان میں ہوا تھا اس لئے دعوٰے حدود ریاست ہذا میں سماعت نہیں ہوسکتا۔

یہ دعوٰے ابتداً منصفی احمد پور شرقیہ میں دائر ہوا تھا۔ منصف صاحب احمد پور شرقیہ نے فریقین کے مختصر سے بیانات قلمبند کرنے کے بعد ۴؍ نومبر ۱۹۲۶ء کو حسب ذیل امور تنقیح طلب قرار دیئے۔

۱۔ کیا مدعا علیہ مذہب قادیانی یا مرزائیت اختیار کر چکا ہے اور اس لئے ارتداد لازم آتا ہے۔

۲۔ اگر تنقیح بالا بحق مدعیہ ثابت ہو تو کیا نکاح فیما بین فریقین قابل انفساخ ہے؟

ان تنقیحات کے ثبوت میں مدعیہ نے مدعا علیہ کو عدالت مذکور میں بحیثیت گواہ خود پیش کیا تو مدعا علیہ نے ۵؍ دسمبر ۱۹۲۶ء کو یہ بیان کیا کہ یہ درست ہے کہ وہ مرزا غلام احمد صاحب کو مسیح موعود تسلیم کرتا ہے اور ساتھ ہی انہیں نبی بھی مانتا ہے۔ اس معنےٰ میں کہ مرزا صاحب نبی کریم صلعم (حضرت محمد مصطفٰے صلعم) کے تابعدار ہیں۔ اور آپ کی شریعت کے پیرو ہیں اور آنحضرت صلعم کی غلامی کی وجہ سے آپ نبوت کے درجہ پر فائز ہوئے۔ اور اس وقت تک اس کا یہی اعتقاد ہے۔ گویا وہ سلسلہ احمدیت میں منسلک ہو چکا ہے۔ وہ مرزا صاحب کو ان معنوں میں نبی کہتا ہے جن معنوں میں کہ قرآن کریم نبوت کو پیش کرتا ہے۔ جیسا کہ دیگر انبیاء علیہ السلام ہیں کہ ان پر وحی اور الہام وارد ہوتے ہیں۔ چونکہ وہ مرزا غلام احمد صاحب کو نبی تسلیم کرتا ہے۔ اس لئے وہ یہ بھی مانتا ہے کہ اُن پر بمثل دیگر انبیاء علیہم السلام کے نزول ملائکہ و جبرئیل علیہ السلام ہوتا تھا۔

اس بیان کو مدِ نظر رکھتے ہوئے منصف صاحب احمد پور شرقیہ نے ۲۰؍ جنوری ۱۹۲۷ء کو یہ امر مزید تنقیح طلب قرار دیا۔ کہ کیا اس عتقاد کی صورت میں جو مدعا علیہ نے بیان کیا ہے کہ وہ مرزا غلام احمد کو نبی تسلیم کرتا ہے۔ اس معنےٰ میں کہ بمثل دیگر انبیاء علیہم السلام مرزا صاحب پر وحی اور

الہام وارد ہوتے تھے۔ کوئی شخص مذہب اسلام میں شامل رہ سکتا ہے؟ اور اس کا بار ثبوت مدعا علیہ پر عائد کیا۔ اس کے بعد مدعا علیہ نے ۱۹؍فروری ۱۹۲۷ء کو ایک درخواست پیش کی کہ سابقہ تاریخ پر اُس نے جو بیان دیا تھا اُس میں اس نے اپنے اعتقادات مذہبی کو بخوبی واضح کر دیا تھا۔ لیکن عدالت نے اس سے جو خلاصہ اخذ کیا ہے وہ اس کے اصلی اعتقاد مذہبی کے مغائر ہے۔ چونکہ اعتقاد مذہبی کی غلط تعبیر سے مقدمہ پر کافی اثر پڑتا ہے۔ اس لئے اپنے اعتقاد مذہبی کو منمد عا علیہ ذیل میں بیان کرتا ہے تاکہ غلط فہمی نہ رہے۔

میں خداوند تعالےٰ کو واحد لاشریک مانتا ہوں۔ حضرت محمد مصطفےٰ صلعم کو خاتم النبین تسلیم کرتا ہوں۔ قرآن کریم کو کامل الہامی کتاب مانتا ہوں۔ کلمہ طیبہ پر میرا ایمان ہے۔ اور حضرت محمد صلعم کی برکت اور آپ کی توسط سے اور آپ کی شریعت مقدسہ کی اطاعت سے حضرت مرزا صاحب کو اُمتی نبی تسلیم کرتا ہوں۔ حضرت مرزا صاحب کوئی نئی شریعت نہیں لائے۔ بلکہ شریعت محمدی کے تابع اور اشاعت کرنے والے ہیں۔ ان پر وحی اور الہام بابرکت حضرت نبی کریم صلعم وارد ہوتے تھے۔

اس درخواست میں یہ استدعا کی گئی کہ جو امر تنقیح سابقہ تاریخ پر وضع کیا گیا ہے وہ درست نہیں ہے۔ تنقیح بالفاظ ذیل وضع ہونا چاہیئے۔ کہ آیا مدعا علیہ جس کا مذہبی اعتقاد یہ ہو جو کہ اوپر بیان کیا گیا ہے۔ مرتد ہے، اور مسلمان نہیں ہے؟ اور اس کا ثبوت بذمہ مدعیہ عائد کیا جاوے۔ مگر عدالت نے اس درخواست پر کوئی التفات نہ کی اور اُسے شامل مسل کر دیا۔

اس کے بعد بحکم ۷؍مئی ۱۹۲۷ء عدالت عالیہ چیف کورٹ یہ مقدمہ عدالت ہذا میں منتقل ہوا۔ اور عدالت ہذا میں ۱۷؍دسمبر ۱۹۲۷ء کو مدعا علیہ نے اپنے عقائد کی پھر ایک فہرست پیش کی۔ جن کا ذکر مناسب جگہ پر کیا جائے گا۔

یہ مقدمہ عدالت ہذا سے بحکم ۲۱؍نومبر ۱۹۲۸ء اس بناء پر خارج کیا گیا کہ عدالت عالیہ چیف کورٹ بہاولپور سے اس قسم کے ایک مقدمہ بعنوان مسماۃ جندوڈی بنام کریم بخش میں باتباع

فیصلہ جات عدالتہائے اعلیٰ مدراس، پٹنہ و پنجاب کے یہ قرار دیا جا چکا ہے کہ احمدی مسلمانوں کا ایک فرقہ ہیں نہ کہ اسلام سے باہر۔ اور کوئی مرزائی مذہب اختیار کرنے سے کسی سُنّی عورت کا نکاح اس شخص کے ساتھ جو اس مذہب کو قبول کرلے فسخ نہیں ہو جاتا۔ اور کہ مدعیہ کی طرف سے ان فیصلہ جات کے خلاف کوئی سند پیش نہیں کی گئی۔

عدالت ہذا کا یہ حکم بر طبق اپیل عدالت عالیہ چیف کورٹ سے بحال رہا، لیکن اپیل ثانی پر عدالت مُعلےٰ اجلاس خاص سے یہ قرار دیا گیا کہ عدالت ہذا سے فریقین کے پیش کردہ اسناد پر بحث کئے بغیر دعوے مدعیہ خارج کر دیا گیا ہے اور فاضل ججان چیف کورٹ نے اپنے فیصلہ میں یہ تسلیم کیا ہے کہ پٹنہ و پنجاب ہائی کورٹوں کے فیصلہ جات مقدمہ ہذا میں حاوی نہیں ہو سکتے۔ کیونکہ ان میں غیر متعلق سوال زیر بحث رہے ہیں۔ البتہ مدراس ہائی کورٹ کے فیصلہ مندرجہ ۱۷- انڈین کیسز ۶۶ میں سوال زیر بحث بجنہ یہی تھا کہ آیا احمدی ہو جانے سے ارتداد واقع ہوتا ہے یا نہ۔ لیکن ہم نے اس فیصلہ کو بغور مطالعہ کیا ہے۔ ہم فاضل ججان چیف کورٹ کی رائے سے اختلاف کرتے ہیں کہ فیصلہ مذکورہ بالا مکمل چھان بین سے طے پایا تھا۔ کیونکہ فاضل ججان مدراس ہائی کورٹ خود فیصلہ میں تسلیم کرتے ہیں کہ ان کے پاس کوئی خاص سند اس بات کی پیش نہیں کی گئی کہ فلاں فلاں اسلام کے بنیادی اصول ہیں اور ان سے اس حد یا اس درجہ تک اختلاف کرنے سے ارتداد واقع ہوتا ہے۔ یا کن اسلامی عقائد کی پیروی یا کن عقائد کے نہ ماننے سے ارتداد واقع ہوتا ہے۔ اس فیصلہ میں پھر فاضل ججان یہ تسلیم کرتے ہیں کہ اس سوال کو کہ آیا عقائد قادیانی سے ارتداد واقع ہوتا ہے یا نہ۔ علمائے اسلام بہتر فیصلہ کر سکتے ہیں۔ اس لئے ہماری رائے میں فاضل ججان ہائی کورٹ کا فیصلہ سوال زیر بحث پر قطعی نہیں ہے۔ اور ہمیں مقدمہ ہذا میں اس کی پیروی کرنے کی ضرورت نہیں۔ اس قرارداد کے ساتھ یہ مقدمہ اس ہدایت کے ساتھ واپس ہوا کہ گو مولوی غلام محمد صاحب شیخ الجامعہ۔ جامع عباسیہ بہاولپور کے بیان سے واضح ہوتا ہے کہ اگر کسی شخص کا قادیانی عقائد کے مطابق یہ ایمان ہو کہ حضرت محمد صلعم کے بعد کوئی اور نبی آیا ہے اور اس

پر وحی نازل ہوئی ہے تو ایسا شخص چونکہ ختمِ نبوۃ حضرت رسولِ کریم صلعم کا منکر ہے اور ختم نبوۃ اسلام کے ضروریات میں سے ہے لہٰذا وہ کافر ہے۔ اور دائرہ اسلام سے خارج ہے لیکن ہم اس مقدمہ کا فیصلہ کرنے کے لئے شیخ الجامعہ صاحب کی رائے کو کافی نہیں سمجھتے جب تک کہ دیگر ہندوستان کے بڑے بڑے علماء دین بھی اس رائے سے اتفاق نہ رکھتے ہوں اس لئے مقدمہ مزید تحقیقات کا محتاج ہے اور مدعا علیہ کو بھی موقعہ دینا چاہئیے کہ شیخ الجامعہ صاحب کے بالمقابل اپنے دلائل پیش کرے۔

واپسی پر اس مقدمہ میں فریقین کے ہم مذہب اور ہم خیال اشخاص کی فرقہ بندی شروع ہو گئی اور تقریباً تمام ہندوستان میں اس کے متعلق ایک ہیجان پیدا ہو گیا۔ اور طرفین سے ان کی جماعت کے بڑے بڑے علماء بطور مختاران فریقین و بطور گواہان پیش ہونے لگے۔ ان کے اس طرح میدان میں آنے سے قدرتاً یہ سوال عوام کیلئے جاذبِ توجہ بن گیا اور پبلک کو اس میں ایک خاص دلچسپی پیدا ہو گئی اور ہر تاریخ سماعت پر لوگ جوق در جوق کمرۂ عدالت میں آنے لگے۔ چنانچہ عوام کی اس دلچسپی اور مذہبی جوش کو مدِ نظر رکھتے ہوئے حفظِ امن قائم رکھنے کی خاطر پولیس کی امداد کی ضرورت محسوس کی گئی۔ اور عدالت ہذا کی تحریک پر صاحب بہادر کمشنر پولیس کی طرف سے ہر تاریخ پیشی پر پولیس کا خاطر خواہ انتظام کیا جاتا رہا۔ امر مابہ النزاع حِل وحرمت سے تعلق رکھنے کے علاوہ ضمناً چونکہ مدعا علیہ کے ہم خیال جماعت کی تکفیر پر بھی مشتمل ہے اس لئے طرفین کو اس مقدمہ میں کھلے دل سے اپنے دلائل سندات اور بحث ہائے تحریری وتقریری پیش کرنے کا کافی درکافی موقعہ دیا گیا۔ حتیٰ کہ مدعا علیہ کی طرف سے ایک ایک گواہ کے بیان اور جرح پر بعض دفعہ مسلسل ایک ایک مہینہ بھی صرف ہوا ہے اور اس کی طرف سے جو بحث تحریری پیش ہوئی ہے۔ وہ کئی سو ورق پر مشتمل ہے۔ اور فیصلہ میں تعویق زیادہ تر مسل کے اس قدر ضخیم بن جانے کی وجہ سے بھی ہوئی ہے۔ دورانِ سماعت مقدمہ ہذا میں مدعا علیہ نے مدعیہ اور اس کے والد مولوی الٰہی بخش کے خلاف ۲۳ر اگست ۱۹۳۲ء کو عدالت سب جج صاحب درجہ دوم ملتان میں دعوے اعادہ

حقوق زن وشوئی دائر کر کے عدالت موصوف سے ان ہر دو کے خلاف ۱۷؍جون ۱۹۳۳ء کو ڈگری یک طرفہ حاصل کر لی۔ اور اس مقدمہ میں جبکہ شہادت فریقین ختم ہو کر مدعیہ کی طرف سے بحث بھی سماعت ہو چکی تھی۔ مدعا علیہ کی طرف سے یہ عذر برپا کیا گیا کہ عدالت ہذا کو اختیار سماعت مقدمہ ہذا حاصل نہیں۔ کیونکہ بناء دعوےٰ حدود ریاست ہذا میں پیدا نہیں ہوئی اور نہ ہی مدعا علیہ کی رہائش عارضی یا مستقل ریاست ہذا کے اندر ہوئی ہے۔

دوسرا عدالت سرکار برطانیہ سے مدعا علیہ کے حق میں ڈگری استقرارِ حق زوجیت برخلاف مدعیہ والٰہی بخش والدش کے صادر ہو چکی ہے۔ اس لئے بروئے دفعہ ۱۱ ضابطہ دیوانی عدالت ہذا کو اس کے متعلق فیصلہ کرنے کا حق نہیں ہے۔ اور کہ بموجب دفعات ۱۳-۱۴، ضابطہ دیوانی ڈگری مذکور قطعی ہو چکی ہے۔ اور اس کے صادر ہونے کے بعد مقدمہ زیر سماعت عدالت ہذا نہیں چل سکتا۔

مدعا علیہ کے ان عذرات کو بوجہ اس کے کہ وہ عدالت ہذا کے اختیار سماعت سے تعلق رکھتے تھے۔ اہم سمجھا جا کر اس مقدمہ میں ۸؍نومبر ۱۹۳۳ء کو حسب ذیل مزید تنقیحات ایزاد کی گئیں۔

۱۔ کیا مدعا علیہ کی سکونت بوقت دائریِ دعوےٰ ہذا حدود ضلع ہذا میں تھی۔ یا یہ کہ بناء دعوےٰ حدود ضلع ہذا میں پیدا ہوئی اس لئے دعوے قابلِ سماعت عدالت ہذا ہے۔

۲۔ اگر تنقیح بالا بخلاف مدعیہ طے ہو تو کیا عدالت ہذا کے اختیار سماعت کا سوال اس مرحلہ پر جبکہ مقدمہ پہلے عدالتہائے اعلےٰ تک پہنچ چکا ہے اور مدعا علیہ برابر پیروی کرتا رہا ہے نہیں اٹھایا جا سکتا۔

۳۔ کیا ڈگری ملک غیر کی بناء پر جو بحق مدعا علیہ برخلاف مدعیہ صادر ہوئی ہے سماعت مقدمہ ہذا میں دفعات ۱۳-۱۴ ضابطہ دیوانی عارض نہیں ہیں۔ ان تنقیحات کے وضع کرنے سے قبل مدعا علیہ کی طرف سے محکمہ مُعلّے وزارتِ عدلیہ میں پیش گاہ حضور سرکار عالی دام اقبالہٗ وملکہٗ میں پیش کئے جانے کے لئے ایک درخواست مشتملبر عذرات مذکورہ بالا موصول ہوئی جو بمراد غور

عدالت ہذا میں بھجوادی گئی۔ اس درخواست کے مطالعہ سے یہ ضروری خیال کیا گیا کہ مدعا علیہ کی طرف سے بحث پیش ہونے سے قبل ان قانونی عذرات مذکورہ بالا کو طے کرلیا جاوے۔ اس لئے ۳/نومبر ۱۹۳۳ء کو فریقین کے نام نوٹس بایں اطلاع جاری کئے جانے کا حکم دیا گیا کہ وہ تاریخ مقررہ پر اپنے علماء کو ہمراہ نہ لاویں بلکہ خود حاضر ہوں تا کہ ان قانونی سوالات پر غور کیا جا کر انہیں طے کرلیا جاوے۔ مدعیہ کی طرف سے عدالت ہذا کے اس حکم کی ناراضی سے محکمہ معلےٰ اجلاس خاص میں درخواست نگرانی پیش کی گئی ہے۔ اور محکمہ معلےٰ نے بحکم ۷/نومبر ۱۹۳۳ء یہ قرار دیا کہ فریق مدعیہ پر تعمیل نوٹس درست نہیں ہوئی۔ لہذا یہ ہدایت کی گئی کہ سلسلہ بحث اور جدید امور کی دریافت کو ساتھ ساتھ جاری رکھا جاوے۔ اور اگر کسی فریق کے حق میں التواء مقدمہ ضروری خیال کیا جاوے۔ تو دوسرے فریق کو اس فریق سے مناسب ہرجانہ دلایا جاوے۔ باتباع اس حکم کے فریقین کو جدید تنقیحات کے متعلق اپنا اپنا ثبوت پیش کرنے کی ہدایت کی گئی اور مختاران مدعا علیہ کو حکم دیا گیا کہ وہ اپنی طرف سے سلسلہ بحث کو بھی جاری رکھیں اس کے بعد جب جدید تنقیحات مذکورہ بالا کے متعلق طرفین کی شہادت ختم ہو چکی۔ تو مدعا علیہ نے پھر ۲/جنوری ۱۹۳۴ء کو ایک درخواست کے ذریعہ یہ عذر برپا کیا کہ امور ذیل کو بھی زیر تنقیح لایا جاوے۔

کہ کیا مدعا علیہ کی وطنیت ریاست بہاولپور میں واقع ہے؟

اگر تنقیح بالا مدعیہ کے خلاف ثابت ہو تو پھر بھی عدالت ہذا کو اختیار سماعت حاصل ہے۔

اس درخواست کو اس بناء پر مسترد کیا گیا کہ مدعا علیہ کی طرف سے اس قسم کا پہلے کوئی عذر نہیں اٹھایا گیا۔ حالانکہ وہ پہلے قانونی مشورہ حاصل کر کے پیروی کرتا رہا ہے۔ علاوہ ازیں جہاں تک اس کے اس جدید عذر کا قانونی پہلو ہے اس کے متعلق وہ اپنی بحث کے وقت قانون پیش کر سکتا ہے۔ واقعات کے لحاظ سے فریقین کی طرف سے مثل پر جو مواد لایا جا چکا ہے وہ اس سوال پر بھی بحث کرنے کے لئے کافی ہے۔ لہذا کسی مزید تنقیح کے وضع کرنے کی ضرورت خیال نہیں کی جاتی۔

اس سے قبل دوران شہادت میں مدعا علیہ کی طرف سے ایک حجت یہ بھی پیدا کی گئی تھی کہ

مدعیہ بوقت ارجاع نالش نابالغ تھی۔ اس لئے اب اس سے خود دریافت ہونا چاہیئے کہ وہ مقدمہ چلانا چاہتی ہے یا نہ۔ لہذا اس سوال کے متعلق بھی یکم مارچ ۱۹۳۳ء کو ایک تنقیح بایں الفاظ وضع کیا گیا تھا۔ کہ کیا مدعیہ بوقت ارجاع نالش نابالغ تھی۔ اور اس کا بارثبوت مدعا علیہ پر عائد کیا گیا۔ کیونکہ مدعیہ کی طرف سے اسے نابالغ ظاہر کیا جا کر بمختاری والدش دعوٰے دائر کیا گیا تھا۔ لیکن بعد میں اس تنقیح کو بحکم ۲۹؍مارچ ۱۹۳۳ء خارج کیا گیا۔ کیونکہ قانوناً مدعا علیہ کا یہ عذر ناقابل پذیرائی تھا۔ ملاحظہ ہو ۴۷- انڈین کیسز صفحہ ۳۰۹ اب ذیل میں دیگر قانونی سوالات پر بحث کی جاتی ہے۔

مدعا علیہ کا اہم عذر یہ ہے کہ اس نے کبھی حدود ریاست ہذا میں سکونت اختیار نہیں کی اور نہ ہی اس نے یہاں احمدی مذہب قبول کیا ہے بلکہ وہ ۵-۶ سال تک شیخوپورہ میں رہا ہے۔ وہاں سے اُس نے سال ۱۹۲۲ء میں ایک خط کے ذریعہ مرزا صاحب کے خلیفہ ثانی کیساتھ بیعت کی تھی۔ اور بیعت کرنے کے ۵-۶ ماہ بعد اس نے اپنے موجودہ مسکن واقعہ علاقہ لودھراں میں آ کر سکونت اختیار کی یہاں اس نے آ کر ایک مکان تعمیر کرایا اور اس وقت سے یہاں مقیم ہے۔

مدعیہ کی طرف سے کہا جاتا ہے کہ مدعا علیہ ضلع ڈیرہ غازی خان سے ترکِ سکونت کرنے کے بعد سیدھا مولوی الٰہی بخش والد مدعیہ کے پاس حدود ریاست ہذا میں آیا۔ اور یہاں بود و باش شروع کی۔ مرزائی مذہب اس نے ایک شخص مولوی نظام الدین کی ترغیب پر قبول کیا جو موضع مہند مسکن والد مدعیہ کے قریب رہتا ہے۔ اور دعوےٰ ہذا دائر ہونے کے بعد وہ حدود ریاست ہذا کے باہر چلا گیا ہے۔ ان امور کے متعلق فریقین کی طرف سے جو شہادت پیش ہوئی ہے۔ اس سے حسب ذیل نتائج اخذ ہوتے ہیں۔

مدعا علیہ کی یہ حجت درست نہیں پائی جاتی کہ وہ کبھی ریاست ہذا میں نہیں آیا بلکہ مدعیہ کی پیش کردہ شہادت سے جس کی کہ مدعا علیہ کی طرف سے کوئی خاطر خواہ تردید نہیں کی گئی یہ ثابت ہے کہ مدعا علیہ مولوی الٰہی بخش کے یہاں آنے کے بعد اپنے مسکن واقعہ علاقہ ضلع ڈیرہ غازی خان

سے سیدھا حدود ریاست ہذا میں مولوی الٰہی بخش والد مدعیہ کے پاس آیا اور اپنی والدہ اور ہمشیرگان کو اس کے ہاں چھوڑ کر خود حصولِ معاش کیلئے حدود ریاست ہذا کے اندر مختلف مقامات پر پھرتا رہا اور کچھ عرصہ کے بعد پھر مولوی الٰہی بخش کے پاس آ کر ٹھہرتا رہا۔ اس کے بعد جب مدعیہ کے رخصتانہ کا سلسلہ شروع ہوا تو وہ ترکِ سکونت کر کے یہاں سے چلا گیا اور غالباً صحیح یہی ہے کہ وہ مقدمہ ہذا دائر ہونے سے قبل ہی چلا گیا ہے۔ کیونکہ خود مدعیہ نے عرضیدعوے میں اس کی سکونت بمقام میلسی درج کرائی ہے۔ چنانچہ اس پتہ پر جب سمن جاری کیا گیا تو مختار مدعیہ نے پھر ۱۴ر اگست ۱۹۲۶ء کو منصفی احمد پور شرقیہ میں ایک درخواست پیش کی کہ مدعا علیہ کی سکونت گو دعوے میں مقام میلسی لکھی ہوئی ہے لیکن اب مدعا علیہ یہاں احمد پور شرقیہ میں موجود ہے۔ پھر تعمیل نہیں ہو سکے گی۔ اب اس پتہ پر سمن جاری کیا جا کر تعمیل کرائی جاوے۔ چنانچہ اُسی روز عدالت سے سمن جاری کیا جا کر مدعا علیہ کی اطلاعیابی کرائی گئی۔ مدعا علیہ کہتا ہے کہ اُسے وہاں دھوکہ سے بلوایا گیا۔ لیکن یہ سوال چنداں اہم نہیں۔ وہ چاہے جس طرح احمد پور شرقیہ میں آیا یہ امر واقعہ ہے کہ سمن پر اس کی اطلاعیابی وہاں کرائی گئی۔ اس سے پایا جاتا ہے کہ دائری دعوے کے وقت اُس کی رہائش حدود ریاست ہذا کے اندر نہ تھی۔ لہذا اس بناء پر مدعا علیہ کی یہ حجت درست ہے کہ دائری دعوے کے وقت چونکہ حدود ریاست ہذا کے اندر اس کی عارضی یا مستقل سکونت نہ تھی۔ اس لئے یہاں اس کے خلاف دعوے دائر نہیں ہو سکتا تھا۔ لیکن اُس کے ساتھ ہی مدعیہ کی پھر یہ حجت ہے کہ مدعا علیہ نے اپنا مذہب چونکہ حدود ریاست ہذا کے اندر تبدیل کیا ہے۔ اس لئے اُسے مدعا علیہ کے تبدیل مذہب سے بناء دعویٰ پیدا ہوتی ہے اور اس لحاظ سے مدعا علیہ کے خلاف یہاں دعویٰ درست طور پر دائر کیا گیا ہے۔

مدعا علیہ بیان کرتا ہے کہ اس نے احمدی مذہب شیخواہ ضلع ملتان میں قبول کیا تھا۔ اور کہ ابتداءً وہ ضلع ڈیرہ غازی خان سے شیخ واہ میں ہی گیا تھا۔ اس کی طرف سے بیعت کا ایک خط پیش کیا گیا ہے۔ جو ڈاک خانہ دنیا پور سے ۲۱ر جنوری ۱۹۲۲ء کو خلیفہ صاحب ثانی کی خدمت میں بھجوایا

گیا۔ اور جس پر بغیر کسی ولدیت، قومیت کے صرف عبدالرزاق احمدی لکھا ہوا ہے۔ اس سے یقینی طور پر یہ قرار دیا جا سکتا ہے کہ یہ خط اسی عبدالرزاق مدعا علیہ کا تحریر شدہ ہے۔ شناخت خط کے بارہ میں مدعا علیہ کی طرف سے دو گواہان پیش ہوئے ہیں۔ جن میں ایک اللہ بخش بالکل نو عمر لڑکا ہے۔ وہ بیان کرتا ہے کہ وہ شیخ واہ میں مدعا علیہ کے پاس پڑھا کرتا تھا۔ اس وقت وہ مدعا علیہ کو لکھتا ہوا دیکھا کرتا تھا۔ شناخت خط کے بارہ میں پہلے تو اُس نے یہ کہا کہ شاید وہ نہ پہچان سکے۔ لیکن پھر بیان کیا کہ وہ شناخت کرتا ہے کہ خط مشمولہ مسل مدعا علیہ کا تحریر کردہ ہے۔ لیکن اول تو جس وقت یہ گواہ مدعا علیہ کو لکھتا ہوا دیکھنا بیان کرتا ہے اس وقت خود اس کی اپنی عمر کوئی ۱۳-۱۴ سال کے قریب ہوگی۔ غیر اغلب ہے کہ اس عمر میں اُس نے مدعا علیہ کی طرز تحریر کو بخوبی ذہن نشین کر لیا ہو۔ دوسرا وہ اس خط کی شناخت کے متعلق کوئی خاص وجوہات بیان نہیں کر سکا۔ علاوہ ازیں جب اس کی مذبذب بیانی کو مدِ نظر رکھا جائے تو اس کی شہادت بالکل نا قابلِ اعتبار ہو جاتی ہے۔ اس طرح دوسرے گواہ کی شہادت بھی سرسری قسم کی ہے اور اس پر بھی پورا بھروسہ نہیں کیا جا سکتا۔

مدعا علیہ بیان کرتا ہے کہ وہ شیخ واہ میں ۵-۶ سال رہا۔ لیکن وہاں کی سکونت ثابت کرنے کے لئے بھی اس کی طرف سے یہی اللہ بخش گواہ پیش ہوا ہے۔ دیگر گواہان صرف سماعی طور پر بیان کرتے ہیں۔ کہ وہ لودھراں میں وہاں سے آیا تھا۔ لہذا اس ضمن میں مدعا علیہ کی طرف سے مسل پر جو مواد لایا گیا ہے۔ اس سے یہ قرار دینا مشکل ہے کہ مدعا علیہ اپنے موجودہ مسکن پر سکونت پذیر ہونے سے قبل شیخواہ میں رہتا تھا۔ اور کہ اس نے احمدی مذہب بھی وہیں اختیار کیا تھا۔ اس کی طرف سے بیعت کا جو خط پیش کیا گیا ہے۔ اُس کے متعلق قابل اطمینان طریق پر یہ ثابت نہیں کیا گیا کہ وہ اسی عبدالرزاق مدعا علیہ کا ہے۔ ان تمام واقعات سے یہ اخذ کیا جا سکتا ہے کہ مدعا علیہ نے علاقہ لودھراں میں سکونت اختیار کرنے سے قبل جہاں پہلے سکونت اختیار کی ہوئی تھی۔ احمدی مذہب اس نے وہاں قبول کیا۔ مدعا علیہ جب ادعا خود یہ ثابت کرنے میں کامیاب نہیں رہا کہ اس کی یہ سابقہ سکونت شیخواہ میں تھی۔ برعکس اس کے مدعیہ کی طرف سے یہ ثابت ہے کہ مدعا علیہ

اپنی موجودہ سکونت اختیار کرنے سے قبل حدود ریاست ہذا میں سکونت پذیر تھا۔ اس لئے مدعاعلیہ کے اپنے بیان سے ہی یہ ثابت قرار دیا جا سکتا ہے کہ اس نے احمدی مذہب حدود ریاست ہذا میں اختیار کیا۔ اور اس کی تائید مدعیہ کی پیش کردہ شہادت سے بھی ہوتی ہے۔ لہذا یہ قرار دیا جاتا ہے کہ مدعاعلیہ کا مذہب تبدیل کرنا چونکہ حدود ریاست ہذا کے اندر اس کی جائے سکونت موضع مہند میں وقوع میں آیا ہے۔ اس لئے اس بناء پر مدعیہ کو ضلع ہذا کے اندر بنائے دعویٰ پیدا ہوئی ہے۔ لہذا عدالت ہذا کو اس مقدمہ کی سماعت کا مکمل اختیار حاصل ہے۔

مدعاعلیہ کے اس اعتراض کے جواب میں کہ اس کی چونکہ حدود ریاست ہذا کے اندر سکونت نہیں رہی۔ اس لئے عدالت ہذا کو اس کے خلاف سماعت مقدمہ ہذا کا اختیار حاصل نہیں ہوتا۔ مدعیہ کی طرف سے یہ بھی کہا گیا ہے کہ مدعاعلیہ نے گو ابتداً یہ عذر اُٹھایا تھا۔ لیکن بعد میں عدالتہائے اپیل میں جا کر اس نے اسے ترک کر دیا اور شروع سے لیکر آخیر تک وہ برابر اس کی پیروی کرتا رہا۔ اس لئے سمجھا جائے گا کہ اُس نے عدالت ہذا کے اختیار سماعت کو قبول کر لیا تھا۔ اس لئے اب وہ اس پر کوئی اعتراض نہیں کر سکتا۔ اس بارہ میں فیصلہ ۲۹۔ انڈین کیسز صفحہ ۴۵۶ بطور سند پیش کیا گیا ہے۔ اس کے متعلق مدعاعلیہ کی طرف سے یہ کہا جاتا ہے کہ اپیلیں چونکہ مدعیہ کی طرف سے ہوتی رہی تھیں۔ اس لئے اُسے اعتراض کرنے کی ضرورت نہ تھی۔ علاوہ ازیں مقدمہ چونکہ دوبارہ ابتدائی حیثیت میں عدالت ہذا کے زیر سماعت آ گیا ہے۔ اس لئے وہ اس سوال پر عدالت کو متوجہ کر سکتا ہے۔ مگر مدعاعلیہ کی یہ حجت درست معلوم نہیں ہوتی کہ اُسے اپیل میں یہ عذر اٹھانے کی ضرورت نہ تھی۔ کیونکہ فیصلہ اس کے خلاف ہونا ممکن تھا۔ اس لئے اسے ہر پہلو سے اپنی جوابدہی کرنی چاہیئے تھی۔ اور گو کہ مقدمہ اب پھر ابتدائی حیثیت میں سماعت کیا گیا ہے۔ تاہم اس مقدمہ کے سابقہ مراحل کو نظر انداز نہیں کیا جا سکتا۔ اور اگر اس حجت کو درست بھی تسلیم کر لیا جاوے۔ تو چونکہ اُوپر یہ قرار دیا جا چکا ہے کہ مدعاعلیہ کے تبدیل مذہب سے بناء دعویٰ حدود ریاست ہذا میں پیدا ہوئی ہے اس لئے اس سوال پر مزید کسی بحث کی ضرورت نہیں رہتی۔ اور عدالت ہذا سے مدعاعلیہ کے خلاف یہ دعویٰ درست طور سماعت کیا گیا ہے۔

اس قرارداد سے ان تنقیحات میں سے پہلے دو کا جو ۸؍نومبر ۱۹۳۳ء کو وضع کی گئی تھیں فیصلہ ہو جاتا ہے۔ باقی تیسری تنقیح کے متعلق جو ڈگری ملک غیر کی بابت ہے صرف یہ درج کر دینا کافی ہے کہ عدالت صادر کنندہ ڈگری کے روبرو یہ سوال کہ مدعا علیہ تبدیل مذہب کی وجہ سے مرتد ہو چکا ہے۔ اور اس لئے مدعیہ اس کی منکوحہ نہیں رہی۔ زیر بحث نہیں آیا اور نہ ہی پایا جاتا ہے کہ اس عدالت کو یہ جتلایا گیا کہ اس نکاح کے بارہ میں مدعیہ کی طرف سے عدالت ہذا میں بھی مقدمہ دائر ہے۔ اس لئے سمجھا جائے گا کہ وہ فیصلہ صحیح واقعات پر صادر نہیں ہوا۔ اور ڈگری دھوکے سے حاصل کی گئی۔ لہذا وہ ڈگری بروئے ضمن (ب) و(ہ) دفعہ ۱۳ ضابطہ دیوانی قطعی قرار نہیں دی جا سکتی اس طرح دفعہ ۱۱ ضابطہ دیوانی کا اطلاق واقعات مقدمہ ہذا پر نہیں ہوتا۔ کیونکہ جیسا کہ اُوپر قرار دیا گیا ایک تو وہ ڈگری قطعی نہیں دوسرا وہ کسی عدالت واقع اندرون حدود ریاست ہذا کی صادر شدہ نہیں۔ اس لئے یہ تیسری تنقیح بھی بحق مدعیہ و برخلاف مدعا علیہ طے کی جاتی ہے۔

مدعا علیہ کی طرف سے اس امر پر زور دیا گیا ہے کہ فریقین چونکہ درحقیقت اپنی شہریت اور وطنیت کے لحاظ سے برٹش انڈیا سے تعلق رکھنے والے ہیں۔ اور والد مدعیہ نے خود یا اس کے کسی گواہ نے یہ دعویٰ نہیں کیا کہ وہ ہمیشہ کے لئے برٹش شہریت اور وطنیت چھوڑ چکا ہے۔ کیونکہ شہریت اور وطنیت کو ترک کرنے کے لئے لازمی ہے کہ یہ فعل علانیہ طور پر اور پبلک اظہار کے بعد قانونی حیثیت سے کیا جاوے۔ اس لئے تاوقتیکہ یہ ثابت نہ ہو۔ ایسے نکاح متنازعہ کے متعلق قانون بین الاقوامی یہ ہے کہ وہ نکاح جو اس ملک کے قانون کے لحاظ سے جائز ہے جہاں سے وہ منعقد ہوا۔ وہ ساری دنیا میں جائز اور درست ہے۔ اور کوئی دوسرے ملک کی عدالت اسے ناجائز قرار نہیں دے سکتی۔ اور پھر ایسے نکاح کی تنسیخ کے متعلق بھی قانون بین الاقوامی یہ ہے کہ جس ملک میں ہر دو زوجین کو وطنیت حاصل ہو۔ صرف وہیں کی عدالت تنسیخ کا مقدمہ سن سکتی ہے اور اس قانون کی رو سے بیوی کی وطنیت وہی جگہ تصور ہوگی جہاں خاوند کی وطنیت ہو۔

فریقین کی طرف سے جو شہادت پیش ہوئی ہے اس کا ماحصل یہ ہے کہ فریقین اپنی بتدائی

برطانوی شہریت و وطنیت پر قائم ہیں۔

گو حصولِ معاش کے لئے ایک فریق نے اپنی رہائش بہاولپور میں رکھی ہوئی ہے۔ مگر محض دوسری جگہ رہائش رکھنے سے اصل وطنیت کا ترک ہونا لازم نہیں آتا۔ مدعیہ کا نکاح علاقہ انگریزی میں ہوا۔ جہاں کی مدعیہ کی بیان کردہ وجہ ارتداد کو تسلیم نہیں کیا جاتا۔ اس وجہ سے علاقہ انگریزی کے قانون کی رو سے یہ نکاح صحیح اور جائز ہے۔

لیکن مدعا علیہ کی یہ حجت اس لئے وزن دار نہیں کہ اول تو یہ ثابت ہے کہ مولوی الٰہی بخش بہت مُدت سے اپنے سابقہ مسکن سے ترک سکونت کر کے حدود ریاست ہذا میں رہائش پذیر ہے۔ اس کے کافی مدت کے بود و باش اور دیگر افعال سے یہ بخوبی اخذ ہوتا ہے کہ وہ حدود ریاست ہذا میں مستقل سکونت اختیار کر چکا ہے اور اس کا اپنے سابقہ مسکن پر واپس جانے کا ارادہ نہیں۔ کیونکہ اس بارہ میں جو شہادت پیش ہوئی ہے اس سے پایا جاتا ہے کہ علاقہ ضلع ڈیرہ غازی خان میں اب اس کا اپنا کوئی گھر موجود نہیں۔ مدعیہ چونکہ اس وقت نابالغ تھی اور بطور زوجہ مدعا علیہ کے حوالہ نہ کی گئی تھی۔ اس لئے اس کا اپنے والد کے ہمراہ یہاں چلے آنے اور اس کے ساتھ بود و باش رکھنے سے یہ سمجھا جائے گا کہ اس نے بھی اب بمثل اپنے والد کے یہاں کی وطنیت اختیار کر لی ہے۔ علاوہ ازیں یہ پایا جاتا ہے کہ جب وہ بالغ ہوئی تو اس نے مدعا علیہ کی زوجیت سے انکار کر دیا۔ اور یہ حجت کی کہ ضلع ڈیرہ غازی خان میں اس کا جو نکاح مدعا علیہ سے ہوا تھا۔ وہ بوجہ آنداد مدعا علیہ قائم نہیں رہا۔ اس لئے کیونکر کہا جا سکتا ہے کہ مدعیہ کی وطنیت بھی اب وہی شمار ہوگی جو کہ مدعا علیہ نے اختیار کی ہوئی ہے۔ کیونکہ وہ وہاں نہ بطور زوجہ اس کے ساتھ آباد رہی اور نہ اب حقوقِ زوجیت کو تسلیم کر کے اس کے ساتھ وہاں آباد ہونے کو آمادہ ہے۔ اس لئے لامحالہ یہ قرار دینا پڑے گا کہ مدعیہ نے بھی اب یہیں وطنیت اختیار کی ہوئی ہے۔ اور اگر بفرض محال مدعا علیہ کی اس حجت کو درست بھی مان لیا جاوے تو بھی مدعا علیہ کامیاب نہیں ہو سکتا۔ کیونکہ اس مقدمہ کی کارروائی یہاں بھی اس ضابطہ دیوانی کے تحت کی گئی ہے۔ جو علاقہ انگریزی میں جاری

ہے۔ اور نکاح زیر بحث کا تصفیہ اسی شخصی قانون کے تحت کیا جا رہا ہے کہ جس کی رو سے قانون مروجہ علاقہ انگریزی کی رُو سے تصفیہ کئے جانے کی ہدایت سے یعنی بروئے شرع محمدیؐ۔ اس لئے کیونکر کہا جا سکتا ہے کہ ریاست ہذا کا قانون جس کے تحت مقدمہ ہذا میں کارروائی کی جا رہی ہے۔ وہ برٹش انڈیا کے قانون سے مختلف ہے۔ ہاں قانون کی تعبیر کا سوال دوسرا ہے۔ کسی قانون کی تعبیر اس قانون کا جزو شمار نہیں ہو سکتی اس لئے کسی عدالت کو مجبور نہیں کیا جا سکتا کہ وہ کسی خاص قانون کی تعبیر وہی کرے جو دوسری عدالت نے کی ہے۔ تاوقتیکہ وہ اس کی ماتحت عدالت نہ ہو۔ یہی وجہ ہے کہ ایک ہی مسئلہ پر مختلف ہائی کورٹوں کی مختلف قراردادیں پائی جاتی ہیں۔ مقدمہ حال میں عدالت معلیٰ اجلاس خاص نے مدراس ہائی کورٹ کے فیصلہ کو معاملہ زیر بحث کے متعلق قطعی نہ سمجھتے ہوئے قابل پیروی خیال نہیں کیا اور عدالت معلیٰ کی یہ قرارداد قانوناً بالکل درست ہے۔ اس لئے نہیں کہا جا سکتا کہ قانون بین الاقوامی کی اگر یہ سمجھا بھی جاوے۔ کہ ریاست ہذا اور برٹش انڈیا کے مابین حاوی ہے کوئی خلاف ورزی کی گئی۔ کیونکہ یہاں اُسی قانون پر عمل کیا جا رہا ہے جو برٹش انڈیا میں مروج ہے۔ اور اگر وطنیت کو ہی معیار سماعت دعویٰ قرار دیا جاوے تو چونکہ مدعیہ کی وطنیت حدود ریاست ہذا کے اندر پائی جاتی ہے۔ اس لئے اس لحاظ سے بھی ریاست ہذا کی عدالتوں کو اس مقدمہ کی سماعت کا اختیار حاصل ہے۔ لہذا یہ مقدمہ عدالت ہذا میں درست طور رجوع ہو کر زیر سماعت لایا گیا ہے۔

ان قانونی امور کو طے کرنیکے بعد اس اصل معاملہ مابہ النزاع کی طرف رجوع کیا جاتا ہے اور قبل اس کے کہ اس سوال پر فریقین کی پیش کردہ شہادت اور دلائل پر بحث کی جاوے یہ سمجھنے کیلئے کہ قادیانی یا مرزائی یا احمدی مذہب کیا ہے اور مذہب اسلام کے ساتھ اس کا کیا لگاؤ ہے۔ اور اس مذہب کو قبول کرنے والے کو کیوں مرتد سمجھا گیا ہے کچھ مختصر تمہید کی ضرورت ہے۔

یہ بات کچھ خلاف واقع نہ ہوگی۔ اگر یہ کہا جاوے کہ ہر مذہب وملت کے نزدیک ابتدائے آفرینش اور وجود باری تعالیٰ کا علم کتب سماوی سے ہوا ہے۔ ممکن ہے کہ تمام مذاہب کے متعلق یہ

رائے صحیح نہ ہو۔ تو کم از کم یہود، نصاریٰ اور مسلمانوں کے متعلق بلاخوف تردید یہ کہا جا سکتا ہے کہ ان کے مذاہب کی رو سے نہ صرف امور مذکورہ بالا کا علم کتب سماوی سے ہوا ہے بلکہ ابتدائے آفرینش کے بارہ میں ان کی کتب سماوی کا قریباً قریباً باہمی اتفاق بھی ہے۔ اس بحث سے کچھ یہ دکھلانا بھی مقصود ہے کہ صرف مسلمان ہی ایک ایسی قوم نہیں جو کہ اپنی مذہبی کتاب قرآن مجید کو مُنزّل من اللہ کہنے والی ہے۔ بلکہ اس قسم کا عقیدہ دیگر اقوام میں بھی پایا جاتا ہے۔ اور وہ بھی اپنے مذاہب کی بنیادی کتابوں کے مُنزّل من اللہ ہونے کے قائل ہیں۔ مسئلہ زیر بحث کا چونکہ صرف مسلمانوں سے تعلق ہے۔ اس لئے یہاں صرف اُن کی آسمانی کتاب وقرآن مجید کا ہی ذکر کیا جاتا ہے۔ قرآن مجید کے مطالعہ سے پایا جاتا ہے کہ خداوند تعالیٰ نے جب آدم علیہ السلام کو پیدا فرمایا تو انہیں ایک خاص درخت کے پھل کھانے سے منع فرمایا گیا۔ اس کے بعد جب آدم علیہ السلام نے غلطی سے اس پھل کو کھا لیا۔ تو ان کو باغِ جنت سے بیدخل کر دیا گیا۔ اور شیطان کو بھی جس کی ترغیب پر انہوں نے وہ پھل کھایا تھا وہاں سے نکالا گیا۔ اور یہ ارشاد ہوا کہ:۔

قلنا اهبطوا منها جميعاً ج فاما يا تينكم منى هدًى فمن تبع هداى فلا خوف عليهم ولا هم يحزنون ط

نیچے جاؤ یہاں سے تم سب۔ پھر اگر پہنچے میری طرف سے کوئی ہدایت۔ تو جو چلا میری ہدایت پر نہ خوف ہوگا ان پر اور نہ وہ غمگین ہونگے (سورہ بقر رکوع نمبر ۴)

باری تعالیٰ کی طرف سے یہ ہدایت پھر اس کے رسولوں کے ذریعہ سے جو کہ انسانوں میں سے منتخب کئے جاتے ہیں پہنچتی رہی۔ حتیٰ کہ رسولوں کا یہ سلسلہ حضرت محمد مصطفےٰ صلعم تک جاری رہا۔ موسیٰؑ کے بعد آئندہ سلسلۂ رسالت جاری رہنے میں لوگوں میں اختلاف ہونے لگا۔ اور عیسیٰؑ کے مبعوث ہونے پر جن لوگوں نے انہیں نہ مانا اور جو موسیٰؑ کی ہدایت پر قائم رہے وہ یہود کہلائے۔ اور جنہوں نے عیسیٰؑ کو نبی تسلیم کر لیا وہ نصاریٰ کہلائے اور انکے بعد جب حضرت محمد مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وسلم کو نبوت ملی تو انہیں جن لوگوں نے نبی تسلیم کر کے ان کی تعلیم پر چلنا شروع

کیا وہ مسلمان کہلاتے ہیں۔ اب مدعیہ کی طرف سے یہ کہا جاتا ہے کہ مسلمانوں کا یہ عقیدہ اور ایمان ہے کہ حضرت محمد مصطفیٰ صلعم آخری نبی ہیں اور ان کے بعد اور کوئی نیا نبی نہیں ہو سکتا۔ ہاں البتہ آخری زمانہ میں حضرت عیسیٰ علیہ السلام جو آسمان پر زندہ ہیں۔ آسمان سے نزول فرماویں گے۔ اور حضرت محمد مصطفیٰ صلعم کی شریعت پر چل کر لوگوں کو راہ ہدایت دکھلائیں گے۔ اور رسول اللہ صلعم کی شریعت پر چلنے کی وجہ سے اُمتی نبی کہلائیں گے۔

اب انیسویں صدی کے آخیر میں مرزا غلام احمد صاحب قادیانی نے جو مدعا علیہ کے پیشوا ہیں۔ ان روایات کی جو نزول عیسیٰ علیہ السلام کے متعلق مسلمانوں میں مشہور چلی آتی تھیں یہ تعبیر کی ہے۔ کہ عیسیٰ علیہ السلام جو مسیح ناصری تھے فوت ہو چکے ہیں۔ انہوں نے واپس نہیں آنا۔ اور نہ ان کا واپس آنا بروئے آیات قرآنی ممکن ہے۔ اور نہ وہ نبی ہو کر امتی ہو سکتے ہیں۔ بلکہ اُمتی نبی سے یہ مُراد ہے۔ کہ حضرت محمد مصطفیٰ صلعم کے کمال اتباع اور فیض سے ان کے کسی اُمتی کو نبوت کا درجہ عطا کیا جائے گا۔ اور اس تعبیر کے ساتھ انہوں نے اس درجہ کا اپنے لیے مختص ہونے کا دعویٰ کیا ہے۔ اس دعویٰ کی تائید میں فریق ثانی کی طرف سے جو دلائل اور سندات وغیرہ پیش کی گئی ہیں۔ ان پر آگے بحث کی جائے گی۔ اب صرف یہ دکھلانا مقصود ہے کہ جن لوگوں نے مرزا صاحب کے اس دعویٰ کو صحیح تسلیم کر کے ان کی تعلیم پر چلنا شروع کر دیا ہے۔ انہیں لوگ مرزا صاحب کے ساتھ اور ان کے مسکن قادیان کے ساتھ تعلق رکھنے کی وجہ سے بعض اوقات مرزائی کہتے ہیں۔ اور بعض اوقات قادیانی۔ اور قادیانی مرزائی کہنے سے ایک اور تعبیر بھی لی جاتی ہے وہ یہ کہ مرزا صاحب کے متبعین کے دو فرقے ہیں۔ ایک لاہوری اور دوسرے قادیانی۔ لاہوری انہیں نبی نہیں مانتے۔ قادیانی انہیں نبی مانتے ہیں۔ اس لیے قادیانی مرزائی کہنے سے یہ مراد لی جاتی ہے۔ کہ وہ شخص جس کے متعلق یہ الفاظ استعمال کیے گئے ہیں۔ وہ مرزا صاحب کے ان متبعین میں سے ہے۔ جو انہیں نبی مانتے ہیں مقدمہ ہذا میں مدعا علیہ پر اسی مفہوم کے تحت یہ الفاظ استعمال کیے گئے ہیں۔

اس فرقہ کا تیسرا نام احمدی ہے۔ جس کے متعلق فریق ثانی کی طرف سے کہا جاتا ہے کہ اس جماعت کے امیر نے اپنی جماعت کے لیے تجویز کر کے گورنمنٹ سے اس نام سے اپنی جماعت کو موسوم کئے جانے کی منظوری حاصل کی ہوئی ہے۔

مسلمانوں کے نزدیک قرآن مجید کے بعد سند اور اعتبار کے لحاظ سے احادیث کا درجہ ہے۔ جو حضرت رسول کریم صلعم کے اقوال کا مجموعہ ہیں۔ اب مدعیہ کی طرف سے یہ کہا جاتا ہے کہ مرزا صاحب کا دعویٰ غلط ہے۔ قرآن مجید اور احادیث کی رو سے حضرت محمد مصطفےٰ صلعم خاتم النبین ہیں۔ ان کے بعد اور کوئی نیا نبی نہیں ہو سکتا۔ مرزا صاحب کے اعتقادات شرعاً درست نہیں ہیں۔ بلکہ کفر کی حد تک پہنچتے ہیں۔ اس لیے ان کو نبی تسلیم کرنے والا اور ان کی تعلیم پر چلنے والا بھی کافر ہے اور دائرہ اسلام سے خارج اور مرتد ہو جاتا ہے۔ اور کسی سنی عورت کا نکاح جو قبل از ارتداد اس کے ساتھ ہوا ہو شرعاً قائم نہیں رہتا۔ اور اس اصول کے تحت مدعیہ کا نکاح مدعا علیہ کے قادیانی۔ مرزائی ہو جانے کی صورت میں اس کے ساتھ قائم نہیں رہا۔ لہٰذا ڈگری انفراق زوجیت دی جاوے۔

مدعا علیہ کی طرف سے کہا جاتا ہے۔ کہ قادیانی مذہب۔ مذہب اسلام سے کوئی مغائیر مذہب نہیں ہے۔ بلکہ اس مذہب کے صحیح اصولوں کی صحیح تعبیر ہے۔ اس تعبیر کے مطابق عمل پیرا ہونے سے وہ خارج از اسلام نہیں ہوا۔ اس کا نکاح قائم ہے۔ اور دعویٰ مدعیہ قابل اخراج ہے۔

چنانچہ فریقین نے اپنے اپنے اس ادعا کے مطابق شہادت پیش کی ہے جس پر آگے بحث کی جائے گی۔ مقدمہ ہذا میں ابتدائی تنقیحات جن کا اوپر ذکر کیا جا چکا ہے۔ چاہے جس شکل یا جن الفاظ میں وضع شدہ ہیں۔ ان کا نفس معاملہ پر کوئی اثر نہیں پڑتا۔ ان کا مفہوم بھی ہے۔ کہ کیا مدعا علیہ نے قادیانی یا مرزائی مذہب اختیار کر لیا ہے۔ اور کیا اس مذہب میں داخل ہونے سے ارتداد واقع ہو جاتا ہے اور کیا اس صورت میں مدعیہ کا نکاح فسخ سمجھا جائے گا۔ اس لئے ان تنقیحات کی ترمیم کے متعلق مدعا علیہ کے عذرات کو وزارت کو وزن دار خیال نہیں کیا گیا۔ اس لیے ان تنقیحات کے الفاظ میں کسی ردوبدل کی ضرورت نہیں سمجھی گئی۔ اور خصوصاً ان میں ترمیم کی

ضرورت اس لیے بھی نہیں رہی۔ کہ اگر مدعا علیہ کے ادعا کے مطابق یہی صورت تنقیحات قائم کی جاوے۔ تو مسل پر اسقدر مواد آ چکا ہے۔ کہ اس کی رو سے اس صورت میں بھی بحث کی جا سکتی ہے۔ اس سوال پر اب چنداں بحث کی ضرورت نہیں رہی۔ کہ آیا مدعا علیہ قادیانی مرزائی ہے۔ یا نہ کیونکہ اس نے اپنے اعتقادات کی جو فہرست پیش کی ہے۔ اس میں اس نے صاف طور پر درج کیا ہے کہ وہ حضرت مرزا صاحب کو امتی نبی تسلیم کرتا ہے۔ اور ان پر وحی اور الہام بابرکت حضرت نبی کریم صلعم وارد ہوتے تھے۔ اس لیے اس سے یہ قرار دیا جا سکتا ہے۔ کہ وہ مرزا صاحب کے قادیانی متبعین میں سے ہے۔ اب بحث طلب صرف یہ امر ہے کہ آیا۔ یہ عقیدہ کفریہ ہے اور اس عقیدہ کے رکھنے والا دائرہ اسلام سے خارج اور مرتد قرار دیا جا سکتا ہے! اس سلسلہ میں مدعیہ کی طرف سے چھ گواہان ذیل مولوی غلام محمد صاحب شیخ الجامعہ عباسیہ بہاولپور۔ مولوی محمد حسین صاحب سکنہ گوجرانوالہ۔ مولوی محمد شفیع صاحب مفتی دارالعلوم دیوبند۔ مولوی مرتضیٰ حسن صاحب چاند پوری۔ سید محمد انور شاہ صاحب کشمیری۔ مولوی نجم الدین صاحب پروفیسر اورنٹیل کالج لاہور پیش ہوئے ہیں اور مدعا علیہ کی طرف سے دو گواہان مولوی جلال الدین صاحب شمس اور مولوی غلام احمد صاحب مجاہد پیش ہوئے ہیں۔ یہ ہر دو گواہان قادیانی مبلغین میں سے ہیں۔ ان جملہ گواہان کی شہادتیں کئی معاملات شرعی پر مشتمل ہیں۔ اور بہت طویل ہیں۔ ان کا اگر معمولی اختصار بھی یہاں درج کیا جاوے تو اس سے نہ صرف فیصلہ کا حجم بڑھ جائے گا بلکہ اصل معاملہ کے سمجھنے میں بھی الجھن پیدا ہو جائے گی۔ اس لیے ان شہادتوں سے جو اصول اور دلائل اخذ ہوتے ہیں۔ وہ یہاں درج کیے جاتے ہیں۔ اروزیادہ تر دوبار معلیٰ کی ہدایت کے مطابق ان شہادتوں کی رو سے یہ دیکھنا ہے کہ اسلام کے وہ کون سے بنیادی اصول ہیں کہ جن سے اختلاف کرنے سے ارتداد واقع ہو جاتا ہے۔ یا یہ کہ کن اسلامی عقائد کی پیروی نہ کرنے یا نہ ماننے سے ایک شخص مرتد سمجھا جا سکتا ہے۔ اور کیا عقائد قادیانی سے ارتداد واقع ہو جاتا ہے۔ یا نہ؟

مدعیہ کی طرف سے مذہب اسلام کے جو اہم اور بنیادی اصول بیان کیے گئے ہیں۔ وہ سید انور شاہ صاحب گواہ مدعیہ کے بیان میں مفصل درج ہیں۔ یہاں ان کا مختصراً اعادہ کیا جاتا ہے وہ

بیان کرتے ہیں کہ ایمان کے معنی یہ ہیں کہ کسی کے قول کو اس کے اعتماد پر باور کر لیا جاوے۔ اور کہ غیب کی خبروں کو انبیاء کے اعتماد پر باور کر لینے کو ایمان کہتے ہیں۔ اور حق ناشناسی۔ یا منکر ہو جانے یا مکر جانے کو کفر کہتے ہیں۔ ہمارے دین کا ثبوت دو طرح سے ہے یا تواتر سے یا خبر واحد سے تواتر اسے کہتے ہیں کہ کوئی چیز نبی کریم سے ایسی ثابت ہوئی ہو۔ اور ہم تک علیٰ لاتصال پہنچی ہو کہ اس میں خطا کا احتمال نہ ہو۔ یہ تواتر چار قسم کا ہے۔ تواتر اسنادی۔ تواتر طبقہ۔ تواتر قدرِ مشترک اور تواتر توارث۔

تواتر اسنادی اسے کہا جاتا ہے۔ کہ جو صحابہ سے بسند صحیح مذکور ہو۔

تواتر طبقہ اسے کہتے ہیں۔ کہ جب یہ معلوم نہ ہو۔ کہ کس نے کس سے لیا۔ بلکہ یہی معلوم ہو کہ پچھلی نسل نے اگلی سے سیکھا۔ جیسا کہ قرآن مجید کا تواتر۔

تواتر قدرِ مشترک یہ ہے کہ حدیثیں کئی ایک خبر واحد آئی ہوں۔ اس میں قدر مشترک متفق علیہ حصہ وہ حاصل ہوا جو تواتر کو پہنچ گیا۔ مثلاً نبی کریم صلعم کے معجزات۔ جو کچھ متواتر ہیں۔ اور کچھ خبر احاد ہیں۔ ان اخبار احاد میں اگر کوئی مضمون مشترک ملتا ہے۔ تو وہ قطعی ہو جاتا ہے۔ اس کی مزید تشریح مولوی مرتضیٰ حسن صاحب گواہ مدعیہ نے یہ کی ہے کہ بعض ایسی احادیث جو باعتبار لفظ اور سند کے متواتر نہیں ہیں وہ باعتبار معنے کے متواتر ہو جاتی ہیں۔ اگر ان معنوں کو اتنی سندوں سے اور اتنے راویوں نے بیان کیا ہو۔ کہ جن کا جھوٹ پر جمع ہونا محال ہو۔

تواتر توارث اسے کہتے ہیں۔ کہ نسل نے نسل سے لیا ہو۔ اور یہ تواتر اس طرح سے ہے۔ کہ بیٹے نے باپ سے لیا۔ اور باپ نے اپنے باپ سے۔ ان جملہ اقسام کے تواتر کا انکار کفر ہے۔ اگر متواترات کے انکار کو کفر نہ کہا جاوے۔ تو اسلام کی کوئی حقیقت نہیں رہتی۔ ان متواترات میں تاویل کرنا مطلب بگاڑنا۔ کفر صریح ہے اور متواترات کو تاویل سے پلٹنا بھی کفر ہے۔ کفر کبھی قولی ہوتا ہے۔ اور کبھی فعلی مثلاً کوئی شخص ساری عمر نماز پڑھتا رہے اور ۳۰ سال کے بعد ایک بت کے آگے سجدہ کر دے۔ تو کفر فعلی ہے۔ کفر قولی یہ ہے کہ کوئی شخص یہ کہہ دے کہ خدا

کے ساتھ صفتوں میں یا فعل میں کوئی شریک ہے۔ اسی طرح یہ کہنا بھی کفر قولی ہے۔ کہ رسول اللہ صلعم (حضرت محمد مصطفیٰ) صلعم کے بعد کوئی اور نیا پیغمبر آئے گا۔ کیونکہ تواتر توارث کی ذیل میں ساری امت اس علم میں شریک رہی ہے۔ کہ رسول اللہ صلعم کے بعد اور کوئی نبی نہیں آئے گا۔

اسی طرح کوئی شخص اگر اپنے مساوی سے کہہ دے۔ کہ کلمہ بکا تو وہ کوئی چیز نہیں۔ استاد اور باپ سے کہے۔ تو اسے عاق کہتے ہیں۔ پیغمبر کے ساتھ یہ معاملہ کرے تو کفر صریح ہے۔

نبوت کے ختم ہونے کے بارہ میں ہمارے پاس کوئی دو سو حدیثیں ہیں۔ قرآن مجید اور اجماع بالفصل ہے۔ اور ہر نسل اگلی نے پچھلی سے اس کو لیا ہے۔ اور کوئی مسلمان جو اسلام سے تعلق رکھتا ہے۔ وہ اس عقیدہ سے غافل نہیں رہا۔ اس عقیدہ کی تحریف کرنا۔ اور اس سے انحراف کرنا صریح کفر ہے۔ اسلام سے شناخت مسلمانوں کی۔ اور مسلمانوں کے اشخاص شناخت ہیں۔ اسلام کی اگر اجماع کو درمیان میں سے اٹھا دیا جاوے۔ تو دین سے وہ گیا۔

جو دین محمدی کا اقرار نہ کرے۔ اسے کافر کہتے ہیں۔ جسے اندر سے اعتقاد نہ ہو۔ زبان سے کہتا ہو۔ اسے منافق کہتے ہیں۔ جو زبان سے اقرار کرتا ہو۔ لیکن دین کی حقیقت بدلتا ہو اسے زندیق کہتے ہیں اور وہ پہلی دو قسموں سے زیادہ شدید کافر ہے۔

ارتداد کے معنی یہ ہیں۔ کہ دین اسلام سے ایک مسلمان کلمہ کفر کہہ کر اور ضروریات و متواترات دین میں سے کسی چیز کا انکار کر کے خارج ہو جائے گا۔ اور ایمان یہ ہے کہ سرور عالم حضرت محمد مصطفیٰ صلعم جس چیز کو اللہ تعالیٰ کی جانب سے لائے ہیں۔ اور اس کا ثبوت بدیہات اسلام سے ہے۔ اور ہر مسلمان خاص و عام اسے جانتے ہیں۔ اس کی تصدیق کرنا۔

ضروریات دین وہ چیز ہیں۔ کہ جن کو خواص و عوام پہنچانیں۔ کہ یہ دین سے ہیں جن سے اعتقاد توحید کا۔ رسالت کا۔ اور پانچ نمازوں کا اور مثل ان کے اور چیزیں۔

شریعت کے اگر کسی لفظ کو بحال رکھا جا کر اس کی حقیقت کو بدل دیا جاوے۔ اور وہ معاملہ متواترات سے ہو تو وہ کفر صریح ہے۔ کفر ایمان کی اس شرعی حقیقت کے بیان کرنے سے یہ بات

واضح ہو جاتی ہے۔ کہ ایک مسلمان بعض قسم کے افعال یا اقوال کی وجہ سے کافر اور خارج از اسلام ہو جاتا ہے۔

ختم نبوۃ کا عقیدہ بایں معنےٰ کہ آنحضرت صلعم کی نبوۃ کے بعد کسی کو عہدہ نبوۃ نہ دیا جائے گا۔ بغیر کسی تاویل اور تخصیص کے ان اجماعی عقائد میں سے ہے۔ جو اسلام کے اصولی عقائد میں سے سمجھا یا گیا ہے۔ اور آنحضرت صلعم کے عہد سے لے کر آج تک نسلاً بعد نسلٍ ہر مسلمان اس پر ایمان رکھتا ہے۔

اور یہ مسئلہ قرآن مجید کی بہت سے آیات سے اور احادیث متواتر المعنیٰ سے اور قطعی اجماع امت سے روز روشن کی طرح ثابت ہے۔ اور اس کا منکر قطعاً کافر مانا گیا ہے۔ اور کوئی تاویل و تخصیص اس میں قبول نہیں کی گئی۔ اس میں اگر کوئی تاویل یا تخصیص نکالی جاوے۔ تو وہ شخص ضروریات دین میں تاویل کرنے کی وجہ سے منکر ضروریات دین سمجھا جائے گا۔

یہ اصول ہیں جن کے تحت میں اور بھی ایسے بہت سے فروع موجود ہیں۔ جو مستقل موجبات کفر ہو سکتے ہیں۔

فریق ثانی کی طرف سے یہ کہا جاتا ہے۔ کہ ایمان یہ ہے کہ اللہ تعالےٰ پر۔ اس کے فرشتوں پر۔ اس کی کتابوں پر۔ اس کے رسولوں پر اور بعث بعد الموت پر اور تقدیر پر یقین رکھا جاوے۔ اور اسلام گواہی دیتا ہے۔ اس بات کی کہ سوائے اللہ کے کوئی معبود نہیں اور محمد صلعم اس کے رسول ہیں۔ اور نماز کا ادا کرنا۔ اور زکوٰۃ کا دینا۔ اور رمضان کے روزے رکھنا۔ اور بیت اللہ شریف کا حج ادا کرنا اگر استطاعت ہو۔ اور جو شخص زبان سے لَا اِلٰهَ اِلا اللّٰه مُحَمّد رَسُوْلُ اللّٰه کہے اور دل سے اس کے مطالب کی تصدیق کرے۔ تو ایسا شخص یقینی طور پر مومن ہے۔ اگرچہ وہ فرائض اور محرمات سے بے خبر ہو۔ اور اسلام کے معنیٰ یہ ہیں۔ کہ اللہ تعالےٰ نے جو فرائض اور محرمات بیان کیے ہیں۔ کہ بعض اشیاء حلال اور بعض حرام ہیں۔ ان پر بلا کسی اعتراض کے اپنی رضامندی کا اظہار کیا جاوے اور جو شخص ان اعمال صالحہ کا پابند ہو۔ کہ جو قرآن مجید میں ایک

مومن کا طغرائے امتیاز قرار دیئے گئے ہیں۔ تو وہ شخص مومن اور مسلمان ہے۔

یہ باتیں ایسی ہیں۔ کہ جو ارکانِ اسلام سے تعلق رکھتی ہیں۔ اور جن کے جزوِ ایمان ہونے میں فریق مدعیہ کو بھی کوئی کلام نہیں۔ دیکھنا یہ ہے کہ آیا ان باتوں پر فریق ثانی کا عقیدہ ان اصولوں کے تحت جو فریق مدعیہ کی طرف سے بیان کیے گئے ہیں۔ ویسا ہی ہے جیسا کہ دیگر عام مسلمانوں کا۔ یا کہ اس سے مختلف۔ کیونکہ مدعیہ کی طرف سے یہ کہا جاتا ہے کہ جو شخص عقائد اسلام ظاہر کرے اور قرآن وحدیث کے اتباع کا دعویٰ بھی کرے لیکن ان کی ایسی تاویل اور تحریف کردے۔ کہ جس سے ان کے حقائق بدل جائیں۔ تو وہ مسلمان نہیں سمجھا جاسکتا۔

مدعیہ کی طرف سے دین اسلام کے ثبوت کے متعلق جو بنیادی اصول اور قواعد بیان کیے گئے ہیں۔ ان کا مدعا علیہ کی طرف سے کوئی اطمینان بخش جواب نہیں دیا گیا۔ حالانکہ تواتر اور اجماع کے اصولوں کو خود ان کے پیشوا۔ مرزا غلام احمد صاحب نے بھی تسلیم کیا ہے۔

چنانچہ وہ اپنی کتاب ایام الصلح میں لکھتے ہیں۔ کہ وہ امورِ جو اہلسنت کی اجماعی رائے سے اسلام کہلاتے ہیں۔ ان سب کا ماننا فرض ہے۔ ایک دوسری کتاب انجام اتھم میں لکھتے ہیں کہ جو شخص اس شریعت پر مقدار ایک ذرہ کے زیادتی کرے۔ یا اس میں سے کمی کرے یا کسی عقیدہ اجماعیہ کا انکار کرے۔ اس پر اللہ کی لعنت اور ملائکہ کی لعنت اور تمام آدمیوں کی لعنت۔ یہ میرا اعتقاد ہے۔ اور کتاب ازالۃ الاوہام صفحہ ۲۳۰ پر لکھتے ہیں کہ تواتر کی جو بات ہے وہ غلط نہیں ٹھہرائی جاسکتی۔ اور تواتر اگر غیر قوموں کا بھی ہو۔ تو وہ بھی قبول کیا جائے گا۔ مدعیہ کے گواہان کے بیان کردہ اصول اور قواعد کے مقابلہ میں مدعا علیہ کے گواہان نے جو کچھ بیان کیا ہے۔ وہ یہ ہے کہ علماء اور ائمہ کی اندھی تقلید نہایت مذموم ہے۔ یہ ضروری نہیں کہ پہلے علماء جو کچھ تفسیروں میں لکھ گئے ہیں۔ ہم آنکھ بند کر کے ان پر ایمان لے آویں۔ بلکہ ہمارا فرض ہے کہ ہم ان کے فتاویٰ اور اقوال کو کتاب اللہ اور سنت رسول اللہ صلعم اور عقل سلیم کی کسوٹی پر پرکھیں۔ اور جو قرآن اور سنت سے صحیح ثابت ہو اسے اختیار کریں اور مخالف کو چھوڑیں کہ جو شخص کسی حدیث کو یا قول کو قرآن مجید

کے واقعی طور پر خلاف ثابت کر دے۔ تو اس کا قول معتبر ہوگا۔ اور کہ اگر کوئی شخص کسی فن کا امام ہو یا نہ ہو۔ اگر کوئی بات کسی دلیل کے ساتھ ثابت کر دے۔ تو وہ مان لی جائے گی۔ صحابہ بھی تفسیر میں غلطی کرتے تھے یہ بیان مولوی جلال الدین صاحب شمسی گواہ مدعا علیہ کا ہے۔ اس کا دوسرا گواہ بیان کرتا ہے کہ کوئی شخص جو کلام کرتا ہے اس کلام کے معنےٰ وہی بہتر سمجھتا ہے۔ اور اس کلام کے معنےٰ جو وہ بیان کرے گا یا تاویل کرے گا وہی مقدم ہوگی۔ اور کہ گواہ مذکور کے نزدیک قرآن مجید کے سوا اور کوئی چیز مسلم نہیں۔ سوائے اس کے جو قرآن مجید سے تطابق رکھتی ہو۔ اور جو قرآن شریف کو پڑھتا ہے وہ خود تطابق کر سکتا ہے۔ اور میرے لیے قرآن شریف کی مطابقت دیکھنے کے لیے میرے واجب الاطاعت اماموں کی بیان فرمودہ مطابقت یا میری اپنی مطابقت مسلم ہے اور کہ ہر وہ بات جس کی تائید قرآن شریف سے نہیں ہوتی اور قرآن شریف کی تصدیق یافتہ احادیث نبویہ سے بھی جس کلام کی تصدیق نہیں ہوتی۔ یا اماموں کے ایسے اقوال کہ جن اقوال کی تصدیق قرآن اور حدیث سے نہیں ہوتی۔ اس کے علاوہ اور مصنفین کی کتابیں جن کی تصدیق قرآن اور حدیث سے نہیں ہوتی۔ وہ مجھ پر حجت نہیں ہیں۔ اور کہ قرآن کی تفسیر کے لیے کسی خاص شخص کی تعین نہیں۔ کہ وہ جو معنےٰ کرے گا۔ خواہ وہ کیسے ہی ہوں۔ اس کو مانا جاوے۔ اور اس کے خلاف معنےٰ کو رد کیا جاوے۔ اگر صحابہ سے کوئی صحیح تفسیر ثابت ہو جائے۔ جس کے خلاف قرآن کی کوئی تصریح نہ ہو۔ اور صحیح مرفوع متصل حدیثوں کو بھی تصریح نہ ہو۔ زبان عربی کی بھی کوئی تصریح ان معنوں کے خلاف نہ ہو۔ وہ بہر حال مقدم ہوگی۔ اور اس کے خلاف معنےٰ کرنے والے کو محض اس لیے کہ وہ ان معنوں کے خلاف کر رہا ہے۔ خاطی نہیں کہا جا سکتا۔ جب تک کہ قرآنی تصریح کے خلاف معنےٰ نہ کیے جاویں۔ صحابہ کرام کی طرف سے منسوب شدہ بات کہ انہوں نے کی ہے یا کہی ہے۔ یا تحقیق کی ہے۔ اگر قرآن شریف کے مطابق ہے تو قابلِ قبول ہے۔ اگر صحابہ کرام کی طرف منسوب شدہ بات کو ثابت شدہ اس لحاظ سے کہا جاتا ہے۔ کہ ان تک روایت پہنچتی ہے تو اس کی کوئی حقیقت نہیں۔ اگر کسی غیر صحابی کی تحقیق بشرطیکہ قرآن شریف کی صحیح نصوص

کے مطابق ہو۔ عربی زبان کی سند ساتھ رکھتی ہو۔ دیگر احادیث میں بھی تائید رکھتی ہو۔ تو صحابی کی تحقیق سے مقدم ہے۔ ان شرائط کے بغیر اگر کوئی غیر صحابی کوئی تحقیق پیش کرتا ہے۔ اگر وہ پیش کرنے والا خدا کی طرف سے ملہم اور مامور نہیں ہے۔ کہ جس کی وحی والہام کی تصدیق قرآن پاک کی تصریحات سے ہو چکی ہو۔ بلکہ عام شخص ہے۔ تو اس کی ذاتی رائے اوپر کی شرائط سے علیحدہ کر کے صحابی کی بیان کردہ تصریح سے سننے والے اور ماننے والے کے اختیار پر ہوگی۔ کہ اسے رجع سمجھے یا نہ سمجھے۔ کسی حدیث کو قرآن کی مطابقت میں صحیح قرار دینے والا خود مختار ہے کہ وہ اپنے استدلال کی رو سے اسے مطابق قرار دے۔ یا تصریح کے لحاظ سے مطابق قرار دے۔

اس سے اندازہ لگایا جا سکتا ہے کہ ہر دو فریق کے بیان کردہ اصولوں میں سے معقولیت کس میں ہے۔ ایک تو اپنے دین کی بنیاد چند منظم اصولوں پر کہ جن کو قدامت کی قوت حاصل ہے۔ قائم کر کے اسے بطور ایک ضابطہ اور قانون کے پیش کرتا ہے۔ دوسرا اسے ایک کھلونا بنا کر ہر کس و ناکس کے ہاتھ میں دے دیتا ہے۔ اور بجائے اس کے کہ دین کو ایک مستقل لائحہ عمل سمجھا جاوے۔ اسے ہر لمحہ و ہر آن تغیر تبدل کا متحمل قرار دیتے ہوئے ایک بازیچہ اطفال بنا دیتا ہے۔ کیونکہ اس کے نزدیک ہر شخص اس بات کا اہل اور مجاز ہو سکتا ہے۔ کہ وہ جب چاہے بلا روک و ٹوک اپنے اجتہاد کی بناء پر ایک نیا رستہ نکال کر اس پر چلنا شروع کر دے۔ اور نہ کسی صحابی۔ نہ کسی امام۔ نہ کسی بزرگ۔ نہ کسی دوسرے ماہر فن کی کوئی پرواہ کرے۔ بلکہ شارع کے جس قول کو وہ درست سمجھے۔ اور اس کا معنے جو وہ قرار دے۔ اس کے مطابق عمل کرے اور اگر اسے کوئی گرفت کرے تو فوراً اپنے قول کی کوئی تاویل گھڑ کر پیش کر دے۔ اور چونکہ وہ تاویل مقدم سمجھی جائے گی۔ اس لیے کوئی بھی اس کا کچھ نہ بگاڑ سکے گا۔ اور بیچارہ گرفت کرنے والا منہ کی کھا کر چپ ہو جائے گا۔ اس اصول کے تحت نہ صرف کسی دین کی بلکہ کسی قانون کی کوئی حقیقت نہیں رہتی کیونکہ اس قسم کی وسعت ہر اس ضابطہ میں کہ جس کا اجراء بطور قانون مقصود ہو متصور ہو سکتی ہے۔ اور اس صورت میں اس پر کبھی بھی عملدر آمد نہیں ہو سکتا اور وہ محض لفظ ہی لفظ رہ جاتا ہے۔

اگر ان اصولوں کو جو فریق ثانی کی طرف سے بیان کیے گئے ہیں۔ بروئے کار لایا جاوے۔ تو دین نہ صرف دین کہلائے جانے کا ہی مستحق نہیں رہتا۔ بلکہ ایک مضحکہ انگیز چیز بن جاتا ہے۔ اور بجائے اس کے کہ اس میں کوئی یکسانیت پیدا کی جا سکے ہر شخص انفرادی حیثیت سے اپنی منشاء کے مطابق اپنے لیے ایک علیحدہ دین بنا سکے گا۔

مذکورہ بالا تصریحات سے یہ بھی واضح ہو جاتا ہے۔ کہ مرزا صاحب کے دعویٰ سے قبل دین اسلام جن باتوں پر قائم تھا۔ اب کوئی ان کی اصلیت اور بنا نہیں رہی۔ اور اب بناء صرف مرزا صاحب اور ان کے خلفاء کے اقوال وعقائد پر ہی ہے کیونکہ فریق ثانی کے نزدیک اب ان اصحاب کے سوا نہ کسی پہلے صحابی کی۔ نہ امام کی۔ نہ بزرگ کی کوئی بات مقدم اور صحیح ہے۔ بلکہ جو کچھ مرزا صاحب اور ان کے خلفاء نے کہا ہے۔ اور لکھا ہے۔ وہی درست ہے۔ اور ان کی کتابوں کے سوا اور کوئی کتاب حجت نہیں ہے۔ اس سے صاف طور پر یہ نتیجہ اخذ ہوتا ہے۔ کہ مرزا صاحب کا دین اس دین اسلام سے مختلف ہے۔ جو مرزا صاحب کے دعویٰ سے قبل مسلمان سمجھتے آئے ہیں۔ اس لیے مدعیہ کی طرف سے بجا طور پر کہا گیا ہے کہ مذہب کے لحاظ سے ہر دو فریق میں قانون کا اختلاف ہے۔ اور مدعیہ کی طرف سے بھی یہ تسلیم کیا گیا ہے کہ ان کے درمیان اصولی اختلاف بھی ہے۔ اور فروعی بھی۔ اور سید انور شاہ صاحب گواہ مدعیہ بیان کرتے ہیں۔ کہ احمدی مذہب والے نے مہمات دین کے بہت سے اصولوں کو تبدیل کر دیا ہے۔ اور بہت سے اسماء کا مسمّٰی بدل دیا ہے۔ آگے ظاہر ہو جائے گا۔ کہ اس میں کہاں تک صداقت ہے۔

اب وہ عقائد بیان کئے جاتے ہیں کہ جن کی بناء پر فریق ثانی کی نسبت یہ کہا جاتا ہے کہ وہ مرتد اور کافر ہے۔ اس ضمن میں اہم وجہ یہ بیان کی جاتی ہے کہ وہ مرزا غلام احمد صاحب کو نبی مانتا ہے۔ اس لیے یہ دکھانا پڑے گا۔ کہ مرزا صاحب کے اعتقادات کیسے ہیں۔ اور کیا وہ نبی ہو سکتے ہیں یا نہ۔ اور ان کو نبی ماننے سے کیا قباحت لازم آتی ہے۔ اور کیا ان کے اقوال ایسے ہیں کہ ان کی بناء پر انہیں مسلمان قرار نہیں دیا جا سکتا۔ اس لیے ان کے اتباع سے مدعا علیہ کو بھی مسلمان

نہیں سمجھا جا سکتا۔

سید انور شاہ صاحب گواہ مدعیہ نے ان اصولوں کے تحت جو ان کے بیان کے حوالہ سے اوپر بیان کیے جا چکے ہیں۔ چھ وجوہات ایسی بیان کی ہیں۔ کہ جن کی بناء پر ان کے نزدیک مرزا صاحب باجماع امت کافر اور مرتد قرار دیئے جا سکتے ہیں۔ اور جن کی وجہ سے ان کی رائے میں ہندوستان کے تمام اسلامی فرقے باوجود سخت اختلاف خیال اور اختلاف مشرب کے ان کے کفر و ارتداد اور ان کے متبعین کے کفر اور ارتداد پر متفق ہیں۔ یہ وجوہات حسب ذیل ہیں:

۱۔ ختم نبوۃ کا انکار اور اس کے اجماعی معنےٰ کی تحریف اور جس مذہب میں سلسلہ نبوت منقطع ہو۔ اس کو لعنتی اور شیطانی مذہب قرار دینا۔

۲۔ دعویٰ نبوۃ مطلقہ و تشریعہ۔

۳۔ دعویٰ وحی اور اپنی وحی و قرآن کے برابر قرار دینا۔

۴۔ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی توہین۔

۵۔ آنحضرت صلعم کی توہین۔

۶۔ ساری امت کو بجز اپنے متبعین کے کافر کہنا۔

تقریباً یہی وجوہات دیگر گواہان مدعیہ نے بھی بیان کی ہیں۔ اب ذیل میں حسب بیانات گواہان مذکور ان جوہات کی تشریح درج کی جاتی ہے۔

امور نمبر ۱ تا ۳ ایک ہی نوعیت کے ہیں۔ لہٰذا ان پر جو بحث کی گئی ہے وہ یکجا درج کی جاتی ہے۔ اس ضمن میں مرزا صاحب کے حسب ذیل اقوال پر جو ان کی مطبوعہ کتب میں موجود ہیں۔ اعتراض کیا گیا ہے۔

۱۔ اوائل میں میرا بھی یہی عقیدہ تھا۔ کہ مجھ کو مسیح ابن مریم سے کیا نسبت۔ وہ نبی ہے۔ اور خدا کے بزرگ مقربین میں سے ہے۔ اور اگر کوئی امر میری فضیلت کی نسبت ظاہر ہوتا۔ تو اس کی جزوی فضیلت قرار دیتا تھا۔ مگر بعد میں جو خدا تعالیٰ کی وحی

بارش کی طرح میرے پر نازل ہوئی۔ اس نے مجھے اس عقیدہ پر قائم نہ رہنے دیا۔ اور صریح طور پر نبی کا خطاب مجھے دیا گیا حقیقت الوحی صفحہ نمبر ۱۴۹/۱۵۰۔

۲۔ الہامات میں میری نسبت بار بار بیان کیا گیا کہ یہ خدا کا فرستادہ۔ خدا کا مامور۔ خدا کا امین اور خدا کی طرف سے آیا ہے۔ جو کچھ کہتا ہے۔ اس پر ایمان لاؤ اور اس کا دشمن جہنمی ہے۔ (انجام اتھم صفحہ ۶۲)۔

۳۔ مجھے اپنے وحی پر ویسا ہی ایمان ہے۔ جیسا کہ توراۃ۔ انجیل اور قرآن پاک پر۔ اور کیا انہیں مجھ سے یہ توقع ہو سکتی ہے۔ کہ میں ان کی ظنیات بلکہ موضوعات کے ذخیرہ کو سنکر اپنے یقین کو چھوڑ دوں گا۔

۴۔ میں اس پاک وحی پر ایسا ہی ایمان لاتا ہوں۔ جیسا کہ ان تمام خدا کی وحیوں پر ایمان لاتا ہوں۔ جو مجھ سے پہلے ہو چکی ہیں۔ (حقیقت الوحی صفحہ ۱۵۱)۔

۵۔ ہاں یہ نبوۃ تشریعی نہیں جو کتاب اللہ کو منسوخ کرے اور نئی کتاب لائے ایسے دعویٰ کو تو ہم کفر سمجھتے ہیں۔ ضمیمہ حقیقت النبوۃ صفحہ ۲،۲۔

۶۔ اگر کہو کہ صاحب شریعت افتراء کر کے ہلاک ہوتا ہے۔ نہ کہ ہر مفتری۔ تو اول تو یہ دعویٰ بلا دلیل ہے۔ خدا نے افتراء کے ساتھ شریعت کی قید نہیں لگائی۔ ماسواء اس کے یہ بھی تو سمجھو کہ شریعت کیا چیز ہے جس نے اپنی وحی کے ذریعہ سے چند امر و نہی بیان کیے۔ اور اپنی امت کے لیے ایک قانون مقرر کیا وہی صاحب شریعت ہو گیا۔ پس اس تعریف کی رُو سے بھی ہمارے مخالف ملزم ہیں۔ کیونکہ میری وحی میں امر بھی ہے۔ اور نہی بھی۔

اور ایسا ہی اب تک میری وحی میں امر بھی ہوتے ہیں اور نہی بھی۔ اور اگر کہو۔ کہ شریعت سے وہ شریعت مراد ہے۔ جس میں نئے احکام ہوں۔ تو یہ باطل ہے۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے۔ اِنَّ هٰذَا لَفِی الصُّحُفِ الاولیٰ صُحُفِ

اِبرَاہِیمَ وَ مُوسیٰ ۔ یعنی قرآنی تعلیم توراۃ میں بھی موجود ہے۔ اور اگر یہ کہو کہ شریعت وہ ہے۔ جس میں باستیفاء امر ونہی کا ذکر ہو۔ تو یہ بھی باطل ہے۔ کیونکہ اگر توارات اور قرآن شریف میں باستیفاء احکام شریعت کا ذکر ہوتا تو پھر اجتہاد کی گنجائش نہ رہتی۔ غرض یہ سب خیالات فضول اور کوتاہ اندیشیاں ہیں۔ (اربعین نمبر ۴ صفحہ ۶)۔

اس کتاب کے حاشیہ صفحہ ۷ پر لکھتے ہیں۔ کیونکہ مری تعلیم میں امر بھی ہے۔ اور نہی بھی۔ اور شریعت کے ضروری احکام کی تجدید ہے اس لیے خدا تعالیٰ نے میری تعلیم کو اور اس وحی کو جو میرے پر ہوتی ہے۔ فلک یعنی کشتی کے نام سے موسوم کیا ہے۔ جیسا کہ ایک امام کی یہ عبادت ہے۔

(اس کا ترجمہ یہ ہے۔ کہ اس کشتی کو ہماری آنکھوں کے سامنے اور ہماری وحی سے بنا جو لوگ تجھ سے بیعت کرتے ہیں وہ خدا سے بیعت کرتے ہیں۔ یہ خدا کا ہاتھ ہے۔ جو ان کے ہاتھوں پر ہے۔)۔

اب دیکھو خدا نے میری وحی۔ میری تعلیم اور میری بیعت کو نُوح کی کشتی قرار دیا ہے۔ اور تمام انسانوں کیلئے اس کو مدارِ نجات ٹھہرایا ہے۔ جس کی آنکھیں ہوں دیکھے۔ جس کے کان ہوں سُنے۔

۸۔ نبی کے حقیقی معنوں پر غور نہیں کی گئی۔ نبی کے معنٰے صرف یہ ہیں کہ خدا سے بذریعہ وحی خبر پانے والا ہو۔ اور شرف مکالمہ ومخاطبہ الٰہیہ سے مشرف ہو۔ شریعت کا لانا اس کے لیے ضروری نہیں۔ اور نہ یہ ضروری ہے کہ صاحب شریعت رسول کا متبع ہو۔ بلکہ فساد اس حالت میں لازم آتا ہے کہ اس امت کو آنخضرت کے بعد قیامت تک مکالمات الٰہیہ سے بے نصیب قرار دیا جاوے۔ وہ دین، دین نہیں۔ نہ وہ نبی۔ نبی ہے۔ جس کی متابعت سے انسان خدا تعالیٰ سے اس قدر نزدیک نہیں ہو

سکتا۔ کہ مکالمات الٰہیہ سے مشرف ہو سکے۔ وہ دین لعنتی اور قابلِ نفرت ہے۔ جو یہ سکھلاتا ہے۔ کہ صرف چند منقولی باتوں پر انسانی ترقیات کا انحصار ہے۔ اور وحی الٰہی آگے نہیں بلکہ پیچھے رہ گئی۔ اگر کوئی آواز بھی غیب سے کسی کے کان تک پہنچتی ہے تو وہ ایسی مشتبہ آواز ہے کہ نہیں کہہ سکتے کہ وہ خدائی آواز ہے۔ یا شیطان کی۔ سو ایسا دین بہ نسبت اس کے کہ اس کو رحمانی کہیں شیطانی کہلانے کا زیادہ مستحق ہے۔ (ضمیمہ براہین احمدیہ صفحہ ۱۳۹)۔

۹۔ سچا خدا وہی خدا ہے۔ جس نے قادیان میں اپنا رسول بھیجا (دافع البلاء صفحہ ۱۱)۔

۱۰۔ اور مجھے بتلایا گیا تھا۔ کہ تیری خبر قرآن وحدیث میں موجود ہے۔ اور تو ہی اس آیت کا مصداق ہے۔ هُوَالَّذِیٓ اَرْسَلَ رَسُوْله بِالْهُدٰی
..........................الخ اعجاز احمدی صفحہ نمبر ۷۱

۱۱۔ میں صرف پنجاب کے لیے ہی مبعوث نہیں ہوا ہوں بلکہ جہاں تک دنیا کی آبادی ہے ان سب کی اصلاح کے واسطے مامور ہوں (حاشیہ حقیقت الوحی صفحہ ۱۹۲)۔

۱۲۔ یہ نکتہ یاد رکھنے کے قابل ہے کہ اپنے دعویٰ کے انکار کرنے والے کو کافر کہنا یہ صرف ان نبیوں کی شان ہے جو خدا تعالیٰ کی طرف سے شریعت اور احکام جدیدہ لاتے ہیں۔ لیکن صاحب شریعت کے سوا جس قدر ملہم۔ محدث ہیں۔ گو وہ کیسے ہی جناب الٰہی میں شان اعلیٰ رکھتے ہوں۔ اور خلعت مکالمہ الٰہیہ سے سرفراز ہوں ان کے انکار سے کوئی کافر نہیں بن جاتا۔ حاشیہ (تریاق القلوب صفحہ ۳۲۵، ۳۲۶)۔

۱۳۔ حقیقت الوحی صفحہ ۱۰۳ پر عبارت ذیل جاءنی آئیل...... واشار کے تحت ایک نوٹ ہے۔ جس میں لکھا ہے کہ اس جگہ آئیل خدا تعالےٰ نے جبرئیل کا نام رکھا ہے۔ اس لیے بار بار رجوع کرتا ہے۔

۱۴۔ غرض اس حصہ کثیر وحی الٰہی اور امور غیبیہ میں اس اُمت میں سے میں ہی ایک فرد

مخصوص ہوں۔ اور جس قدر مجھ سے پہلے اولیاء ابدال اور اقطاب اس اُمت میں سے گذر چکے ہیں۔ ان کو یہ حصہ کثیر اس نعمت کا نہیں دیا گیا۔ پس اس وجہ سے نبی کا نام پانے کے لیے میں ہی مخصوص کیا گیا۔ اور دوسرے تمام لوگ اس نام کے مستحق نہیں ہیں۔ کیونکہ کثرت وحی اور کثرت امورِ غیبیہ اس میں شرط ہے۔ اور وہ شرط ان میں پائی نہیں جاتی۔

۱۵۔ حسب تصریح قرآن کریم رسول اس کو کہتے ہیں کہ جس نے احکام وعقائد دین جبرئیل کے ذریعہ سے حاصل کیے ہوں۔ (ازالتہ الاوہام صفحہ ۲۲۱)۔

۱۶۔ حقیقت الوحی میں ایک وحی باالفاظ ذیل درج ہے۔ مُحَمَّدٌ رَسُولُ اللّٰہِ الخ اس کے متعلق لکھتے ہیں۔ کہ اس وحی میں میرا نام محمد رکھا گیا۔ اور رسول بھی۔

۱۷۔ حقیقت الوحی صفحہ ۲۸ پر لکھتے ہیں۔ مگر ظلی نبوۃ جس کے معنٰے ہیں کہ محض فیض محمدی سے وحی پانا۔ وہ قیامت تک باقی رہے گی۔

۱۸۔ کتاب حق الیقین صفحہ ۱۰۲ پر مرزا صاحب کا یہ قول نقل کیا گیا ہے کہ علماء کو نبوۃ کا فہوم سمجھنے میں غلطی ہوئی ہے۔ قرآن کریم میں جو خاتم النبین کا لفظ آیا ہے جس پر الف۔ لام پڑے ہیں۔ اس سے بھی صاف معلوم ہوتا ہے کہ شریعت لانے والی نبوۃ اب بند ہو چکی ہے۔ پس اگر کوئی نئی شریعت کا مدعی ہوگا۔ وہ کافر ہے۔

ان حوالہ جات سے جو نتائج اخذ کیے گئے ہیں۔ وہ باالفاظ مولوی مرتضٰی حسن صاحب گواہ مدعیہ ذیل میں درج کیے جاتے ہیں۔ وہ بیان کرتے ہیں۔ کہ جناب مرزا صاحب اور مرزا محمود صاحب اور ان کے تمام متبعین کا یہ عقیدہ ہے کہ رسول اللہ صلعم کے بعد نبوۃ تشریعی کا دروازہ بند ہے۔ آپ کے بعد جو نبوت تشریعی کا دعویٰ کرے۔ وہ کافر اور اسلام سے خارج ہے۔ قول نمبر ۶ میں مرزا صاحب نے اپنی تشریعی نبوت کا کھلے الفاظ میں دعویٰ کیا ہے۔ اور اس میں چند باتوں کی تشریح مرزا صاحب نے خود فرمائی۔ ایک یہ کہ شریعت کیا چیز ہے جس کی وحی میں امر یا نہی ہو۔

جس نے اپنی امت کے لیے کوئی قانون مقرر کیا ہو۔ وہی صاحب شریعت ہو گیا۔ یہ تعریف کر کے مرزا صاحب اپنا صاحب شریعت ہونا ثابت کرتے ہیں۔ اس لیے مرزا صاحب اپنے اقرار سے خود کافر ہو گئے۔ مرزا صاحب نے یہ بھی صاف فرما دیا ہے کہ وحی میں جو حکم یا نہی ہو۔ یہ ضروری نہیں کہ وہ حکم نیا ہو۔ بلکہ اگر پہلی شریعت کا بھی حکم اس کے پاس بذریعہ وحی کے آئے تو بھی یہ صاحب شریعت ہونے کے لیے کافی ہے۔ مرزا صاحب نے اپنی بہت سی وحی وہ بیان کی ہے جو کہ آیات قرآنی ہیں۔ اس لیے وہ بھی مرزا صاحب کی شریعت ہو گئی۔ مرزا صاحب نے اس شبہ کا بھی جواب دے دیا کہ صاحب شریعت کے لیے یہ ضروری نہیں کہ اس کی شریعت میں نئے احکام ہوں کیوں کہ اللہ تعالیٰ نے قرآن مجید میں فرمایا ہے۔ کہ یہ قرآن پہلی کتابوں میں بھی ہے ابراہیم اور موسیٰ علیہ السلام کے صحیفوں میں بھی۔ اب اگر شریعت جدید کے لئے یہ ضروری ہو کہ اس نبی کی شریعت اور وحی اور کتاب میں سب نئے احکام ہوں۔ تو لازم آتا ہے۔ کہ رسول اللہ صلعم بھی صاحب شریعت نہ ہوں۔ کیونکہ قرآن میں سارے احکام نئے نہیں۔ اس کلام کا صاف مطلب یہ ہے کہ جس طرح پہلے انبیاء رسول اللہ صلعم صاحب شریعت نبی ہیں۔ ویسے ہی مرزا صاحب بھی صاحب شریعت نبی ہیں۔

مرزا صاحب نے یہ بھی صاف کر دیا۔ کہ اگر کوئی یہ کہے کہ شریعت کے لیے یہ ضروری ہے۔ کہ تمام اوامر ونواہی اس شریعت اور کتاب اور وحی میں پورے پورے بیان ہونے چاہیں تو یہ بھی باطل ہے۔ کیونکہ تمام احکام تورات اور قرآن مجید میں بھی مذکور نہیں۔ اگر تمام احکام قرآن مجید میں مذکور ہوتے۔ تو پھر اجتہاد کی گنجائش باقی نہ رہتی۔ اس سے معلوم ہو گیا۔ کہ اگر کوئی مدعی نبوت ایک امر ونہی کا بھی دعویٰ کرے اگرچہ وہ امر ونہی پرانی ہو۔ تو وہ نبی صاحب شریعت کہلایا جائے گا۔ اور اس میں اور رسول اللہ صلعم میں بایں معنیٰ کچھ فرق نہیں۔ کہ یہ دونوں صاحب شریعت ہیں۔

یہ بات بھی ثابت ہو گئی۔ کہ اگر کسی نبی کو خدا کا بھی حکم آوے۔ کہ تجھ کو ہم نے نبی کر کے

بھیجا ہے۔ اور تو لوگوں پر اس حکم کی تبلیغ کر اور جو کوئی اس حکم کو نہ مانے گا۔ وہ کافر ہے۔ تو وہ نبی بھی صاحب شریعت اور نبی تشریعی ہو گیا۔ اس سے یہ بھی ثابت ہو گیا۔ کہ جو نبی حقیقی ہے۔ اور جو نبی شرعی ہے۔ اس کے لیے نبی تشریعی ہونا ضروری ہے۔ اس لیے مرزا صاحب اپنی تحریر اور اس اقرار کے مطابق کافر ہوئے اس کے علاوہ مرزا صاحب نے یہ بھی فرمایا کہ میری کشتی کو کشتی نوح قرار دیا گیا ہے۔ جو اس میں ہوگا۔ وہ نجات پائے گا۔ اور جو ایسا نہ ہوگا وہ ہلاک ہوگا۔ یہ مرزا صاحب کی شریعت کا نیا حکم ہے۔ جس نے شریعت محمدیہ کو منسوخ کیا۔ مرزا صاحب نے ایک نیا حکم یہ بھی دیا ہے۔ کہ ان کی عورتوں کا نکاح غیر احمدیوں سے جائز نہیں۔ یہ بھی حکم شریعت محمدیہ کے خلاف ہے۔

(یہ نتیجہ بحوالہ کتاب انوار الخلافۃ مرتبہ مرزا محمود صاحب صفحہ ۹۳۔۹۴ اخذ کیا گیا ہے) مرزا صاحب کی شریعت میں ایک نیا حکم اور یہ بھی ہے۔ جو تمام اسلام کے خلاف ہے۔ کہ مرزا صاحب نے اپنے مریدوں سے چندہ کی تحریک فرما کر یہ حکم فرمایا ہے کہ جو کوئی چندہ تین ماہ تک ادا نہ کرے گا۔ وہ میری بیعت سے خارج ہے۔ اور بیعت سے خارج ہونے کا مطلب یہ ہے۔ کہ وہ اسلام سے خارج ہے۔ اور کافر ہے حالانکہ زکوٰۃ کے لیے بھی خدا نے یہ حکم نہیں دیا۔ کہ اگر تین ماہ تک کوئی زکوٰۃ نہ دے۔ تو وہ اسلام سے خارج ہو جائے گا۔ یہ حوالہ مرزا صاحب کے ایک فرمان سے جو لوح ہدیٰ میں قادیان سے دسمبر، ۱۹۲۰ء میں شائع ہوئی دیا گیا ہے اس فرمان کے چیدہ چیدہ الفاظ حسب ذیل ہیں۔

مجھے خدا نے بتلایا ہے کہ میری انہی سے پیوند ہے۔ یعنی وہی خدا کے دفتر میں مرید ہیں جو اعانت اور نصرت میں مشغول ہیں...... ہر ایک شخص جو مرید ہے۔ اس کو چاہیئے کہ وہ اپنے نفس پر کچھ ماہوار مقرر کر دے...... جو شخص کچھ بھی مقرر نہیں کرتا...... وہ منافق ہے۔ اب اس کے بعد وہ اس سلسلہ میں نہیں رہ سکے گا...... اگر تین ماہ تک کسی کا جواب نہ آیا۔ تو سلسلہ بیعت سے اس کا نام کاٹ دیا جائے گا۔

اس کے آگے گواہ مذکورہ آیت مَاکَانَ مُحَمَّدٌ اَبَا اَحَدٍ مِنْ رِجالِکُم ولکن رسول اللّٰہ وَ خاتم النِبیّٖنَ کے حوالہ سے بیان کرتا ہے۔ کہ آیت اس امر کی تصریح کرتی ہے کہ رسول اللہ صلعم کے بعد کوئی نبی نہیں۔ اور جب کوئی نبی آپ کے بعد نہیں۔ تو کوئی رسول بھی آپ کے بعد بطریق اولیٰ نہیں۔ کیونکہ رسول نبی ہوتا ہے۔ لیکن یہ ضروری نہیں کہ جو نبی ہو وہ رسول بھی ہو۔ اور اس کی تائید میں احادیث متواترہ ہیں۔ جن کو صحابہ کی ایک جماعت نے روایت کیا ہے۔ ایسی احادیث کا انکار کرنے والا ویسا ہی کافر ہوتا ہے۔ جیسا کہ قرآن کا انکار کرنے والا۔ اس سے ثابت ہوتا ہے کہ جو ختم نبوت کا انکار کرتا ہے۔ وہ قرآن کا منکر ہو کر بھی کافر ہوا۔ اس کی تائید میں انہوں نے چند ائمہ دین کے اقوال نقل کیے ہیں۔ اور ان سے یہ دکھلانا چاہا ہے۔ کہ احادیث متواترہ میں یہ خبر درج ہے۔ کہ رسول اللہ صلعم کے بعد کوئی نبی پیدا ہونے والا نہیں ہے۔ اور کہ ہر وہ شخص جو آپ کے بعد اس مقام نبوۃ کا دعویٰ کرے وہ جھوٹا اور افتراء پرداز ہے۔ دجال اور گمراہ کرنے والا ہے۔ اگرچہ شعبدہ بازی کرے۔ قسم قسم کے جادو اور طلسم اور نیرنگیاں دکھلائے اور کہ جو شخص دعویٰ نبوت کرے وہ کافر ہے۔ اور پھر ان حوالہ جات سے یہ نتیجہ نکالا ہے کہ یہ عقیدہ کہ رسول اللہ صلعم خاتم النبین ہیں۔ یقینی ہے۔ اور اجماعی ہے کسی کا اس میں اختلاف نہیں ہے۔ کتاب اور سنت سے ثابت ہے۔ اور آپ کے بعد کوئی کسی قسم کی نبوۃ میں نبی نہ بنے گا۔ عیسیٰ علیہ السلام کا آنا اس کا منافی نہیں۔ کیونکہ وہ پہلے نبی بن چکے ہیں خاتم الانبیاء کے معنی بھی یہی ہیں۔ کہ اپنے عموم سے کسی نبی کو نبوت آپ کے بعد نہیں مل سکتی۔ اس کی تائید میں چند دیگر آیات قرآنی اور احادیث بھی پیش کی گئی ہیں جن کی یہاں تفصیل کی ضرورت نہیں اور ان کا حوالہ دیا جا کر یہ نتیجہ اخذ کیا گیا ہے۔ کہ انکار ختم نبوت۔ کفر ادعا نبوت بھی کفر اور ادعا وحی بھی کفر ہے۔ البتہ ایک حدیث کا یہاں حوالہ دینا ضروری معلوم ہوتا ہے۔ جس پر آگے مدعا علیہ کے جواب کے وقت بحث کی جاوے گی۔ وہ حدیث بایں مطلب ہے کہ رسول اللہ صلعم نے ارشاد فرمایا ہے کہ میری مثال اور ان انبیاء کی مثال جو مجھ سے پہلے تھے۔ اس شخص کی سی ہے۔ کہ جس نے ایک مکان تعمیر

کیا۔ اور بہت اچھا اور بہت خوبصورت اس کو بنایا۔ مگر اس کے کونے میں ایک اینٹ کی جگہ باقی رہی۔ لوگ اس مکان کو دیکھتے ہیں۔ اور تعجب کرتے ہیں اور کہتے ہیں کہ یہ اینٹ کی جگہ خالی ہے۔ اس کو کیوں پُر نہ کر دیا گیا۔ سو میں ہوں وہ اینٹ اور میں ہوں خاتم النبیین۔ اس حدیث سے یہ نتیجہ اخذ کیا گیا ہے۔ کہ تعمیر بیت نبوت جو ابتدائے افرینش سے ہوئی تھی۔ وہ بدوں سرور عالم صلعم کے ناقص تھی۔ سرور عالم کے وجود باوجود سے وہ مکمل ہو گئی۔ اور بیت النبوۃ میں کوئی جگہ باقی نہیں رہی۔ اب اگر کوئی اینٹ ہو گی تو وہ بیت النبوۃ سے نہیں ہو سکتی۔ اگر کوئی شخص مدعی نبوت ہو گا۔ تو خدا نے جو نبوت کا گھر تعمیر کیا ہے۔ وہ اس کا جزو نہیں ہو سکتی۔

مرزا صاحب کے قول نمبر ۱۵ سے یہ اسدلال کیا گیا ہے کہ قرآن کریم سے صراحتاً یہ بات معلوم ہوئی۔ کہ رسول اس کو کہتے ہیں۔ جس نے احکام وقواعد دین جبرئیل علیہ السلام کے ذریعہ سے حاصل کیے ہوں۔ اگر مرزا صاحب نے احکام وعقائد اس ذریعہ سے حاصل نہیں کیے۔ تو دعویٰ نبوت جھوٹ ہوا۔ اور جھوٹا مدعی نبوت باتفاق کافر ہوتا ہے۔

مرزا صاحب کے قول نمبر ۱۳ سے مولوی نجم الدین صاحب گواہ مدعیہ نے یہ نتیجہ اخذ کیا ہے کہ مرزا صاحب اپنے پر جبریل علیہ السلام کے نزول کے۔ مدعی ہیں۔ اور صرف دعویٰ پر ہی اکتفا نہیں کیا۔ بلکہ اپنی شانِ نبوت ورسالت کا سکہ جمانے کے لیے تمام خصوصیات نبوۃ ولوازماتِ رسالت کو نہایت جزم اور وثوق کے ساتھ اپنی ذات کے لیے ثابت کرنے میں کسر نہیں چھوڑی۔ جن خصوصیات کی وجہ سے انبیاء علیہم الصلوٰۃ والسلام کی جماعت دوسرے مقربان بارگاہ الٰہی سے ممتاز ہو سکتی ہے۔ انبیاء علیہم السلام پر بھی نزول جبرئیل ہوا کرتا ہے۔ اور ان کے وحی والہام قطعی ویقینی ہوا کرتے ہیں۔ اس طرح مرزا صاحب بھی اپنے وحی کو خدا کا کلام کہتے ہیں۔ اور قرآن شریف کی طرح قطعی کہتے ہیں۔ یہ خصوصیات مذکورہ ایسی ہیں۔ جو سوائے انبیاء علیم الصلوٰۃ والسلام اصحاب شریعت کے اور کسی دوسرے مقرب بارگاہ الٰہی میں جمع نہیں ہو سکتیں۔ اس سے ثابت ہوا کہ مرزا صاحب حقیقی نبوت کے مدعی تھے۔ اور اپنے آپ کو اس معنٰے میں نبی اور رسول

ظاہر کرتے تھے۔ جس معنےٰ میں دوسرے انبیاء علیہم السلام کو نبی یا رسول کہا گیا ہے۔

گواہان مدعیہ نے خود مرزا صاحب کی اپنی تحریرات سے بھی یہ دکھلایا ہے۔ کہ وہ خود قبل از دعویٰ نبوت یہی عقیدہ رکھتے تھے۔ کہ رسول اللہ صلعم کے بعد کوئی نبی نہیں آ سکتا۔ اور کہ آپ آخری نبی ہونے کے معنوں میں خاتم النبیین ہیں چنانچہ ازالۃ الاوہام کے صفحہ ۵۲۲ پر مرزا صاحب لکھتے ہیں۔ کہ نبی کیونکہ آ سکتا ہے۔ اور خاتم النبیین کی دیوار ودنیں اس کو آنے سے روکتی ہے آگے اس کتاب کے صفحہ ۵۳۴ پر لکھتے ہیں۔ لیکن وحی نبوۃ پر تو تیرہ سو برس سے مہر لگ چکی۔ کیا یہ مہر اس وقت ٹوٹ جائے گی اور کتاب حمامۃ البشریٰ میں آیت کا "کَانَ مُحَمَّدٌ" .... خَاتَمَ النَّبِیِّنَ کی تشریح میں لکھتے ہیں۔ ہمارے نبی صلعم خاتم النبیین ہیں۔ بغیر کسی استثناء کے اور ہمارے نبی صلعم نے بھی ارشاد فرمایا ہے۔ کہ ہمارے بعد کوئی نبی نہیں آئے گا۔ اور ہمارے نبی صلعم کے بعد اگر ہم کسی نبی کے ظہور کے مجوز بنیں گے۔ تو نبوت کا دروازہ بند ہونے کے بعد اس کو کھولنے کے قائل ہو جائیں گے۔ اور یہ اللہ کے وعدہ کے خلاف ہے۔ ہمارے نبی صلعم کے بعد کس طرح کوئی نبی آ سکتا۔ حالانکہ آپ کے بعد وحی کا انقطاع ہو چکا ہے۔ اور نبی آپ کے ساتھ ختم ہو چکے ہیں۔ پھر اس کتاب کے صفحہ ۲۷ پر لکھتے ہیں۔ کہ ہزارہا سال کے گزرنے کے بعد کسی ایسی حالت کا انتظار کیا جا سکتا ہے۔ جس میں دین کی تکمیل ہو۔ اگر یہ مانا جائے تو دین کی تکمیل اور اس کے کمال سے فراغت کا سلسلہ بالکل غلط ہو جاتا ہے۔ اور اللہ تعالیٰ کا یہ قول کہ الیوم اکملت لکم دینکم جھوٹی خبر ہو گئی۔ اور خلاف واقع ہو گئی۔ اسی کتاب کے صفحہ ۹۶ کے ایک حوالہ سے یہ دکھلایا گیا ہے۔ کہ مرزا صاحب بھی پہلے دعویٰ نبوۃ کو کفر سمجھتے تھے۔ چنانچہ لکھتے ہیں کہ مجھ سے یہ نہیں ہو سکتا کہ میں نبوت کا دعویٰ کروں۔ اور اسلام سے نکل جاؤں اور قوم کافرین کے ساتھ ملجاؤں۔ ازالۃ الاوہام صفحہ ۲۴۱ پر لکھتے ہیں۔ کہ یہ ظاہر ہے کہ یہ بات مستلزم محال ہے۔ کہ خاتم النبیین کے بعد پھر جبرئیل کی وحی رسالت کے ساتھ زمین پر آمد و رفت شروع ہو جائے۔ ایک نئی کتاب اللہ گو مضمون قرآن شریف سے توارد رکھتی ہو پیدا ہو جائے۔ جو امر مستلزم

محال ہے۔ وہ محال ہو جاتا ہے۔ لیکن اس کے بعد پھر یہ تحریر فرمایا۔ کہ میں بھی تمہارے طرح بشریت کے محدود علم کی وجہ سے یہی اعتقاد رکھتا تھا۔ کہ عیسیٰ ابن مریم آسمان سے نازل ہوگا۔ اور باوجود اس بات کے کہ خدا تعالیٰ نے براہین احمدیہ حصص سابقہ میں میرا نام عیسیٰ رکھا۔ اور جو قرآن شریف کی آیتیں پیش گوئی کے طور پر حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی طرف منسوب تھیں وہ سب آیتیں میری طرف منسوب کر دیں اور یہ فرمایا کہ تمہارے آنے کی خبر قرآن اور حدیث میں موجود ہے۔ مگر پھر بھی میں متنبہ نہ ہوا۔ اور براہین احمدیہ حصص سابقہ میں وہی غلط عقیدہ اپنی رائے کے طور پر لکھ دیا۔ اور شائع کر دیا۔ کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام آسمان سے نازل ہوں گے۔ اور میری آنکھیں اس وقت تک بالکل بند رہیں جب تک کہ خدا نے بار بار کھول کر مجھ کو نہ سمجھایا۔ کہ عیسیٰ ابن مریم اسرائیلی تو فوت ہو چکا۔ اور وہ واپس نہیں آئے گا۔ (براہین احمدیہ جلد پنجم صفحہ ۹۴)۔

ایک اور جگہ کتاب حقیقت النبوۃ صفحات نمبر ۲۶۵/۲۶۶ پر لکھتے ہیں کہ آنحضرت صلعم کے بعد جو درحقیقت خاتم النبین تھے۔ مجھے نبی اور رسول کے لفظ سے پکارا جانا کوئی اعتراض کی بات نہیں ہے۔ اور نہ ہی اس سے مہر ختمیت ٹوٹتی ہے۔ کیونکہ میں بارہا بتلا چکا ہوں کہ میں بموجب آیت وَاٰخَرِیْنَ مِنْهُمْ لَمَّا یَلْحَقُوْا بِهِمْ بہروزی طور پر وہی خاتم الانبیاء ہوں۔ اور خدا نے آج سے بیس برس پہلے براہین احمدیہ میں میرا نام محمدؐ اور احمد رکھا اور مجھے آنحضرت صلعم کا ہی وجود قرار دیا ہے۔ پس اس طور سے آنحضرت صلعم کے خاتم النبین ہونے میں میری نبوت سے کوئی تزلزل نہیں آیا۔ کیونکہ ظل اپنے اصل سے علیحدہ نہیں ہوتا آگے لکھتے ہیں۔ کہ یہ ممکن ہے کہ آنحضرت صلعم نہ ایک دفعہ بلکہ ہزار دفعہ دنیا میں بروزی رنگ میں اور کمالات کے ساتھ اپنی نبوۃ کا بھی اظہار کریں۔ اور یہ بروز خدا کی طرف سے ایک قرار یافتہ عہد تھا۔ پھر لکھتے ہیں۔ کہ چونکہ وہ بروز محمدی جو قدیم سے موعود تھا۔ وہ میں ہوں۔ اس لیے بروزی رنگ کی نبوۃ مجھے عطا کی گئی ہے۔ اور اس نبوۃ کے مقابل پر اب تمام دنیا بے دست و پا ہے۔ کیونکہ نبوت پر مہر ہے ایک اور جگہ لکھا ہے۔ کہ کمالات متفرقہ جو تمام دیگر انبیاء میں پائے جاتے ہیں وہ سب حضرت رسول

کریم میں ان سب سے بڑھ کر موجود تھے۔ اور اب وہ سارے کمالات حضرت رسول کریم سے ظِلّی طور پر ہم کو عطا کیے گئے ہیں پہلے تمام انبیاء ظِل تھے۔ نبی کریم کے خاص خاص صفات میں۔ اور اب ہم ان تمام صفات میں نبی کریم کے ظِل ہیں۔ اس عبارت سے نتیجہ نکالا گیا ہے کہ ظِل اور بروز کے الفاظ محض الفاظ ہی الفاظ ہیں۔ مراد ان سے حقیقت کامِلہ نبوۃ ہے۔

ان تصریحات سے مولوی نجم الدین صاحب گواہ مدعیہ کا یہ استدلال ہے کہ مرزا صاحب نے قرآن حکیم کی آیات اور احادیث نبوی سے اپنی نبوۃ کے لیے جو دلائل پیش کیے ہیں۔ وہ محض لاطائل اور بے معنیٰ سعی ہے کیونکہ مرزا صاحب براہین احمدیہ کے لکھتے وقت اور اس سے مدتوں پہلے اپنی قرآن دانی اور حکم فہمی کے مدعی تھے۔ اگر ان کو اس سے پہلے قرآن کی رو سے کسی نئے نبی کے آنے کا انکار تھا۔ تو بعد میں قرآن کی کونسی آیت اتری یا نبی کریم صلعم کی کونسی حدیث پیدا ہوئی جس کی بناء پر مرزا صاحب نے نبوت کا ادعا کیا۔ خاتم النبیین کی آیت اور الیوم اکملت لکم کی آیت اس وقت بھی قرآن میں موجود تھیں یہ ہر دو آئتیں قسم اخبار میں سے ہیں۔ اور اوامر ونہی کے ساتھ ان کا کوئی تعلق نہیں۔ اگر ادعائے نسخ سے پناہ لے کر کوئی تاویل کیجاوے تو اوامر ونواہی میں جاری ہوسکتی ہے۔ اخبار میں نہیں ہوسکتی۔ یہ مسئلہ تمام اہل اسلام کے نزدیک مسلمہ اور متفق علیہ ہے۔ پھر کیونکر از روئے قرآن یا حدیث اپنے کو ادعا نبوت میں صادق کہہ سکتے ہیں۔

ختم نبوۃ کے معنےٰ کو جیسا کہ عام عقیدہ ہے۔ مرزا صاحب تسلم کرتے ہیں۔ اور اپنے کلام میں اس طرح اس کو استعمال کرتے ہیں۔ لیکن صرف اپنی خوش خیالی کو باقی رکھنے کے لیے بے محل اور خلاف محاورات عرب تاویل کر کے جان بچانے کی کوشش کی ہے۔

آگے وہ کہتے ہیں کہ مرزا صاحب نے خاتم النبیین کے بعد بروزی طور پر اپنے آپ کو نبی ثابت کرنے کی کوشش کی ہے۔ مگر خود انہی کے کلام سے ثابت ہوتا ہے کہ جو شخص خاتم ہو۔ اس کا

بروز بھی نہیں ہو سکتا۔ چنانچہ وہ اپنی کتاب تریاق القلوب کے صفحہ ۳۷۷ حاشیہ پر لکھتے ہیں۔ ''مگر مہدی معہود بروزات کے لحاظ سے بھی دنیا میں نہیں آئے گا۔ کیونکہ وہ خاتم الاولاد ہے'' اس کتاب کے صفحہ ۷۸ پر لکھتے ہیں کہ یہ بعض اکابر اولیاء کے مکاشفات ہیں۔ اور اگر احادیث نبویہ کو بغور دیکھا جاوے۔ تو بہت کچھ ان سے ان مکاشفات کو مدد ملتی ہے۔ لیکن یہ قول اس حالت میں صحیح پڑتا ہے۔ جب مہدی معہود اور مسیح موعود کو ایک ہی شخص مان لیا جاوے۔ اس حوالہ سے مرزا صاحب کا بروزی اور ظلّی نبی ہونے کا دعویٰ بھی غلط ثابت ہوتا ہے۔ اور یہ ثابت ہے۔ کہ حضرت محمد الرسول اللہ صلعم خاتم النبین و المرسلین ہیں۔ آپ کے بعد جو شخص اپنے لیے ادعا نبوت کرے۔ یا کسی دوسرے کو نبی مانے تو وہ تمام اہل اسلام کے نزدیک کافر۔ مرتد۔ اور خارج از اسلام ہے۔ اس کی تائید کہ ظلّی اور بروزی الفاظ محض الفاظ ہی ہیں اور کہ دراصل مرزا صاحب کی مراد حقیقی نبوت سے ہے۔ مرزا صاحب کے صاحبزادے بشیر محمود صاحب کی ایک تحریر سے ہوتی ہے۔ جو اخبار الفضل مورخہ ۲۶ر نومبر ۱۹۱۳ء کے حوالہ سے مدعیہ کے گواہ مولوی مرتضیٰ حسن صاحب نے نقل کی ہے۔ اور جو بالفاظ ذیل ہے۔

ہم جیسے خدا تعالیٰ کی دوسری وحیوں میں حضرت اسمٰعیل، حضرت ادریس علیہم السلام کو نبی پڑھتے ہیں۔ ایسے ہی خدا کی آخری وحی میں مسیح موعود کو بھی یا نبی اللہ کے خطاب سے مخاطب دیکھتے ہیں۔ اور اس نبی کے ساتھ کوئی لغوی یا ظلّی یا جزوی کا لفظ نہیں پڑھتے۔ کہ اپنے آپ کو خود بخود ایک مجرم فرض کر کے اپنی بریت کرنے لگ جائیں بلکہ جیسے اور نبیوں کی نبوۃ کا ثبوت ہم دیتے ہیں۔ بلکہ اس سے بڑھ کر کیونکہ ہم چشم دید گواہ ہیں۔ مسیح موعود کی نبوت کا ثبوت دے سکتے ہیں۔ پھر لکھا ہے۔ کہ خدا تعالیٰ نے صاف لفظوں میں آپ کا نام نبی اور رسول رکھا۔ اور کہیں بروزی اور ظلّی نبی نہیں کہا۔ پس ہم خدا کے حکم کو مقدم کریں گے۔ اور آپ کی تحریریں جن میں انکساری اور فروتنی کا غلبہ ہے۔ اور جو نبیوں کی شان ہے۔ اس کو ان الہامات کے تحت کریں گے۔

اس سے یہ نتیجہ اخذ کیا گیا ہے۔ کہ مرزا صاحب نے یہ الفاظ انکساری اور تواضع کے طور پر لکھ دیئے ہیں۔ ورنہ ان کے معنٰے مراد نہیں ہیں۔ مرزا صاحب جہاں اپنے آپ کو بروزی یا ظلی یا مجازی نبی کہتے ہیں۔ اس کا مطلب صرف حقیقی نبی سمجھنا چاہیئے۔

اسی طرح خلیفہ دوم اخبار الفضل مورخہ ۲۹؍جون، ۱۹۱۵ء ہینڈ بل صفحہ ۳ کی سطر (۱) میں تحریر فرماتے ہیں۔ کہ مسیح موعود کو نبی اللہ تسلیم نہ کرنا۔ اور آپ کو اُمتی قرار دینا۔ یا اُمتی گروہ میں سمجھنا گویا آنحضرت کو جو سید المرسلین و خاتم النبیین ہیں۔ اُمتی قرار دینا ہے۔ اور اُمتیوں میں داخل کرنا ہے جو کفر عظیم اور کفر بعد کفر ہے۔

ختم نبوت اور انقطاع وحی پر مولوی محمد حسین صاحب گواہ مدعیہ نے ایک اور دلیل پیش کی ہے۔ وہ یہ کہ قرآن شریف پر مجموعی طور پر نظر ڈالنے سے یہ بات بالکل واضح ہو جاتی ہے۔ کہ آنحضرت صلعم آخری نبی ہیں۔ اور آپ کے بعد کوئی نبی نہیں آ سکتا۔ جس کی توجیہ یہ ہے۔ کہ اللہ جل شانہٗ نے آدم علیہ السلام سے وحی نبوت کے جاری ہونے کے سلسلہ کی خبر دی ہے۔ یہ ابتداء وحی اور آغازِ وحی ہے۔ اس کے بعد ہم نوح علیہ السلام کے زمانہ تک پہنچتے ہیں۔ قرآن شریف سے پتہ لیتے ہیں۔ کہ آیا سلسلہ نبوت جاری ہے۔ یا نہ جواب ملتا ہے کہ ہاں جاری ہے۔ چنانچہ ارشاد فرمایا گیا ہے۔ وَلَقَدْ اَوْحَيْنَا نُوحًا وَ اِبْرَاهِيمَ وَوَهَبْنَا فِيْ ذُرِّيَّتِهِمُ النُّبُوَّةَ وَالْكِتَابَ۔ اس سے معلوم ہوا کہ حضرت نوع علیہ السلام کے ذریت میں سلسلہ نبوت جاری ہے۔ اور ذریت ابراہیم میں بھی ابھی سلسلہ نبوت جاری ہے۔ دوسری بات اس سے یہ ثابت ہوئی۔ کہ نبوۃ کا ظرف اور محل آل ابراہیم ہی ہے۔ جس کا عملی ثبوت یہ ہے۔ کہ اللہ غر اسمہ نے حضرت ابراہیم کی اولاد میں دو شعبہ قرار دیتے ہیں۔ ایک ''نبی اسحاق'' جن میں پہلے نبوت کا سلسلہ جاری رہا اور بہت انبیاء ان میں آئے۔ اور یہ سلسلہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام پر ختم ہوا۔ دوسرے ''نبی اسماعیل'' جن میں آنحضرت صلعم تک کوئی نبی نہ آیا۔ اس کے بعد موسیٰ علیہ السلام

کے زمانہ کی طرف نگاہ کی جائے تو قرآن شریف سے یہ معلوم ہوگا۔ کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام کے بعد سلسلہ نبوت جاری ہے۔ چنانچہ ارشاد ہے ولقد اٰتینا موسی الکتاب وقفینا من بعدہٖ باالرسل۔ اس آیت سے یہ ثابت ہوا۔ کہ موسیٰ علیہ السلام کے بعد سلسلہ نبوت جاری ہے۔ اور کئی ایک رسولوں کے آنے کا وعدہ ہے۔ جیسا کہ لفظ "الرسل" سے ظاہر ہے۔ اس کے بعد حضرت عیسیٰ علیہ السلام کا وقت آتا ہے۔ تو قرآن کریم سے سوال ہوتا ہے۔ کہ آیا بکثرت انبیاء بھی آئیں گے؟ یا کیا ہوگا۔ تو خداوند تعالیٰ ارشاد فرماتا ہے۔ وَاِذْ قَالَ عِیْسَی ابْنُ مَرْیَم ...... الخ خداوند سبحانہ، تعالیٰ نے یہاں پر حضرت عیسی علیہ السلام کی زبان پر اسلوب جواب کے بالکل بدل دیا ہے۔ حضرت عیسیٰ علیہ السلام فرماتے ہیں کہ "اے بنی اسرائیل میں اللہ کا رسول تمہاری طرف ہوکر آیا ہوں مجھ سے پہلے موسیٰ علیہ السلام کی کتاب تورات جو خدا کی طرف سے ان کی عطاء ہوئی ہے اس کی تصدیق کرتا ہوں۔ اور خوشخبری دیتا ہوں۔ ایک رسول کی کہ جو میرے بعد آئے گا۔ نام اس کا احمد ہوگا۔ قرآن کریم نے اس سے پہلے رسل کے لفظ سے عام طور پر رسولوں کے آنے کی خبر دی تھی۔ اور یہاں ایک خاص رسول کی خبر دے کر اس کے نام سے مشخص۔ اور معین فرمایا۔ یہ اسلوب صاف اس بات پر دلالت کرتا ہے۔ کہ خداوند تعالیٰ احمد صلعم پر نبوت کو ختم کر رہا ہے۔ اور عام طور پر جو رسولوں کے آنے کا اسلوب تھا۔ اس کو بدل کر ایک خاص معین مشخص کے آنے کی اطلاع دیتا ہے۔ اس کے بعد آنحضرت صلعم کا زمانہ آتا ہے۔ تو ہم قرآن سے پوچھتے ہیں۔ کہ آنحضرت کے آنے کے بعد سلسلہ نبوت جاری ہے۔ یا بند ہو جاتا ہے۔ تو قرآن کریم فرماتا ہے۔ مَا کَانَ مُحَمَّدٌ اَبَا اَحَدٍ مِن رِجَالکم ولکِنْ رسول اللہ و خاتم النبین یہ بات قابل غور ہے کہ خداوند تعالیٰ نے مختلف انبیاء کے زمانہ میں سلسلہ نبوت جاری رہنے اور رسل کے آنے کی اطلاع دی۔ اور آنحضرت صلعم پر آکر اس اطلاع کے برخلاف جو بصورت اجراء نبوت بمثل سابق ایسی اطلاع دی جانی ضروری تھی۔ جیسا کہ پہلے دی

گئی۔ ختم نبوت کا اعلان کر دیا۔ جس سے قطعاً اور یقیناً یہ بات معلوم ہوئی کہ قرآن کریم مجموعی طور پر ختم نبوت کا اعلان کر رہا ہے۔

اس ضمن میں دو احادیث کا حوالہ جو گواہ مذکور نے دیا ہے۔ اور دیگر گواہان مدعیہ کے بیانات میں بھی موجود ہے۔ دیا جانا ضروری معلوم ہوتا ہے۔ کیونکہ فریق ثانی کے جواب میں یہ حدیثیں بحث طلب ہیں۔ ایک حدیث یہ ہے کہ رسول اللہ صلعم نے فرمایا کہ نبی اسرائیل میں انبیاء آتے رہے۔ جب ایک نبی فوت ہو جاتا۔ تو دوسرا نبی آ جاتا۔ لیکن میرے بعد کوئی نبی نہیں اور خلیفہ ہوں گے۔ پس بہت ہوں گے۔

دوسری حدیث یہ ہے کہ جنگ تبوک پر جاتے ہوئے۔ آپ نے جب حضرت علی کو اہلیت کی نگرانی کے لیے چھوڑا تو حضرت علی نے عرض کیا کہ آپ مجھ کو عورتوں اور بچوں میں جوڑے جاتے ہیں۔ تو آپ نے فرمایا کہ مجھ سے وہی نسبت رکھتا ہے۔ جیسا کہ ہارون کو موسیٰ علیہ السلام سے تھی۔ البتہ میرے بعد کوئی نبی نہیں ہو سکتا۔ اگر نبوت آنحضرت کے بعد اور تشریعی یا غیر تشریعی جاری ہوتی تو حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو رسول اللہ صلعم لا نبی بعدی کہہ کر اس وصف سے محروم نہ کرتے۔ گواہ مذکور نے قرآن مجید سے ختم نبوت کی ایک اور یہ دلیل بھی پیش کی ہے۔ کہ سورۂ آلِ عمران پارہ تیسرا کی آیت قولو اٰمنا باللّٰهِ وما انزل الیك .... الخ سے اللہ تعالیٰ نے یہ ظاہر فرمایا کہ جو کچھ انبیاء علیہم السلام پر وحی نازل کی گئی وہ زمانہ ماضی میں ہوئی۔ اور اللہ تعالیٰ نے ہمیں انہی انبیاء پر ایمان لانے کی ترغیب دی۔ جو آنحضرت سے پہلے ہو چکے ہیں اور کسی ایسے نبی کے لیے ایمان لانے کی تاکید نہیں کی جو آپ کے بعد ہو۔ اگر کوئی نبی آنحضرت صلعم کے بعد آنے والا ہوتا۔ تو ضرور اللہ تعالیٰ ہمیں اس پر ایمان لانے کی تاکید فرماتا۔ سورۂ بقر کی ایک اور آیت والذین یومنون بما انزل الیك .... الخ میں بھی خداوند تعالیٰ نے انہی کو ہدایت پر قائم رہنے والا اور "مفلحون" فرمایا ہے۔ جو آنحضرت کی وحی پر اور آپ سے

پہلے انبیاء علیہم السلام کی وحی پر اور آخرت پر ایمان رکھتے ہوں۔ اور قرآن کریم نے یہ التزام کیا ہے۔ کہ ہر جگہ وحی کے ساتھ لفظ قبل کو ملایا ہے تا کہ یہ بات ثابت نہ ہو کہ آنحضرت صلعم سے پہلے ہی وحی نبوت اور انبیاء علیہم السلام آئے ہیں۔ چنانچہ اس کی تائید میں مولوی نجم الدین صاحب گواہ مدعیہ نے سُورۂ سبا پارہ نمبر ۲۲ کی آیت وَمَا ارسلنك اِلاَّ كافته للناس .... الخ سے یہ استدلال کیا ہے۔ کہ متقی بننے کے لیے صرف ان چار چیزوں کی ضرورت ہے۔ جو اس آیت میں بیان کی گئی ہیں۔ ایک تو وہ وحی ہے جو آنحضرت صلعم کی طرف نازل کی گئی۔ دوسری وہ جو آپ سے پہلے لوگوں پر نازل کی گئی۔ اگر آنحضرت صلعم کے بعد بھی کسی وحی پر انسانوں کی نجات اور ارتقاء کی مدار ہوتی تو اللہ تعالیٰ اسے بھی یہاں ذکر فرما دیتا۔ مگر ایسا نہیں کیا گیا۔ معلوم ہوتا ہے کہ کسی اور نئی بات کی یا نئی وحی کی متقی بننے کے لیے حاجت نہیں۔ اور نہ ہی اس کے آنے پر یا اس کے ماننے پر انسانوں کی نجات کا دارومدار ہے۔

ختم نبوت کے بارہ میں مرزا صاحب کی ایک اور تحریر بہت واضح ہے جس کا ذکر مولوی مرتضیٰ حسن صاحب گواہ مدعیہ کے بیان میں ہے۔ مرزا صاحب اپنی کتاب ''ازالہ اوہام'' کے صفحہ ۲۲۵ پر لکھتے ہیں۔ کہ یہ بات ہم کئی مرتبہ لکھ چکے ہیں کہ خاتم النبیین کے بعد مسیح ابن مریم رسول کا آنا فساد عظیم کا موجب ہے۔ اس سے یا تو یہ ماننا پڑے گا کہ وحی نبوت کا سلسلہ پھر جاری ہو جائے گا۔ یا قبول کرنا پڑے گا۔ کہ خدا تعالیٰ مسیح ابن مریم کو لوازمِ نبوت سے الگ کر کے۔ اور محض ایک امتی بنا کر بھیجا۔ اور یہ دونوں صورتیں ممتنع ہیں۔'' اس طرح صفحہ ۲۳۸ پر لکھتے ہیں۔ کہ ہم ابھی لکھ چکے ہیں۔ کہ خدا تعالیٰ قرآن کریم میں فرماتا ہے کہ کوئی رسول دنیا میں مطیع اور محکوم ہو کر نہیں آتا۔ بلکہ وہ مطاع صرف اور اپنی اس وحی کا متبع ہوتا ہے۔ جو اس پر بذریعہ جبرئیل علیہ السلام نازل ہوتی ہے۔ اب یہ سیدھی سیدھی بات ہے۔ کہ جب حضرت مسیح ابن مریم نازل ہوئے۔ اور حضرت جبرئیل لگاتار آسمان سے وحی لانے لگے۔ اور وحی کے ذریعہ انہیں تمام اسلامی عقائد اور

صوم صلوٰۃ اور زکوٰۃ اور حج اور جمیع مسائل فقہ کے سکھلائے گئے۔ تو پھر بہرحال یہ مجموعہ احکام دین کا کتاب اللہ کہلائے گا۔ اگر یہ کہو کہ مسیح کو وحی کے ذریعہ صرف اتنا کہا جائے گا۔ کہ تو قرآن پر عمل کر اور پھر وحی مدت العمر تک منقطع ہو جائے گی۔ اور کبھی جبرائیل نازل نہ ہوں گے۔ بلکہ وہ مسلوب النبوت ہو کر امتیوں کی طرح بن جائیں گے۔ تو یہ طفلانہ خیال ہنسی کے لائق ہے۔ ظاہر ہے کہ اگرچہ ایک ہی دفعہ وحی کا نزول فرض کیا جائے۔ اور صرف ایک ہی فقرہ حضرت جبرائیل لائیں۔ اور پھر چپ ہو جائیں۔ یہ امر بھی ختم النبوۃ کا منافی ہے۔ کیونکہ جب ختمیت کی مہر ہی ٹوٹ گئی اور وحی رسالت پھر نازل ہونی شروع ہو گئی۔ تو پھر تھوڑا بہت نازل ہونا برابر ہے۔ ہر ایک دانا سمجھ سکتا ہے۔ کہ اگر خداوند تعالیٰ صادق الوعد ہے اور جو آیت خاتم النبین میں وعدہ دیا گیا ہے۔ اور جو حدیثوں میں تبصریح بیان کیا گیا ہے۔ کہ اب جبرائیل بعد وفات رسول اللہ صلعم ہمیشہ کے لیے وحی نبوۃ لانے سے منع کیا گیا ہے۔ یہ تمام باتیں سچ اور صحیح ہیں۔ تو پھر کوئی شخص بحیثیت رسالت ہمارے نبی صلعم کے بعد ہرگز نہیں آ سکتا۔ اس سے مدعیہ کی طرف سے یہ نتیجہ اخذ کیا گیا ہے۔ کہ مرزا صاحب نے اس کی تصریح کر دی ہے۔ کہ کوئی نبی مطیع یعنی امتی نہیں بن سکتا۔ بلکہ وہ مطاع اور صرف اپنی اس وحی کا متبع ہوتا ہے جو اس پر بذریعہ جبرائیل علیہ السلام نازل ہوتی ہے۔ اب سوال یہ ہے کہ جب مرزا صاحب نبی ہوئے تو انہوں نے اس وحی کی اتباع کی۔ جو ان پر نازل ہوئی۔ یا قرآن کی۔ اگر قرآن کی اتباع کی تب بھی مرزا صاحب کافر۔ کیونکہ ان کو اپنی وحی کی اتباع کرنی چاہیئے تھی۔ اور اگر اپنی وحی کی اتباع کی۔ تب بھی کافر کیونکہ قرآن کو چھوڑا۔ کتاب ازالتہ الادہام مرزا صاحب کے دعویٰ کے کچھ عرصہ بعد تحریر ہوئی۔ اور اس وقت تک وہ خاتم النبین کے وہی معنے سمجھتے رہے۔ جو ساری دنیا نے سمجھے۔ اور ایک نبی کا آنا اور ایک دفعہ جبرائیل علیہ السلام کا اترنا اور ایک فقرہ کہنا۔ کہ تم قرآن کا اتباع کرو۔ یہ سب چیزیں مرزا صاحب کے نزدیک ختم النبوۃ کے مخالف تھیں۔ اور اس سے مہر نبوت ٹوٹتی تھی۔

ہر صدی میں کم از کم ایک مجدّد آتا ہے۔ ان کا یہ فرض ہوتا ہے۔ کہ دنیا میں جو لوگوں سے غلطی ہوگئی ہے۔ اس پر لوگوں کو متنبہ کریں۔ اور بالخصوص ایسے امور اور عقائد کی نسبت کہ جن سے انسان کافر ہو جائے۔ علاوہ ازیں امت میں بے شمار اولیاء۔ ابدال اقطاب گزرے اور تمام صحابہ کرام ان میں سے کسی نے خاتم النبین کے یہ معنیٰ نہیں کئے۔ جو مرزا صاحب نے اب بیان کیے ہیں۔ اس لیے جو معنیٰ ختم النبوت کے اب تجویز کیے ہیں۔ جس کی بناء پر نبوت کا جاری رہنا اور وحی نبوت کا جاری رہنا ضروری ہے۔ اور جس مذہب میں وحی نبوت نہ ہو۔ وہ مذہب مرزا صاحب کے نزدیک لعنتی اور شیطانی مذہب کہلانے کا مستحق ہے۔

اس بناء پر اگر یہ معنیٰ صحیح ہیں تو جب تک مرزا صاحب کا مذکورہ بالا عقیدہ رہا۔ مرزا صاحب بھی کافر ہوئے۔ اور ان سے پہلے جتنے مسلمان اس عقیدہ پر گزرے وہ سب کے سب کافر ہوئے۔ اور اگر مسلمانوں کا اور مرزا صاحب کا عقیدہ سابقہ صحیح تھا۔ تو پہلے لوگ تو مسلمان اور مرزا صاحب اس عقیدہ کے بدلنے کے بعد کافر ہوگئے۔ یہ نتائج مولوی مرتضیٰ صاحب کے بیان سے اخذ ہوتے ہیں۔ آگے وہ یہ کہتے ہیں کہ مرزا صاحب نے یہ کہا ہے کہ جو امر مستلزم محال ہے۔ وہ محال ہوتا ہے۔ اس سے اگر مراد محال عقلی ہے۔ تو اس کا اخفاء ناجائز ہے۔ بالخصوص تیرہ سو برس تک جبکہ صحابہ تابعین۔ ائمہ مجتہدین اور ائمہ فقہائے۔ کہ جنہوں نے عقلی امور کی بال کی کھال نکالدی ہے۔ اور اگر محال سے مراد شرعی ہے۔ تو وہ بھی مخفی نہیں رہ سکتا۔ بالخصوص اتنے زمانہ تک اور اتنے علمائے متجرین پر۔ اور مجددین پر۔ اس سے ثابت ہوتا ہے۔ کہ مرزا صاحب کا اس کلام کے لکھنے تک یہی عقیدہ تھا کہ خاتم النبین کے معنےٰ یہ ہیں۔ کہ کوئی جدید یا قدیم نبی آ ہی نہیں سکتا۔ علمائے امت نے جو مسئلہ ختم النبوت پر اجماع بیان کیا ہے۔ اور جس آیت کے معنےٰ لکھے ہیں اور وہ معنےٰ مرزا صاحب کے مسلمات میں سے ہیں۔ وہی حق ہے۔ اور اب جو اس معنیٰ سے انکار کرے وہ کافر اور بیشک کافر ہے ایک اور کتاب حمامتہ البشریٰ کے صفحہ ۳۴ پر مرزا صاحب نے جو

کچھ لکھا ہے۔ اس کا مطلب یہ بیان کیا گیا ہے کہ عیسیٰ علیہ السلام کے نزول کے بارہ میں کسی مسلمان کو جائز نہیں۔ کہ اس کلام کو جو احادیث میں آیا ہے۔ ظاہر معنیٰ پر حمل کرے۔ اس واسطے کہ یہ آیت مَا کَانَ محمد ابا احد ا.......... الخ خاتم النبیین کے مخالف ہے کیا تمہیں یہ معلوم نہیں کہ اللہ تعالیٰ نے رسول اللہ صلعم کا نام خاتم الانبیاء رکھا ہے اور اس میں کسی کی استثناء نہیں کی۔ اور پھر اس خاتم الانبیاء کی خود اپنے کلام میں تفصیل فرمائی۔ لَا نَبِیَّ بَعْدِی سے جو سمجھنے والوں کے لیے بیان واضح ہے۔ اور اگر ہم یہ جائز رکھیں کہ آپ کے بعد کوئی نبی آ سکتا ہے تو لازم آتا ہے کہ دروازہ وحی نبوت کا بعد بند ہونے کے کھل جائے۔ اور آپ کے بعد کوئی نبی کیسے آسکتا ہے۔ حالانکہ وحی منقطع ہو چکی ہے۔ اور اللہ تعالیٰ نے آپ کے ساتھ تمام نبیوں کو ختم کر دیا ہے۔ کیا ہم اس کا اعتقاد رکھیں کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام آئیں گے۔ اور خاتم الانبیاء وہ بنے نہ ہمارے رسول مقبول صلی اللہ علیہ وسلم۔

اس سے یہ نتیجہ اخذ کیا گیا ہے کہ مرزا صاحب نے اس میں اس بات کی تصریح کر دی ہے کہ خاتم الانبیاء کی تفسیر بغیر کسی استثناء کے رسول اللہ صلعم نے اس کلام میں فرمائی کہ "لا نبی بعدی" اور معلوم ہوا کہ مرزا صاحب کے نزدیک خاتم النبیین کی تفسیر لَا نبی بَعْدِیُ ہے۔ اور خاتم النبیین کے معنیٰ یہ ہیں کہ آپ کے بعد کوئی نبی نہیں آئے گا۔ اس میں کسی نبی بروزی ظلّی وغیرہ کی قید نہیں۔ اور اب لا نبی بعدی کا یہ معنی لینے کہ اس سے مراد خالص وہ نبی ہے جو مستقل نبی ہو اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے الگ ہو کر اس نے نبوت حاصل کی ہو۔ کیونکہ یہ معنٰے مرزا صاحب کے نزدیک بھی غلط ہیں اور اب یہ معنیٰ کرنے ہرگز قابل پذیرائی نہیں۔ مرزا صاحب خاتم کے یہ معنیٰ کرتے ہیں۔ کہ رسول کریم مہر ہیں۔ اور آپ کے منظور کرنے سے نبی بنتے ہیں۔ کتاب حقیقت النبوۃ صفحہ ۲۶۶ حصہ اول ضمیمہ نمبر ا لکھتے ہیں۔ کہ چونکہ میں ظلّی طور پر محمد ہوں۔ پس اس طور سے خاتم النبیین کی مہر نہیں ٹوٹی۔ کیونکہ محمد صلعم کی نبوت محمد صلعم تک ہی

محدود رہی۔ یعنی بہرحال محمد صلعم ہی نبی رہا۔ نہ کوئی اور سید انور شاہ صاحب گواہ مدعی اس سے یہ مطلب اخذ کرتے ہیں کہ میں آئینہ بن گیا ہوں۔ محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا۔ اور مجھ میں تصویر اُتر آئی ہے۔ رسول کریم صلعم کی۔ اس سے مہر نبوت نہ ٹوٹی۔ یہ تمسخر ہے خدا اور خدا کے رسول صلعم کے ساتھ۔

اب باقیماندہ وجوہات تکفیر میں سے حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی توہین۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی توہین۔ اور دیگر انبیاء علیہم السلام کی توہین کے بارہ میں گواہان مدعیہ کے بیانات کا خلاصہ ذیل میں درج کیا جاتا ہے۔ اس ضمن میں مرزا غلام احمد صاحب کی حسب ذیل تحریروں پر اعتراض کیا گیا ہے۔ مرزا صاحب اپنی کتاب دافع البلاء کے آخری صفحہ پر لکھتے ہیں۔

لیکن مسیح کی راست بازی اپنے زمانہ میں دوسرے راستبازوں سے بڑھ کر ثابت نہیں ہوتی۔ بلکہ یحییٰ نبی کو اس پر ایک فضیلت ہے۔ کیونکہ وہ شراب نہیں پیتا تھا۔ اور کبھی یہ نہیں سنا گیا۔ کہ کسی فاحشہ عورت نے آکر اپنی کمائی کے مال سے اس پر عطر ملا تھا۔ یا اپنے ہاتھوں یا سر کے بالوں سے اس کو چھوا تھا۔ یا کوئی بے تعلق جوان عورت اس کی خدمت کرتی تھی۔ اس وجہ سے خُدا نے قرآن میں یحییٰ علیہ السلام کا نام ‘‘حصور’’ رکھا مگر مسیح کا یہ نام نہ رکھا۔ کیونکہ ایسے قصے اس نام کے رکھنے سے مانع تھے۔

حاشیہ ضمیمہ انجام اتھم صفحہ ۴ پر لکھتے ہیں۔ کہ پس اس نادان اسرائیلی نے ان معمولی باتوں کا پیشگوئی نام کیوں رکھا۔’’ آگے حاشیہ صفحہ ۵ پر لکھتے ہیں۔ کہ آپ کو گالیاں دینے اور بدزبانی کی اکثر عادت تھی۔’’ اس صفحہ پر آگے کہتے ہیں کہ ‘‘میرے نزدیک آپ کی یہ حرکات جائے افسوس نہیں کیونکہ آپ تو گالیاں دیتے تھے۔ اور یہودی ہاتھ سے کسر نکال لیا کرتے تھے’’ آگے ہے کہ ‘‘یہ بھی یاد رہے۔ کہ آپ کو کس قدر جھوٹ بولنے کی عدات تھی’’ ضمیمہ انجام اتھم صفحہ ۷ کے حاشیہ پر ہے۔ کہ آپ کا خاندان بھی نہایت پاک اور مطہر ہے۔ تین دادیاں اور تین نانیاں آپ کی

زنا کار اور کسبی تھیں۔ جن کے خون سے آپ کا وجود ظہور پذیر ہوا۔ آگے لکھتے ہیں کہ ”آپ کا کنجریوں سے میلان اور صحبت بھی شاید اس وجہ سے ہو کہ جدی مناسبت درمیان ہے۔ ورنہ کوئی پرہیزگار انسان ایک جوان کنجری کو یہ موقع نہیں دے سکتا کہ وہ اس کے سر پر اپنے ناپاک ہاتھ لگا دے۔“ آگے ہے کہ ”سمجھنے والے سمجھ لیں کہ ایسا انسان کس چلن کا آدمی ہو سکتا ہے۔“

یہ گالیاں یسوع کا نام لے کر ضمیمہ انجام آتھم میں درج کی گئی ہیں۔ لیکن بیان کیا جاتا ہے کہ مرزا صاحب کے نزدیک یسوع اور مسیح ایک تھے۔ کیونکہ مرزا صاحب اپنی کتاب توضیح المرام صفحہ ۳ پر فرماتے ہیں کہ مسیح ابن مریم جس کو عیسیٰ اور یسوع بھی کہتے ہیں۔“ اسی طرح اپنی کتاب حاشیہ کشتی نوح صفحہ ۶۵ پر لکھتے ہیں کہ ”یورپ کے لوگوں کو جس قدر شراب سے نقصان پہنچا ہے۔ اس کا سبب تو یہ تھا کہ عیسیٰ علیہ السلام شراب پیا کرتے تھے۔ شاید کسی بیماری کی وجہ سے اے مسلمانو تمہارے نبی صلعم تو ہر ایک نشہ سے پاک اور معصوم تھے۔“

حاشیہ ضمیمہ انجام آتھم صفحہ ۵ پر ہے۔ جن جن پیشگوئیوں کا اپنی ذات کی نسبت توراۃ میں پایا جانا آپ نے بیان فرمایا۔ ان کتابوں میں ان کا نام و نشان بھی نہیں پایا جاتا۔

حاشیہ صفحہ ۶ پر لکھتے ہیں ”اور نہایت شرم کی بات ہے کہ آپ پہاڑی تعلیم کو جو انجیل کا مغز کہلاتی ہے۔ یہودیوں کی کتاب ”طالمود“ سے چرا کر لکھا ہے۔ اور پھر ایسا ظاہر کیا ہے۔ کہ گویا میری تعلیم ہے۔“ آگے ہے۔ کہ ”آپ کے حقیقی بھائی آپ کی ان حرکات سے آپ سے سخت ناراض رہتے تھے۔ اور ان کو یقین تھا۔ کہ آپ کے دماغ میں ضرور کچھ خلل ہے“۔

کتاب ست بچن صفحہ ۱۷۱ کے حاشیہ پر لکھتے ہیں۔ کہ ”یہ درخواست بھی صریح اس بات پر دلیل ہے۔ کہ یسوع درحقیقت بوجہ بیماری مرگی کے دیوانہ ہو گیا تھا۔“

ضمیمہ انجام آتھم حاشیہ صفحہ ۶ پر ہے کہ ”عیسائیوں نے بہت سے آپ کے معجزات لکھے ہیں۔ مگر حق بات یہ ہے۔ کہ آپ سے کوئی معجزہ نہیں ہوا۔“ اس کتاب کے صفحہ نمبر ۷ پر ہے کہ آپ

نے معمولی تدبیر کے ساتھ کسی شب کور وغیرہ کو اچھا کیا ہو۔ یا کسی ایسی بیماریوں کا علاج کیا۔ مگر آپ کی بدقسمتی سے اس زمانہ میں ایک تالاب بھی موجود تھا۔ جس سے بڑے بڑے نشان ظاہر ہوتے تھے۔ خیال ہوسکتا ہے کہ اس تالاب کی مٹی آپ بھی استعمال کرتے ہوں گے۔ اس تالاب سے آپ کے معجزات کی پوری پوری حقیقت کھلتی ہے اور اس تالاب نے فیصلہ کر دیا ہے کہ اگر آپ سے کو معجزہ بھی ظاہر ہوا ہو۔ تو وہ معجزہ آپ کا نہیں ہے۔ بلکہ اس تالاب کا معجزہ ہے۔ اور آپ کے ہاتھوں میں سوائے مکروفریب کے اور کچھ نہ تھا۔ اسی کتاب ضمیمہ انجام آتھم کے حاشیہ صفحہ ۹ پر آگے مسلمانوں کو مخاطب کر کے لکھتے ہیں کہ ”خداوند تعالےٰ نے قرآن شریف میں کوئی خبر نہیں دی کہ یسوع کون تھا۔ اور پادری اس بات کے قائل ہیں۔ کہ یسوع وہ شخص تھا کہ جس نے خدائی کا دعوےٰ کیا۔ اور حضرت موسیٰ کا نام ڈاکو اور بٹ مار رکھا۔ اور آنے والے نبی کے مقدس وجود سے انکار کیا۔ اور کہا کہ میرے بعد سب جھوٹے نبی آئیں گے۔ پس ہم ایسے ناپاک خیال اور متکبر اور راست بازوں کے دشمن کو ایک بھلے مانس آدمی بھی قرار نہیں دے سکتے چہ جائیکہ اس نبی کو قرار دیں۔“

اور کتاب ست بچن صفحہ ۱۶۸/ ۱۶۷ پر لکھتے ہیں۔ اور بالخصوص یسوع کے دادا صاحب داؤد نے تو سارے بُرے کام کئے۔ ایک بیگناہ کو اپنی شہوت رانی کیلئے فریب سے قتل کرایا۔ اور دلالہ عورتوں کو بھیج کر اس کی جورو کو منگوایا۔ اور اُس کو شراب پلائی۔ اور اُس سے زنا کیا۔ اور بہت سا مال حرام کاری میں ضائع کیا۔ اعجاز احمدی صفحہ ۱۴ پر حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی تین پیشینگوئیوں کو غلط قرار دیا گیا ہے ازالتہ الادہام صفحہ ۱۲۵ کے حاشیہ پر درج ہے کہ حضرت عیسےٰ علیہ السلام اپنے باپ یوسف کے ساتھ بائیس سال تک نجاری کا کام کرتے رہے ہیں۔ کشتی نوح صفحہ ۱۶ پر لکھتے ہیں۔ کہ مریمؑ کی وہ شان ہے جس نے ایک مدت تک اپنے تئیں نکاح سے روکا۔ پھر بزرگان قوم کے نہایت اصرار سے بوجہ حمل کے نکاح کر لیا۔ گو لوگ اعتراض کرتے ہیں کہ برخلاف تعلیمِ

تورات عین حمل میں کیونکر نکاح کیا گیا۔ اور بتول ہونے کے عہد کو کیوں توڑا گیا۔ اور تعداد ازواج کی کیوں بناء ڈالی گئی۔ مگر میں کہتا ہوں کہ یہ سب مجبوریاں تھیں جو پیش آ گئیں۔ اِس صورت میں وہ لوگ قابل رحم تھے۔ نہ قابل اعتراض ازالہ ادہام جلد اول صفحہ ۳ پر مرزا صاحب مولویوں کو مخاطب کر کے کہتے ہیں۔ کہ ”اس سے زیادہ تر قابل افسوس یہ امر ہے کہ جس قدر حضرت مسیح کی پیشینگوئیاں غلط نکلیں اس قدر صحیح نکل نہیں سکیں۔“

دافع البلاء صفحہ ۵ پر لکھتے ہیں۔ کہ خدا نے اس امت میں سے مسیح موعود بھیجا جو اُس پہلے مسیح سے اپنی تمام شان میں بہت بڑھکر ہے۔ اور اس نے اس دوسرے کا نام غلام احمد رکھا۔ اسی کتاب کے صفحہ ۱۳ پر لکھتے ہیں کہ ”جبکہ خدا نے لا وراس کے رسول نے اور تمام نبیوں نے آخری زمانہ کے مسیح کو ان کے کارناموں کی وجہ سے افضل قرار دیا ہے۔ تو پھر یہ وسوسہ شیطانی ہے۔ کہ کہا جائے کہ کیوں تم اپنے تیئں مسیح ابن مریم سے افضل قرار دیتے ہو۔“

مولوی انور شاہد صاحب نے لفظ یسوع کی اصل یہ بتائی ہے کہ یہ دراصل عبرانی لفظ ہے۔ اور عبرانی میں ایشوع بمعنے نجات دہندہ تھا۔ ایشوع سے یسوع بنا اور زبان عربی میں آ کر لفظ عیسیٰ بنا۔ اور یہ تعریب قرآن سے شروع نہیں ہوئی۔ بلکہ نزولِ قرآن سے پہلے عرب کے نصاریٰ عیسی علیہ السلام کو عیسیٰ ہی بولتے تھے۔

ازالۃ الادہام صفحہ ۳۰۹ پر لکھتے ہیں۔ ماسوااِس کے یہ بھی قرین قیاس ہے کہ ایسے ایسے اعجاز طریق عمل ترب یعنے مسمریزمی طریق سے بطور الہو ولعب نہ بطور حقیقت ظہور میں آ سکیں۔ کیونکہ عمل ترب میں جس کو زمانہ حال میں مسمریزم کہتے ہیں۔ ایسے ایسے عجائبات ظہور میں آتے رہتے ہیں۔ اگر یہ عاجز اِس عمل کو مکروہ اور قابل نفرت نہ سمجھتا۔ تو اللہ تعالیٰ کے فضل وتوفیق سے اُمید قوی رکھتا تھا۔ کہ ان عجوبہ نُمائیوں میں حضرت مسیح ابنِ مریم سے کم نہ رہتا۔ لیکن مجھے وہ روحانی طریق پسند ہے۔

ان عبارات سے یہ نتائج نکالے گئے ہیں کہ مرزا صاحب یہ بخوبی جانتے تھے یسوع مسیح ایک ہی شخص ہے۔ جیسا کہ ان کی اپنی تحریرات سے ثابت ہوتا ہے۔ اس لیے وہ یہ نہیں کہہ سکتے کہ انہوں نے یسوع کے نام سے جو کچھ کہا ہے۔ اس سے عیسیٰ علیہ السلام مُراد نہیں ہیں۔ اور اگر یہ کہا جائے کہ ان میں سے بعض فقرات عیسائی پادریوں کے جوابات میں الزامی صورت میں بیان کیے گئے ہیں۔ تو یہ جواب بھی صحیح نہیں ہے۔ کیونکہ ان فقرات میں اس قسم کے الفاظ کہ ”حق بات یہ ہے“ وغیرہ وغیرہ الزامی جوابات نہیں ہو سکتے۔ بلکہ مرزا صاحب کی اپنی تحقیق کا نتیجہ شمار ہوں گے نیز دافع البلاء کے حوالہ سے جو عبارت نقل کی گئی ہے اس سے صاف ظاہر ہے کہ خدا کے نزدیک بھی عیسیٰ علیہ السلام کو حصور نہ کہنے کے لیے مذکورہ بالا قصے مانع تھے۔ اس سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ اللہ تعالیٰ کے نزدیک بھی جو عالم الغیب ہے یہ بات محقق تھی۔ کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام میں یہ عیوب موجود ہیں۔ اس لیے اس کا نام ”حضور“ نہ رکھا۔ اور جو گالیاں مرزا صاحب نے پہلے ”انجام اتھم“ میں عیسیٰ علیہ السلام کو دی تھیں وہی یہاں مذکور ہیں۔

حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی پاکبازی اور راست گوئی کا ثبوت احادیث سے ملتا ہے۔ اور قرآن نے ان کی شان میں کہا ہے کہ وَجِیھًا فِیُ الدنیا والا خرہ و مِن المقربین ط رسولوں کو دنیا میں صرف اس لیے بھیجا جاتا ہے کہ لوگ ان کے نقش قدم پر چلیں اور ان کی اطاعت کریں۔ مرزا صاحب نے عیسیٰ علیہ السلام کے حق میں نہایت گستاخانہ الفاظ استعمال کیے ہیں۔ ان کے معجزات کو مسمریزم کہا ہے۔ حالانکہ مسمریزم اقسام سحر اور توجہ نفسانی کا ایک شعبہ ہے۔ کہ جس کا کسی پاکباز یا نیک آدمی کے ساتھ اختصاص نہیں کیا جا سکتا۔ ہر بداخلاق بلکہ کافر تک اس کا عمل کر سکتا ہے۔ اور پھر ایسے معجزات کو جس کو قرآن کریم نے نہایت شان اور عظمت سے ذکر فرمایا ہے۔ عمل ترب یا مسمریزم کہنا نہایت گستاخی اور بے ادبی ہے۔ حضرت عیسیٰ علیہ السلام سے جو معجزات ثابت کیے گئے ہیں ان کو آج تک تمام علمائے اُمت اور عامۃ المسلمین قبول کرتے رہے۔ مرزا صاحب نے ان کو مسمریزم وغیرہ کی طرف منسوب کر کے خواہ مخواہ ایک

رخنہ اندازی فرمائی۔ ان کا عیسیٰ علیہ السلام کی اس طرح توہین کرنی ایک وجہ کفر ہے۔ چنانچہ مرزا صاحب نے بھی اپنی کتاب ضمیمہ ''چشمہ معرفت'' صفحہ ۱۸ پر جو عبارت بالفاظ ذیل:۔ ''شاید کسی صاحب کے دل میں یہ بھی خیال آوے............تا موجب نزول غضب الٰہی درج کی ہے۔ اس میں صاف لکھا ہے کہ اسلام میں کسی نبی کی تحقیر کفر ہے۔ اور سب پر ایمان لانا فرض ہے۔ اور کسی نبی کا اشارہ سے بھی تحقیر کرنا سخت معصیت ہے اور موجب نزول غضب الٰہی''۔

اس کی تائید میں منجانب گواہان مدعیہ چند سندات قرآن احادیث اور اقوال بزرگان پیش کیے گئے ہیں۔ جن کی یہاں تفصیل درج کرنے کی ضرورت نہیں۔ صرف مختصراً یہ درج کیا جاتا ہے۔ کہ سید انور شاہ صاحب گواہ مدعیہ نے یہ کہا ہے کہ سب اور ناسزا کہنا۔ پیغمبروں کو اور طعن کہنا سرچشمہ ہے۔ جمیع انواع کفر کا اور مجموعہ ہے جملہ گمراہیوں کا۔ اور ہر کفر اس کی شاخ ہے اور کسی نبی کی ادنےٰ توہین کرنا بھی کفر ہے۔ اور کہ امام احمد فرماتے ہیں۔ کہ جس نے ناسزا کہا نبی کریم کو یا تنقیص کی مسلمان ہو یہ شخص یا کافر۔ سزا اس کی قتل ہے اور علماء نے کہا ہے۔ کہ تعریض کرنا خدا کی سب کا یا رسول کی سب کا ارتداد ہے۔ اور موجب قتل ہے۔ آگے بیان کرتے ہیں کہ علماء نے جب توراۃ اور انجیل محرف سے کوئی چیز محرف نقل کی ہے۔ ان سے یہ نتیجہ نکالا ہے کہ یہ کتابیں تحریف شدہ ہیں۔ مرزا صاحب یہ نتیجہ نکالتے ہیں۔ کہ عیسیٰ علیہ السلام نالائق تھے، علماء کے طریق میں اور مرزا صاحب کے طریق میں کفر اور اسلام کا فرق ہے۔

مولوی نجم الدین صاحب گواہ مدعیہ نے بیان کیا ہے۔ کہ مرزا صاحب نے اپنے آپ کو یوسف علیہ السلام سے بھی افضل کہا ہے اور کتاب دافع البلاء کے صفحہ ۲۰ پر مرزا صاحب کہتے ہیں۔ کہ ''ابن مریم کے ذکر کو چھوڑو۔ اس سے بہتر غلام احمد ہے'' اور یہ کہ باتیں شاعرانہ نہیں بلکہ واقعی ہیں۔ کتاب ازالتہ الادہام جلد اول صفحہ ۶۹ سے مرزا صاحب کا ایک اور شعر نقل کیا گیا ہے۔ جو بالفاظ ذیل ہے'' اینک منم کہ حسب بشارات آمدم۔ عیسیٰ کجا است تا بنہد پا بمنبرم۔

مولوی انور شاہ صاحب فرماتے ہیں کہ قرآن شریف نے یہود اور انصاریٰ کے عقائد کی بیخکنی کی ہے۔ اور ایک حرف موسیٰ و عیسیٰ علیہ السلام کی ہتک کا اشارۃً یا کنایۃً نہیں فرمایا۔

اب اس عنوان توہین انبیاء کے دوسرے ہیڈنگ پر گواہان مدعیہ کے پیش کردہ دلائل بیان کیے جاتے ہیں۔

توہین انبیاء کے تحت گواہان مدعیہ نے یہ دکھلایا ہے کہ مرزا صاحب نے نہ صرف عیسیٰ علیہ السلام کی توہین کی ہے۔ بلکہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کی بھی توہین کی ہے۔ بحوالہ کتاب حقیقت النبوۃ صفحہ ۲۶۶/۲۶۵ مرزا صاحب کے اس قول سے کہ میں بروزی طور وہی خاتم الانبیاء ہوں اور خدا نے آج سے بیس برس پہلے براہین احمدیہؑ میں میرا نام محمدؐ اور احمدؐ رکھا ہے۔ اور مجھے آنحضرت صلعم کا ہی وجود قرار دیا۔ پس اس طور سے آنحضرت وصلعم کے خاتم النبیین ہونے میں میری نبوت سے کوئی تزلزل نہیں آیا۔ کیونکہ ظل اپنے اصل سے علیحدہ نہیں ہوتا۔ یہ نتیجہ نکالا گیا ہے کہ مرزا صاحب کو نبوت ملنے سے خاتمیت محمدیہؐ میں فرق نہ آنے کے یہی معنی ہو سکتے ہیں کہ مرزا صاحب اور سرور عالم صلعم ایک ہوں جو عقلاً اور نقلاً باطل ہے۔ اور اگر رسول اللہ ﷺ بطریق تناسخ معاذ اللہ مرزا صاحب ہوئے تو تناسخ کفر۔ اور اگر یہ معنی ہیں کہ سایہ ذی سایہ کا عین ہوتا ہے تو یہ ایسی باطل بات ہے۔ کہ دنیا جانتی ہے کسی شخص کا سایہ ذی سایہ نہیں ہوسکتا تو اب مرزا صاحب کا نبی ہونا۔ رسول اللہ ﷺ کا نبی ہونا نہیں ہے اگر بفرض محال یہ مان لیا جائے کہ سایہ اور ذی سایہ ایک ہوتا ہے تو رسول اللہ ﷺ ظل اللہ ہیں۔ اور اس طرح وہ نعوذ باللہ عین خدا ہیں اور مرزا صاحب عین محمد صلعم ہیں تو اس سے صاف یہ نتیجہ ہے کہ مرزا صاحب عین خدا ہوئے۔ اگر ظل ہونے کے یہ معنی ہیں کہ ذی ظل کی کوئی صفت اس میں آجائے تو ایسی ظلّیت تمام دنیا کو حاصل ہے۔ بہرحال مرزا صاحب کا دعویٰ اتحاد رسول اللہ ﷺ کے ساتھ۔ رسول اللہ ﷺ کی کھلی توہین ہے۔

مرزا صاحب کے اس قول سے کہ ”تمام کمالات متفرقہ جو تمام دیگر انبیاء میں پائے جاتے ہیں.......... نبی کریم کے ظل ہیں معلوم ہوتا ہے کہ بروزی اور ظلی نبوت کوئی کم یا گھٹیا درجہ نبوت نہیں۔ کیونکہ ظل اور بروز کے لفظ سے یہ دھوکا پڑ سکتا تھا۔ کہ مرزا صاحب کی مراد یہ ہوگی۔ کہ آئینہ میں جیسے کسی شخص کا عکس پڑتا ہے۔ اسی طرح مرزا صاحب میں بھی کمالات محمدیہ اور نبوت کا عکس

پڑا ہے۔ مگر مرزا صاحب نبی نہیں ہے۔ اس واسطے کہ کسی شخص کا عکس جو آئینہ میں ہے اس ذی عکس کی کوئی حقیقی صفت نہیں ہو سکتی۔ مرزا صاحب کی اس عبارت نے اس شبہ کو ایسا صاف اور حل کر دیا ہے۔ کہ شبہ کی گنجائش نہیں رہی مرزا صاحب کا لفظ ظل عکس اور بروز کا ہے۔ مگر مراد ہے۔ حقیقت کاملہ نبوت۔ کیونکہ وہ فرماتے ہیں۔ کہ جتنے انبیاء گذرے ہیں۔ وہ سب رسول اللہ ﷺ کی ایک ایک صفت میں ظل تھے۔ اور باوجود اس ایک صفت میں ظل ہونے کے وہ مستقل نبی صاحب شریعت تھے اور حقیقی نبی تھے۔ اور مرزا صاحب تمام صفات میں ظل ہیں۔ تو ثابت ہو گیا۔ کہ مرزا صاحب تمام نبیوں سے بڑے تھے۔ اور یہ ایک بہت بڑا کفر ہے۔ مرزا صاحب بار بار تحریر کرتے ہیں کہ پہلے نبیوں کی نبوت براہ راست اور میری نبوت فیض محمدی کا اثر ہے۔ ان کا یہ قول بھی غلط ہو جاتا ہے۔ اس واسطے کہ جب ہر ایک نبوت ان کے نزدیک آپ کا فیض تھا۔ اس طرح مرزا صاحب کی نبوت بھی آپ کا فیض ہے۔ لہذا یہ فرق کرنا بھی باطل ہوا۔

مرزا صاحب کے ایک اور قول سے جو تریاق القلوب حاشیہ صفحہ ۳۷۷ سے نقل کیا گیا ہے۔ اور جو بالفاظ ذیل ہے۔

’’غرض جیسا کہ صوفیوں کے نزدیک مانا گیا ہے۔ کہ مراتب وجود دوریہ ہیں اسی طرح ابراہیم نے اپنی خو، طبعیت اور دلی مشابہت کے لحاظ سے قریباً اڑھائی ہزار برس اپنی وفات کے بعد پھر عبداللہ پسر عبدالمطلب کے گھر میں جنم لیا۔ اور محمد کے نام سے پکارا گیا۔‘‘ سید انور شاہ صاحب گواہ مدعیہ نے یہ استدلال کیا ہے۔ کہ:

(الف) اس قول سے یہ لازم آتا ہے کہ سرور عالم صلعم کوئی چیز نہیں رہتے اور آپ کا تشریف لانا بعینہ حضرت ابراہیم علیہ السلام کا تشریف لانا ہے گویا کہ ابراہیم علیہ السلام کے یہ دُور ہیں۔ گویا اصل ابراہیم علیہ السلام رہے۔ اور آئینہ رسول اللہ ﷺ ہوئے۔ اور چونکہ ظل اور صاحب ظل میں مرزا صاحب کے نزدیک عینیت ہے۔ اور اس وجہ سے وہ اپنے کو عین محمد کہتے ہیں۔ تو جب محمد صلعم بروز ابراہیم علیہ السلام

ہوئے تو عین ابراہیم علیہ السلام ہوئے۔ اس سے صاف لازم آتا ہے کہ معاذ اللہ رسول اللہ صلعم کا کوئی وجود بالاستقلال نہیں۔ اور نہ ان کی نبوت کوئی مستقل شے ہے۔

(ب) رسول اللہ صلعم ابراہیم علیہ السلام کے بروز ہوئے۔ اور خاتم النبین آپ ہوئے۔ کہ خاتم بروز اور ظل ہوتا ہے۔ صاحب ظل اور اصل نہیں ہوتا۔ اس طرح مرزا صاحب آنحضرت صلعم کے بروز ہوئے تو خاتم النبین مرزا صاحب ہوئے نہ کہ آنحضرت صلعم۔

(ج) جب رسول اللہ صلعم حضرت ابراہیم علیہ السلام کے بروز ہوئے تو جملہ کمالات نبوت اگر مجتمع ہوں گے تو حضرت ابراہیم علیہ السلام میں ہوں گے نہ کہ آنحضرت صلعم میں۔ یہ باطل اور بے معنی ہے۔

اس کے علاوہ یہ مضمون بھی فی نفسہٖ کہ آنحضرت صلعم حضرت ابراہیم علیہ السلام کے بروز ہوں اور ابراہیم علیہ السلام آنحضرت کے بروز ہوں۔ بے معنی اور فضول ہے اسلام میں جنم کا عقیدہ کفر ہے۔ اور یہ ہے حقیقت مرزا صاحب کے نزدیک مجازی اور ظلی اور بروزی کی۔ رسول اللہ ﷺ کی توہین کے سلسلہ میں مولوی نجم الدین صاحب گواہ مدعیہ نے حسب ذیل مزید واقعات بیان کیے ہیں۔

کسی کے توہین کرنے کے یہ معنی ہیں کہ یا تو اس میں کوئی عیب جسمانی ظاہر کیا جائے یا کسی بداخلاقی کیساتھ اس کو متہم کیا جائے۔ یا کسی کے لقب کو جس کے ساتھ اللہ تعالیٰ نے اسے سرفراز فرمایا ہے۔ اس کا اپنے لیے دعویٰ کیا جائے۔ یا کوئی ایسی چیز اس کے سامنے یا اس کی شان میں کہی جائے۔ جس سے اس کی دل آزاری ہو چنانچہ چند آیات قرآنی جن میں اللہ تعالیٰ سبحانہٗ وتعالیٰ نے نبی پاک محمد صلعم کو چند مراتب اور مقامات علیہ سے مشرف فرمایا ہے۔ اگر کوئی شخص اپنے اوپر چسپاں کرے تو لامحالہ رسول اللہ صلعم کی شان میں گستاخی اور بے ادبی سمجھی جائے گی۔

چنانچہ آیات ذیل،

آیت سُبحَانَ الَّذِیٓ اَسرٰی لبعدہ............الخ

جس میں حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کے لیے شانِ معراج کا ذکر فرمایا گیا۔

دوسری آیت لثُمَّ دَنیٰ فتدلٰی............الخ

جس میں حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کے لیے جو قرب الٰہی جناب رب العزۃ سے حاصل ہوا تھا۔ یا بقول دیگر جبرائیل علیہ السلام سے ذکر ہوا ہے۔

وآیت انا فتحنالك فتحاً مبينا............الخ

وآیت قل ان كنتم تحبو ن الله............الخ

وآیت انا اعطيناك الكوثر............الخ

مرزا صاحب نے اپنے اوپر نازل ہوئی بیان کی ہیں۔ اور مقام محمود کو بھی اپنے حق میں تجویز کیا ہے۔ اور ان اشعار میں جو آگے بیان کیے گئے ہیں۔ کسی نبی کی استثناء نہیں کی گئی۔ ہمارے نبی کریم بھی انبیاء کی جماعت میں داخل ہیں۔ لفظ انبیاء کسی خاص نبی کے ساتھ مختص نہیں۔ بلکہ تمام پر حاوی اور مشتمل ہے۔ دوسرے شعر کے مصرع ثانی میں اپنی افضیلت کی طرف اشارہ کیا گیا ہے حقیقت الوحی صفحہ ۸۹ پر لکھتے ہیں’’ آسمان سے کئی تخت اُترے پر تیسرا تخت سب سے اوپر بچھایا گیا۔ اس میں بھی رسول اللہ صلعم کی توہین ہے۔

مرزا صاحب کتاب تحفہ گولڑویہ کے صفحہ ۶۳ پر لکھتے ہیں کہ مثلاً کوئی شریر النفس ان تین ہزار معجزات کا کبھی ذکر نہ کرے جو ہمارے نبی صلعم سے ظہور میں آئے۔ اور براہین احمدیہ میں لکھتے ہیں کہ ان چند سطروں میں جو پیشگوئیاں ہیں۔ وہ اسقدر نشانوں پر مشتمل ہیں جو دس لاکھ سے زائد ہوں گے۔ اور نشان بھی ایسے کھلے کھلے ہیں۔ جو اول درجہ پر خرق عادت ہیں‘‘ ان عبارات سے یہ نتیجہ نکالا گیا ہے۔ کہ رسول اللہ صلعم کے معجزات کو تین ہزار قرار دینا اور اپنے معجزات دس لاکھ۔ کیونکہ معجزہ خرق عادت ہوتا ہے۔ مرزا صاحب نے رسول اللہ صلعم پر اپنی کتنی بڑی فضیلت بیان

کی۔ اس قسم کی توہین کو توہین لزومی کہا گیا ہے۔ جس سے مراد یہ ہے۔ کہ عبارت اس لیے نہیں لائی گئی کہ تنقیص کرے۔ مگر وہ عبارت صادق نہیں آتی۔ جب تک تنقیص موجود نہ ہو۔ مذکورہ بالا عبارات میں اس قسم کی تنقیص پائی جاتی ہے۔

اس ضمن میں مرزا صاحب کا ایک قول اربعین نمبر ۴ صفحہ نمبر ۶ سے نقل کیا گیا ہے۔ جو بالفاظ ذیل ہے۔ ہاں اگر یہی اعتراض ہو کہ اس جگہ وہ معجزات کہاں ہیں تو میں صرف یہی جواب نہیں دوں گا۔ کہ میں معجزات دکھلا سکتا ہوں۔ بلکہ خدا کے فضل وکرم سے میرا جواب یہ ہے کہ اس نے میرا دعویٰ ثابت کرنے کے لیے اس قدر معجزات دکھلائے ہیں کہ بہت ہی کم نبی ایسے آئے ہیں جنہوں نے اس قدر معجزات دکھلائے ہوں کتاب اعجاز احمدی صفحہ ۷۱ پر مرزا صاحب کا ایک شعر ہے۔ جو الفاظ ذیل سے شروع ہوتا ہے "لہ خسف القمر المنیر وان لی" جس کا یہ مطلب ہے کہ اس کے لیے چاند کے خسوف کا نشان ظاہر ہوا۔ اور میرے لیے چاند اور سورج کا اس میں شق القمر کے معجزہ کو چاند گرہن سے تعبیر کیا گیا ہے۔ اس میں رسول اللہ ﷺ کی توہین اور شق القمر کا انکار ہے۔ زیادہ تر توہین لفظ لہ کے استعمال اور طرز خطاب سے اخذ کی جاتی ہے جس سے صاف طور پر تقابل دکھا کر اپنی فضیلت دکھلائی گئی ہے۔

اس طرح خطبہ الہامیہ صفحہ (ت) سطر نمبر ۲ کے ایک مقولہ سے ظاہر کیا گیا ہے کہ اس میں آدم علیہ السلام کی توہین کی گئی ہے۔ اور اس میں جو یہ الفاظ درج ہیں کہ یہ وعدہ قرآن میں لکھا ہوا ہے کہ مسیح موعود شیطان کو شکست دے گا۔ یہ بالکل خلاف واقع جھوٹ ہے قرآن شریف میں اس قسم کی کوئی آیت نہیں ہے۔

اشعار محولہ بیان مولوی نجم الدین صاحب گواہ مدعیہ حسب ذیل ہیں:

آنکہ داداست ہر نبی را جام   داداں جام رامر اہتمام
انبیاء گرچہ بودہ اند بسے   من بہ عرفاں نہ کمترم ز کسے
کم نیم زاں ہمہ بروے یقین   ہر کہ گوید دروغ ہست ولعین

اور جو مضمون ان اشتعار میں ادا کیا گیا ہے۔ اس کے متعلق سید انور شاہ صاحب گواہ کی طرف سے کہا گیا ہے کہ باہمی فضیلت کا باب انبیاء میں فرق مراتب کا ہے۔ اور جو پیغمبر افضل ہے وہ کسی قرینہ سے ظاہر ہو جائے گا کہ وہ کسی دوسرے سے افضل ہے اور نبی کریم صلعم نے اپنی امت کو یہ پہنچایا ہے۔ مگر اس احتیاط کیساتھ کہ اس سے فوق متصور نہیں۔ اور ایسی فضیلت دینا ایک پیغمبر کو اگرچہ واقعی ہو کہ جس میں دوسرے کی توہین لازم آتی ہو۔ کفر صریح ہے۔

چھٹی وجہ تکفیر میں مدعیہ کی طرف سے یہ کہا گیا ہے۔ کہ مرزا صاحب ازالۃ الادہام کے صفحہ ۲۳۰ پر لکھتے ہیں کہ ’’تواتر کی جو بات ہے وہ غلط نہیں ٹھہرائی جا سکتی اور تواتر اگر غیر قوموں کا ہو۔ تو وہ بھی قبول کیا جائے گا‘‘۔

پھر اس کے ساتھ اگلے صفحہ پر جو کچھ لکھتے ہیں اس سے یہ اخذ ہوتا ہے کہ عیسیٰ علیہ السلام کے دوبارہ تشریف لانے کی پیشنگوئی ایسی متواتر پیشنگوئیوں سے جو خیر القرون میں تمام ممالک اسلام میں پائی گئی تھی۔ اور مسلمات میں سے سمجھی گئی۔ اور یہ اول درجہ کی پیشنگوئی ہے جس کو سب نے قبول کر لیا تھا۔ اور جس قدر صحاح میں پیشگوئیاں لکھی گئی ہیں کوئی اس کے ہم پہلو نہیں انجیل بھی اس کی مصدق ہے۔ مگر اس کے بعد جب مرزا صاحب کو اس پیشنگوئی کا انکار مطلوب ہوا۔ تو انہوں نے یہ کہا کہ یہ بہت بے ادبی کی بات ہے کہ یہ کہا جائے کہ عیسیٰ علیہ السلام نہیں مرے۔ یہ نہیں ہے۔ مگر شرک عظیم یہ عقیدہ حیات کا مسلمانوں میں نصرانیوں سے آیا ہے۔ پھر اس عقیدہ کو انصاریٰ نے بہت مال خرچ کر کے مسلمانوں میں شائع کیا۔ شہروں میں اور گاؤں میں اس وجہ سے کہ ان میں کوئی شخص عقلمند نہ تھا۔ اور پہلے مسلمانوں سے یہ قول نہیں صادر ہوا۔ مگر لغزش کے طور پر وہ لوگ معذور ہیں۔ اللہ کے نزدیک اس واسطے کہ وہ لوگ گنہگار تھے۔ مگر قصداً نہ تھے اور خطا کی وجہ یہ ہوئی کہ وہ سادہ لوح آدمی تھے۔ اگر کوئی مجتہد خطا کر دے تو اللہ اس کی غلطی کو معاف بھی کرتا ہے۔ ہاں جن کے پاس امام آیا۔ حکم بینات کیساتھ اور جس نے رشد کو گمراہی سے ظاہر کر دیا۔ اور پھر بھی انہوں نے اعتراض کیا۔ وہ لوگ ماخوذ ہوں گے اس سے یہ نتیجہ اخذ کیا گیا ہے کہ مرزا

صاحب حیات عیسیٰ علیہ السلام کو شرک نہیں بلکہ شرک عظیم فرماتے ہیں۔ اور وعدہ الٰہی کے مطابق بمنشاء آیت ان اللہ لا یغفر ان یشرک ......الخ شرک کا معاف ہونا قطعاً محال ہے۔ اس سے لازم آتا ہے کہ مرزا صاحب کے اس قول کی بناء پر ساری اُمت گمراہ تھی۔ اور ساری اُمت مشرک و کافر تھی۔ اور جو شخص تمام اُمت کو گمراہ اور کافر کہے۔ وہ خود کافر ہوتا ہے مرزا صاحب کے اس قول سے اسلام پر اتنا بڑا حملہ ہوا ہے۔ کہ اسلام کی ایک ذرہ بھر وقعت نہیں رہ سکتی۔ جب کہ یہ ثابت بھی ہو گیا۔ کہ یہ عقیدہ بطریق تواتر تمام ممالک اسلام میں پھیل گیا تھا۔ اور سب نے قبول بھی کر لیا۔ اور کسی چھوٹے بڑے کو اس کی برائی کی اطلاع نہ ہوئی۔ اگر مرزا صاحب تشریف نہ لاتے تو جیسے پہلی ساری اُمت معاذ اللہ شرک عظیم میں مبتلا تھی۔ آگے اسی طرح شرک عظیم میں مبتلا رہتی اور ممکن ہے کہ آئندہ کوئی اور شخص مجدد یا رسول اللہ صلعم کا بروز بنکر ۲۰۔۲۵ اور شرک ثابت کر دے تو جب قرآن اور حدیث اور مسلمانوں کا ایسا مذہب ہے۔ کہ شرک عظیم کا اس میں تیرہ سو برس تک پتہ نہ لگا تو پھر اس مذہب کا کیا اعتبار رہیگا۔

چنانچہ مرزا صاحب ایک اور استفتاء ضمیمہ حقیقت الوحی صفحہ ۴۴ پر لکھتے ہیں۔ کہ جو شخص بالقصد اس کا خلاف کرے اور یہ کہے کہ عیسیٰ علیہ السلام زندہ ہے۔ پس ان لوگوں میں سے ہے۔ کہ جو قرآن کے کافر ہیں۔ ہاں جو لوگ مجھ سے پہلے گزر گئے وہ اپنے اللہ کے نزدیک معذور ہیں۔"

دوسری کتاب دافع البلاء میں صفحہ ۱۵ پر لکھتے ہیں کہ "ہم نے سنا ہے کہ وہ بھی دوسرے مولویوں کی طرح اپنے مشرکانہ عقیدہ کی حمایت میں کہ تا کہ کسی طرح حضرت مسیح ابن مریم کو موت سے بچالیں۔ اور دوبارہ اتار کر خاتم الانبیاء بنا دیں۔ بڑی جانکاہی سے کوشش کر رہے ہیں۔ الفضل جلد ۳ نمبر ۳ مورخہ ۲۹؍جون 1915ء صفحہ ۷ پر درج ہے۔ پس ان معنوں میں مسیح موعود جو آنحضرت صلعم کی بعثت ثانی کے ظہور کا ذریعہ ہے۔ اس کے احمد اور نبی اللہ ہونے سے انکار کرنا گویا آنحضرت کی بعثت ثانی اور نبی اللہ ہونے سے انکار کرنا ہے۔ جو منکر کو دائرہ اسلام

سے خارج اور پکا کافر بنا دینے والا ہے۔

اس ضمن میں مولوی نجم الدین صاحب گواہ مدعیہ نے ایک وجہ کفریہ بیان کی ہے کہ مرزا صاحب نے تمام مسلمانان عالم کو جو ان کی جماعت میں داخل نہیں خواہ وہ ان کو کافر کہیں یا نہ کہیں۔ اور بقول خلیفہ ثانی ان کو دعوت پہنچے یا نہ۔ خارج از اسلام قرار دیا ہے۔ جو شخص تمام اُمت محمدیہؐ کو اسلام سے خارج کہتا ہے وہ کس طرح خود کو کفر کی زد سے بچ سکے گا۔

ان وجوہ تکفیر کے علاوہ مرزا صاحب کے حسب ذیل اعتقادات بھی عامۃ المسلمین کے اعتقادات کے خلاف بیان کئے گئے ہیں۔

مرزا صاحب یہ کہتے ہیں کہ قیامت کے معنےٰ جو مسلمان اب تک سمجھتے تھے۔ اس معنےٰ پر قیامت نہیں ہونیکی۔ قرآن میں جو نفخ صور آیا ہے نہ اس سے یہ مراد ہے کہ واقعی کوئی نفخ صور ہے اور نہ یہ مراد ہے کہ قیامت قائم ہوگی۔ بلکہ اس سے مراد مرزا صاحب کا تشریف لانا ہے۔ قیامت کے متعلق جتنی آیات قرآن مجید میں ہیں اور جتنی احادیث میں ہیں ان تمام امور کا انکار ہے صرف لفظوں کا انکار نہیں۔ مگر جن معنوں سے قرآن اور حدیث قیامت کو بیان کرتے ہیں ان چیزوں کا انکار ہے۔ مردوں کا قبروں سے اُٹھنا جو بہت سی آیات میں مزکور ہے اِس کا بھی انکار ہے۔ وغیرہ وغیرہ۔

مولوی غلام محمد صاحب شیخ الجامعہ گواہ مدعیہ نے مرزا صاحب کے چند دیگر اقوال بھی خلاف شریعت بیان کئے ہیں۔ جو حسب ذیل ہیں۔

مثلاً مرزا صاحب اپنی کتاب آئینہء کمالات صفحہ ۵۶۵/ ۵۶۴ پر لکھتے ہیں کہ ”میں نے خواب میں اپنے آپ کو اللہ کا عین دیکھا۔ اور یقین کیا کہ میں وہی ہوں۔ اور خدائی والوہیت میرے رگ وریشہ میں گھس گئی۔ اور میں نے اس حالت میں دیکھا کہ ہم نیا نظام بنانا چاہتے ہیں۔ نئی زمین، نیا آسمان۔ پس پہلے میں نے آسمان اور زمین کو اجمالی صورت میں پیدا کیا۔ جس میں کوئی تفریق وترتیب نہ تھی۔ پھر میں نے ان کو مرتب کیا۔ اور میں اپنے دل سے جانتا تھا۔ کہ

میں ان کے پیدا کرنے پر قدرت رکھتا ہوں۔ پھر میں نے سب سے قریبی آسمان کو پیدا کیا۔ پھر میں نے کہا کہ انا زینا السماء الدنیا بمصابیح.......... الخ پھر میں نے کہا کہ ہم انسان کو کیچڑ میں سے پیدا کریں گے۔“

اس سے ظاہر ہوتا ہے کہ مرزا صاحب نے اُلوہیّت کا دعویٰ کیا۔ اور اپنے آپ کو خالق جانا۔ اور کوئی شخص جب خدائی دعویٰ کرے۔ اور اپنے آپ کو خالق جانے تو وہ اسلام سے مرتد ہو جاتا ہے۔

حقیقت الوحی صفحہ ۸۶ پر لکھتے ہیں۔ کہ خدا نے مجھے فرمایا کہ تو مجھ سے بمنزلہ میرے فرزند کے ہے۔“ اسی کتاب حقیقت الوحی کے صفحہ ۱۰۳ پر لکھتے ہیں۔ کہ میں رسول کے ساتھ ہو کر جواب دوں گا۔ کبھی خطا کروں گا کبھی ثواب کو پہنچوں گا۔ اس سے خدا کو غلطی کرنیوالا قرار دیا گیا ہے۔

اسی کتاب کے صفحہ ۷۵ پر لکھتے ہیں۔ کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ جیسے زمین و آسمان ہمارے ساتھ اسی طرح تمہارے ساتھ بھی ہے اس سے مرزا صاحب نے اللہ تعالیٰ کی طرح اپنے آپ کو حاضر ناظر جانا۔ اسی کتاب کے صفحہ ۱۰۵ پر لکھتے ہیں۔ کہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے۔ کہ تو جس چیز کو بنانا چاہے۔ پس ”کن کہدے“ وہ ہو جائے گی۔

البشریٰ جلد دوم صفحہ ۷۹ پر لکھتے ہیں۔ کہ ”میں نماز بھی پڑھتا ہوں روزے بھی رکھتا ہوں۔ جاگتا بھی ہوں اور سوتا بھی ہوں۔ جسطرح میں ازلی ہوں۔ اسطرح تیرے لیے بھی میں نے ازلیت کے انوار کردیئے ہیں۔ اور تو بھی ازلی ہے۔“

توضیح المرام کے صفحہ ۷۵ پر لکھتے ہیں۔ کہ قیوم العالمین ایک ایسا وجود عظیم ہے کہ جس کے بیشمار ہاتھ اور بیشمار پیر ہیں اور ہر ایک عضو اس کثرت سے ہے۔ کہ تعداد سے خارج اور لاانتہا عرض و طول رکھتا ہے۔ اور تیندوے کیطرح اس وجود اعظم کی تاریں بھی ہیں۔ جو صفحہ ہستی کے تمام کناروں تک پھیل رہی ہیں اور کشش کا کام دے رہی ہیں۔

اس سے معلوم ہوا کہ مرزا صاحب خداوند تعالیٰ کو تیندوے کے ساتھ تشبیہ دیتے ہیں۔ کتاب ضمیمہ تریاق صفحہ ۳۹۷ پر مرزا صاحب لکھتے ہیں کہ نئی زندگی ہرگز حاصل نہیں ہوسکتی جب

تک ایک نیا یقین پیدا نہ ہو۔ اور کبھی نیا یقین پیدا نہیں ہو سکتا۔ جب تک موسیٰ مسیح اور یعقوب اور محمد مصطفےٰ ﷺ کی طرح نئے معجزات نہ دکھلائے جائیں۔ نئی زندگی انہی کو ملتی ہے جن کا خدا نیا ہو۔"

اس سے مرزا صاحب نے خدا کو حادث بتلایا اور یہ عقائد وہ ہیں جو مرزا صاحب نے اللہ تعالیٰ کے متعلق رکھے ہیں۔ اور ان سے یقیناً ایک مسلمان مرتد ہو جاتا ہے، قرآن شریف کے متعلق مرزا صاحب کا عقیدہ حسب ذیل ہے۔

حقیقت الوحی صفحہ ۸۴ پر لکھتے ہیں کہ قرآن شریف خدا کی کتاب اور میرے منہ کی باتیں ہیں۔ ان دلائل کے علاوہ مدعیہ کی طرف سے چند نظائر بمثل مسلیمہ کذاب وغیرہ کے بھی پیش کی گئی ہیں کہ انہوں نے دعویٰ نبوت کیا تھا اور اس بناء پر انہیں قتل کیا گیا ان کی زیادہ تفصیل درج کرنے کی ضرورت نہیں۔

اس تمام بحث سے جو اوپر بیان ہوئی حسب ذیل نتائج برآمد کئے گئے ہیں۔

۱۔ مرزا صاحب نے دعویٰ نبوت شرعیہ تشریعیہ کیا۔ جو باتفاق اُمت اور باتفاق مرزا صاحب کفر ہے مرزا صاحب نے اپنے کلام میں شریعت کی تشریح بھی کر دی ہے۔

۲۔ مرزا صاحب نے اقرار فرمایا کہ خاتم النبین کے بعد مطلق نبوت منقطع ہے۔ اور جو دعویٰ نبوت کرے وہ کافر ہے۔ مرزا صاحب نے دعویٰ نبوت کیا اس لیے کافر ہوئے۔

۳۔ مرزا صاحب نے یہ بھی فرمایا کہ خاتم النبین کے بعد کوئی نبی جدید یا قدیم نہیں آ سکتا۔ اور اس کو قرآن کا انکار کرنا بتلایا ہے۔ لیکن پھر خود دعویٰ نبوت کیا۔

۴۔ مرزا صاحب نے فرمایا کہ آنحضرت ﷺ کے بعد کوئی نبی نہیں آ سکتا، آپ کا خاتم الانبیاء ہونا۔ خاتم النبین اور "لا نبی بعدی" سے ثابت ہے اور پھر اس کے بعد یہ کہا کہ جو ایسا کہے کہ آپ کے بعد نبوت نہیں آ سکتی وہ خود کافر ہے اس لیے بھی مرزا صاحب کافر ہوئے۔

۵۔ مرزا صاحب نے جواز نبوت کو رسول اللہ صلعم کے بعد کفر قرار دیا ہے۔ اب مرزا صاحب اس نبوت کو فرض قرار دیتے ہیں اور ایمان قرار دیتے ہیں یہ اس سے بڑھکر کفر ہے۔

٦۔ مرزا صاحب دروازہ نبوت کو کھول کر اپنے ہی تک محدود نہیں رکھتے۔ بلکہ یہ کہتے ہیں کہ قیامت تک کھلا رہے گا۔ اس وجہ سے بھی کافر ہوئے۔

۷۔ مرزا صاحب یہ نہیں کہتے کہ رسول اللہ ﷺ کے بعد کوئی دوسرا نبی آئے گا۔ بلکہ یہ کہتے ہیں کہ ممکن ہے کہ ہزار بار محمد رسول اللہ صلعم ہی خود بروز فرمائیں گویا رسول اللہ صلعم جیسے ہزاروں لوگ یا ہزاروں نبی اب واقع ہو سکتے ہیں۔ امکان ذاتی نہیں بلکہ امکان وقوعی ہے پھر مرزا صاحب نے یہ کہا کہ سرور عالم کی ایک بعثت پہلے تھی۔ ایک بعثت ثانیہ ہوئی اس کا حاصل تناسخ ہے جو تناسخ کا قائل ہے۔ وہ کافر ہے۔

۸۔ مرزا صاحب کہتے ہیں کہ میں عین محمدؐ ہوں۔ اس میں سرور عالم کی توہین ہے۔ اگر واقعی عین ہیں تو کھلا ہوا کفر۔ اگر عین محمدؐ نہیں ہیں۔ تو ان کے بعد دوسرے نبی ہوئے اور ختم نبوت کی مہر ٹوٹ گئی۔ یہ اور وجہ کفر کی ہوئی۔

۹۔ مرزا صاحب نے دعویٰ وحی کیا۔ اور ساتھ ہی دعویٰ وحی نبوت کیا جو کفر ہے۔

۱۰۔ مرزا صاحب نے اس وحی کو قرآن۔ تورات اور انجیل کے برابر کہا۔ اس بناء پر قرآن آخرالکتب باقی نہیں رہتا۔ یہ بھی وجہ کفر ہے۔

۱۱۔ مرزا صاحب نے اپنے اقرار سے اور تمام علماء نے اس کی تفریح کی کہ جو شخص کسی نبی کو گالی دے۔ یا توہین کرے وہ کافر ہے۔ مرزا صاحب نے عیسیٰ علیہ السلام کی کئی وجوہ سے توہین کی۔ ہر توہین موجب کفر ہے۔ علاوہ ازیں مرزا صاحب نے آدم علیہ السلام کی سرور عالم کی توہین کی۔ اس لیے بھی کافر ہوئے۔

۱۲۔ مرزا صاحب نے احکام شریعت کو بدلا لہذا اس وجہ سے بھی مرزا صاحب پر کفر لازم آتا ہے۔ مرزا صاحب نے فرمایا کہ کسی احمدی عورت کا غیر احمدی سے نکاح جائز نہیں نیز یہ کہ کسی غیر احمدی کا جنازہ پڑھنا جائز نہیں۔ نیز فرمایا کہ پس یاد رکھو کہ خدا نے مجھے اطلاع دی ہے۔ تمہارے پر حرام اور قطعی حرام ہے کہ کسی مکفر مکذب یا متردو کے پیچھے نماز پڑھو بلکہ چاہئے کہ تمہارا وہی امام ہو جو تم میں سے ہو۔ حاشیہ تحفہ گولڑویہ صفحہ ۱۸ (۱۲) مرزا صاحب نے فرمایا ہے کہ جو مجھے نہ مانے وہ کافر ہے۔

۱۳۔ مرزا صاحب نے نفخ صور کا انکار کیا۔ مردوں کو قبروں سے اٹھنے سے انکار ہے جس طریق سے قیامت کی خبر قرآن اور حدیث میں آئی۔ ان سے بالکل انکار ہے صرف ظاہری الفاظ ہی رکھے۔ مگر معنے الٹ بیان کیے۔ یہ وجوہ بھی مرزا صاحب کی تکفیر کے ہیں۔ لہذا ان وجوہ پر کسی مسلمان مرد و عورت کا کسی احمدی مرد عورت سے نکاح جائز نہیں۔ اگر نکاح ہو گیا تو اور نکاح کے بعد کوئی اس مذہب میں داخل ہو جائے۔ تو نکاح فوراً فسخ ہو جائے گا۔

اور اپنے اس ادعا کی تائید میں چند دیگر علماء کے فتاوے بھی پیش کیے گئے ہیں جو مثل کے ساتھ شامل ہیں۔ اور سید انور شاہ صاحب گواہ نے مصر اور شام کے دو مطبوعہ فتووں کا حوالہ بھی اپنے بیان میں دیا ہے۔

تحریری فتوے جو مثل پر لائے گئے ہیں حسب ذیل مقامات کے علماء کے ہیں۔ مکہ معظمہ۔ ریاست رام پور۔ دارالافتاء ریاست بھوپال۔ ہمایوں (سندھ) بریلی۔ ڈابھیل۔ دہلی سہارن پور تھانہ بھون ملتان علماء کی فہرست میں شیخ عبداللہ صاحب رئیس القضاۃ مکہ معظمہ مفتی کفایت اللہ صاحب صدر جمعیۃ علماء ہند اور مولوی اشرف علی صاحب کے اسماء بھی ہیں۔

فریق ثانی کی طرف سے ان دلائل کا جو مرزا صاحب کی تکفیر کے متعلق مدعیہ کی طرف سے پیش کیے گئے ہیں۔ تین طریق پر جواب دیا گیا ہے۔

اول یہ کہ مرزا صاحب کی جن عبارات سے یہ دکھلایا گیا ہے کہ ان سے ان کے عقائد کفریہ ظاہر ہوتے ہیں۔ ان عبارات کے ماسبق اور مابعد کی عبارات کو مدنظر نہیں رکھا گیا اور نہ ہی سیاق وسباق عبارت کو زیر غور لایا گیا ہے اگر ان امور کو مدنظر رکھتے ہوئے ان عبارات پر غور کیا جاوے۔ تو ان سے وہ نتائج اخذ نہیں ہوتے جو گواہان مدعیہ نے بیان کیے ہیں۔

دوسرا یہ کہ مرزا صاحب نے خود دیگر مقامات پر ان عبارات کی تشریح کر دی ہے اس لیے ان عبارات سے وہی مفہوم لیا جائے گا۔ جو انہوں نے خود بیان کیا۔ اور کہ دیگر مقامات پر ایسی عبارات بھی موجود ہیں کہ جن کو مدنظر رکھتے ہوئے نہیں کہا جا سکتا کہ ان عبارات زیر اعتراض سے مرزا صاحب کا وہی مدعا تھا۔ جو گواہان مدعیہ نے اخذ کیا۔

تیسرا یہ کہ مرزا صاحب کے اقوال زیر بحث میں سے بعض اقوال ایسے ہیں جو دیگر بزرگان دین سے بھی سرزد ہوئے۔ لیکن فریق مدعیہ کے نزدیک وہ بزرگان مسلمان تھے اس لیے ان اقوال کی بناء پر مرزا صاحب کے خلاف کیونکر فتویٰ تکفیر لگایا جا سکتا ہے۔ یہ تمام امور تشریح طلب ہیں۔ اور اپنے اپنے موقعہ پر ان کی تفصیل بیان کی جائے گی۔ اور وہاں ان کا پورا جواب بھی دیا جائے گا یہاں ان کے متعلق مختصراً یہ درج کیا جاتا ہے۔ کہ عبارات زیر بحث میں سے بعض ایسی ہیں کہ جو اپنے اندر ایک مستقل مفہوم لیے ہوئے ہیں۔ اور ان میں کوئی ایسا ابہام نہیں ہے۔ کہ جو کسی تشریح یا توجیہ کا محتاج ہو۔ اس لیے ایسی عبارات کے نہ ماسبق اور مابعد دیکھنے کی ضرورت ہے۔ اور نہ سیاق وسباق معلوم کرنیکی۔ لہذا ان فقرات کی اپنی ترتیب سے ہی جو مفہوم اخذ ہوگا وہی مراد لیا جائے گا۔

امر دوم کے متعلق اول تو مرزا صاحب کی کتابوں کے مطالعہ سے یہ پایا جاتا ہے کہ ان کے بہت سے اقوال میں تعارض ہے۔ اور اس تعارض کو کسی صاف تشریح یا وضاحت سے رفع نہیں کیا گیا۔ دوسرا جیسا کہ اوپر درج کیا گیا ہے بعض عبارات فی نفسہ ایسے مستقل جملے ہیں کہ جو اپنے مفہوم کی خود وضاحت کر رہے ہیں اس لیے تاوقتیکہ یہ نہ دکھلایا جاوے۔ کہ یہ کلمات واپس لیے

گئے۔ دیگر کلمات نہ ان کے قائمقام تصور ہو سکتے ہیں۔ اور نہ ان کی تشریح بن سکتے ہیں۔ اس لیے یہ کہنا غلط ہے۔ کہ ان اقوال کو ان اقوال کے تحت سمجھا جاوے جو مرزا صاحب نے دوسری جگہ بیان کیے ہیں۔ کیونکہ وہ اقوال اقوال زیر بحث کو مسترد نہیں کرتے بلکہ جیسا کہ مدعیہ کے گواہ سید انور شاہ صاحب نے بیان کیا ہے۔ معلوم یہ ہوتا ہے کہ یہ روش مرزا نے عمداً اختیار کی تاکہ نتیجہ گڑبڑ رہے۔ اور ان کو بوقت ضرورت مخلص اور مفر باقی رہے۔

امر سوم کے متعلق اول تو ان بزرگان کے اقوال بعینہٖ ان الفاظ میں نہیں جو مرزا صاحب نے بیان کیے ہیں۔ دوسرا مقدمہ ہذا میں ان بزرگان کے مسلمان یا نہ مسلمان ہونے کا سوال زیر بحث نہیں ہے۔ اور نہ ہی ان کے دیگر حالات پیش نظر ہیں۔ اس لیے مرزا صاحب کے مقابلہ میں ان کے الفاظ پیش کرنا ایک سعی لاحاصل ہے۔

علاوہ ازیں سید انور شاہ صاحب گواہ مدعیہ نے یہ بیان کیا ہے کہ صوفیا کے ہاں ایک باب ہے جس کو شطحیات کہتے ہیں۔ اس کا حاصل یہ ہے کہ ان پر حالات گزرتے ہیں اور ان حالات میں کوئی کلمات ان کے منہ سے نکل جاتے ہیں۔ جو ظاہری قواعد پر چسپاں نہیں ہوتے۔ اور بسا اوقات غلط راستہ لینے کا سبب ہو جاتے ہیں۔ صوفیا کی تصریح ہے۔ کہ ان پر کوئی عمل پیرا نہ ہو اور تصریحیں کرتے ہیں کہ جس پر یہ احوال نہ گذرے ہوں۔ وہ ہماری کتاب کا مطالعہ نہ کرے۔ مجملاً ہم بھی یہ سمجھتے ہیں کہ کوئی شخص جو کسی حال کا مالک ہوتا ہے۔ دوسرا خالی آدمی ضرور اس سے اُلجھ جائے گا۔ لیکن دین میں کسی زیادتی کمی کے صوفیا میں سے بھی کوئی قائل نہیں۔ اور ایسے مدعی کو کافر بالاتفاق کہتے ہیں۔

فریق ثانی کی طرف سے مرزا صاحب کی کتابوں سے ان کے چند عقائد بیان کیے جا کر یہ ظاہر کیا گیا ہے کہ قرآن مجید اور احادیث وفقہ کی رو سے جن باتوں کو ایک شخص کے مومن اور مسلمان ہونے کے لیے ضروری قرار دیا گیا ہے وہ سب مرزا صاحب میں ان کی جماعت میں پائی جاتی ہیں۔ اور وہ ان سب پر خلوص دل اور صمیم قلب سے یقین اور اعتقاد رکھتے ہیں۔ اور جن

اعمال صالحہ کے بجالانے کا حکم دیا گیا ہے۔ وہ سب بجالاتے ہیں۔ اور ان کا دین وہی ہے۔ جو آنحضرت صلعم خدا کی طرف سے لائے۔ اور وہ ایمان رکھتے ہیں۔ کہ دین اسلام کے سوا اگر کوئی شخص کوئی اور دین اختیار کرے۔ تو وہ عنداللہ ہرگز مقبول نہیں گواہان مدعیہ نے انہیں کافر، مرتد، ضالّ اور خارج از اسلام قرار دیا ہے۔ اور ضروریات دین کا منکر ٹھہرایا ہے۔ لیکن جن امور کی بناء پر انہوں نے کافر اور مرتد کہا ہے ان کا ضروریات دین سے ہونا قرآن مجید اور احادیث صحیحہ سے ثابت نہیں کیا۔ بلکہ انہوں نے اپنے فتوئ تکفیر کی بناء پر بعض علماء کے اقوال پر رکھی ہے۔ اور اس ضمن میں ان علماء کے طرز افتاء پر اعتراض کرتے ہوئے چند کتب فقہ کے حوالوں سے یہ دکھلایا گیا ہے۔ کہ اگر ان امور کو جو ان حوالہ جات میں درج ہیں۔ مدنظر رکھا جاوے۔ تو اس سے بڑے بڑے بزرگ اور تمام شیعہ اور وہ نئے تعلیم یافتہ نوجوان جو یہ کہتے سنے جاتے ہیں کہ اگر جنت میں ان موجودہ مولویوں نے بھی جانا ہے تو ہمیں ایسی جنت نہیں چاہیئے۔ اور وہ تمام مسلمان جو سرکاری دفتر میں ملازم ہیں اور اپنے ہندو یا عیسائی افسران کو تحائف دیتے ہیں کافر ہیں۔ اور ان عورتوں کے لیے جو اپنے خاوندوں کی بدسلوکی سے تنگ ہیں اور ان کے عقد نکاح سے نکلنا چاہتی ہیں۔ یہ اچھی ترکیب بتلائی گئی ہے کہ اگر ان میں سے کوئی عورت یہ کہہ دے کہ میں کافر ہوئی ہوں تو معاً وہ کافر ہو جائے گی۔ اور اس کا نکاح فسخ ہو جائے گا اور وہ تمام مسلمان جو گاندھی ٹوپی یا ہیٹ لگاتے ہیں۔ کافر ہیں۔ اور اس طرح وہ مسلمان بھی جو ہندو اور انگریز افسروں کو سلام کرتے ہیں۔ اور اس طرح سکول اور کالجوں کے وہ مسلمان طلباء جو اپنے ہندو یا عیسائی استادوں کو تعظیماً سلام کرتے ہیں۔ اور اس طرح ہزار ہا وہ تعلیم یافتہ اشخاص جو مولویوں کی دقیانوسی باتوں پر جنہیں یہ لوگ علم اور دین خیال کرتے ہیں۔ ہنستے ہیں کافر ہیں۔ اور اس طرح وہ مسلمان جو کسی غیر مسلم کو اس کے سوال کرنے پر کہ مجھ پر اسلام کی صداقت بیان کر کسی مولوی کے پاس برائے جواب لے جاتے ہیں کافر ہیں وغیرہ وغیرہ۔

پس اگر ان علماء اور مولویوں کے کہنے پر کسی کو کافر بنایا جا سکتا ہے تو مذکورہ بالا امور کے تحت تمام ایسے مسلمان جو اوپر بیان کیے گئے ہیں۔ کافر ہیں۔ اور ان کا نکاح فسخ ہونا چاہئیے لیکن اصول مذکورہ بالا پر علماء کا موجودہ زمانہ میں عمل نہیں ہے۔ اور ان امور کو جو ان حوالہ جات میں درج ہیں۔ ضروریات دین میں سے سمجھا گیا ہے۔ اور ان کے منکر کو کافر اور مرتد کہا گیا ہے۔ اس کے بعد یہ بیان کیا گیا ہے۔ کہ گواہان مدعیہ نے اپنے بیانات کی تائید میں چند مفسرین کے اقوال نقل کیے ہیں۔ لیکن یہ بہت بڑی غلطی ہے۔ کہ مفسرین کے اقوال کو بلا سوچے سمجھے من وعن تسلیم کر لیا جاوے۔ اور جو کچھ وہ اپنے خیال وعقیدہ کے مطابق لکھ گئے۔ اسے حرف بحرف مان لیا جاوے اس لیے ہمیں حسب تعلیم قرآن مجید ضروری ہوا۔ کہ ہم خود بھی قرآن مجید کی آیات میں غور وتدبر کریں۔ اور تحقیق کے بعد جو اقرب الی الصواب ہو۔ اس کو اختیار کریں پس مفسرین کے اقوال پر عقائد کی بنیاد رکھنا صحیح نہیں ہے علماء اور ائمہ کی اندھی تقلید نہایت مذموم ہے پس یہ ضروری نہیں کہ پہلے علماء جو کچھ تفسیروں میں لکھ گئے ہم آنکھ بند کر کے ان پر ایمان لے آویں۔ بلکہ ہمارا فرض ہے کہ ہم ان فتوؤں اور اقوال کو کتاب اللہ، سنت رسول اللہ صلعم اور عقل سلیم کی کسوٹی پر پرکھیں۔ اور جو قرآن اور سنت سے صحیح ثابت ہو اسے اختیار کریں۔ اور مخالف کو چھوڑ دیں۔ اور امت کے ان علماء کے متعلق ہمارا مذہب یہ ہے کہ انہوں نے اپنی نیک نیتی سے جو باتیں موافق اور مخالف پائیں۔ یا جو وہ سمجھ سکے وہ ہم تک پہنچاویں جس کے لیے وہ تمام ہمارے شکریہ کے مستحق ہیں۔

اس کے آگے پھر وجوہات تکفیر کا جواب شروع ہو جاتا ہے اس لیے تحت میں اس بحث کا جواب درج کیا جاتا ہے۔

مرزا صاحب کے عقائد کے متعلق سید انور شاہ صاحب گواہ مدعیہ نے نہایت عمدہ جواب دیا ہے وہ کہتے ہیں کہ مرزا صاحب چونکہ مادرزاد کافر نہ تھے۔ اور ابتداء ان کی تمام اسلامی عقائد پر نشوونما ہوئی۔ اس لیے انہی کے وہ پابند تھے۔ اور وہی کہے پھر تدریجاً ان سے الگ ہونا شروع ہوا۔ یہاں تک کہ آخری اقوال میں بہت سی ضروریات دین کے قطعاً مخالف ہو گئے۔ دوسرا یہ کہ

الفاظ وہی قائم رکھے جو قرآن اور حدیث میں مذکور ہیں۔ اور عام وخاص مسلمانوں کی زبانوں پر جاری ہیں۔ لیکن ان کے حقائق کو ایسا بدل دیا جس سے بالکل ان عقائد کا انکار ہو گیا۔ اس لیے مرزا صاحب کی کتابوں سے ایسے اقوال پیش کرنا جن سے ظاہر ہوتا ہے کہ وہ بعض عقائد میں اہلسنت والجماعت کیساتھ شریک ہیں ان کے اقوال وافعال کفریہ کا کفارہ نہیں بن سکتے۔ جب تک اس کی تصریح نہ ہو۔ کہ ان عقائد کی مراد بھی وہی ہے جو جمہور اُمت نے سمجھی۔ اور پھر اس کی تصریح نہ ہو کہ جو عقائد کفریہ انہوں نے اختیار کیے تھے۔ ان سے توبہ کر چکے ہیں۔ اور جب تک توبہ کی تصریح نہ ہو چند عقائد اسلام کے الفاظ کتابوں میں لکھ کر کفر سے نہیں بچ سکتے۔ کیونکہ زندیق اس کو کہا جاتا ہے۔ کہ جو عقائد اسلام ظاہر کرے۔ اور قرآن وحدیث کے اتباع کا دعویٰ کرے لیکن اس کی ایسی تاویل اور تحریف کر دے جن سے اس کے حقائق بدل جائیں اس لیے جب تک اس کی تصریح نہ دکھلائی جاوے کہ مرزا صاحب ختم نبوت اور انقطاع وحی کے ان معنٰی کے لحاظ سے قائل ہیں جس معنے سے کہ صحابہ، تابعین۔ اور تمام امت محمدیہ قائل ہے۔ اس وقت تک ان کی کسی ایسی عبارت کا مقابلہ میں پیش کرنا مفید نہیں ہو سکتا۔ جس میں خاتم النبیین کے الفاظ کا اقرار کیا۔ اسی طرح نزول مسیح وغیرہ عقائد کے الفاظ کا کسی جگہ اقرار کر لینا یا لکھ دینا بغیر تصریح مذکور کے ہرگز مفید نہیں ہے، خواہ وہ عبارت تصنیف میں مقدم ہو یا مؤخر۔

یہ بات ثابت ہو چکی۔ کہ مرزا صاحب اپنی آخیر عمر تک دعویٰ نبوت پر قائم رہے اور اپنے کفریہ عقائد سے کوئی توبہ نہیں کی۔ علاوہ ازیں اگر یہ ثابت بھی نہ ہو۔ تو کلمات کفریہ اور عقائد کفریہ کہنے اور لکھنے کے بعد اس وقت تک ان کو مسلمان نہیں کہہ سکتے جب تک ان کی طرف سے ان عقائد سے توبہ کرنے کا اعلان نہ پایا جاوے۔ اور یہ اعلان ان کی کسی کتاب یا تحریر سے ثابت نہیں پایا گیا۔

عدالت ہذا کی رائے میں مرزا صاحب کے عقائد کی بابت یہ جواب بہت جامع اور مدلل ہے اور گو کہ مختار مدعیہ نے اپنی بحث میں ان کے ہر عقیدہ پر تفصیلی بحث بھی کی ہے۔ لیکن اس کی

موجودگی میں ان عقائد پر مزید کسی بحث کی ضرورت نہیں رہتی۔ مختار مدعیہ نے بحث کی ہے کہ مرزا صاحب کا خود کلمہ طیبہ پر بھی پورا ایمان نہ تھا۔ کیونکہ اس کلمہ پر اس صورت میں ہی مکمل ایمان تصور ہو سکتا ہے۔ جبکہ خداوند تعالیٰ کی صفات اور رسول اللہ صلعم کی خصوصیات پر پورا ایمان ہو۔ مرزا صاحب کے بعض اقوال سے یہ پایا جاتا ہے کہ انہوں نے اپنے اندر الوہیت کو موجزن پایا۔ اور اپنے آپ میں خدائی طاقتیں اور صفتیں موجود دیکھیں اور اپنے آپ کو رسول اللہ صلعم کی خصوصیات اور مدارج میں شریک بتلاتے ہیں۔ اور انہیں خاتم النبیین بمعنی آخری نبی تسلیم نہیں کرتے۔ اس لیے نہیں کہا جاسکتا کہ وہ کلمہ طیبہ پر انہیں لوازم کے تحت ایمان رکھتے ہیں۔ جیسا کہ دیگر مسلمان۔ اس لیے بھی انہیں مسلمان تصور نہیں کیا جاسکتا۔

لیکن عدالت ہذا کی رائے میں ایسی تفصیلی بحث میں جانے کی ضرورت نہیں کیونکہ مرزا صاحب کی تکفیر کا سوال مقدمہ ہذا میں اصل سوال مابہ النزاع نہیں بلکہ ایک ضمنی سوال ہے۔ اصل سوال مدعا علیہ کے ارتداد اور تکفیر کا ہے۔ اس لیے مرزا صاحب کے اعتقادات کے متعلق صرف اس حد تک بحث کی ضرورت ہے جس حد تک کہ مدعا علیہ کے خلاف امور مذکورہ بالا کے تصفیہ کے لیے روشنی پڑ سکتی ہے۔

علاوہ ازیں اگر اس بحث کو بفرض محال صحیح بھی تسلیم کر لیا جاوے تو پھر یہ دکھلانا پڑے گا کہ مدعا علیہ کا کلمہ طیبہ پر بھی ویسا ہی ایمان ہے جیسا کہ مرزا صاحب کا۔ اور اس کا حل مشکلات سے خالی نہیں ہوگا۔ کیونکہ مدعا علیہ کی نیت کا اندازہ پورے طور نہیں لگایا جاسکتا۔

مدعا علیہ کی طرف سے یہ کہا گیا ہے۔ کہ جن امور کی بناء پر مرزا صاحب اور ان کی جماعت کو ضروریات دین کا منکر قرار دیا جا کر کافر اور مرتد کہا گیا ہے ان کا ضروریات دین سے ہونا قرآن مجید یا احادیث صحیحہ سے ثابت نہیں کیا گیا معلوم ہوتا ہے کہ مدعا علیہ کی طرف سے یا تو مدعیہ کی پیش کردہ شہادت اور بحث کو بغور ذہین نشین نہیں رکھا گیا۔ یا دیدہ دانستہ مغالطہ پیدا کرنے کی کوشش کی گئی۔ گواہان مدعیہ نے بہت تکرار اور شدومد کے ساتھ اور خود مرزا صاحب کے

اپنے احوالوں سے یہ دکھلایا ہے۔ کہ رسول اللہ صلعم کے خاتم النبین ہونے کا عقیدہ بایں معنی کہ آپ کے بعد کوئی نیا نبی نہیں آ سکتا نص قرآن سے اور احادیث متواترہ سے اور اجماع امت سے ضروریات دین سے ہے۔ اور اس کا انکار کفر ہے۔ اور اس کی تائید میں انہوں نے بہت سی آیات قرآن اور احادیث پیش کی ہیں۔ کہ جن میں سے بعض کی صحت کے متعلق جیسا کہ آگے دکھلایا جائے گا۔ خود مدعا علیہ کو بھی انکار نہیں۔ پھر سمجھ میں نہیں آتا کہ کیونکر یہ کہا گیا ہے کہ انہوں نے قرآن یا حدیث سے اس کا کوئی ثبوت پیش نہیں کیا۔ البتہ اگر یہ کہا جاتا کہ وہ ثبوت قوی نہیں۔ تو تو کچھ بات بھی تھی۔ لیکن یہ کہنا بالکل خلاف واقع ہے کہ ان کی طرف سے قرآن اور احادیث سے کوئی ثبوت پیش نہیں کیا گیا۔ مدعیہ کی طرف سے بیان کردہ وجوبات تکفیر اوپر درج کی جا چکی ہیں۔ ممکن ہے کہ ان میں سے بعض کے متعلق (گو کہ ایسا نہیں ہے جیسا کہ آگے دکھلایا جائے گا) یہ کہا جا سکے۔ کہ وہ ضروریات دین میں سے نہیں ہیں۔ مگر مسئلہ ختم نبوۃ کے متعلق یہ نہیں کہا جا سکتا کہ ضروریات دین سے نہیں۔ ضروریات دین کی اگرچہ ایک وسیع اصطلاح ہے۔ اور ممکن ہے کہ بعض علماء نے اس کے تحت میں اپنی دانست کے مطابق بہت سے ایسے امور بھی داخل کر دیئے ہوں۔ کہ جو بحث طلب ہوں۔ تاہم اس سے انکار نہیں کیا جا سکتا۔ کہ ختم نبوت کا مسئلہ اسلام کے اہم اور بنیادی مسائل سے ہے۔ ضروریات دین کا مفہوم گواہان مدعیہ نے اپنے بیانات میں ظاہر کر دیا ہے۔ جو اوپر گزر چکا ہے۔ اگر اس اصطلاح کے لفظی معنے بھی مراد لیے جاویں۔ تو ان الفاظ کا یہ مطلب ہو سکتا ہے کہ وہ امور جو کسی دین میں داخل رہنے کے لیے ضروری ہوں۔ اور جن کے نہ ماننے سے وہ شخص اس دین کا پیرو نہ سمجھا جا سکے۔ ضروریات دین سے ہوتے ہیں رسول اللہ صلعم کا خاتم النبین ماننا بایں معنے کہ آپ آخری نبی ہیں۔ مذہب اسلام میں داخل رہنے کے لیے ضروری اور لابدی ہے۔ کیونکہ آپ کے بعد اگر کوئی اور نبی مانا جائے۔ تو مدعیہ اور اس کے گواہان کے نزدیک نہ یہ صرف نص قرآن اور احادیث متواترہ کا انکار ہوگا۔ بلکہ معمول بہ اس نئے نبی کی وحی ہو جائے گی نہ کہ قرآن اور اس سے وہ شخص مذہب اسلام سے خارج ہو جائے

گا۔ اور یہ بات کہ رسول اللہ صلعم کا آخری نبی ماننا نہ صرف مسلمانوں کے نزدیک ان کے مذہب کے بنیادی مسائل میں سے ہے۔ بلکہ اس کی نظیر دیگر مذاہب میں بھی ملتی ہے مثلاً یہود اور انصاری۔ جن کے مذاہب کی تفریق محض اس بناء پر ہے کہ وہ اپنے اپنے پیشواؤں کے جدا اور کسی نبی کو تسلیم نہیں کرتے۔ اس طرح مسلمانوں کا یہ عقیدہ چلا آیا ہے۔ کہ رسول اللہ صلعم کے بعد اور کوئی نبی نہیں اب اگر کوئی مسلمان کسی اور کو نبی مانے۔ تو وہ مذہب اسلام کا پیرو نہیں سمجھا جائے گا۔ اس لیے ختم نبوت سے بڑھ کر اور کونسا مسئلہ ضروریات دین میں سے ہو سکتا ہے۔ یہ آگے دکھلایا جائے گا۔ کہ اس بارہ میں جو اسناد پیش کی گئی ہیں وہ کس فریق کی معتبر اور زیادہ وزن دار ہیں۔

یہاں میں یہ درج کرنا مناسب سمجھتا ہوں۔ کہ موجودہ زمانہ میں بہت سے مسلمان نبی کی حقیقت سے بھی نا آشنا ہیں۔ اس لیے بھی ان کے دلوں میں یہ مسئلہ گھر نہیں کر سکتا۔ کہ مرزا صاحب کو نبی ماننے میں کیا قباحت ہوتی ہے کہ جس پر اسقدر چیخ و پکار کی جا رہی ہے۔ اس لیے ضروری ہے۔ کہ اس کی کچھ تھوڑی سی حقیقت بیان کر دی جاوے۔

مدعیہ کی طرف سے نبی کی کوئی تعریف بیان نہیں کی گئی۔ صرف یہ کہا گیا ہے کہ نبوت ایک عہدہ ہے۔ اللہ تعالیٰ کی طرف سے اس کے برگزیدہ بندوں کو عطا کیا جاتا رہا ہے۔ اور نبی اور رسول میں فرق بیان کیا گیا ہے کہ ہر رسول نبی ہوتا ہے۔ اور نبی کے لیے لازمی نہیں کہ وہ رسول بھی ہو۔ فریق ثانی نے بحوالہ نبراس صفحہ ۸۹۔ بیان کیا ہے کہ رسول ایک انسان ہے جسے اللہ تعالیٰ احکام شریعت کی تبلیغ کے لیے بھیجتا ہے بخلاف نبی کے کہ وہ عام ہے۔ کتاب لائے یا نہ لائے۔ رسول کے لیے کتاب لانا شرط ہے اس طرح رسول کی ایک تعریف یہ بھی کی گئی ہے کہ رسول وہ ہوتا ہے کہ جو صاحب کتاب ہو۔ یا شریعت سابقہ کے بعض احکام کو منسوخ کرے۔

یہ تعریفیں چونکہ اس حقیقت کے اظہار کے لیے کافی نہ تھیں۔ اس لیے میں اس جستجو میں رہا۔ کہ نبی یا رسول کی کوئی ایسی تعریف مل جائے جو تصریحات قرآن کی رو سے تمام لوازم نبوت پر حاوی ہو۔ اس سلسلہ میں مجھے مولانا محمود علی صاحب پروفیسر رندھیر کالج کی کتاب دین و آئین

دیکھنے کا موقعہ ملا۔ انہوں نے معترضین کے خیالات کو مدنظر رکھتے ہوئے نبوت کی حقیقت یہ بیان کی۔ کہ جس شخص کے دل میں کوئی نیک تجویز بغیر ظاہری وسائل اور غور کے پیدا ہوں۔ ایسا شخص پیغمبر کہلاتا ہے۔ اور اس کے خیالات کو وحی سمجھا جاتا ہے۔ لیکن یہ تعریف بھی مجھے دلچسپ معلوم نہ ہوئی۔ آخر کار ایک رسالہ میں ایک مضمون بعنوان میکانیکی اسلام از جناب چودھری غلام احمد صاحب پرویز میری نظر سے گزرا۔ اس میں انہوں نے مذہب اسلام کے متعلق آج کل کے روشن ضمیر طبقہ کے خیالات کی ترجمانی کی ہے۔ اور پھر خود ہی اس کے حقائق بیان کئے ہیں۔ اس سلسلہ میں نبوت کی جو حقیقت انہوں نے بیان کی ہے۔ میری رائے میں اس سے بہتر اور کوئی بیان نہیں کی جاسکتی۔ اور میرے خیال میں فریقین میں سے کسی کو اس پر انکار بھی نہیں ہوسکتا۔ اس لیے میں ان کے الفاظ میں ہی اس حقیقت کو بیان کرتا ہوں۔ وہ لکھتے ہیں۔ کہ آج کل کے معقولیت پسندوں کی جماعت کے نزدیک رسول کا تصور یہ ہے کہ وہ ایک سیاسی لیڈر اور ایک مصلح قوم ہوتا ہے۔ جو اپنی قوم کی نکبت اور زبوں حالی سے متاثر ہو کر انہیں فلاح و بہبود کی طرف بلاتا ہے۔ اور تھوڑے ہی دنوں میں ان کے اندر انضباط و ایثار کی روح پھونک کر زمین کے بہترین خطوں کا ان کو مالک بنا دیتا ہے۔ اس کی حقیقت قوم کے ایک امیر کے قسم کی ہوتی ہے۔ جن کے ہر حکم کا اتباع اس لیے لازمی ہوتا ہے کہ انحراف سے قوم کی اجتماعی قوت میں انتشار پیدا ہو جانے کا خطرہ ہوتا ہے۔ اور وہ دنیاوی نعمتیں جو اس کے حسن تدبیر سے حاصل ہوئی تھیں۔ ان کے چھن جانے کا احتمال ہوتا ہے۔

اس کا حسن تدبر، عقل حکمت ذہنی انسان کے ارتقاء کی بہترین کڑی ہوتا ہے۔ اس لیے وہ اپنے ماحول کا بہترین مفکر شمار کیا جاتا ہے۔ کثرت ریاضت سے برائی کی قوتیں اس سے سلب ہو جاتی ہیں۔ اور نیکی کی قوتیں نمایاں طور پر ابھر آتی ہیں۔ انہی قوتوں کا نام ان کے نزدیک ابلیس اور ملائکہ ہے۔ اس کا جواب پھر انہوں نے بحوالہ آیات قرآنی یہ دیا ہے۔

کہ رسول بلاشبہ مصلح اور مدبر ملت ہوتا ہے لیکن اس کی حقیقت دنیاوی مصلحین اور مدبرین سے بالکل جداگانہ ہوتی ہے۔ دنیاوی مفکرین و مدبرین اپنے ماحول کی پیداوار ہوتے ہیں۔ اور ان کا فلسفہ اصلاح و بہبود ان کی اپنی پرواز فکر کا نتیجہ ہوتا ہے۔ جو کبھی صحیح اور کبھی غلط ہوتا ہے۔ برعکس اس کے انبیاء کرام مامور من اللہ ہوتے ہیں۔ اور ان کا سلسلہ اس دنیا میں خاص مشیت باری تعالیٰ کے ماتحت چلتا ہے۔ وہ نہ اپنے ماحول سے متاثر اور نہ احوال و ظروف کی پیداوار ہوتے ہیں۔ بلکہ ان کا انتخاب مملکت ایزدی سے ہوتا ہے۔ اور ان کا سرچشمہ علوم و ہدایت علم باری تعالیٰ سے ہوتا ہے جس میں کسی ہو و خطا کی گنجائش نہیں۔ ان کا سینہ علم لدنی سے معمور اور ان کا قلب تجلیات نور ازلی سے منور ہوتا ہے۔

دنیاوی سیاست و تفکر صفت ہے۔ جو اکتساباً حاصل ہوتی ہے۔ اور مشق و مہارت سے یہ ملکہ بڑھتا ہے۔ لیکن نبوت ایک موہبت ربانی اور عطائے یزدانی ہے جس میں کسب و مشق کو کچھ دخل نہیں۔ قوم و امت کی ترقی ان کے بھی پیش نظر ہوتی ہے لیکن سب سے مقدم اخلاق انسانی کی اصلاح مقصود ہوتی ہے۔ اس کا پیغام زمان و مکان کی قیود سے بالا ہوتا ہے۔ اور وہ تمام انسانوں کو راستہ دکھلانے والا اور ان کا مطاع ہوتا ہے اس کی اطاعت میں خدا کی اطاعت اور اس کی معصیت خُدا کی معصیت ہے۔ اور جو لائحہ حیات اس کی وساطت سے دنیا کو ملتا ہے۔ اس میں کوئی دنیاوی طاقت رد و بدل نہیں کر سکتی۔ بلکہ دنیا بھر کی عقول میں جہاں کہیں اختلاف ہو۔ اس کا فیصلہ بھی اس کی مشعل ہدایت سے ہو سکتا ہے۔ ان کو خدائی پیغام ملائکہ کی وساطت سے ملتے ہیں۔ جو اگرچہ عالم امر سے متعلق ہونے کی وجہ سے سرحد ادراک انسانی سے بالاتر ہیں لیکن ان کا وجود محض انسان کی ملکوتی قوتیں نہیں ہیں۔

اس حقیقت کو ذہن نشین رکھنے کے بعد یہ بات آسانی سے سمجھ میں آ سکتی ہے۔ کہ رسُول اللہ صلعم کے بعد کسی دوسرے نبی کو تسلیم کرنے سے کیا قباحت لازم آئے گی۔ تصریحات قرآنی کی رو سے نیا نبی مطاع ہو جائے گا۔ اس سے اختلاف نہیں کیا جا سکے گا۔ اس کی ہر بات

کے آگے سر تسلیم خم کرنا پڑے گا۔ وہ جو حکم دے گا۔ اس کی تعمیل لازمی ہوگی ورنہ اعمال کے خبط ہونے کا اندیشہ ہوگا۔ اس کی شان میں ذرا بھر گستاخی نہیں کی جا سکے گی۔ بلکہ اس کے سامنے اونچا بولنا بھی گناہ ہوگا اس کی اطاعت عین خدا کی اطاعت ہوگی۔ اور اس سے روگردانی ایمان سے خارج ہونے کا باعث اور موجب عذاب الٰہی ہوگی۔

اس لیے مدعیہ کی طرف سے بحوالہ آیات قرآنی واحادیث یہ کہا گیا ہے کہ رسول اللہ صلعم کے بعد اور کوئی نیا نبی نہیں ہو سکتا۔ اور کوئی مسلمان کسی اور شخص کو نبی مانے تو دائرہ اسلام میں داخل نہیں رہ سکتا۔ مدعاعلیہ کی طرف سے کتب فقہ سے جن عبارات کا حوالہ دیا جا کر علماء کے طرز افتاء پر اعتراض کیا گیا ہے۔ ان کے متعلق ایک تو خود مدعاعلیہ کے اپنے گواہان کا بیان ہے۔ کہ فی زمانہ ان پر علماء کا عمل نہیں۔ دوسرا مدعیہ کیطرف سے ان حوالہ جات کے متعلق یہ کہا جاتا ہے کہ وہ کلمات کفر ہیں۔ نہ کہ فتاویٰ تکفیر، کلمہ کفر اور چیز ہے اور فتویٰ کفر اور چیز کسی شخص پر ان کلمات کی بناء پر محض ان الفاظ کے استعمال سے ہی فتویٰ نہیں لگا دیا جائے گا۔ بلکہ فتویٰ ان اصولوں کے تحت لگایا جائے گا جو اس غرض کے لیے مجوز ہیں۔

عدالت ہذا کی رائے میں مدعیہ کا یہ جواب وزن رکھتا ہے۔ علاوہ ازیں علماء کے اقوال سند کے لحاظ سے وہ حیثیت نہیں رکھتے جو متواترات کی بیان کی گئی ہے۔ کلمات زیر بحث کو ریکارڈ پر لانے اور اپنے خیال کے مطابق ان کی تشریح کرنے سے گواہان مدعاعلیہ کا منشاء سوائے اس کے اور کوئی معلوم نہیں ہوتا۔ کہ مسئلہ زیر بحث کی نوعیت اور اہمیت کو خفیف کر کے دکھلایا جاوے۔ حالانکہ مسئلہ ختم نبوت کا ان مسائل سے کوئی تعلق نہیں۔ جن پر اعتراض کیا گیا ہے۔

اور غالباً وہ یہ چاہتے ہیں کہ عام لوگوں کے دلوں میں علماء کے متعلق ایک حقارت پیدا کی جا کر ان کے طرز افتاء کی مذمت ظاہر کی جاوے۔ اور ہر فرقہ اور ہر طبقہ کے لوگوں کے جذبات ان کے خلاف ابھارے جاویں۔ اور موجودہ زمانہ کے روشن خیال طبقہ کی جو اپنے آپ کو ہر اصلاح کا علمبردار سمجھتا ہے۔ ہمدردی حاصل کی جاوے۔

مذہب کے متعلق فی زمانہ جو بے اعتنائی برتی جا رہی ہے۔ وہ محتاج بیان نہیں۔ قرآن مجید کے نزول کے زمانہ میں جو لوگ اس پر ایمان نہیں لائے تھے۔ وہ اسے اضغاث احلام اور اساطیر الاولین کہا کرتے تھے۔ موجودہ زمانہ میں جو لوگ کہ مذہب کا جوا اپنی گردن سے نہیں نکال پھینکنا چاہتے۔ وہ گو ان الفاظ کو اپنے منہ سے نکالنے کی تو جرأت نہیں کرتے۔ لیکن حقائق و معارف قرآنی پر اپنے دل میں پورا یقین نہیں رکھتے۔ اور بقول مولانا محمود علی صاحب یہ کہتے ہوئے سنے جاتے ہیں۔ کہ اسلام میں زمانہ کے ساتھ چلنے کی صلاحت نہیں ہے۔ اور انقلاب حالات سے جو جدید ضرورتیں پیدا ہوتی ہیں۔ اور جن کی وجہ سے اقوام عالم کو اپنی طرز و روش میں تغیر و تبدل کرنا پڑتا ہے۔ اسلام ایسے انقلابوں کے اندر اپنی روش کو بدل کر دوسری روش پر چلنے کی قابلیت نہیں رکھتا۔ اور اس کے ماننے والے اپنے حالات کے اندر کوئی اصلاح یا ترمیم نہیں کر سکتے۔ اور کسی تہذیب جدید کا ساتھ نہیں دے سکتے۔

ان کے اسی اعتراض کا جواب تو مولانا صاحب موصوف نے اپنی کتاب دین و آئین میں دے دیا ہے۔ مجھے اس سے کوئی سروکار نہیں۔ یہاں صرف یہ دکھلانا مقصود تھا۔ کہ اس قسم کے خیالات آجکل عام ہیں اور چونکہ فریق مدعا علیہ کے بیان کردہ اصولوں کے مطابق اس طبقہ کے خیالات کی رو سے اسلام میں اصلاح کرنے کی کافی وسعت ہے۔ اس لیے مدعا علیہ کی طرف سے علماء کے خلاف بدظنی پیدا کی جا کر اس طبقہ کے دل میں ان کے خلاف حقارت اور نفرت پیدا کرنے کی سعی کی گئی ہے۔ اور یہ کوشش کی گئی ہے کہ اس مقدمہ میں مدعیہ کی طرف سے جو علماء پیش ہوئے ہیں انہیں دقیانوسی خیالات کا پیرو اور مرض تکفیر میں مبتلا دکھلایا جا کر ان کی بیان کردہ وجوہات تکفیر کو تمسخر میں اڑا دیا جاوے۔ اور یہ دکھلایا جاوے کہ ان کی بیان کردہ وجوہات تکفیر کوئی حقیقت نہیں رکھتیں۔ اور انہوں نے محض اس وجہ سے کہ جماعت احمدیہ کے اصول چونکہ صلاحیت مذہبی کی طرف رجوع دلاتے ہیں۔ اپنی پرانی عادت سے مجبور ہو کر براہ بغض اور کینہ انہیں کافر کہا ہے۔ ورنہ دراصل ان کا کوئی عقیدہ یا عمل کفر کی حد تک نہیں پہنچتا۔ حالانکہ مسئلہ زیر بحث ایسا نہیں

کہ اسے اس طرح مذاق میں اڑا دیا جاوے میں یہ نہیں کہتا۔ کہ علماء غلطی نہیں کرتے۔ یا یہ کہ وہ انسانی کمزوریوں سے پاک ہیں۔ لیکن اس کا یہ مطلب نہیں۔ کہ ان کی کسی رائے کو وقعت کی نگاہ سے نہ دیکھا جاوے۔ اور ان کی کسی بات پر کان نہ دھرا جاوے۔ بلکہ چاہیئے کہ ان کے اقوال پر ٹھنڈے دل سے غور کیا جاوے۔ اور یہ دیکھا جاوے کہ کہاں تک راستی پر ہیں مسئلہ ختم نبوت کے بارہ میں انہوں نے جو کچھ کیا ہے۔ وہ صداقت سے خالی نہیں۔

مدعا علیہ کی طرف سے کتب تفاسیر کے حوالوں پر جو اعتراض کیا گیا ہے۔ اس کے متعلق صرف یہ لکھ دینا کافی ہے کہ ان حوالوں کو نہ یہاں درج کیا گیا ہے اور نہ ہی اس فیصلہ کا انحصار ان حوالوں پر رکھا گیا ہے اور سند کے اعتبار سے صرف قرآن مجید اور احادیث کو ہی معیار تصفیہ قرار دیا گیا ہے۔ اور یہ عمل اس لیے اختیار کرنا پڑا ہے کہ فریقین کی طرف سے اپنے اپنے ادعا کی تائید میں بے شمار کتابیں جن کی تعداد سینکڑوں تک پہنچتی ہے۔ پیش کی گئیں ہیں۔ مدعا علیہ نے مدعیہ کی پیش کردہ کتب میں سے کسی کو بھی اپنے اوپر حجت تسلیم نہیں کیا۔ سوائے مرزا صاحب اور ان کے خلفاء کی کتابوں کے اور اسے اپنے اعتقاد کے مطابق ایسا ہی کرنا چاہیئے تھا۔ کیونکہ جب وہ مرزا صاحب کو نبی مانتا ہے تو اس کے لیے معمول بہ مرزا صاحب کی وحی کے سوا اور کوئی چیز نہیں ہو سکتی۔ اس کے لیے اس کا دوسری کتابوں کو بطور حجت تسلیم نہ کرنا کوئی تعجب کی بات نہیں۔ باقی قرآن اور احادیث کے متعلق اس نے یہ رویہ اختیار کیے رکھا ہے کہ آیات قرآنی کا جو مفہوم مدعیہ کی طرف سے بیان کیا گیا ہے۔ اس کے متعلق اس نے یا تو یہ بیان کیا ہے کہ وہ درست نہیں ہے۔ یا اس کی کوئی اور تاویل کر دی ہے۔ اور احادیث کے بارہ میں بھی جو حدیث اس کے مفید مطلب تھی وہ تو لے لی اور جو اس کے خلاف تھی اس کی صحت کے متعلق یا تو اس نے انکار کر دیا ہے۔ یا اس کی بھی کوئی تاویل کر دی۔ اور اس کا یہ عمل بھی مرزا صاحب کی تعلیم کے خلاف نہیں۔ کیونکہ مرزا صاحب فرماتے ہیں کہ جو حدیث میری وحی کے معارض ہے وہ ردی کی ٹوکری میں پھینکنے کے قابل ہے۔ اس کے علاوہ مدعا علیہ نے جن دیگر مصنفین کی کتابوں کے حوالے پیش

کیے ہیں۔ ان کے متعلق بھی اس کا یہ ادعا ہے کہ وہ چونکہ مدعیہ کے ہم مذہب اشخاص کی تصنیف شدہ ہیں اس لیے اس نے انہیں مدعیہ کے خلاف بھی بطور حجت پیش کیا ہے۔ اس کے لیے وہ کوئی حجت نہیں۔ اس لیے ان حوالوں پر بحث کرنی نہ صرف غیر ضروری خیال کی گئی ہے۔ بلکہ اسے مشکلات سے بھی خالی نہیں پایا گیا کیونکہ فریقین نے ایک دوسرے کے خلاف خیانت کے بھی الزام لگائے ہیں۔ اور یہ بھی اعتراض کیے ہیں کہ بعض مصنفین کی کتابیں انہیں مسلم نہیں ہیں۔ اس لیے یہ طے کرنے کے لیے کہ کہاں تک خیانت ہوئی۔ اور کس کس مصنف کی کتاب فریقین کے عقائد کے مطابق ہے۔ اور آیا وہ فریقین کے مسلمات میں سے بھی ہیں۔ یا نہ اور کہ ان سے جو نتائج اخذ کیے گئے ہیں وہ درست ہیں یا نہ۔ اور کہ فریقین کو ان کی رائے کا پابند قرار دیا جا سکتا ہے۔ یہ نہ بہت وقت وسیع مطالعہ اور کافی محنت کی ضرورت ہے۔ اور پھر اس سے نتیجہ کے بھی پورے طور واضح اور عام فہم ہونے کی توقع نہیں۔ اس لیے ایک طرف قرآن مجید اور احادیث پر اور دوسری طرف مرزا صاحب اور ان کے خلفاء کی کتابوں پر حصر رکھا جا کر دیگر تمام حوالہ جات کو نظر انداز کر دیا گیا ہے۔

مدعا علیہ کی طرف سے یہ کہا گیا ہے کہ گواہان مدعیہ کا یہ کہنا کہ ادعا وحی کفر ہے، اور اگر کوئی شخص مطلق وحی کا دعویٰ کرے، خواہ نبوّت کا مدعی نہ بھی ہو، تب بھی وہ کافر ہے اور کہ بنی آدم میں وحی پیغمبروں کے ساتھ مختص ہے اور غیر کیلئے کشف، الہام یا وحی معنوی ہو سکتی ہے، درست نہیں ہے کیونکہ قرآن مجید کی آیت وَمَا كَانَ لِبَشَرٍ .... الخ میں اللہ تعالیٰ نے یہ نہیں فرمایا کہ وہ صرف پیغمبروں کیساتھ ہی ان تین طرق مندرجہ آیت مذکور سے کلام کرتا ہے، اور غیر پیغمبروں سے نہیں کرتا، بلکہ اس آیت میں بشر کا لفظ رکھا ہے جس میں نبی اور غیر نبی دونوں داخل ہیں۔

سُورۂ قَصص رکوع نمبر ۱ آیت وَاَوْحَيْنَا اِلٰى اُمِّ مُوسٰى .... الخ سے ظاہر ہوتا ہے کہ اگر وحی صرف پیغمبروں کیساتھ مخصوص ہوتی تو اُمِ موسےٰ پر خُدا کی طرف سے یہ وحی نازِل نہ ہوتی۔

اس طرح سُورۂ مریم کی آیت فَاَرْسَلْنَا اِلَيْهَا رُوْحَنَا .... الخ اور آیت وَاِذْ قَالَتِ الْمَلٰٓئِكَةُ .... مَعَ الرّٰكِعِيْنَ ۔ وَاِذْ قَالَتِ الْمَلٰٓئِكَةُ ....

..........مُقَرَّبِیْنَ اور سورۂ کہف رکوع نمبر ۱۱ کی آیت قُلْنَا یَا ذُوْ الْقَرْنَیْنِ ....حَسَنًا کے حوالہ جات پیش کئے جا کر یہ دکھلایا گیا ہے کہ۔

۱۔ وحی انبیاء سے مخصوص نہیں، بلکہ غیر انبیاء پر بھی وحی ہو سکتی ہے بلکہ ہوتی ہے جیسا کہ اُوپر مذکور ہوا۔

۲۔ جن طریقوں سے اللہ تعالیٰ انبیاء علیہم السلام سے کلام کرتا ہے، انہی طریقوں سے انبیاء یعنی اولیاء وغیرہ کے ساتھ بھی ہمکلام ہوتا ہے جیسا کہ آیت نمبر ا سے ظاہر ہوتا ہے۔

۳۔ فرشتوں کا نزول انبیاء علیہم السلام سے خاص نہیں، بعض اوقات غیر انبیاء پر بھی ایسی وحی نازل ہو جاتی ہے جس میں امر و نہی ہوتے ہیں، اور کہ غیر انبیاء کی وحی بھی غیب کی خبروں پر مشتمل ہوتی ہے۔

اس کے آگے مدعا علیہ کے گواہ کا یہ بیان ہے کہ مدعیّہ کے گواہان نے جو یہ کہا کہ آنحضرت صلعم کے بعد کسی پر وحی نہیں ہو سکتی جو اس کا دعویٰ کرے وہ کافر اُس کی اُنہوں نے قرآن مجید یا احادیث سے کوئی دلیل پیش نہیں کی، ہاں صرف ایک گواہ نے بحوالہ آیت وَالَّذِیْنَ یُؤْمِنُوْنَ..........مِنْ قَبْلِكَ پیش کر کے کہا ہے، کہ آنحضرت صلعم کے بعد بھی کوئی وحی نازل ہوئی ہوتی تو اس آیت میں ضرور اس کا ذکر کر دیا جاتا۔ چونکہ ذکر نہیں کیا گیا، اس لئے معلوم ہوا کہ آپ کے بعد وحی نہیں ہو سکتی اس کا ایک جواب یہ ہے کہ اس آیت میں تشریعی وحی کا ذکر ہے اور چونکہ آنحضرت صلعم کے بعد ایسی وحی جو آپ کی شریعت کی ناسخ ہو، منقطع تھی۔ اس لئے اس کا ذکر نہیں کیا گیا، اس کی تائید میں پھر چند علماء کے اقوال نقل کئے جا کر یہ کہا گیا ہے کہ علماء کہتے ہیں کہ ہمارے پاس کوئی ایسی خبر نہیں آئی جس سے معلوم ہو کہ آنحضرت صلعم کے بعد وحی تشریعی ہو گی، بلکہ وحی الہام ہو گی دوسرا جواب یہ ہے کہ اکابر علماء لکھ چکے ہیں کہ مسیح موعود پر وحی ہو گی اور حدیث میں آنحضرت صلعم فرماتے ہیں کہ مسیح موعود پر خدا کی طرف سے وحی ہو گی تیسرا جواب یہ ہے کہ جو قرآن مجید پر ایمان رکھتا ہے اور یہ تسلیم کرتا ہے کہ مسیح موعود آئیگا، تو ان پر وحی ہو گی تو اُسے

خدا کی طرف سے یقین کرے گا۔ پس اس لحاظ سے یہ آیت تشریعی وحی کے انقطاع پر دلالت کرتی ہے غیر تشریعی وحی کے انقطاع پر دلالت نہیں کرتی۔ اس امر کی دلیل میں کہ آنحضرت صلی اللہ وسلم کے بعد غیر شریعت والی وحی ہو سکتی ہے، اور آنحضرت کے کامل متبعین پر اُس کا دروازہ بند نہیں ہے آیاتِ ذیل اَلَمْ یَرَوْا اَنَّہٗ .... سَبِیْلًا، پارہ ۹۔ رکوع ۸ اور اَفَلَا یَرَوْنَ .... قَوْلًا ط پارہ ۱۶۔ رکوع ۱۲ کے حوالے دیا جا کر یہ کہا گیا ہے کہ اِن آیات سے یہ ثابت ہوتا ہے کہ بندوں سے خدا کا کلام کرنا ضروری ہے پس کیونکر مان لیا جاوے کہ حرمِ کعبہ کا رب اور قرآن کے اتارنے والا خدا جو بچھڑے کی عبودیت اور الوہیت کا ابطال اُس کے عدم تکلم کی وجہ سے کرتا ہے خود اپنے پیارے بندوں سے ویسا سلوک کرے نیز آیت وَمَنْ اَضَلُّ مِمَّنْ .... غَافِلُوْنَ سورہ احقاف رکوع نمبر ۱ سے یہ نتیجہ نکالا گیا ہے کہ خداوند تعالیٰ اپنے بندوں کی پکار سُنتا اور انکو جواب دیتا ہے، اور آیت قُلْ اِنْ کُنْتُمْ تُحِبُّوْنَ اللہ .... الخ آلِ عمران رکوع نمبر ۴ سے یہ نتیجہ اخذ کیا گیا ہے کہ خُدا اپنے بندوں سے پیار کرتا ہے اور یہ بدیہی بات ہے کہ مُحبّ اپنے محبوب سے ہمکلام ہو اور اُس کی باتیں سنے اور اپنی کہے ورنہ عدم کلام نقصِ محبت پر دلیل ہوگا کیونکہ محبوب کا کلام نہ کرنا دلیل ناراضگی ہے اور خُدا جو اپنے بندوں پر ماں باپ سے بڑھکر مہربان ہے ضرور اپنے پیارے بندوں سے کلام کرتا ہے اور کوئی وجہ نہیں کہ جب وہ اپنے پیاروں سے کلام کرتا تھا تو اب نہ کرے۔ اللہ تعالیٰ کی ایک صِفت جو اس کی خدائی پر ایک اعلیٰ دلیل ہے وہ اس کا متکلم ہونا ہے۔ پس یہ کس طرح ہو سکتا ہے کہ اب قیامت تک اِس صِفت کا تعطّل مان لیا جاوے اور کہا جاوے کہ اس کی صفت تکلم زائل ہو چکی۔ یعنی کہ وہ اب کسی سے کلام نہ کرے گا۔ تو اس کا سمیع ہونا کیونکر معلوم ہوگا کہنے والے پھر بھی کہہ دیں گے کہ وہ پہلے سمیع تھا اور اب نہیں اس کی تائید میں پھر یہ ایک دنیاوی مثال دی گئی ہے۔ اگر کوئی عاشق اپنے کسی محبوب کے دروازہ پر آہ و بکا اور گریہ زاری کرتے ہوئے بیقراری کی حالت میں جائے، مگر محبوب نہ دروازہ کھولے اور نہ اندر سے کوئی آواز آوے تو یقیناً وہ عاشق ناامید ہو کر لوٹیگا، اور خیال کرے گا کہ یا تو میرا محبوب مر چکا یا مجھے دھوکا

دیا گیا۔ پس اس طرح اللہ تعالیٰ جس کا دیدار بوجہ اُس کے وراء الورا اور لطیف ہونے کے ہم نہیں کر سکتے، اگر وہ گفتار سے بھی اپنے عشاق کو تسلی نہیں دے سکتا۔ تو آخر وہ ایک دن نا اُمید ہو کر اُسے چھوڑ دیں گے تعشق اور محبت کا مادہ انسان کی فطرف میں ودیعت کیا گیا ہے اور وہ ایسے محبوب کو جس کے دیدار اور گفتار سے اپنے آپ کو ہمیشہ کیلئے محروم سمجھے اُسے کبھی اپنے عشق کا محل نہیں ٹھیراتا حقیقی عاشق اپنے محبوب سے ہمکلام ہونے کیلئے اپنے دل میں از حد تڑپ رکھتا ہے اور اُس کے کلام کو اپنے لئے تریاق اور آبحیات سمجھتا ہے پس وہ علیم خبیر ہستی جو انسانوں کے اندر احساسات وجذبات کا پیدا کرنے والا ہے کس طرح اپنے عشاق کو اپنی ہمکلامی سے محروم رکھ سکتا ہے اور اُس کی تائید میں آیات ذیل وَاِذَا سَاَلَکَ عِبَادِیْ عَنِّیْ فَاِنِّیْ قَرِیْبٌ .... الخ اور اِنَّ الَّذِیْنَ قَالُوْا .... تَتَنَزَّلُ الْمَلٰٓئِکَۃُ ۵ حم۔ سجدہ رکوع نمبر ۴ پیش کی گئی ہیں اس کے بعد پھر آیات رَفِیْعُ الدَّرَجٰتِ ذُوالْعَرْشِ .... یَوْمَ التَّلَاقِ سورہ مومن رکوع نمبر ۲ اور تَنَزَّلُ الْمَلٰٓئِکَۃِ بِالرُّوْحِ مِنْ اَمْرِہٖ عَلٰی مَنْ یَّشَآءُ .... فَاتَّقُوْنَ ۵ سے یہ استدلال کیا گیا ہے کہ جس طرح اللہ تعالیٰ اپنے بندوں کو ازمنہ سابقہ میں اپنے وحی سے مشرف کرتا رہا ہے آئندہ بھی کریگا کیونکہ آیت میں نزول وحی کا موجب اللہ تعالیٰ کا رفیع الدرجات و ذوالعرش ہوتا ہے اور ضرورت انداز قرار دیا گیا ہے پس جبکہ اللہ تعالیٰ اب بھی رفیع الدرجات اور ذوالعرش ہے اس میں تغیر نہیں آیا اور لوگ بھی بلحاظ روحانیت مُردہ ہو گئے۔ تو پھر وحی کا انقطاع کیونکر مان لیا جاوے۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ کُنْتُمْ خَیْرَ اُمَّۃٍ اُخْرِجَتْ لِلنَّاسِ .... الخ یعنی اُمتِ محمدیہ تمام اُمتوں سے بہتر ہے اور نعمت بھی اس پر پوری ہو چکی اور دُعا بھی خدا نے ہمیں یہ سکھلائی کہ صِرَاطَ الَّذِیْنَ اَنْعَمْتَ عَلَیْهِمْ کہ اے خُدا تو ہمیں اپنے پیارے اور مقرب بارگاہ بندوں یعنی انبیاء صدیقین اور شہدائے اور صالحین کے راستہ پر چلا تو عقل سلیم کیونکے تسلیم کر سکتی ہے کہ اُمتِ محمدیہ جو سب اُمتوں سے بہتر ہو لیکن انعامات الٰہیہ سے محروم ہو پہلی اُمتوں کے مردوں کے علاوہ اللہ تعالیٰ نے عورتوں کو بھی اپنے کلام سے مشرف کیا اور اُن پر فرشتے نازل ہوئے لیکن اُمتِ محمدیہ

کے بڑے سے بڑے درجہ کے مرد کو بھی یہ انعام نہ ملے پس یہ کہنا کہ اُمتِ مرحومہ پر وحی الٰہی کا دروازہ بند ہے۔ اور خدا اس سے کلام نہیں کرتا۔ تو پھر یہ خیر الامم کیسے ہوئی۔ اور یہ کہنا غلطی ہے کہ خدا تعالیٰ نے آنحضرت صلعم کے بعد جو تمام عالم کے لیے رحمت ہو کر آئے تھے۔ اس انعام کو لوگوں سے چھین لیا ہے۔ اور امت میں سے کسی ایک فرد کو بھی اپنے ہم کلام ہونے کے مبارک شرف سے ہمیشہ کے لیے محروم کر دیا ہے۔ اللہ تعالیٰ اور اس کا پاک رسول اور اولیاء امت یہ کہہ رہے ہیں کہ یہ فیضان الٰہی اس امت پر بند نہیں ہیں۔ اور آنحضرت صلعم فرماتے ہیں کہ تم میں سے پہلے قوم بنی اسرائیل میں ایسے لوگ ہوئے ہیں کہ باوجود یہ کہ وہ نبی نہ تھے لیکن اللہ تعالیٰ ان سے کلام کرتا تھا۔ میری اُمت میں ایسے لوگوں میں اگر کوئی ہے تو عمر ہے۔ دوسری روایت میں محدّث کا لفظ آیا ہے صحابہ نے حضور سے دریافت فرمایا کہ یارسول اللہ محدّث سے کیا مراد ہے۔ حضور نے فرمایا کہ فرشتے اس کی زبان پر کلام کرتے ہیں۔

اس کے بعد حضرت شیخ ابن عربی۔ حضرت امام ربانی مجدد الف ثانی اور مولینا روم کی کتابوں کے حوالوں سے یہ بیان کیا گیا ہے کہ ان کے نزدیک بھی یہ پایا جاتا ہے کہ تمام اقسام وحی کی جو قرآن میں مذکور ہیں۔ خدا کے بندوں اولیاء اللہ سب میں پائی جاتی ہیں اور وحی جو نبی میں ہے۔ وہ خاص ہے۔ اور شریعت والی وحی ہے۔ اور کہ جو وحی انبیاء علیہم السلام کو ہوتی ہے۔ وہ اس امت کے بعض کامل افراد کو بھی ہوتی ہے۔ اور جیسا کہ مولینا روم نے کہا ہے ہوتی تو وہ وحی حق ہے۔ لیکن صوفیائے عام لوگوں سے پردہ کرنیکی خاطر اسے وحی دل میں کہہ دیتے ہیں۔ اور کہ جن طریق سے انبیاء علیہم السلام کو وحی الہام ہوتا ہے انہیں طرق سے اولیاء اللہ کو ہوتا ہے۔ اگرچہ اصطلاحاً ان کا نام رکھنے میں فرق کیا گیا ہے۔ اور یہ علماء کی اپنی اصطلاح ہے۔ اور اصطلاح فرق مراتب کے لحاظ سے قرار پا گئی ہے کہ انبیاء کی وحی کو وحی اور اولیاء کی وحی کو الہام کہتے ہیں۔ اور کہ ولی پر بھی وحی بواسطہ ملک ہوتی ہے۔ اور مدعیہ کے اعتقاد کے مطابق عیسیٰؑ کے نزول پر ان پر وحی نازل ہوگی اور اس کے متعلق علماء کا قول ہے کہ وہ حضرت جبرائیل علیہ السلام کی زبان پر ہوگی اس

کے آگے یہ کہا گیا ہے کہ مرزا صاحب کی کتب سے جو یہ دکھلایا گیا ہے کہ وہ بھی آنحضرت صلعم کے بعد سلسلہ وحی کو منقطع مانتے ہیں۔ تو وہاں ان کی مراد وحی شریعت سے ہے۔ نہ کہ دوسری وحی سے جسے وہ جاری سمجھتے ہیں۔ ان تصریحات سے یہ نتیجہ اخذ کیا گیا ہے کہ آنحضرت صلعم کے بعد ایسی وحی کہ جس میں نئے اوامر ونواہی نہ ہوں جاری ہے۔ اور جن علماء نے یہ کہا ہے کہ آپ کے بعد وحی اور الہام کا سلسلہ بند ہے تو اس سے مراد ایسی وحی ہے جو شریعت محمدیہ کے مخالف نئے اوامر ونواہی پر مشتمل ہو۔ نہ مطلق وحی جس کا امت محمدیہ میں باقی رہنا قرآن مجید حدیث و بزرگان دین کے اقوال سے ثابت ہے اس کے آگے پھر دوسرا ہیڈنگ شروع ہو جاتا ہے اس کے تحت میں اس بحث کا جواب درج کیا جاتا ہے۔

مدعیہ کی طرف سے جس وحی کے متعلق یہ کہا گیا ہے کہ اس کا ادعا کفر ہے اس سے مراد وحی نبوت سے ہی ہے۔ فریق مدعیہ کے نزدیک وحی کا لفظ صرف انبیاء کے لیے ہی مختص ہے۔ اور وہ اس امر کے قائل نہیں کہ جو وحی نبی کی ہوتی ہے وہ غیر انبیاء کو بھی ہو سکتی ہے۔ اس لیے اب مدعا علیہ کے بحث سے ہی یہ طے کرنا ہے۔ کہ آیا اس قسم کی وحی جو انبیاء کو ہوتی ہے غیر انبیاء کو بھی ہوسکتی ہے یا نہ۔ اس کے متعلق جن آیات قرآنی کا حوالہ مدعا علیہ کی طرف سے پیش کیا گیا ہے ان کی ظاہری الفاظ سے یہ پایا جاتا ہے کہ حضرت اُم موسیٰ پر وحی ہوئی حضرت مریم پر فرشتے اترے اور ذوالقرنین سے اللہ تعالیٰ نے کلام فرمایا لیکن اگر یہ نتیجہ محض ان الفاظ اَوۡحَیۡنَا قَالَتُ الۡمَلٰٓئِکَةُ اور قُلۡنَا کے استعمال سے اخذ کیا جاتا ہے تو یہ درست نہیں کیونکہ وحی کا لفظ قرآن مجید میں نہ صرف ذوی العقول کی بابت استعمال فرمایا گیا ہے بلکہ غیر ذوی العقول کی بابت بھی جیسا کہ سورۂ نحل میں ہے کہ شہد کی مکھی کو وحی کی گئی۔ یہاں میرے خیال میں مدعا علیہ کے نزدیک بھی وحی سے مراد وہ وحی نہیں ہوسکتی جو انبیاء کو ہوتی ہے۔ یہاں یقیناً اس کے کوئی اور معنےٰ بمثل فطرت میں داخل کرنا یا اسے سوجھانا کیے جائیں گے۔ اس طرح قرآن مجید میں وحی کا لفظ اور بھی کئی مقامات پر استعمال ہوا ہے جس کے سیاق وسباق سے یہ نتیجہ اخذ نہیں ہوتا کہ وہاں اس لفظ

سے مراد اس قسم کی وحی ہے جو انبیاء کو ہوتی ہے اور غالباً اس شبہ کو زائل کرنے کے لیے حضور علیہ الصواۃ والسلام کے متعلق قرآن مجید میں تصریح یہ فرمایا گیا۔ کہ ہم نے تیری طرف اس قسم کی وحی بھیجی ہے۔ جیسا کہ حضرت نوح، ابراہیم، اسحٰق، اسمٰعیل، یعقوب اور ان کی اولاد کی طرف بھیجی گئی سورۂ نساء پارہ ٦ رکوع نمبر ٣ آیت اِنَّآ اَوۡحَیۡنَآ اِلَیۡکَ کَمَآ اَوۡحَیۡنَآ اِلٰی نُوۡحٍ...... زَبُوۡرًا۔ اس لیے ان مواقعات پر جہاں کہ لفظ وحی کے استعمال سے وحی نبوت کے معنٰی اخذ نہیں ہو سکتے۔ اس لفظ سے مراد جیسا کہ علماء نے لی ہے القاء کرنا یا دل میں ڈالنا ہی لی جائے گی۔ اسی طرح قرآن مجید میں ایک اور جگہ ہے وَاِنَّ الشَّیٰطِیۡنَ لَیُوۡحُوۡنَ اِلٰۤی اَوۡلِیٰٓـءِهِمۡ تو کیا یہاں بھی لفظ وحی کے استعمال سے وحی انبیاء لی جا سکے گی۔

قرآن مجید میں اس قسم کے اور بھی کئی الفاظ ہیں کہ جن کے ظاہری معنے مراد نہیں لیے گئے۔ مثلاً فتنہ کا لفظ جس کے معنے عام طور پر آزمائش کے لیے گئے ہیں اس طرح اس کی سند بیان نہیں کی گئی۔ کہ فرشتے ہر حال میں ذات باری کی طرف سے ہی بحیثیت رسول اترتے اور کلام کرتے رہے ممکن ہے کہ نیک آدمیوں پر ان کا اترنا عام انتظام کائنات کے سلسلہ میں ہو یا روحانی ترقی کے مدارج میں داخل ہو۔ اس لیے حضرت مریم پر فرشتوں کے اترنے سے یہ نتیجہ لازمی طور پر برآمد نہیں ہوتا۔ کہ اللہ تعالیٰ غیر انبیاء سے اس طریق پر کلام کرتا ہے جیسا کہ انبیاء کے ساتھ باقی رہی۔ وہ آیت جو ذوالقرنین کے متعلق ہے۔ اس کا جواب یہ ہے کہ بعض کے نزدیک وہ نبی تھے۔ اگر نبی تھے تو انہیں وحی نبوت ہوئی ہوگی۔ اور اگر نبی نہ تھے تو ان کے متعلق محض لفظ قال کا استعمال عمومیت کے طور پر یہ نتیجہ اخذ کرنے کے لیے کافی نہیں۔ کہ غیر انبیاء کے ساتھ بھی اللہ تعالیٰ ہمکلام ہو سکتا ہے۔ علاوہ ازیں اگر یہ مان بھی لیا جاوے کہ حضرت اُمِ مُوسیٰ اور حضرت مریم کو ایسی ہی وحی ہوئی جیسا کہ انبیاء کو ہوتی ہے تو اس سے لازمی طور پر یہ نتیجہ نہیں نکلتا کہ ایسی وحی ہر غیر انبیاء کو ہو سکتی ہے کیونکہ یہ بیبیاں پیغمبروں کی مائیں تھیں۔ اور ان ہر دو پیغمبروں کے متعلق یہ خطرہ تھا کہ انہیں پیدا ہونے کے بعد ہلاک نہ کر دیا جاوے۔ اس لئے ان کی ماؤں کو تسکین دینے

کے لئے اگر اللہ تعالیٰ نے اپنی ہمکلامی سے مشرف فرما دیا ہو تو کوئی عجب نہیں اُس کے ساتھ ہی پھر یہ بات بھی قابل غور ہے کہ یہ واقعات حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کی بعثت سے قبل کے ہیں ممکن ہے کہ خاص حالات کے تحت خاص خاص اشخاص کے ساتھ ہمکلام ہونا مشیّت ایزدی سے ضروری سمجھا گیا ہو اور اس کی تائید خود مدعا علیہ کی اپنی بحث سے ہوتی ہے جیسا کہ وہ کہتا ہے کہ آنحضرت صلعم نے فرمایا ہے کہ بنی اسرائیل میں ایسے لوگ ہوئے ہیں کہ باوجود یہ کہ وہ نبی نہ تھے اللہ تعالیٰ اُن سے کلام کرتا تھا۔ چنانچہ ذوالقرنین بھی اسی ذیل میں داخل سمجھے جا سکتے ہیں۔ لیکن اس کے بعد جب حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے فرمایا کہ میرے بعد نبوّت میں سے سوائے مبشرات کے اور کچھ باقی نہیں تو پھر کیونکر کہا جا سکتا ہے کہ غیر انبیاء کو بھی وہی وحی ہوتی ہے جو انبیاء کو ہوتی ہے۔ اس حدیث کو فریق مدعا علیہ نے صحیح تسلیم کیا ہے لیکن اس کی یہ تاویل کی ہے کہ یہ عام اشخاص کے متعلق ہے خواص کیلئے نہیں اگر خواص اس سے مستثنیٰ تھے تو کوئی وجہ نہ تھی کہ رسول اللہ صلعم اُس کی تصریح نہ فرما دیتے۔ یہ حدیث حضرت عائشہ سے بھی روایت کی گئی ہے۔

باقی رہے صوفیائے کرام کے اقوال اور تحریریں، ان کے متعلق ایک جواب تو اوپر سیّد انور شاہ صاحب کے بیان کے حوالہ سے دیا جا چکا ہے کہ اُنہوں نے ان اشخاص کو جو ان کی اصطلاحات سے واقف نہ ہوں، اپنی کتابوں میں نظر کرنے سے منع فرمایا ہے۔ اور اس کا دوسرا جواب بھی شاہ صاحب مذکور کے الفاظ میں نقل کیا جاتا ہے۔

وہ کہتے ہیں کہ صوفیائے کرام نے نبوّۃ کو بمعنے لغوی لیکر مقیم بنایا اور اس کی تفسیر ہذا سے اطلاع پانا۔ دوسرے کو اطلاع دینا کی، اور اس کے نیچے انبیاء علیہم السلام اور اولیاء کرام دونوں کو داخل کیا، اور نبوّت کو دو قسم کر دیا۔ نبوّت شرعی اور نبوت غیر شرعی نبوت شرعی کے نیچے وحی اور رُسل دونوں درج کر دیئے اور اب ان کیلئے نبوت غیر شرعی اولیاء کے کشف اور الہام کیلئے نکھر گیا اور مخصوص ہو گیا۔ صوفیائے کرام کی تصریح ہے کہ کشف کے ذریعہ مستحب کا درجہ بھی ثابت نہیں ہوتا صرف اسرارِ معارف۔ مکاشِف اُس کا دائرہ ہیں اور تصریح فرماتے ہیں کہ ہمارا کشف دوسرے پر

حجت نہیں۔ ہمارا کشف ہمارے لئے ہے گواہ مذکور نے کشف۔ الہام اور وحی کی یہ تعریف بیان کی ہے کہ کشف اُسے کہتے ہیں کہ کوئی پیرایہ آنکھوں سے دِکھلایا جس کی مراد کشف والا خود نکالے دل میں کچھ مضمون ڈال دیا اور سمجھا دیا جاوے یہ الہام ہے؛

خُدا نے پیغام بھیجا۔ اپنے ضابطہ کا وہ وحی ہے وحی قطعی ہے اور کشف والہام ظنّی ہیں۔ بنی نوع آدم میں وحی پیغمبروں کیساتھ مخصوص ہے۔ غیروں کیلئے کشف یا الہام ہے۔ یا معنوی وحی ہو سکتی ہے، شرعی نہیں۔

وحی کے شرعی یا غیر شرعی ہونے کی جو تفریق مدعا علیہ کی طرف سے کی گئی ہے اُس کی تائید میں اس نے سوائے اقوال بزرگان کے اور کوئی سند پیش نہیں کی۔ اور ان اقوال کی گو مدعیہ کی طرف سے توجیہہ اور تشریح کی گئی ہے اور یہ دکھلایا گیا ہے کہ ان بزرگان کی ان اقوال سے کیا مراد ہے اور ان کے دیگر صریح اقوال پیش کئے گئے ہیں کہ جن میں وہ رسول اللہ صلعم کو خاتم النّبیّن بمعنے آخری نبی تسلیم کرتے ہیں اور آپ کے بعد کسی اور نبی کا آنا ممکن نہیں سمجھتے۔ لیکن ان پر اسلئے بحث کی ضرورت نہیں کہ وہ قرآن مجید اور احادیث کے مقابلہ میں کوئی حجت نہیں ہو سکتے اور مدعا علیہ کی طرف سے جو اعتراض مدعیّہ پر عائد کیا گیا تھا کہ اس نے وجوہات تکفیر کے ضروریات دین ہونے کے متعلق قرآن یا حدیث سے کوئی ثبوت پیش نہیں کیا وہ بدرجہ اولےٰ خود مدعا علیہ پر وارد ہوتا ہے کہ اُس نے شرعی اور غیر شرعی وحی کی جو تقسیم کی ہے اس کے متعلق کوئی ثبوت قرآن و احادیث سے پیش نہیں کیا۔ محض قیاسات سے ہی یہ کہا گیا کہ جس آیت کا حوالہ مدعیّہ کی طرف سے دیا گیا ہے اس میں آئندہ وحی کا ذکر نہیں وہ شریعت والی وحی کے انقطاع پر دلالت کرتی ہے۔

مدعیّہ کی طرف سے درست طور یہ کہا گیا ہے کہ صوفیائے کرام نے نبوّت کی جو قسمیں بیان کی ہیں وہ ان کی اپنی قائم کردہ اصطلاحات کے مطابق ہیں اس لئے ان کی قائم کردہ اصطلاحات کو عام اُمّت کے مقابلہ میں حجت قرار دینا درست نہیں ہے۔ مسیح موعود پر وحی کا ہونا مستثنیات سے ہے جس کی استثناء خود حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے کر دی اس سے وحی نبوّت کے اجراء کا عمومیت کیساتھ نتیجہ نکالنا ایک غلطی ہے۔

آیت وَمَا کَانَ لِبَشَرٍ .... الخ میں بشر کے لفظ کے متعلق مدعیہ کی طرف سے کہا گیا ہے "کہ مراد انبیاء علیہم السلام سے ہے" لیکن اگر عام بشر بھی مراد لئے جاویں تو اس سے یہ نتیجہ نہیں نکلتا کہ خدا بالعموم آدمیوں سے کلام کرتا رہتا ہے، بلکہ اس میں اللہ تعالیٰ نے اپنے بندوں کیساتھ ہمکلام ہونے کے طریق بتلائے ہیں۔ باقی کلام کا کرنا یا نہ کرنا اس کی اپنی مشیت پر منحصر ہے لہٰذا گواہان مدعیہ نے یہ درست کہا ہے کہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کے بعد وحی نبوت جاری ہوتی تو قرآن مجید میں ضرور اس کی صراحت فرمادی جاتی، کیونکہ اس پر اُمت کی فلاح کا دارومدار تھا۔ باقی مولینا روم کی کتاب مثنوی کے حوالے سے جو یہ بیان کیا گیا ہے کہ وہ لکھتے ہیں کہ اولیاء کو جو وحی ہوتی ہے وہ دراصل وحی حق ہوتی ہے۔ اور اولیاء عام لوگوں سے پردہ کرنیکی خاطر اُسے وحی دل کہہ دیا کرتے ہیں یہ اُن کے شاعرانہ خیالات اور شاعر کی نیت میں جیسا کہ سیّد انور شاہ صاحب گواہ مدعیہ نے کہا ہے منوانا اس کا عالم کو منظور نہیں ہوتا۔ اور پھر جہاں اُنہوں نے وحی حق کے الفاظ لکھے ہیں ان کے ساتھ ہی وَاللہ اعلم بلصواب کا جُملہ بھی موجود ہے اس سے ان کے مفہوم کا خود اندازہ لگایا جاسکتا ہے۔ پارہ نمبر ۹ رکوع نمبر ۸ اور پارہ ۱۶۔ رکوع نمبر ۱۳ کی آیات محولہ بالا سے بھی یہ استدلال درست نہیں کیا گیا۔ کہ آنحضرت صلعم کے بعد غیر شریعت والی وحی ہوسکتی ہے کیونکہ اوّل تو آیات اس زمانہ اور اُن حالات سے تعلق رکھتی ہیں جو نزول قرآن کے وقت موجود تھے۔ اور ان میں ان لوگوں کو خطاب ہے جو عبادت الٰہی سے ناآشنا اور غافل ہوں، اور اب رسول اللہ صلعم کی تعلیم کے بعد کسی ادنےٰ سے ادنےٰ مسلمان کا بھی یہ عقیدہ نہیں ہوسکتا کہ خداوند تعالیٰ سمیع، بصیر اور علیم نہیں۔ باقی رہا اس کا آدمیوں سے کلام کرنا وہ اس کی مشیت پر منحصر ہے۔ اُسے کسی کی آہ و بکا، فریاد فغاں سے کلام کرنے پر مجبور نہیں کیا جاسکتا۔ دنیاوی عاشق و معشوق کی مثال عشق الٰہی پر نہایت ہی نازیبا طریق پر عائد کی گئی۔ تاہم اس مثال کو بھی اگر مدنظر رکھا جاوے تو رسول اللہ صلعم کی تعلیم ایسی ناقص نہیں کہ عاشقانِ الٰہی اگر فی الحقیقت وہ پورے معنوں میں عاشقانِ الٰہی بن چکے ہیں۔ خداوند تعالیٰ کے دروازہ سے ناامید ہو کر لوٹیں یا نعوذ باللہ

یہ تصور کریں کہ ان کا محبوب مر چکا یا انہیں دھوکا دیا گیا۔ دنیاوی معشوق بھی اگر اپنے عاشق کی آہ و بکا سن کر اندر سے اُسے کوئی تحفہ بھیج دے یا اس کی بات کو سن کر اُس کا کوئی کام سرانجام کر دے تو باوجود اُس کے کہ وہ اس سے ہمکلام نہ ہو یا اپنا دیدار نہ کرائے اس کا عاشق ضرور سمجھ لے گا کہ اس کا معشوق زندہ ہے اور اُس سے محبت کرتا ہے۔ دنیا میں عاشقانِ الٰہی کی تعداد حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کے بعد آجتک کوئی تھوڑی نہیں سمجھی جا سکتی اور ویسے تو ایسے عشاق نہ صرف مذہب اسلام میں بلکہ ہر مذہب میں سینکڑوں کی تعداد میں پائے جائیں گے اگر اللہ تعالیٰ کے ہمکلام ہونے کا ذریعہ اس کے عشاق کے دل کی تڑپ ہی قرار دیجاوے تو ضرور ہے کہ اللہ تعالیٰ نے اس عرصہ میں ہر ایک عاشق سے نہ سہی سوویں ہزارویں سے سہی۔ دس پندرہ بیس سال کے بعد نہ سہی۔ سو ہزار سال کے بعد سہی کسی نہ کسی ایک سے تو ہمکلامی فرمائی ہوتی۔ نہ یہ کہ تیرہ سو سال تک یکدم خاموشی اختیار کیئے رکھنے کے بعد صرف ایک شخص سے ہمکلام ہونا منظور فرمایا گیا۔ اور وہ بھی زیادہ تر پُرانی تیرہ سو سال والی زبان میں گویا اب اُس کے پاس الفاظ اور معانی کا ذخیرہ ختم ہو چکا ہے اگر نعوذ باللہ خدا کے پاس ہمکلامی کیلئے نہ کوئی اور نیا مواد ہے اور نہ نئے الفاظ۔ تو پھر بیچارے مولویوں کا کیا قصور ہے۔ کہ انہیں پرانی لکیر کا فقیر قرار دیا جا کر کوسا جاتا ہے۔ کیونکہ انہوں نے خدا کے اس پرانے کلام کی تعبیر وہی کرنی ہے جو پہلے سے ہوتی آئی ہے۔

اگر عشاق کی تسلی محض گفتگو سے ہوتی۔ اور وجود باری تعالیٰ کے علم کا ذریعہ بھی یہی ہوتا کہ جب کبھی اس کا کوئی عاشق بیقراری کی حالت میں آہ بکا کرتا ہوا اس کے دروازہ پر پہنچے۔ تو اسی کے لیے فوراً دروازہ کھل جائے۔ تو اسلام صفحۂ ہستی سے کبھی کا نابود ہو چکا ہوتا۔ کیونکہ تیرہ سو سال کا زمانہ ایسا نہیں کہ عشاق نعوذ باللہ خداوند تعالیٰ کی اس بے اعتنائی کو دیکھ کر اس کے دروازہ پر پڑے رہتے۔ بلکہ بقول گواہ مدعاعلیہ عرصہ سے ناامید ہو کر لوٹ چکے ہوتے اور پھر اس کی کیا گارنٹی ہے کہ اللہ تعالیٰ صرف ان عشاق سے ہی گفتگو کرتا ہے۔ کہ جو مذہب اسلام سے تعلق رکھتے ہوں۔ اور دوسرے سے نہیں کرتا۔ علاوہ ازیں عشاق کی تسلی محض گفتگو سے نہیں ہوا کرتی۔ بلکہ

جیسا کہ مدعا علیہ کے گواہ نے بھی ظاہر کیا ہے۔ دیدار یاران کا مطمع نظر ہوتا ہے۔ اس لیے ممکن ہے کہ عشاق جب گفتگوئے یار سے بہرہ اندوز ہوں۔ تو پھر کبھی اپنے عشق کی مستی میں قوم موسیٰ کی طرح اَرِنَا اللّٰہَ جَهْرَةً کی رٹ لگانی شروع کر دیں۔ اور بجائے اس کے کہ دیدار یار سے لذت اندوز ہوں۔ اپنا بیڑہ بھی غرق کر بیٹھیں شک نہیں کہ حقیقی عشاق کے دلوں میں ضرور اپنے محبوب کے متعلق ایک تڑپ ہوتی ہے۔ اس تڑپ کے فرد کرنیکا علاج یہ نہیں کہ محبوب سے ضرور ہمکلامی ہو۔ بَارِیٔ عَزَّ اِسْمُهٗ نے اپنے عشاق کی تڑپ فرد کرنیکا علاج خود ہی اپنے زندہ کلام قرآن پاک میں یہ فرمایا ہے۔ اَلَا بِذِکْرِ اللہ تَطْمَئِنُّ القلوب یعنی خدا کی یاد سے دل مطمئن ہوتے ہیں۔ اور زیادہ اضطراب پیدا ہونیکی صورت میں فرمایا وَاِذَا سَاَلَكَ عِبَادِیْ عَنِّیْ فَاِنِّیْ قریبٌ..........الخ

گواہ مدعا علیہ نے اس آیت کو بقاء وحی پر دلیل پکڑا ہے لیکن وحی سے مراد اگر اس قسم کی استجابت لیجاوے جو اس آیت میں مذکور ہے۔ تو پھر خداوند تعالیٰ کا ہر فرد بشر کے ساتھ کلام کرنا ممکن ہوسکتا ہے۔ اور ہر شخص محل وحی بھی بن سکتا ہے۔ اس قسم کے استدلال اختیار کرنے سے مذہب کی کوئی عظمت و وقعت ظاہر نہیں ہوسکتی اور نہ اس کی کوئی حقیقت منکشف کی جاسکتی ہے۔ گواہ مدعا علیہ نے بیان کیا ہے کہ خدا کا کلام نہ کرنا غضب اور ناراضگی کی علامت ہے تو کیا اس سے سمجھا جائے گا کہ جن لوگوں سے پہلے خداوند تعالیٰ نے کلام نہیں کی کیا ان سب پر خداوند تعالیٰ ناراض رہا ہے اور وہ مورد عتاب الٰہی ہیں۔ استغفر اللہ۔

بقاء وحی کے سلسلہ میں باقی ماندہ جن دو آیات سورۂ مومن اور پارہ ۱۴۔ رکوع ۷ کا حوالہ دیا گیا ہے۔ ان سے بھی وحی کا جاری رہنا ثابت نہیں ہوتا۔ بلکہ یہ آیات مدعا علیہ کی اپنی تقسیم کے مطابق وحی تشریعی ہی سے تعلق رکھتی ہیں۔ کیونکہ ان میں یہ مذکور ہے۔ کہ جس شخص کو وحی کی جاتی ہے اس کو یہ حکم دیا جاتا ہے کہ وہ لوگوں کو قیامت کے دن سے ڈرائے۔ اس لیے اس قسم کی وحی کو مدعا علیہ کی اپنی تعریف کے مطابق وحی تشریعی ہی سمجھا جائے گا اور یہ سلسلہ مدعیہ کے ادعا کے

مطابق اللہ تعالیٰ نے رسول اللہ صلعم پر آ کر ختم فرما دیا۔ اور مدعا علیہ کے نزدیک بھی اب تشریعی نبی نہیں آ سکتا اس لیے ان آیات سے وحی مطلق کے اجراء کا استدلال نہیں کیا جا سکتا۔ باقی رہی مدعا علیہ کی یہ حجت کہ اللہ تعالیٰ نے جب ہمیں یہ دعا سکھلائی ہے کہ اے اللہ ہمیں راہ مستقیم پر چلا۔ اور ان لوگوں کی راہ پر چلا جن پر تو نے اپنے انعام کیے ہیں۔ اور پھر دوسری سورت میں اس کی تشریح فرمائی۔ کہ وہ کون لوگ ہیں جن پر خدا کا انعام ہوا۔ اس کے متعلق فرمایا کہ وہ نبی، صدیق، شہید اور صالح ہیں۔ اس سے یہ تلقین کی گئی۔ کہ اللہ اور اس کے رسول محمد مصطفیٰ صلعم کی پیروی سے یہ چاروں مراتب تم کو حسب حیثیت مل سکتے ہیں۔ لہذا یہ نہیں ہو سکتا کہ امت محمدیہ تین مراتب کا تو انعام پائے اور چوتھے مرتبہ یعنی نبوت کا حصول اس کے لیے ناممکن ہو۔ حالانکہ اس سے پہلی امتوں نے اس انعام کو بار بار حاصل کیا پھر یہ خیر الامم کس طرح ہوئی۔ اور نہیں کہا جا سکتا کہ امت مرحومہ پر وحی الٰہی کا دروازہ بند ہے اور آنحضرت صلعم کے بعد جو تمام عالم کے لیے رحمت ہو کر آئے۔ اس انعام کو لوگوں سے چھین لیا گیا۔

اس کا جواب مدعیہ کی طرف سے یہ دیا گیا ہے۔ کہ آیت **مَن یُّطِعِ اللّٰہ‘ وَرَسُوْلَہ‘ .... وَالصَّالِحِیْنَ** میں الفاظ **مَعَ الَّذِیْنَ** سے مراد رفاقت سے ہے نہ کہ عطائے درجہ مدعا علیہ کے اعتراض کا مطلب یہ ہے کہ جب نبی کے علاوہ دیگر مدارج جو اس آیت میں مذکور ہیں رسول اللہ صلعم کی پیروی سے مل سکتے ہیں۔ تو کیا وجہ ہے کہ نبوت کا درجہ نہ مل سکے۔ اگر اس بحث کو بفرض محال صحیح تسلیم کر لیا جاوے تو پھر اس سے یہ لازم آئیگا کہ نبوت ایک کسبی چیز ہے۔ جو اتباع سنت اور ریاضت سے حاصل ہو سکتی ہے حالانکہ قرآن شریف کی نصوص سے یہ ثابت ہے کہ نبوت کسبی نہیں۔ اور مرزا صاحب نے بھی اسے مانا ہے چنانچہ وہ اپنی کتاب ضمیمہ النبوۃ۔ فی الاسلام صفحہ ۸۴ پر لکھتے ہیں کہ نبوت ایک صفت اصلی قائم ہے۔ نبی کی ذات کے ساتھ نہ وہ کسب سے حاصل ہو۔ اور نہ کبھی سلب ہو۔ اگر نبوت حضور علیہ السلام کے اتباع سے حاصل ہو سکتی تھی تو کوئی وجہ معلوم نہیں ہوتی کہ آج تک جس قدر اولیاء ابدال، اقطاب گزرے ہیں۔ ان

میں سے کسی کو بھی یہ مرتبہ حاصل نہ ہوتا۔ علاوہ ازیں اگر یہ سمجھا جاوے کہ حضور کے کمال اتباع اور فیض سے یہ مرتبہ حاصل ہو سکتا ہے۔ اور حضور بھی اسے جائز سمجھتے تھے تو ضرور ہے کہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے جہاں کئی دیگر مراتب اور مدارج کے حصول کے لیے اپنی امت کو ادعیات اور اوراد کی تلقین فرمائی ہے۔ اور وہاں اس مرتبہ کے لیے بھی کوئی دعا وغیرہ بھی تلقین فرماتے۔ تا کہ امت کے افراد کو اس کے حاصل کرنے میں کوئی آسانی میسر آتی۔ کیونکہ حضور کی شفقت سے یہ بعید تھا۔ کہ وہ امت کو اس قدر پریشانی اور محنت شاقہ میں ڈالتے۔ کہ مدت مدید کا انتظار اور عبادات کے بعد صرف ایک ہی فرد کو جا کر یہ نعمت عطا ہوتی۔ اگر کوئی دعا وغیرہ تلقین کرنا آپ کے نزدیک مناسب نہ تھا تو کم از کم اس کی صراحت تو فرما دیتے کہ تم کو یہ درجہ مل سکتا ہے تمہیں اس کے حصول کے متعلق کوشاں رہنا چاہیئے۔ آپ نے نہ اس قسم کی کوئی صراحت فرمائی۔ نہ ہی اس کے لیے کوئی راستہ بتلایا بلکہ یہی فرماتے رہے ہیں کہ لَا نبی بعدی وَانا اخر الانبیا وغیرہ گویا کہ امت کو نعوذ باللہ از دست دھوکے میں رکھتے رہے۔ تا کہ وہ کہیں یہ درجہ حاصل کر کے آپ کے مقابلہ میں نہ کھڑے ہو جاویں۔

بلکہ آپ کا رحمتہ اللعالمین ہونا اس بات کا متقاضی تھا کہ آپ سابقہ انبیاء کے مقابلہ میں اپنی امت میں سے زیادہ انبیاء پیدا کر کے اپنے افضل الانبیاء ہونے کا ایک اعلیٰ اور بین ثبوت بہم پہنچاتے۔ لہذا قرآن شریف کی دیگر تصریحات کو مدنظر رکھتے ہوئے آیت محولہ بالا کا مفہوم یہی لیا جائے گا کہ وہ لوگ انبیاء کی رفاقت میں ہوں گے اور چونکہ مدعا علیہ کو دنیاوی امثال کا بہت شوق ہے اس لیے اس کی مثال یہ ہو سکتی ہے کہ جیسے حکومت کسی شخص کو اس کی ذاتی وجاہت اور مرتبہ کے لحاظ سے اپنے دربار میں اپنے کسی ممتاز عہدہ دار کیساتھ جگہ دے دے۔ تو نہیں کہا جا سکتا۔ کہ اس شخص نے اس عہدہ دار کا رتبہ حاصل کر لیا ہے یا یہ کہ وہ اس کا رتبہ حاصل کرنے کا اہل بنا دیا گیا ہے۔ اس طرح اللہ تعالیٰ نے یہ فرمایا کہ وہ لوگ جن کی آیات ماسبق میں فضیلت بیان کی گئی ہے۔ انبیاء شہداء صدیقین اور صلحاء کے ہمراہ ہوں گے۔ اس لیے مدعا علیہ کا یہ استدلال کوئی

وقعت نہیں رکھتا کہ اگر امت محمدیہ کو نبوت کا درجہ نہ ملے تو وہ خیرالامم نہیں رہتی اس کے خیرالامم ہونے کے لیے خدا نے اسے اور کئی مدارج عطا فرمائے ہیں۔ قرآن مجید نے اسے اس بات کا محتاج نہیں رہنے دیا کہ وہ نبوت کو حضور علیہ الصلوٰۃ السلام کی غلامی پر ترجیح دے بلکہ بڑے بڑے جلیل القدر انبیاء آپ کی امت میں داخل ہونے کے متمنی رہے ہیں افسوس کہ قرآن کی تعلیم کو پوری طرح مدنظر نہیں رکھا گیا۔ ورنہ یہ اعتراض نہ کیا جاتا۔

قرآن حکیم میں حیات انسانی کی پوری انتہا واضح نہیں فرمائی گئی۔ اور جیسا کہ چودھری غلام احمد صاحب پرویز مضمون محولہ بالا میں لکھتے ہیں جنت بھی جو بالعموم منزل مقصود سمجھی جاتی ہے۔ درحقیقت اصل منزل مقصود نہیں بلکہ راستہ کا ایک خوشنما منظر ہے جیسا کہ قرآن مجید میں جنتیوں کی اس دعا سے ظاہر ہوتا ہے۔ یقولون ربنا اتمم لنا نورنا اس منتہی کو ایک راز رکھا گیا۔ نہ معلوم کے حضور کے فیض سے امت کو کیا کچھ عطا فرمایا جائے گا لہذا مدعاعلیہ یہ ثابت کرنے میں کامیاب نہیں رہا۔ کہ جو وحی انبیاء علیہم السلام کو ہوتی ہے وہ اس وقت تک جاری ہے۔ بلکہ صرف الہام اور کشف وغیرہ باقی ہیں جیسا کہ مدعیہ کا ادعا ہے۔ اور ان کے لغوی طور وحی کہا جا سکتا ہے۔ اس مقدمہ کے فیصلہ کا دارومدار زیادہ تر رسول اللہ صلعم کے خاتم النبیین بمعنے آخری نبی ماننے کے عقیدہ پر ہی ہے۔ مدعیہ کی طرف سے جیسا کہ اوپر درج کیا گیا بحوالہ آیات قرآنی واحادیث و اجماع امت یہ دکھلایا گیا ہے کہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کے بعد اور کوئی نبی نہیں ہوسکتا۔ بجز اس کے کہ اس کی استثناء حضور نے خود کر دی یعنی حضرت عیسیٰ علیہ السلام اور کہ مرزا صاحب کے دعویٰ سے قبل اور اب بھی سوائے مرزا صاحب کے پیروں کے دیگر جملہ مسلمانوں کا یہ عقیدہ ہے کہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام انبیاء کی تعداد اور بعثت کے لحاظ سے آخری نبی ہیں۔ اور آپ کے بعد اور کوئی نبی نہیں ہوسکتا۔ اگر کوئی مسلمان کسی اور کو نبی مانے تو وہ کافر اور مرتد ہو جاتا ہے۔

مدعاعلیہ کی طرف سے کہا جاتا ہے کہ رسول اللہ صلعم کے کمال اتباع اور فیض سے نبوت کا مرتبہ عطا ہوسکتا ہے۔ اور وہ خاتم النبیین کے معنے عام مسلمانوں کے اعتقاد کے خلاف یہ کرتا ہے

کہ اللہ جل شانہٗ نے آنحضرت صلعم کو صاحب خاتم بنایا۔ یعنے آپ کو اضافہ کمال کے لیے مہر عطا کی۔ جو کسی اور نبی کو ہرگز نہیں دی گئی اس وجہ سے آپ کا نام خاتم النبیین ٹھہرا۔ یعنی آپ کی پیروی کمالات نبوت بخشتی ہے۔ اور آپ کی توجہ روحانی نبی تراش ہے۔ اور قرآن مجید کی جس آیت میں یہ الفاظ درج ہیں۔ اس کے معنی مدعاعلیہ کی طرف سے یہ کیے گئے ہیں کہ اس آیت میں رسول اللہ کے بعد الفاظ خاتم النبیین اس لیے لائے گئے کہ ہر نبی اپنی اُمّت کا روحانی باپ ہوتا تھا۔ صرف اتنا کہہ دینے سے کہ آپ بحثیت رسول اپنی اُمّت کے باپ ہیں آپ کی دوسرے رسولوں پر کوئی فضیلت ظاہر نہ ہوتی تھی۔ اس لیے اللہ تعالیٰ نے آپ کو خاتم النبیین فرما کر آپ کو دوسرے رسولوں سے ممتاز فرما دیا۔ کہ اور نبی تو اپنی امت کے صرف مومنوں کے باپ تھے۔ مگر آپ ایسے عظیم الشان اور جلیل القدر نبی ہیں۔ کہ انبیاء کے بھی باپ ہیں۔ یعنی آپ کی اتباع اور توجہ روحانی کمالات نبوت بخشتی ہے۔ اور اگر اس کے معنی آخر کے لیے جاویں۔ تو اس میں آپ کی کوئی فضیلت نہیں ہے۔

اس تصریح سے اس حد تک تو مدعاعلیہ کی یہ توجیہ درست ہے۔ کہ اللہ تعالیٰ کو چونکہ دیگر انبیاء سے حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کو افضل دکھلانا مقصود تھا۔ اس لیے الفاظ خاتم النبیین استعمال فرمائے گئے۔ لیکن یہ سمجھ نہیں آتا کہ محض لفظ خاتم کے استعمال سے آپ کا نبی تراش ہونا کس طرح مفہوم لے لیا گیا ہے۔ کیونکہ اگر خاتم کے معنی مہر بھی کئے جاویں تو اس کے یہ معنی کرنے سے بھی آپ انبیاء سابقہ پر مہر ہیں۔ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کی فضیلت نمایاں ہو سکتی ہے۔ اور محض یہ توجیہ بھی کہ آپ انبیاء کے باپ ہیں آپ کی فضیلت ظاہر کر دینے کے لیے کافی ہے۔ پھر معلوم نہیں ہوتا کہ آپ کے اس تفصیلی علاقہ ابوت سے آئندہ توالد انبیاء کا سلسلہ جاری ہونا کس طرح اخذ کیا گیا ہے اور پھر توالد بھی صرف ایک نبی کا اس میں شک نہیں کہ خاتم کے معنی مہر دیگر علماء نے بھی کیے ہیں۔ اور حال ہی میں قرآن مجید کا جو ترجمہ مولیٰنا محمود الحسن صاحب دیوبندی کا شائع ہوا ہے۔ اس میں بھی خاتم کے معنی درج ہیں۔ اور خاتم النبیین کے معنی اُنہوں نے یہ لکھے ہیں کہ مہر

ہیں تمام نبیوں پر اور میری رائے میں سیاق وسباق عبارت سے یہی معنی درست معلوم ہوتے ہیں۔ اس پر مدعاعلیہ کا یہ اعتراض ہوگا کہ پھر رسول اللہ صلعم کا آخری نبی ہونا کہاں سے اخذ کیا جائے گا۔

اس کا جواب یہ ہے کہ ایک تو رسول اللہ صلعم کا آخری نبی ہونا احادیث سے اور اُمت کے اجماعی عقیدہ سے اخذ کیا جائے گا۔ اُمت آج تک آپ کو آخری نبی سمجھتی آئی۔ اور جیسا کہ مولوی مرتضیٰ حسن صاحب گواہ مدعیہ نے بیان کیا ہے۔ آج تک جس قدر اولیاء ابدال، اقطاب، مجتہدین مجدّد ہوتے آئے ہیں۔ کسی نے اس عقیدہ تغلیط نہیں کی۔ دوسرے مدعاعلیہ کو بھی اس سے انکار نہیں کہ خاتم النبیین کے معنی آخری بھی ہیں۔ اور اس معنی پر امت کا اجماع چلا آیا ہے۔

مدعاعلیہ کی طرف سے اس اجماع کی حقیقت کو توڑنے کی کوشش کی گئی لیکن وہ اس سے انکار نہیں کرسکتا۔ مرزا صاحب کے دعویٰ سے قبل جمہور امت کا عقیدہ اس طرح چلا آیا ہے۔ اس لیے ایک امر واقع کو غلط کہنا ایک بیجا حجت ہے۔

مدعاعلیہ کی طرف سے لغت اور عربی زبان کے محاورات سے یہ دکھلایا گیا ہے کہ لفظ خاتم جب ت کی زبر سے پڑھا جاوے تو انگوٹھی یا مہر کے معنوں میں استعمال ہوتا ہے۔ اور اگر زیر سے پڑھا جاوے تو اس کے معنی ختم کرنے والا۔ دوسرا مہر لگانیوالا ہوتے ہیں اور خاتم کا لفظ کمال کے معنوں میں بکثرت استعمال ہوتا ہے۔

اور کہ خاتم کے اصل معنی آخر کے نہیں ہیں۔ اگر آخر کا معنی بھی لیے جاویں تو پھر لازم معنی کہلائیں گے۔ نہ اصل معنی اور جب اصل معنی لیے جاسکتے ہیں تو لازم معنی کیوں لیے جاویں۔ خاتم اگر کہیں آخر کے معنوں میں استعمال کیا جاتا ہے تو لازم معنی لیکر کیا جاتا ہے۔ اور جبکہ قرآن مجید میں کوئی ایسا صریح قرینہ موجود نہیں۔ جو لازم معنی لینے پر ہی دلالت کرے۔ تو اس کے باقی سب معنی چھوڑ کر صرف آخر کے معنی میں لینا کس طرح صحیح نہیں۔ لیکن مقدمہ ہذا میں سوال زیر بحث عقیدہ سے تعلق رکھتا ہے۔ الفاظ کے معنی یا مراد سے تعلق نہیں رکھتا۔ دیکھنا یہ ہے کہ عقیدہ کس

معنی پر قائم ہوا۔ جب مدعا علیہ کے نزدیک خاتم کے معنی آخر کے ہو سکتے ہیں۔ اور عقیدہ بھی تیرہ سو سال تک اس پر قائم رہا ہے تو اب ان الفاظ پر بحث کرنا کہ ان کے معنی آخر کے نہیں بلکہ مہر کے ہیں سوائے ایک علمی دلچسپی کے۔ اور کوئی حیثیت نہیں رکھتا۔ علاوہ ازیں جو علماء اس کے معنی قبل ازیں آخر کے کرتے آئے ہیں۔ ان کی نسبت نہیں کہا جا سکتا۔ کہ وہ اس کی لغت یا اصل سے واقف نہ تھے۔ اس لیے اس لفظ کے معنی پر بحث لا حاصل ہے۔ علاوہ ازیں مرزا صاحب بھی اپنے دعویٰ سے قبل خاتم النبین کے معنی آخری کرتے آئے ہیں۔ جیسا کہ مدعیہ کے گواہان کے بیانات میں دکھلایا جا چکا ہے۔ بعد کے معنی محض تاویلی ہیں۔ اور اپنے دعویٰ کو رنگ دینے کی خاطر کیے گئے ہیں اور اب مدعا علیہ کی طرف سے یہ کہنا کہ مرزا صاحب نے جہاں جہاں آنحضرت صلعم کے بعد سلسلہ وحی کو منقطع مانا ہے۔ وہاں ان کی مراد وحی شریعت سے ہے۔ نہ کہ دوسری وحی سے۔ درست نہیں ہے کیونکہ جہاں انہوں نے وحی کو منقطع مانا ہے۔ وہاں انہوں نے اس کی تصریح نہیں کی۔ اور سیاق و سباق سے پتہ چلتا ہے کہ وہ ہر قسم کی وحی کے انقطاع کے متعلق کہہ رہے ہیں۔ ان کے یہ اقوال اس قسم کے ہیں جن کے متعلق کہ مدعا علیہ کی بحث کے شروع میں فقرہ نمبر ۲ میں تشریح کی گئی ہے۔ کہ وہ اپنے اندر ایک مستقل مفہوم لیے ہوئے ہیں اس لیے مرزا صاحب کے دیگر اقوال ان کی توضیح یا تشریح نہیں بن سکتے اس قسم کے اقوال جن سے مرزا صاحب انقطاع وحی کے قائل پائے جاتے ہیں۔ گواہان مدعیہ کے بیانات میں مفصل درج ہیں جو اوپر درج کیے جا چکے ہیں۔

مدعا علیہ کی طرف سے اس مسئلہ ختم نبوت کے متعلق پھر یہ کہا گیا ہے۔ کہ احادیث پر نظر ڈالنے سے معلوم ہوتا ہے کہ آنحضرت صلعم نے آیت خاتم النبین سے نبوت کو بکلی مسدود نہیں سمجھا۔ جیسا کہ حدیث لو عاش ابراھیم بکان صدیقا نبیا سے ظاہر ہوتا ہے۔ کیونکہ آیت خاتم النبین کے نزول سے پانچ سال کے بعد حضور نے یہ فرمایا ہے۔ لیکن اول تو اس حدیث کے صحیح ہونے میں شبہ ہے۔ جس کا اظہار خود گواہ مدعا علیہ نے کر دیا ہے۔ دوسرا اس میں لو کا ایک شرطیہ لفظ موجود

ہے۔ اور قواعد عربی کی رو سے مدعا علیہ کی طرف سے یہ تسلیم کیا گیا ہے۔ کہ جہاں لو داخل ہو وہاں وقوع نہیں ہوتا۔ تیسرا اس میں نبوت کی کوئی تفصیل نہیں کہ کیسی نبوت ہوگی۔ چوتھا نبوت کا امکان حضرت ابراہیم کی زندگی پر تھا جب وہ وفات پا گئے نبوت کا امکان بھی چلا گیا اس سے کس طرح بھی آئندہ نبوت جاری رہنے کا نتیجہ نہیں نکالا جا سکتا۔ مدعا علیہ کی طرف سے حضرت عائشہ کا ایک قول قولوا خاتم النبین و لا تقولون لا نبی بعدہ نقل کیا جا کر یہ نتیجہ اخذ کیا گیا ہے۔ کہ اس قول سے ظاہر ہے کہ وہ لوگ جو الفاظ خاتم النبیین اور لا نبی بعدی سے یہ سمجھتے ہیں۔ کہ آپ کے بعد کوئی نبی نہیں آ سکتا۔ غلطی پر ہیں۔ اس ضمن میں پھر یہ کہا گیا ہے کہ دوسری شہادت حضرت علیؓ کی ہے۔ جو یہ ہے کہ ایک دفعہ آپ کے صاحبزادے استاد کے پاس بیٹھے پڑھ رہے تھے۔ ایک دفعہ اتفاقاً حضرت علیؓ وہاں سے گزرے۔ اور فرمایا کہ ان دونوں کو خاتم النبیین کا لفظ ت کی زبر سے پڑھاؤ۔ دوسری قرأت میں خاتم ت کی زیر سے بھی آیا ہے پس اگر حضرت علیؓ کے نزدیک ت کی زیر سے بھی خاتم کے معنی آخری نبی کے بنتے تھے تو آپ نے زیر کے پڑھانے سے منع کیوں کیا۔ کیونکہ زیر سے ختم کرنے کے معنی زیادہ واضح ہو جاتے تھے۔ کیا اس سے ثابت نہیں ہوتا۔ کہ دونوں میں آپ فرق سمجھتے تھے اور زیر پڑھانے سے آپ کو اس کا خطرہ تھا کہ کہیں بچوں کے ذہن میں نبوت کے متعلق خلاف عقیدہ نہ بیٹھ جائے۔

حضرت علیؓ کے متعلق جو حدیث لا نبی بعدی والی بیان کی گئی ہے۔ اور جو مولوی محمد حسین صاحب گواہ مدعیہ کے حوالہ سے اوپر گزر چکی ہے۔ اسے مدعا علیہ کی طرف سے صحیح مانا گیا ہے مگر اس کی تاویل یہ کی گئی ہے کہ بعدی سے مراد یہاں موت کے بعد نہیں جیسا کہ عام طور پر سمجھا گیا ہے۔ بلکہ بعدی سے مراد جنگ تبوک کا عرصہ ہے۔ یعنی اس عرصہ میں آپ کے بعد کوئی نبی نہ ہو گا۔ اور اس سلسلہ میں ایک اور حدیث کا حوالہ دیا جا کر یہ بیان کیا گیا ہے۔ کہ ان کا مطلب یہ ہے کہ اے علی تم اس بات پر راضی نہیں۔ کہ میرے خلیفہ بنو۔ جیسے ہارون موسیٰ کے خلیفہ تھے۔ مگر ہاں تم نبی نہیں ہو گے۔ اور اس سے یہ نتیجہ اخذ کیا گیا ہے کہ اس جملہ کے فرمانے کی ضرورت یہ تھی۔

کہ جب حضرت علیؓ کو ہارون سے مشابہت دی گئی تو شبہ پڑ سکتا تھا کہ آپ حضرت ہارون کی طرح نبی بھی ہوں گے۔ اس لیے آنحضرت صلعم نے وضاحت فرما دی کہ تم میرے بعد خلیفہ ہو گے۔ نبی نہیں ہو گے۔

یہ تمامُ دلائل محض قیاسی ہیں۔ اور کوئی علمی حیثیت نہیں رکھتے۔ ان کا جواب بھی قیاس ہو سکتا ہے۔ حضرت علیؓ کے صاحبزادوں کا جو قصہ بیان کیا گیا ہے ممکن ہے کہ حضرت علیؓ نے ت کی زیر سے اس لیے پڑھانا منع کیا ہو کہ زیر سے حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کی فضیلت کا پہلو پوری طرح سے ظاہر نہیں ہوتا۔ اور زبر سے پڑھانے سے دونوں پہلو نمایاں ہو جاتے ہیں۔ اور اگر یہ سمجھا جاوے کہ اس وقت حضرت علیؓ کے ذہن میں یہ بات تھی کہ زیر سے پڑھانے سے نبوت کے منقطع ہونے کا مغالطہ پڑتا ہے اور کہ ان کے نزدیک حضور کے بعد نبوت جاری رہے گی۔ تو جنگ تبوک کے موقعہ پر جب حضور نے انہیں ہارون علیہ السلام سے تشبیہ دیکر یہ فرمایا تھا۔ کہ لا نبی بعدی۔ تو وہ عرض کر سکتے تھے۔ کہ حضور جب آپ مثل موسیٰ ٹھہرے اور مثل ہارون علیہ لسلام تو میں بھی آپ کا چچازاد بھائی ہوں اس لیے آپ موسیٰ علیہ السلام کی طرح کیوں میرے حق میں دعا نہیں فرما دیتے کہ خدا مجھے بھی نبی بنا دے۔ اور باہمی مماثلت کی بناء پر کوئی عجب نہ تھا۔ کہ حضور کی دعا سے خدا انہیں بھی نبوت کا مرتبہ عطا فرما دیتا۔

یہ محض ایسے قیاسات ہیں کہ جو ظنیات کی حد تک بھی نہیں پہنچتے۔ اور مذہب میں جیسا کہ خود مدعا علیہ کی طرف سے تسلیم کیا گیا ہے۔ قطعیات کا اعتبار ہوتا ہے۔ نہ ظنیات یا قیاسات کا۔ باقی رہا حضرت عائشہ کا قول اس کے متعلق مدعیہ کی طرف سے تین جواب دیئے گئے ہیں ایک تو یہ لا نبی بعدہٗ کے کہنے سے چونکہ یہ اندیشہ تھا کہ کہیں کوئی بدعقیدہ شخص حضرت عیسیٰ کے نزول سے انکار نہ کر دے۔ اس لیے آپ نے فرمایا کہ خاتم النبین کہو۔ لا نبی بعدی نہ کہو۔ دوسرا یہ کہ خاتم النبین کے کہنے سے چونکہ دونوں مدعا حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کا آخری اور افضل ہونا ظاہر ہوتے ہیں۔ اس لیے آپ نے فرمایا کہ لا نبی بعدہٗ نہ کہو بلکہ خاتم النبین کہو۔

تیسرا یہ کہا جاتا ہے کہ حضرت عائشہ نے یہ حدیث خود روایت کی ہے کہ حضور علیہ الصلوٰۃ و اسلام نے فرمایا کہ نبوت ختم ہو چکی۔ سوائے اس کے اب مبشرات ہوں گے۔ اور مبشرات کی تشریح آپ نے یہ فرمائی کہ اچھی خوابیں اس لیے مدعیہ کی طرف سے یہ کہا جاتا ہے کہ جب حضرت عائشہ کو خود اس حدیث کا علم تھا۔ تو کس طرح کہا جا سکتا ہے۔ کہ انہوں نے لا نبی بعدہ کہنے سے اس لیے منع کیا کہ وہ آپ کے بعد نبوت کو جاری سمجھتی تھیں۔ یہ ایک بہت معقول جواب ہے اس کے علاوہ جن لوگوں کو آپ نے منع کیا ہو گا۔ کہ وہ لا نبی بعدہ' نہ کہیں۔ تو انہوں نے آخر کوئی وجہ تو دریافت کی ہو گی۔ کیونکہ اس سے شبہ پڑ سکتا تھا۔ کہ کیا آپ کے بعد نبوت جاری ہے۔ جو وہ ایسا کرنے سے منع کرتے ہیں۔ ایسی کوئی تفصیل بیان نہیں کی جاتی اس لیے ان کے اس قول سے یہ کوئی دلیل نہیں پکڑی جا سکتی کہ وہ آپ کے بعد نبوت کا سلسلہ جاری سمجھتی تھیں۔

اس سلسلہ میں پھر مدعا علیہ کی طرف سے یہ کہا گیا ہے۔ کہ یہ بھی واضح رہے کہ قرآن مجید میں الفاظ خاتم النبیین ہیں آخر النبیین نہیں۔ آخر کچھ تو بھید ہے کہ اللہ تعالیٰ نے آپ کے لیے آخر النبیین نہیں کہا۔ بلکہ خاتم النبیین کہا۔

اس میں اول تو کوئی بھید نہیں پایا جاتا۔ کیونکہ آخر النبیین کا لفظ خاتم النبیین کے مقابلہ میں زیادہ فصیح معلوم نہیں ہوتا۔ اور قرآن مجید میں کوئی ایسا لفظ استعمال نہیں ہوا۔ جو غیر فصیح ہو۔ دوسرا اللہ تعالیٰ کو چونکہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کی دونوں فضیلتیں یعنی آپ کا آخر ہونا اور افضل ہونا دکھلانا مقصود تھیں اس لیے خاتم النبیین کا لفظ استعمال فرمایا گیا۔

اور اگر اللہ تعالیٰ کو اس میں کوئی بھید رکھنا منظور تھا۔ تو پھر اس بھید کا کیا حل ہے کہ اللہ تعالیٰ نے جب قرآن مجید کو نور۔ ہدایت اور فرقان فرمایا۔ اور یہ بھی فرمایا کہ رسولوں پر ایمان لانے اور ان کی اطاعت کرنے میں تمہاری فلاح ہے۔ اور گزشتہ بہت سے انبیاء کی تفصیل بھی بیان فرما دی لیکن آئندہ آنیوالے نبیوں کے متعلق نہ کوئی صراحت فرمائی اور نہ یہ فرمایا کہ ان پر بھی ایمان لانا فرض ہو گا تو پھر قرآن کیونکر نور اور ہدایت ٹھہرا۔

مدعا علیہ کے ایک گواہ کا بیان ہے کہ جس حدیث میں آخر الانبیاء کا لفظ آیا ہے۔ وہ خبر واحد ہے جو ظن کا مرتبہ رکھتی ہے۔ اور عقائد میں ظنیات کام نہیں دیتے لیکن افسوس کہ یہ کہتے وقت اسے شاید اپنے طریق استدلال پر نظر نہیں رہی کہ وہ کہاں تک قطعیات کی رو سے بحث کر رہا ہے۔

اس طرح اس نے ان احادیث کی بہت سی تاویلیں کی ہیں جن میں حضور کے متعلق آخر کے الفاظ پائے جاتے ہیں۔ اور عربی، فارسی، اردو شعراء اور مصنفین کے اقوال کے حوالوں سے یہ دکھلایا ہے۔ کہ لفظ آخر اکثر' بمعنی کمال استعمال ہوتا ہے لیکن جیسا کہ اوپر درج کیا گیا ہے۔ یہ تمام بحث ایک علمی دلچسپی کے سوا اور کوئی حیثیت نہیں رکھتی کیونکہ یہاں بحث عقائد سے ہے نہ کہ الفاظ کے معنی سے اور چونکہ الفاظ زیر بحث سے حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کا آخری ہونا بھی پایا جاتا ہے۔ اس لیے اس معنی پر ہی آج تک اُمت کا عقیدہ چلا آیا ہے۔ اور یہ عقیدہ جیسا کہ اوپر دکھلایا گیا ہے اسلام کے اہم اور بنیادی مسائل میں سے ہے۔ اس لیے اس عقیدہ کو تبدیل کرانا کسی ادیب عالم مفتی یا قاضی کا کام نہیں بلکہ یہ عقیدہ سوائے اس شخص کے جو مامور من اللہ ہو۔ اور کوئی تبدیل نہیں کرا سکتا۔ اس پر پیچھے کافی بحث ہو چکی ہے۔ کہ آیا مرزا صاحب نبی اور مامور من اللہ ہیں یا نہ اور آخیر نتیجہ میں بھی اس پر بحث کی جائے گی۔

مدعا علیہ کی طرف سے شیخ محی الدین ابن عربی اور دیگر بزرگان کے اقوال نقل کیے جا کر یہ دکھلایا گیا ہے۔ کہ ان کے نزدیک بھی نبوّت مرتفع ہونے سے یہ مراد ہے۔ کہ شریعت والی نبوّت مرتفع ہو گئی نہ کہ مقام نبوّت اور کہ وہ حضور کے قول لا نبی بعدی کا یہ مطلب سمجھتے ہیں۔ کہ آپ کے بعد کوئی ایسا نبی نہیں ہوگا۔ جو آپ کی شریعت کے خلاف ہو بلکہ جب بھی ہوگا آپ کی شریعت کے ماتحت ہوگا۔

مدعیہ کی طرف سے ان اقوال کی توجیہیں بیان کی گئی ہیں۔ اور ان بزرگان کے دیگر اقوال سے یہ دکھلایا گیا ہے۔ کہ وہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کے آخری نبی ہونے کے قائل تھے لیکن قطع

نظر اس کے یہ ممکن ہے کہ یہ اقوال لکھتے وقت حضرت عیسیٰ علیہ السلام کا نزول ان لوگوں کے ذہن میں ہو۔ اور اس لیے یہ کہا گیا ہو کہ آپ کے بعد جب بھی کوئی نبی ہو گا وہ آپ کی شریعت کے ماتحت ہو گا اس کا فیصلہ تو ان کی کتابوں کے دیکھنے سے پوری طرح کیا جا سکتا ہے۔ ان حوالوں کو چونکہ اس فیصلہ میں بحث سے نظر انداز کر دیا گیا ہے۔ اس لیے ان پر زیادہ رائے زنی کی ضرورت نہیں۔ اور اگر ان تحریروں کا مطلب مدعا علیہ کے ادعا کے مطابق بھی صحیح تسلیم کر لیا جاوے۔ تو پھر دیکھنا یہ ہے۔ کہ آیا یہ ان کی ذاتی رائے ہے یا اُمت کا عقیدہ اگر ان تحریروں کے بعد اُمت نے اپنا عقیدہ تبدیل نہیں کیا۔ اور ان کا عقیدہ جوں کا توں رہا ہے اور اس میں ذرہ برابر فرق نہیں آیا۔ تو پھر یہ تحریریں اُن کی ذاتی اور شخصی رائے کے سوا اور کوئی وقعت نہیں رکھتیں۔ اور اگر ان کے یہ اقوال ان کا کشف بھی سمجھے جاویں تو بھی جیسا کہ سید انور شاہ صاحب گواہ مدعیہ نے کہا ہے۔ دین کے معاملہ میں وہ دوسروں پر کوئی حجت نہیں ہو سکتے کیونکہ دینی معاملات میں سوائے نبی کی وحی کے اور کوئی بات قطعی نہیں ہے۔

رسول اللہ صلعم کی دوسری حدیث پر جس میں اپنے بنی اسرائیل کے نبیوں کے متعلق کہا ہے کہ جب ان میں ایک نبی فوت ہوتا تھا تو فوراً اس کا خلیفہ نبی ہوتا تھا۔ مدعا علیہ کی طرف سے کہا گیا ہے کہ یہاں حضور کی مراد بعدیت متصلہ ہے۔ یعنی آپ کے فوراً بعد ایسا نہیں ہو گا۔ اور اُمت محمدیہ میں فوراً نبی کی ضرورت نہ ہو گی لیکن اول تو اس حدیث کے یہ معنی تاویلی ہیں۔ دوسرا نہیں کہا جا سکتا کہ تیرہ سو سال کے عرصہ میں ایسا کوئی زمانہ نہیں آیا کہ جس میں نبی کی ضرورت محسوس نہ کی گئی ہو۔ علاوہ ازیں مرزا صاحب کے لیے مدعا علیہ جس قسم کی نبوّت ثابت کرنا چاہتا ہے۔ اس کی اس معنی سے تائید نہیں ہوتی کیونکہ اس کے نزدیک مرزا صاحب کو جو نبوّت ملی وہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کے کمال اتباع اور فیض سے ملی ہے اور یہ پایا جاتا ہے کہ حضور کے زمانہ میں ہی حضرت عمر حضور کے ایسے متبعین میں سے تھے۔ کہ جنکی زبان پر فرشتے کلام کرتے تھے۔ اور ان کی بابت حضور نے یہ بھی فرمایا کہ اگر میرے بعد کوئی نبی ہوتا تو حضرت عمرؓ ہوتے اور یہ بھی کہا کہ

اگر میں مبعوث نہ ہوتا تو حضرت عمرؓ مبعوث ہوتے۔ تو کیا حضرت عمرؓ سے بڑھکر اس وقت حضور کے اتباع لحاظ سے کوئی شخص نبوت کا مستحق ہوسکتا تھا لیکن مدعاعلیہ کی مذکورہ بالا صراحت کے مطابق وہ حضور کے بعد اس لیے نبی نہ بنے کہ اس وقت نبی کی ضرورت نہ تھی۔

اس سے یہ معلوم ہوا کہ حضور کے اتباع سے نبوت ملنے کے ساتھ مشیت میں یہ بھی مقدر ہے کہ اس قسم کے نبوت اس وقت دی جاوے جس وقت کہ اس کی ضرورت ہو اور اس سے مدعاعلیہ کے اس اصول کی نفی ہو جاتی ہے کہ حضور کے کمال اتباع اور فیض سے نبوت مل سکتی ہے۔ کیونکہ اگر ایسا ہوتا تو ضرور ہے کہ حضرت عمرؓ کو نبوت عطا ہو جاتی کیونکہ وہ نہ صرف کامل متبعین میں سے تھے بلکہ حضور کے خاص مورد الطاف تھے۔ اور جیسا کہ حضور کے الفاظ سے اخذ ہوتا ہے حضور یہ چاہتے تھے کہ وہ نبی ہوں۔ لیکن چونکہ آپ کے بعد نبوت منقطع ہو چکی تھی۔ اس لیے آپ نے فرمایا کہ حضرت عمرؓ نبی نہیں ہو سکتے۔

مدعاعلیہ کیطرف سے اس حدیث کو کہ میرے بعد اگر نبی ہوتا۔ تو عمر ہوتے ضعیف کہا گیا ہے۔ اور پھر اس ضمن میں لفظ بعد کے بہت سے تاویلی معنی کیے گئے ہیں اور شاید اس لیے کہ یہ حدیث مدعاعلیہ کے منشاء کے بالکل مخالف تھی۔ حدیث کے الفاظ ایسے مبہم نہیں کہ ان کے مفہوم کے لیے کسی تاویل کی ضرورت ہو۔ ان سے ہر شخص سمجھ سکتا ہے کہ وہاں بعد سے کیا مراد ہے۔

ختم نبوّت کے بارہ میں مدعیہ کیطرف سے جو حدیث بیت النبوت والی پیش کی گئی ہے اس کے متعلق مدعاعلیہ کیطرف سے یہ کہا گیا ہے اس میں من قبلی کے الفاظ ہیں۔ اور ان الفاظ سے یہ ظاہر ہوتا ہے۔ کہ یہ مثال ان انبیاء کی نسبت سے ہے جو حضور سے پہلے ہو گذرے ہیں آئندہ کسی نبی کے آنے یا نہ آنے کا اس میں ذکر نہیں لیکن یہ حجت اس لیے درست نہیں کہ اس حدیث میں نبوت کو ایک گھر سے تشبیہ دی گئی ہے۔ اور اس کی تکمیل کے سلسلہ میں یہ کہا گیا ہے کہ وہ آپکے وجود سے قبل غیر مکمل تھا۔ آپ کے تشریف لانے پر مکمل ہو گیا۔ اگر آئندہ انبیاء کا سلسلہ جاری رہنا تسلیم کیا جاوے۔ تو پھر اس گھر کی تکمیل لازم نہیں آتی۔ یہ سمجھانے کے لیے کہ اب سلسلہ

انبیاء میں سے اور کوئی باقی نہیں۔ نبوت کو ایک گھر سے تشبیہ دی گئی۔ اور جیسا کہ گھر کی چنائی اینٹوں سے کی جاتی ہے۔ اس سے بیت نبوت کی چنائی انبیاء سے ہوئی۔ اور جو ایک اینٹ اس گھر کی تکمیل کو ناقص بنائے ہوئے تھی وہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کے تشریف لانے پر پوری ہو گئی۔ اس مثال سے یہ دکھلایا گیا ہے کہ مشیت ایزدی میں جو تعداد انبیاء مقرر تھی وہ آپ کے تشریف لانے سے پوری ہو چکی۔ اور حضرت عیسیٰ علیہ السلام کا دوبارہ آنا بھی یہ ظاہر کرتا ہے۔ کہ انبیاء کی تعداد میں اب کوئی عدد باقی نہیں رہا۔ اس لیے سابقہ اعداد میں سے ایک کو واپس لانا پڑا ہے۔ اس پر مدعا علیہ کیطرف سے یہ اعتراض کیا گیا ہے کہ اگر عیسیٰ علیہ السلام کا آنا تسلیم کیا جاوے تو پھر یہ ماننا پڑے گا کہ مکان کی تعمیر ادھوری رہ گئی لیکن یہ حجت اس لیے قائم نہیں رہ سکتی کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام اس مکان کی تعمیر میں پہلے شامل ہو کر اسے مکمل کر چکے ہیں۔ اور نئے نبی اگر ابھی اور آنے باقی ہوں۔ تو پھر اس عمارت کی تعمیر مکمل نہیں سمجھی جا سکتی۔ اس کی تکمیل اس وقت سمجھی جائے گی۔ جب تمام انبیاء ختم ہو چکیں۔ اس لیے اسے اس وقت میں مکمل سمجھا جائے گا۔ جبکہ تمام انبیاء کا سلسلہ ختم نہ ہو لے۔ حضور کا اس عمارت کو اپنی تشریف آوری سے مکمل فرما دینا اس بات کی دلیل ہے کہ آپ نے بعد تعداد انبیاء میں سے اور کچھ باقی نہیں حضرت عیسیٰ کا آنا ایسا ہے کہ جیسے کوئی شخص اپنے تکمیل شدہ مکان میں سے کچھ اینٹیں اکھاڑ کر بشرط ضرورت دوسری جگہ لگا دے۔ اس پر یہ کہا جائے گا کہ اس نے اپنے مکان کو اکھیڑا یہ نہ کہا جائیگا کہ اس نے مکان کو مکمل نہیں کیا۔ کیونکہ اس کی تکمیل پہلے ہو چکی تھی۔

مدعا علیہ کی طرف سے کہا گیا ہے کہ مرزا صاحب کا نبی ہونا اس مکان کی تعمیر کا منافی نہیں کیونکہ انہیں حضور کے فیض سے نبوت ملی ہے اس لیے یہ نبوت اس مکان بیت النبوت کا تکمیل کا سلسلہ شمار ہوگی ظاہر ہے کہ ایک مکمل چیز پر اگر کوئی اور زائد چیز بطور اضافہ شامل کیا جاوے تو اس سے دو ہی صورتیں پیدا ہوں گی یا تو وہ زائد چیز اس کی زینت کو بڑھا دے گی یا اسے بدزیب کر دے گی۔ اب اگر مرزا صاحب کو بیت النبوۃ پر چسپاں کیا جاوے۔ تو وہ یا تو اس کی زینت کو

بڑھائیں گے۔ یا اسے بدزیب کریں گے اگر سمجھا جاوے کہ ان سے اس کی زینت بڑھے گی۔ تو اس سے وہ افضل الانبیاء ہو جائیں گے نہ کہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام اور یہ بات ان کے اپنے عقیدہ کے بھی خلاف ہے۔ اب صاف ہے کہ ان کے اس بیت النبوۃ پر چسپاں ہونے سے دوسری ہی صورت پیدا ہوگی۔ اور اس گھر کی تکمیل میں وہ زائد از ضرورت ہی رہیں گے اس لیے اس حدیث سے جس کی صحت سے مدعا علیہ کو بھی انکار نہیں۔ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کا آخری نبی ہونا پوری طرح ثابت ہو جاتا ہے۔ مدعیہ کی طرف سے ایک اور حدیث کا حوالہ دیا گیا ہے۔ کہ آپ نے فرمایا کہ میری امت میں تیس کذاب ہوں گے۔ ان میں سے ہر ایک اپنے آپ کو نبی خیال کرے گا۔ حالانکہ میرے بعد کوئی نبی نہیں اس کے متعلق مدعا علیہ کی طرف سے یہ کہا گیا ہے کہ اس حدیث سے یہ ثابت نہیں ہوتا کہ آپ کے بعد قیامت تک جو بھی دعویٰ نبوت کرے وہ ضرور جھوٹا ہے کیونکہ آخر زمانہ میں آنے والے مسیح موعود کو خود حضور نے بھی نبی اللہ کے لقب سے ملقب فرمایا ہے دوسرا تیس کی تعین بھی بتلا رہی ہے کہ کوئی سچا بھی آ سکتا ہے۔ تیسرا اس حدیث کا مضمون آج سے قریباً پانچ سو برس پہلے پورا ہو چکا ہے۔ کیونکہ ۳۰ دجال و کذاب گزر چکے ہیں۔ اس کا جواب ایک تو خود گواہ مدعا علیہ نے ہی دیدیا ہے کہ اس کے علاوہ اور بھی حدیثیں ہیں کہ جس میں کذابوں کی تعداد کم وبیش ۷۰ تک بیان کی گئی ہے۔ اس لیے سمجھا جائے گا۔ کہ حضور نے ۳۰ کی کوئی متعین تعداد بیان نہیں فرمائی بلکہ اس قسم کے اعداد بیان کرنے سے حضور کی مراد کذابوں کی کثرت بیان کرنے سے تھی کیونکہ اگر مدعا علیہ کی بحث کی رو سے یہ قرار دیا جاوے کہ ایسے کذابوں کی صحیح تعداد ۲۷ ثابت ہے تو پھر یہ تسلیم کرنا پڑے گا کہ جو تیس کذاب اس سے قبل گذرنے بیان کیے جاتے ہیں ان میں سے تین ضرور سچے ہوں گے لیکن ایسا ثابت نہیں ہوتا اور ان باقی ماندہ تین کو بھی دنیا نے جھوٹا ہی سمجھا۔ اور انہیں بھی کذابوں کی ذیل میں داخل کیا گیا دوسرا مسیح موعود کے آنے کی استثناء خود حضور نے فرما دی اور ساتھ ہی اس کا نام عیسیٰ ابن مریم بتلا کر اسے نام سے ہی مشخص فرما دیا۔ علاوہ ازیں اگر سچے نبی ہو سکتے تھے۔ تو کوئی وجہ معلوم نہیں ہوتی۔ کہ جہاں حضور نے جھوٹے نبیوں کی آمد اور ان کی تعداد کی اطلاع دی تھی۔ وہاں اس کی

تصریح کیوں نہ فرمائی۔ کہ اس کے بعد سچے نبی بھی آئیں گے اور اس قدر آئیں گے۔ ناممکن معلوم ہوتا ہے کہ امت کو ایک گمراہی سے بچا کر دوسری گمراہی میں ڈال دیا جاتا۔ اور انہیں جھوٹے اور سچے نبی میں تمیز کرنے کے لیے کوئی معیار نہ بتلایا جاتا۔ اس لیے یہ حدیث بھی مشیت ادعا مدعیہ اور مدعا علیہ کی حجت کے منافی ہے۔

لہٰذا اس تمام بحث سے یہ نتیجہ نکلتا ہے کہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام آخری نبی ہیں۔ اور آپ کے بعد اور کوئی نیا نبی نہیں ہوسکتا۔

اس کے بعد مدعا علیہ کی طرف سے یہ کہا گیا ہے کہ مسلیمہ کذاب وغیرہ کاذب مدعیان نبوۃ کے جو حوالے مدعیہ کی طرف سے پیش کیے گئے ہیں۔ اور یہ کہا گیا ہے کہ انہیں اس بناء پر قتل کیا گیا کہ انہوں نے دعویٰ نبوت کیا تھا یہ درست نہیں ہے کیونکہ ان لوگوں کیساتھ صحابہ کا جنگ کرنا محض اس وجہ سے تھا کہ انہوں نے بغاوت کی تھی اور اسلامی حکومت کا مقابلہ کر کے خود بادشاہ بننا چاہا تھا اور نبوت کے دعویٰ کو اس کے حصول کے لیے انہوں نے صرف ایک ذریعہ بنایا تھا۔ اگر مدعا علیہ کا یہ ادعا درست بھی سمجھ لیا جاوے۔

تو چونکہ اس کے ساتھ ہی وہ بیان کرتا ہے کہ انہوں نے دعویٰ نبوت کو حصول حکومت کے لیے ایک ذریعہ بنایا تھا۔ تو اس سے یہ نتیجہ بھی نکالا جا سکتا ہے کہ جس بناء پر وہ اپنے آپ کو حکومت کا حقدار سمجھتے تھے۔ صحابہ نے اسے بھی نادرست سمجھا تھا اگر صحابہ کے ذہن میں یہ ہوتا کہ حضور کے بعد نبوت ہوسکتی ہے۔ تو وہ ان کی نبوت کے متعلق پورا اطمینان کرتے اور اس کے بعد ان کے ساتھ جنگ کرنے کا فیصلہ کرتے۔ خلافت ارضی جلیل القدر انبیاء کی نبوت کا ایک جز ولاینفک رہی ہے۔ اور ممکن ہے کہ مذکورہ بالا مدعیان نبوت خلافت اراضی کو لوازمات نبوت میں سے سمجھتے ہوئے دعویٰ نبوت کے بعد اس کے لیے کوشاں ہوئے ہوں تو اس صورت میں صحابہ کا ان کے ساتھ جنگ کرنا دعویٰ نبوّت کی بناء پر متصور ہوگا نہ کہ بغاوت کی بناء پر کیونکہ انہیں باغی مرتد اور کافر قرار دیا جا کر سمجھا گیا۔

اس سلسلہ میں مزید کسی بحث کی ضرورت نہیں۔ مدعاعلیہ نے اپنی بحث میں آگے یہ دکھلایا ہے کہ مرزا صاحب نے ظلی اور بروزی کی اصطلاحات یہ دکھانے کے لیے قائم کی ہیں کہ جس قسم کی نبوۃ کے وہ مدعی ہیں۔ وہ شریعت والی نبوت نہیں اور نہ اس سے قرآن مجید کا منسوخ ہونا لازم آتا ہے۔ بلکہ آپ کا مطلب ان سے صرف یہ تھا کہ ان کو بلا واسطہ نبوت نہیں ملی۔ بلکہ آنحضرت صلعم کے اتباع اور آپ میں فنا ہو کر اور آپ کی غلامی میں یہ مرتبہ نبوّت ملا ہے۔ اس لیے آپ نے اپنے آپ کو ظلی نبی لکھا تاکہ آئندہ لوگ نبی کا لفظ سن کر چونک نہ پڑیں۔ اور اس ظلی بروزی کے لفظ سے سمجھ لیں کہ آپ ویسے نبی نہیں جو معروف اصطلاح میں لیے جاتے ہیں۔ بلکہ یہ کہ ہر ایک کمال آپ کو آنحضرت صلعم کے اتباع اور ذریعہ سے ملا ہے۔ آپ نے صرف اپنی نبوت کی حقیقت سمجھانے کے لیے ظلی بروزی اور امتی نبی کی اصطلاحیں مقرر کیں تاکہ لوگ نبی کے لفظ سے دھوکا نہ کھا جائیں اور اصطلاحوں کا قائم کرنا۔ ہر ایک کے لیے جائز ہے۔ بروز وغیرہ کے الفاظ صوفیاء نے بھی قائم کیے ہیں۔ مرزا صاحب تناسخ کے اس معنی میں جس معنی میں کہ اہل ہنود سمجھتے ہیں قائل نہ تھے۔ ان کے اس قول سے کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام نے اپنی خُو۔ طبیعت اور مشابہت کے لحاظ سے .... عبداللہ پسر عبدالمطلب کے گھر جنم لیا۔ سے یہ مراد نہیں کہ آنحضرت کی پیدائش حضرت ابراہیم ہی کی پیدائش تھی۔ چنانچہ انہوں نے تریاق القلوب صفحہ ۱۵۵ پر وجود دو رویہ کی تفسیر خود ہی بیان کی ہے۔ اور تناسخ کے مسئلہ کا رد مرزا صاحب نے اپنی بہت سی کتابوں میں کیا ہے۔ مہدی موعود کی بروزی نبوت کے متعلق مدعیہ کے گواہ مولوی نجم الدین صاحب نے جو اعتراض کیا ہے۔ اس کے متعلق یہ کہا گیا ہے کہ اس نے اس حوالہ کے آگے کی عبارت نہیں پڑھی۔ اس میں خاتم الاولاد کا مطلب یہ ظاہر کیا گیا ہے۔ کہ اس کے خاتمہ کے بعد نسل انسان کوئی کامل فرزند پیدا نہیں کرے گی۔ باستثناء ان فرزندوں کے جو اس کی حیات میں ہوں۔

سوائے ظلی اور بروزی اصطلاحات کے باقی تمام بحث فروعی امور کے متعلق ہے جن کا امر مابہ النزاع پر چنداں کوئی اثر نہیں پڑتا۔ لیکن اس کے جواب میں اگر مدعیہ کی بحث کو جو اوپر بیان

کی جا چکی ہے دیکھا جاوے تو اس سے یہ نتیجہ درست طور برآمد ہوتا ہے۔ کہ ظلی اور بروزی اور امتی وغیرہ کی اصطلاحات محض الفاظ ہی الفاظ ہیں۔ دراصل مرزا صاحب کا دعویٰ حقیقی نبوت کے متعلق ہی تھا۔ جیسا کہ اس کی تشریح بعد میں ان کے خلیفہ ثانی کی تحریر جس کا حوالہ اوپر گزر چکا کی گئی ہے۔ خلیفہ صاحب کی اس تحریر کے متعلق مدعا علیہ نے ان کی ایک اور تحریر کا حوالہ دیتے ہوئے یہ کہا ہے کہ وہ لکھتے ہیں کہ میں نے مثال کے طور پر لکھا تھا کہ اگر حقیقی نبی کے یہ معنی کیے جاویں کہ وہ بناوٹی یا نقلی نبی نہ ہو۔ تو ان معنوں کی رو سے حضرت مسیح موعود کو میں حقیقی نبی مانتا ہوں یعنی صادق اور منجانب اللہ اور غیر تشریعی نبی مانتا ہوں۔ لیکن اس سے ان کی وہ تحریر جس کا حوالہ مدعیہ کی طرف سے دیا گیا ہے رد نہیں ہوئی۔ وہ تحریر بذاتہ ایسی ہے کہ جس سے خود ایک مستقل مفہوم پیدا ہوتا ہے۔ اس میں انہوں نے مرزا صاحب کے حقیقی نبی ہونے کا ثبوت دینے کی بھی امادگی ظاہر کی ہے اور پھر ساتھ ہی یہ کہا کہ انہوں نے ظلی بروزی کے الفاظ محض بطور انکسار کے استعمال فرمائے ہیں اور کہ اس قسم کی فروتنی نبیوں کی شان میں داخل ہے ان کے ان الفاظ کی مدعا علیہ کی طرف سے کوئی تردید نہیں کی گئی۔ اور نہ ان کی کوئی تردید ہو سکتی ہے مرزا صاحب نے اپنے ایک اعلان میں یہ لکھا ہے کہ خدا نے مجھے آنحضرت صلعم کا وجود ہی قرار دیا۔ اس لیے حضرت ابراہیم علیہ السلام کے بروزات کے سلسلہ میں مرزا صاحب کے جن اقوال کا حوالہ گواہان مدعیہ کے بیانات میں دیا گیا ہے۔ اور ان سے جو نتائج انہوں نے برآمد کیے ہیں اور جو ان کی بحث میں اوپر بیان کئے جا چکے ہیں ان سے واقعی یہ اخذ ہوتا ہے۔ کہ مرزا صاحب اپنے ان اقوال میں حضرت ابراہیم علیہ السلام کا اس قسم کا جنم مراد لیتے ہیں کہ جو بطریق تناسخ سمجھا جاتا ہے نہ کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام کی خو۔ طبعیت اور دیگر خصائل کے ودیعت ہونے سے اس سوالات پر زیادہ بحث کی ضرورت نہیں کیونکہ یہ سوالات مرزا صاحب کی اپنی تکفیر سے تعلق رکھتے ہیں جو کہ اس مقدمہ میں ایک ضمنی سوال ہے۔ اس لیے ان کے ایسے عقائد پر کہ جن پر مقدمہ ہذا کے تصفیہ کا زیادہ دارومدار نہیں ہے۔ تفصیلی بحث بلا ضرورت ہے۔

ذیل میں مدعا علیہ کی طرف سے مدعیہ کے ان اعتراضات کا جواب درج کیا جاتا ہے۔ جو مرزا صاحب کے دعویٰ نبوت تشریعیہ کے متعلق عائد کیے گئے ہیں۔

اس کی طرف سے بیان کیا گیا ہے کہ مرزا صاحب نے جہاں اپنے لیے رسول کا لفظ لکھا ہے وہاں انہوں نے اس لفظ کے ساتھ کسی جگہ شریعت کا لفظ استعمال نہیں کیا بلکہ انہوں نے صاف لکھا ہے کہ آسمان کے نیچے بجز فرقان حمید اور کوئی کتاب نہیں دعویٰ نبوت کے متعلق انہوں نے صاف کہا ہے کہ میں ان معنوں سے نبی ہوں کہ میں نے اپنے رسول مقتدا سے باطنی فیوض حاصل کر کے اور اپنے لیے اس کا نام پا کر اس کے واسطہ سے خدا کی طرف سے علم غیب پایا ہے رسول اور نبی ہوں۔ مگر بغیر کسی جدید شریعت کے اور جہاں انہوں نے یہ کہا ہے کہ مجھے نبی کا خطاب دیا گیا وہاں آگے یہ الفاظ بھی ہیں مگر اس طرح سے کہ ایک پہلو سے نبی اور ایک پہلو سے امتی۔

جہاں مرزا صاحب نے یہ کہا ہے کہ وہ اپنی وحی پر اس طرح ایمان لاتے ہیں جس طرح کہ قرآن اور دوسری وحیوں پر۔ اس سے ان کا صاحب شریعت نبی ہونے کا دعویٰ اخذ نہیں ہوتا۔ بلکہ اس قسم کے اقوال سے یہ مراد ہے کہ آپ اپنی وحی کو منجانب اللہ اور اس کے دخل شیطانی اور خطا سے پاک و منزہ ہونے پر کامل یقین رکھتے ہیں اور اس کا وہ اظہار کر رہے ہیں۔ اور یہ اس بات کو مستلزم نہیں کہ آپ صاحب شریعت ہونے کے مدعی ہیں۔

مرزا صاحب نے یہ نہیں کہا کہ میری وحی شرعی اور قرآن کی مثل ہے۔ مرزا صاحب کا اپنی وحی کو مدار نجات ٹھہرانا بھی ان کا مدعی نبوت تشریعیہ ہونا ثابت نہیں کرتا کیونکہ ان کی جو وحی اور تعلیم ہے وہ وہی تعلیم ہے جو عین قرآن مجید اور اسلام کی ہے لیکن اتنی بات ضرور ہے کہ اب قرآن مجید کی اس تعلیم پر کاربند ہو کر وہی نجات پا سکتا ہے جو آپ کے حلقہ بیعت میں داخل ہو دوسرا نہیں۔

مرزا صاحب نے یہ نہیں فرمایا کہ میری وحی میں کوئی نئی شریعت ہے یا میری وحی ناسخ شریعت محمدیہ ہے بلکہ فرمایا کہ شریعت محمدیہ کے ہی بعض ضروری احکام کی تجدید ہے۔ قران مجید کی بیسوں آیتیں دوبارہ امت محمدیہ کے اولیاء اللہ پر نازل ہوئیں۔ اس طرح مرزا صاحب پر قرآن مجید کے بہت

سے اوامر ونواہی نازل ہوئے اور انہی کے متعلق مرزا صاحب نے لکھا ہے کہ میری وحی میں امر بھی ہے اور نہی بھی۔

مرزا صاحب کے قول نمبر ۶ مذکورہ بالا کے متعلق یہ کہا گیا ہے کہ اولیاء امت نے اس امر کو تسلیم کیا ہے شریعت محمدی کے اوامر ونواہی کا بطور تجدید کے کسی بزرگ پر نازل ہو جانا جائز ہے صرف ایسے اوامر ونواہی کا جو شریعت محمدیہ کے مخالف ہوں۔ اور آنحضرت صلعم کی پیروی کا نتیجہ نہ ہوں اترنا ممنوع ہے اس قول میں مرزا صاحب نے شریعت کا لفظ صرف مخالفین کے مقابل پر بطور الزام استعمال کیا ہے اور فرضی طور پر معترضین کو ملزم کرنے کے لیے فرماتے ہیں کہ یہ عذر بھی مخالفین کا باطل ہے کیونکہ شریعت اوامر ونواہی کا نام ہے اور میرے الہامات میں امر اور نہی دونوں موجود ہیں۔

قول نمبر ۱۲ کے متعلق یہ کہا گیا ہے کہ اس سے جو مرزا صاحب کے صاحب شریعت نبی ہونے کا استدلال کیا گیا ہے وہ درست نہیں کیونکہ اس جگہ انہوں نے صرف صاحب شریعت نبی محدث اور ملہم کے انکار کا حکم بیان کیا ہے۔ اور دوسرے انبیاء جو شریعت یا احکام جدید نہیں لائے ان کا حکم اس عبارت میں مذکور نہیں اس سے گواہان مدعیہ نے جو نتیجہ نکالا ہے وہ مرزا صاحب کی دوسری تحریروں کے مخالف ہے کیونکہ دوسری جگہ مرزا صاحب نے کہا ہے کہ میری مراد نبوت سے یہ نہیں ہے کہ میں آنحضرت صلعم کے مقابلہ پر کھڑا ہو کر نبوت کا دعویٰ کرتا ہوں۔ یا کوئی نئی شریعت لایا ہوں صرف میری مراد نبوت سے کثرت مکالمت ومخاطبت الہیہ ہے اور دوسری جگہ لکھتے ہیں جو شخص مجھے نہیں مانتا وہ اس وجہ سے نہیں مانتا کہ وہ مجھے مفتری قرار دیتا ہے اور اللہ تعالیٰ فرماتا ہے۔ کہ خدا پر افتراء کرنے والا سب کافروں سے بڑھ کر کافر ہے پس جبکہ میں نے ایک مکذب کے نزدیک خدا پر افترا کیا تو اس صورت میں میں نہ صرف کافر بلکہ بڑا کافر ہوا اور اگر میں مفتری نہیں تو بلاشبہ وہ کفر اس پر پڑے گا۔

مرزا صاحب کے مدعی صاحب شریعت ہونے کی بابت مدعیہ کی طرف سے جو ان کے ماہواری چندہ دیئے جانے کے حکم کا حوالہ دیا جا کر بحث کی گئی ہے اس کے متعلق مدعاعلیہ کا یہ

جواب ہے کہ وہ کوئی نیا حکم نہیں اور نہ اس میں تعمیل نہ کرنے والے کے متعلق کافر مرتد یا ملعون وغیرہ کے الفاظ استعمال کیے گئے ہیں بلکہ یہ حکم قرآن مجید کی تعلیم کے مطابق ہے کیونکہ قرآن مجید میں اللہ تعالیٰ نے انفاق فی سبیل اللہ پر بہت زور دیا ہے مرزا صاحب نے اس قرانی تعلیم کے ماتحت فرمایا کہ ایسا شخص جو راہ خدا میں خرچ نہیں کرتا۔ اور باوجود مقدرت ۳۔۳ ماہ تک اس ربانی حکم سے غافل رہتا ہے۔ اور کچھ پرواہ نہیں کرتا تو اس کا سلسلہ سے کوئی تعلق نہیں۔ اور گواہان مدعیہ کا یہ کہنا کہ زکوٰۃ نہ دینے والے کے متعلق ایسا حکم نہیں ہے درست نہیں کیونکہ حضرت ابوبکر صدیقؓ نے ان لوگوں کے متعلق جنہوں نے زکوٰۃ دینے سے انکار کیا تھا۔ فرمایا کہ اللہ کی قسم کہ اگر انہوں نے ایک معمولی رسی بھی جس سے اونٹ باندھا جاتا ہے اور جسے وہ رسول اللہ صلعم کے وقت میں ادا کرتے تھے۔ روکی تو میں ان سے قتال کروں گا۔ دیکھئے کہ زکوٰۃ میں سے کچھ حصہ ادا نہ کرنے پر کتنی سخت سزا مقرر کی گئی۔ ان دلائل کا زیادہ تفصیلی جوابات دینے کی ضرورت نہیں۔ ان کو اگر گواہان مدعیہ کی پیش کردہ دلائل کی روشنی میں دیکھا جائیگا تو ان کا ابطال خود بخود ہی ثابت ہو جائے گا تاہم ان کے مختصراً جوابات درج کیے جاتے ہیں۔ رسول کی تعریف خود گواہ مدعا علیہ نے یہ کی ہے کہ جو صاحب کتاب ہو۔ اور نبی عام ہوتا ہے۔ چاہے کتاب لائے یا نہ لائے۔ اب مرزا صاحب کے اپنے آپ کو رسول کہنے سے یہی مراد لی جائے گی کہ وہ صاحب کتاب نبی ہیں علاوہ ازیں جو وحی کہ دخل شیطانی سے منزہ قرار دیا جاوے تو وہ منجانب اللہ ہونے کی وجہ سے اس طرح قطعی ہو گی جیسا کہ دیگر انبیاء کی وحی چنانچہ مرزا صاحب خود بھی فرماتے ہیں کہ اگر ان کی وحی کو جمع کیا جاوے تو وہ کئی جزئیں بن جائے۔ اب اس قسم کی وحی کو اگر کتابی صورت میں نہ بھی لائی جائے تو بھی کتاب اللہ کہلائے گی کیونکہ اس میں اللہ تعالیٰ کی طرف سے اوامر ونواہی بیان کیے جاتے ہیں مرزا صاحب کی ایسی وحی جس میں شریعت محمدیہ کے اوامر ونواہی کی تجدید ہے بہت تھوڑی ہے اس کے علاوہ ان کی جو دیگر وحی ہے اس کی قطعیت کے لحاظ سے اس پر بھی اسطرح ایمان لانا ضروری ہوگا جیسا کہ قرآن مجید پر اور وہ بھی شریعت کا جز و تصور ہوگی اس لیے مرزا صاحب نے رسول کے لفظ کیساتھ شریعت کا لفظ استعمال نہیں کیا تو بھی ان کی تصریحات

سے یہی سمجھا جائے گا۔ کہ وہ صاحب شریعت رسول ہیں چاہے وہ صاف الفاظ میں یہ کہیں یا نہ کہیں۔ ان کے دیگر اقوال سے نتیجہ یہی برآمد ہوتا ہے جو اوپر بیان کیا جا چکا ہے۔ ان کے دیگر اقوال جن میں انہوں نے اپنی نبوت کی تشریح کی ہے یا یہ کہا ہے کہ جدید شریعت نہیں لائے۔ ان اقوال کا کہ جن سے مذکورہ بالا نتائج اخذ ہوتے ہیں۔ رد نہیں بن سکتے کیونکہ جیسا کہ شروع بحث میں دکھلایا گیا۔ جو اقوال کہ اپنے اندر مستقل مفہوم لیے ہوئے ہیں۔ ان کے مطالب وہی سمجھے جائیں گے جو ان اقوال کی اپنی طرز بیان سے اخذ ہوتے ہیں۔ اور تاوقتیکہ اس بات کی صراحت نہ ہو کہ وہ اقوال واپس لیے جا چکے ہیں۔ دیگر اقوال نہ ان کے قائمقام بن سکتے ہیں اور ان کی تشریح۔

مرزا صاحب چاہے یہ کہیں یا نہ کہیں کہ ان کی وحی شرعی اور قرآن کی شکل ہے۔ وہ جب اسے دخل شیطانی سے پاک سمجھتے ہیں اور دوسروں پر حجت قرار دیکر اسے مدار نجات ٹھہراتے ہیں۔ اور اپنے نہ ماننے والے کو بھی کافر سمجھتے ہیں۔ اور بقول گواہ مدعا علیہ اب آئندہ کے لیے مرزا صاحب کی بعیت میں داخل ہونا بھی ضروری ہے تو پھر کیونکر کہا جا سکتا ہے کہ ان کی وحی شرعی نہیں خصوصاً جبکہ صاحب شریعت کی تعریف بھی خود مرزا صاحب یہ کرتے ہیں کہ جس نے اپنی وحی کے ذریعہ چند امر و نہی بیان کیے اور اپنی امت کے لیے ایک قانون مقرر کیا وہی صاحب شریعت ہو گیا۔ اور پھر آگے یہ بھی کہتے ہیں کہ یہ ضروری نہیں کہ وہ اوامر و نواہی نئے ہوں۔ ان کی اس تعریف کی رو سے صاف قرار دیا جا سکتا ہے کہ وہ اوامر و نواہی نئے ہوں۔ ان کی اس تعریف کی رُو سے صاف قرار دیا جا سکتا ہے کہ وہ اپنی وحی کو شرعی وحی سمجھتے ہیں اور جب وہ شرعی وحی ہوئی تو اس پر ایمان لانا اس طرح واجب ہوا جیسا کہ قرآن مجید پر۔ یہ ضرور ہے کہ قرآن مجید کی آیات کا نزول دیگر اولیاء اللہ پر بھی ہوتا ہے۔ لیکن ان میں سے کسی نے ان کو اپنے اوپر چسپاں نہیں کیا۔ اور نہ ان کو دوسروں پر بطور حجت پیش کیا ہے اس لیے دیگر اولیاء اللہ کی مثال مرزا صاحب کے مقابلہ میں پیش نہیں کی جا سکتی۔

قول نمبر ۶ میں صاحب شریعت کے الفاظ مرزا صاحب کی طرف سے فرضی طور پر استعمال نہیں کیے گئے جیسا کہ مدعا علیہ کا ادعا ہے۔ بلکہ بڑی شد و مد سے صاحب شریعت کی تعریف کی جا کر اپنا صاحب شریعت ہونا دکھلایا گیا ہے اس قول کی عبارت پڑھنے سے معلوم ہو سکتا ہے کہ وہاں صاحب شریعت کے الفاظ فرضی ہیں یا اصلی اس قول کی مزید تائید پھر قول نمبر ۱۲ سے ہوتی ہے۔ اس قول کے مرزا صاحب کے دیگر اقوال کے متناقض ہونے کو خود گواہ مدعا علیہ نے بھی مانا ہے اور مرزا صاحب کے دیگر اقوال سے اس نقیض کو رفع کرنے کی کوشش کی ہے لیکن یہ قول بذاتہ کسی شرح کا محتاج نہیں۔ اور اپنا مفہوم آپ ہی بیان کر رہا ہے۔ اس قول میں مرزا صاحب نے اپنی عظمت اور شان دکھلا کر یہ ثابت کیا ہے کہ وہ صاحب شریعت نبی ہیں۔ اور اپنے دعویٰ کے انکار کرنے والوں کو وہ اس بناء پر کافر کہتے ہیں۔ یہ ان کی طرف سے ایک دوسری توجیہہ ہے۔ کہ وہ اس شخص کو جو انہیں نہیں مانتا اس بناء پر کافر کہتے ہیں کہ وہ انہیں مفتری سمجھتا ہے۔

اور چونکہ وہ مفتری نہیں ہیں اس لیے وہ کفر اس پر ٹوٹتا ہے۔

مرزا صاحب نے اپنی جماعت کو جو ماہواری چندہ دینے کا حکم دیا ہے۔ اور اس سلسلہ میں ان کی طرف سے جو فرمان شائع ہوا ہے۔ اور جس کا حوالہ اوپر دیا جا چکا ہے اس کے ملاحظہ سے پایا جاتا ہے کہ انہوں نے یہ حکم اللہ تعالیٰ سے مطلع ہو کر دیا ہے۔ گویا یہ حکم دراصل ان کا حکم نہیں اللہ تعالیٰ کا حکم ہے۔ چنانچہ گواہ مدعا علیہ بھی تسلیم کرتا ہے کہ یہ ایک ربانی حکم ہے۔ اور اس ربانی حکم کی تعمیل نہ کرنے والے کو مرزا صاحب نے منافق کہا ہے۔ اب اگر مرزا صاحب نے صاف الفاظ میں یہ نہیں کہا کہ وہ مرتد اور ملعون ہے تو اس سے ان کے اس حکم کے نتیجہ پر کہ وہ منافق ہے کوئی اثر نہیں پڑ سکتا۔ کیونکہ منافق کو خداوند تعالیٰ نے کافروں کی ذیل میں شامل کیا ہے بلکہ بہت بڑا کافر کہا ہے۔ اس لیے قاصر کو سوائے اس کے کہ اسے مرتد اور ملعون سمجھا جائے۔ اور کیا کہا جائے گا۔ کیونکہ اس کا بیعت سے خارج ہو جانا بھی مثل ارتداد ہے۔

اگر مرزا صاحب کے باوجود اسے منافق کہنے اور بیعت سے خارج کرنے کے گواہ مدعا علیہ کے نزدیک پھر بھی وہ مسلمان رہتا ہے تو اس کے یہ معنی ہیں کہ وہ مرزا صاحب کو نبی اللہ نہیں مانتا۔

کیونکہ نبی کے حکم کی تعمیل عین خدا کی تعمیل ہوتی ہے۔ اور اس کی ناراضگی موجب غضب الٰہی معلوم ہوتا ہے کہ یہ حکم دیتے وقت مرزا صاحب نے بھی اپنے مرتبے کو پوری طرح مدنظر نہیں رکھا۔ اور اپنی طاقت کے ساتھ خدا کی طاقت کو بھی شامل کرنے کے باوجود قاصر کو صرف یہی سزا دے سکتے ہیں۔ کہ اسے سلسلہ بعیت سے خارج کر دیا جائے گا۔ حالانکہ خدا نے نبی کی وہ شان بنائی ہے کہ اس کے حکم کی عدم تعمیل تو بجائے ماند اس کے آگے اونچا بولنے سے بھی تمام اعمال کے ضائع ہو جانے کا اندیشہ ہوتا ہے۔ اور عدم تعمیل احکام تو دین و دنیا میں کہیں کا نہیں چھوڑتی۔ اس سلسلہ میں مدعیہ کی طرف سے یہ درست کہا گیا ہے۔ کہ زکوٰۃ کے متعلق بھی اس قسم کا کوئی شرعی حکم نہیں۔ جس حکم کا حوالہ گواہ مدعا علیہ نے دیا ہے۔ وہ رسول اللہ صلعم کے خلیفہ اول کا ہے نہ کہ خدا اور اس کے رسول کا گواہ مدعا علیہ کا اس بارہ میں مرزا صاحب کا حضرت ابوبکر صدیق کے ساتھ مقابلہ کرنا مرزا صاحب کے مرتبہ کی اور تنقیص ظاہر کرتا ہے ایک طرف تو وہ انہیں نبی مانتا ہے۔ اور پھر ان کے احکام کے مقابلہ میں ایک غیر نبی کے احکام پیش کرتا ہے یہ معمہ سمجھ میں نہیں آتا کہ ان لوگوں نے مرزا صاحب کو باوجود نبی ماننے کے ان کی کیا شان سمجھ رکھی ہے کچھ شک نہیں کہ مرزا صاحب کا یہ حکم زکوٰۃ پر مستزاد ہونے کی وجہ سے ایک نیا حکم ہے۔ اور اس بناء پر مرزا صاحب اپنی بیان کردہ تعریف کی رو سے بھی شرعی نبی ہوئے ہر حکم انفاق فی سبیل اللہ کی ترغیب نہیں بلکہ اللہ تعالیٰ کے حکم کی تعمیل میں نافذ ہونا بیان کیا گیا ہے اور خود مدعا علیہ کی طرف سے اسے ایک ربانی حکم ہونا مانا گیا ہے۔ اور پھر اس کی سزا بھی محض دنیاوی مقرر نہیں بلکہ قاصر کو منافق قرار دیا جا کر اور مرتد بنایا جا کر اسے عذاب آخرت کا مستوجب قرار دیا گیا ہے۔ تو ان حالت میں کیونکر کہا جا سکتا ہے۔ کہ یہ کوئی شرعی حکم نہیں۔ بلکہ محض انفاق فی سبیل اللہ میں ایک ترغیب ہے۔ اگر نبیوں کے احکام کی اس طرح تعبیر کی جانی لگے۔ تو پھر نبی اور رسولوں کے احکام تو بجائے ماند احکام خداوندی کی بھی کوئی حقیقت نہیں رہتی اور نبوت کا تمام سلسلہ ہی ایک بے معنی سی چیز دکھائی دینے لگتا ہے۔ لہذا مرزا صاحب کی ان تحریروں سے جن کا اوپر حوالہ دیا گیا ہے۔ یہ نتیجہ درست طور پر اخذ کیا گیا ہے۔ کہ وہ

صاحب شریعت نبی ہونے کے بھی دعویدار ہیں گو بعد میں انہوں نے اپنے اس دعویٰ میں کامیاب نہ ہونیکی صورت دیکھ کر اس پر زیادہ زور نہیں دیا۔ اور اپنے ان اقوال کی جن سے ان کے صاحب شریعت نبی ہونے کے نتائج اخذ ہوتے مختلف توجیہیں شروع کر دیں۔

اس کے بعد مدعاعلیہ کی طرف سے مرزا صاحب کے قیامت، نفخ صور، اور حشر احیاء وغیرہ اعتقادات کے متعلق یہ کہا گیا ہے کہ گواہان مدعیہ کی طرف سے ان عقائد کی نسبت جو اعتراضات وارد کیے گئے ہیں۔ وہ درست نہیں کیونکہ مرزا صاحب نے ان عقائد کی نسبت جو کچھ بیان کیا ہے وہ قرآن مجید اور احادیث کی رو سے درست ہے۔ ان عقائد کے متعلق زیادہ تفصیلی بحث کی ضرورت نہیں صرف یہ لکھ دینا کافی ہے۔ کہ اگر مرزا صاحب کو نبی تسلیم نہ کیا جاوے تو پھر تو ان عقائد کے متعلق ان کے رائے ایک ذاتی رائے تصور ہوگی۔ اور اس سے اختلاف کیا جانا ممکن ہو گا۔ اور اگر انہیں نبی تسلیم کر لیا جاوے تو پھر ان کی رائے تعلیم وحی کا نتیجہ شمار ہو کر قابل پابندی ہو گا۔ اور اس صورت میں اس سے ذرا بھر اختلاف نہیں ہو سکے گا بلکہ اختلاف کرنے والا عاصی سمجھا جاوے گا ان کے نبی نہ ہونے کی صورت میں ان کے یہ عقائد امت کے خلاف ہونے کی وجہ سے تحقیق طلب ہوں گے۔ اور ممکن ہے کہ اس صورت میں ان کے خلاف فتویٰ کی صورت بھی بدل جائے مگر ان کے مدعی نبوت ہونے کی حالت میں ان کے یہ عقائد جمہور امت کے عقائد کے خلاف ہونے کے باعث وجوہات تکفیر میں مزید اضافہ کا سبب بن سکیں گے۔

اب ذیل میں توہین انبیاء کے سلسلہ میں مدعیہ کی طرف سے پیش کردہ دلائل کا جو جواب مدعاعلیہ کی طرف سے دیا گیا ہے۔ وہ درج کیا جاتا ہے۔

مدعاعلیہ کی طرف سے کہا جاتا ہے کہ مرزا صاحب نے کسی نبی کی توہین نہیں کی کیونکہ یہ ممکن نہیں کہ جو شخص اپنے آپ کو جن لوگوں سے مشابہت دیتا ہے۔ اور کہتا ہے کہ میں بھی اس پاک گروہ کا ایک فرد ہوں پھر کیونکر ان کی توہین کرسکتا ہے۔ کیونکہ وہ توہین اس کی اپنی توہین ہوگی۔

اصول کے لحاظ سے تو یہ بات درست ہے لیکن اس کا فیصلہ مرزا صاحب کے اقوال سے ہوتا ہے۔ گواہان مدعیہ کے بیانات میں اس کی مفصل بحث پائی جاتی ہے اس لیے یہاں اس کے اعادہ کی ضرورت نہیں۔

مدعا علیہ کی طرف سے یہ کہا جاتا ہے کہ مرزا صاحب کے جن اشعار کو باعث توہین قرار دیا گیا ہے۔ اس سے کوئی توہین پیدا نہیں ہوتی۔ بلکہ مرزا صاحب کی ان اشعار سے مراد یہ ہے کہ جام عرفان الٰہی اور ایقان ہر نبی کو دیا گیا تھا۔ اور خداوند تعالیٰ نے وہ پورے کا پورا مجھے بھی دیا ہے۔ اور کہ میں اپنی معرفت اور عرفان الٰہی میں اور اپنے یقین میں کسی نبی اور رسول سے کم نہیں ہوں۔ اور یہ کمال جو مجھے حاصل ہوا ہے وہ آنحضرت صلعم کے اتباع سے بطریق وراثت ملا ہے۔

مرزا صاحب پر یہ غلط اتہام لگایا گیا ہے کہ انہوں نے آنحضرت صلعم کی بھی توہین کی ہے بلکہ آپ کی کتب آنحضرت صلعم کی تعریف سے پُر ہیں۔ جن آیات قرآنیہ کے متعلق یہ کہا جاتا ہے کہ مرزا صاحب نے اپنے اوپر چسپاں کی ہیں ان کے متعلق مولوی محمد حسین بٹالوی رئیس طائفہ اہلحدیث نے یہ لکھا ہے کہ مرزا صاحب نے یہ دعویٰ نہیں کیا کہ ان آیات کا مورد نزول ومخاطب وہ ہیں بلکہ ان کو کامل یقین اور صاف اقرار ہے کہ قرآن اور پہلی کتابوں میں ان آیات میں مخاطب و مراد وہی انبیاء ہیں جن کی طرف ان میں خطاب ہے اور ان کمالات کے محل وہی حضرات ہیں جن کو خداوند تعالیٰ نے ان کمال کا محل ٹھہرایا ہے۔

لیکن یہ جواب اس وقت کے متعلق ہے جب تک کہ مرزا صاحب نے دعویٰ نبوت نہیں کیا تھا۔ مدعا علیہ کی طرف سے کہا گیا ہے۔ کہ مرزا صاحب پر یہ الزام بھی غلط لگایا گیا ہے۔ کہ انہوں نے عین محمد ہونے کا دعویٰ کیا ہے۔ بلکہ انہوں نے اپنی کتابوں میں صاف طور پر کہا ہے کہ میں ان کا خادم ہوں۔ اور وہ میرے مخدوم ہیں۔ میں ان کا ظل ہوں۔ اور وہ اصل ہیں۔ میں آپ کی خدمت اور آپ کی شاگردی اور آپ کے اتباع میں اس قدر فنا ہوں کہ گویا میرا وجود آپ کے وجود سے بلحاظ روحانیت علیحدہ نہیں ہے۔ اور بزرگان دین نے یہ لکھا ہے کہ انبیاء علیہم السلام کے

کامل متبع بہ سبب کمال متابعت انہیں میں جذب ہو جاتے ہیں۔ اور ان کے رنگ میں ایسے رنگین ہوتے ہیں کہ تابع اور متبوع یعنی نبی اور امتی میں کوئی فرق نہیں رہتا۔ سوائے اول آخر ہونے کے مرزا صاحب نے یہ نہیں کہا کہ میں عین محمدؐ ہوں بلکہ بروزی طور پر فرمایا ہے۔ اور لکھتے ہیں کہ آنحضرت صلعم کی روحانیت نے ایک ایسے شخص کو اپنے لیے منتخب کیا کہ جو خلق، ہمت، ہمدردی، اخلاق میں اس کے مشابہ تھا اور ظاہری طور پر اپنا نام احمد اور محمد اس کو عطا کیا۔ تا یہ سمجھا جاوے کہ گویا اس کا ظہور بعینہٖ آنحضرت صلعم کا ظہور تھا۔ لیکن صوفیا نے اس مقام کو غیبت کے لفظ سے تعبیر کیا ہے اس پر بھی مزید کچھ لکھنے کی ضرورت نہیں۔ اس استدلال کو مدعیہ کے پیش کردہ استدلال کی روشنی میں دیکھا جاسکتا ہے۔

مدعا علیہ کی طرف سے آگے یہ کہا گیا ہے کہ مرزا صاحب کے اس شعر سے کہ لہٗ خسف القمر المیز وان لی سے آنحضرت کی توہین نہیں نکلتی کیونکہ اگر مرزا صاحب کے لیے چاند اور سورج کا گرہن نشان ہوا۔ تو وہ اس لیے کہ احادیث کی کتب میں سچے مہدی کی علامات میں سے یہ قرار دیا گیا ہے۔ پس یہ نشان بھی آنحضرت صلعم کی طرف منسوب ہوگا۔ مگر مدعیہ کا استدلال اس پر نہیں کہ مرزا صاحب نے چاند گرہن کے نشان کو اپنے لیے تجویز کیا ہے۔ بلکہ اس کیطرف سے توہین کا موجب یہ بات سمجھی گئی ہے کہ اس شعر میں رسول اللہ صلعم کے معجزہ شق القمر کا استخفاف کیا گیا ہے۔

رسول اللہ صلعم کے معجزات کے متعلق مدعیہ کی طرف سے مرزا صاحب کے جن اقوال پر اعتراض کیا گیا ہے اس کے مدعا علیہ کی طرف سے یہ جواب دیا گیا ہے کہ مرزا صاحب نے دوسری کتاب میں جہاں آنحضرت صلعم کے تین ہزار معجزات بتلائے ہیں۔ وہاں اپنی پیش گوئیاں سو کے قریب لکھی ہیں۔ اور آپ نے اپنے دس لاکھ ایسے نشانات بتلائے ہیں کہ اگر ویسے نشانات آنحضرت صلعم کے شمار کیے جاویں تو دس (۱۰) ارب سے بھی زیادہ ہوں۔

مدعیہ کی طرف سے یہ کہا گیا ہے کہ چونکہ معجزہ خرق عادات ہوتا ہے اور مرزا صاحب نے اپنے نشانات کے متعلق یہ کہا ہے کہ وہ اول درجہ کے خرق عادت ہیں اس لیے ان نشانات کو بھی

معجزات ہی شمار کیا جائے گا۔ ہر دو فریق کے دلائل اس بارہ میں مسل پر موجود ہیں۔ ان سے نتیجہ نکالا جا سکتا ہے کہ صداقت کس میں ہے۔ میں ان سوالات پر اس لیے بھی زیادہ بحث کی ضرورت نہیں سمجھتا کہ یہ سوالات مرزا صاحب کی اپنی ذات کے متعلق ہیں۔ اور امر مابہ النزاع سے ان کا بہت تھوڑا تعلق پایا جاتا ہے۔ اس طرح مدعا علیہ کا یہ ادعا ہے کہ مرزا صاحب نے حضرت یوسف اور حضرت آدم علیہ السلام کی بھی کوئی توہین نہیں کی۔ اس کے بعد پھر اس کی طرف سے حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی توہین کے سلسلہ میں یہ دکھلایا گیا ہے کہ مرزا صاحب نے جہاں عیسیٰ علیہ السلام پر اپنی فضیلت بیان کی ہے۔ وہ آنحضرت صلعم کے متبع اور امتی ہونے کی وجہ سے کی ہے۔ اور علماء خود مانتے چلے آئے ہیں کہ حضرت موسیٰ نے بھی یہ خواہش کی تھی کہ وہ رسول اللہ صلعم کی امت میں سے ہوں۔ اور دوسرے شعراء اور صوفیا کے اقوال سے یہ دکھلایا گیا ہے کہ وہ بھی رسول اللہ صلعم کے متبع ہونے کے باعث حضرت عیسیٰ پر اپنی فضیلت ظاہر کرتے آئے ہیں مگر اسے توہین نہیں سمجھا گیا اور اس ضمن میں شیخ محمود الحسن صاحب کے چند اشعار جو انہوں نے مولوی رشید احمد صاحب گنگوہی کے مرثیہ میں لکھے ہیں درج کیے جا کر یہ بحث کی گئی ہے کہ ان اشعار سے انبیاء کی توہین نہیں ہوتی۔ پھر مرزا صاحب کے اشعار سے کیونکر توہین اخذ کی جاتی ہے۔

اس کا جواب سید انور شاہ صاحب گواہ مدعیہ نے دیا ہے کہ جو مدعیہ اشعار ہوں وہ تحقیقی نہیں ہوتے۔ بلکہ بشر کی کلام میں اٹکل کے ہوتے ہیں اور شاعرانہ محاورہ نئی نوع کلام کی تسلیم کیا گیا ہے۔ فرق اس میں یہ ہے کہ جو خدا کی کلام ہوگی۔ تو وہ عقیدہ ہوگا۔ اور تحقیق ہوگی اور وہ کسی طرح اٹکل نہ ہوگی حقیقت حال ہوگی۔ نہ کم نہ بیش۔ بشر انتہائی حقیقت کو نہیں پہنچتا۔ تخمینی لفظ کہتا ہے۔ اور دنیا نے اس کو تسلیم کیا ہے کہ شاعرانہ نوع تعبیر عام اطلاق الفاظ نہیں۔ اور وہ تخمینہ پر عبارت کہہ دیتے ہیں۔ جو آس پاس ہوتی ہے۔ ٹھیک حقیقت نہیں ہوتی اور خود شاعر کی نیت میں اور ضمیر میں منوانا اس کا عالم کو منظور نہیں ہوتا۔

جھوٹے اور شاعر میں یہ فرق ہے کہ جھوٹا کوشش کرتا ہے کہ میری کلام کو لوگ سچ مان لیں۔ اور شاعر کی اصلاً یہ کوشش نہیں ہوتی۔ بلکہ وہ سمجھتا ہے کہ حاضرین بھی میرے اس کلام کو حقیقت پر نہیں سمجھیں گے۔ بلکہ اگر کوئی حقیقت پر نہیں سمجھیں گے۔ بلکہ اگر کوئی حقیقت پر سمجھے تو دوسرے وقت وہ اس کی اصلاح کے درپے ہوتا ہے اور ایسے وقائع دنیا میں بہت پیش آچکے ہیں۔ مبالغہ شاعروں کے ہاں ہوتا ہے اور یہ ایک قسم ہے کلام کی جو فنون علیہ میں درج ہے اور اس مبالغہ کی حقیقت یہ ہے کہ چھوٹی چیز کو بڑا ادا کرنا اور بڑی چیز کو چھوٹا بشرطیکہ نہ اعتقاد ہو اور نہ مخلوق کو منوانا ہو۔ پس اگر کوئی شخص کوئی ایسی چیز کہتا ہے کہ جس سے مغالطہ پڑتا ہے۔ نبوت کے باب میں اور وہ ساری کوشش اس میں خرچ کرتا ہے تو وہ اور جہاں کا ہے اور حضرت شاعر اور جہاں میں۔

چنانچہ مرزا صاحب اپنی کتاب دافع البلاء کے صفحہ ۲۰ پر لکھتے ہیں کہ یہ باتیں شاعرانہ نہیں بلکہ واقعی ہیں۔ علاوہ ازیں سمجھ میں نہیں آتا کہ مرزا صاحب نے شاعری کا شیوہ کس طرح اختیار فرمایا۔ اور کیوں انہیں اس معاملہ میں حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کی صفات علیہ سے بطور ظل کے حصہ نہ ملا۔ کیونکہ حضور کے متعلق قرآن مجید کی سورہ یٰسین میں فرمایا گیا ہے کہ **وماعلمنه الشعر وَمَا ینبغی لهٗ**۔ اور سورۃ شعراء میں شعراء کی مذمت کی جا کر یہ فرمایا گیا ہے۔ کہ **الم ترا انهم**...... **یفعلون** اس حکم کے تحت میں تو مرزا صاحب کے نہ صرف وہ اقوال جو اشعار میں درج ہیں۔ بلکہ کوئی قول بھی معتبر نہیں رہتا۔

مدعیہ کے اس اعتراض کے جواب میں کہ مرزا صاحب نے حضرت مسیح کے معجزات کو مسمریزم کی قسم سے کہا ہے۔ مدعا علیہ کی طرف سے یہ جواب دیا گیا ہے کہ میں حضرت مسیح کے اعجازی خلق کو مانتا ہوں۔ ہاں اس بات کو نہیں مانتا کہ حضرت مسیح نے خدا تعالیٰ کی طرح حقیقی طور پر کسی مردہ کو زندہ کیا۔ یا حقیقی طور پر کسی پرندہ کو پیدا کیا۔ کیونکہ اگر حقیقی طور پر حضرت مسیح علیہ السلام کے مردہ زندہ کرنے یا پرندے پیدا کرنے کو تسلیم کیا جاوے۔ تو اس سے خدا تعالیٰ کی خلق اور اس کا احیاء مشتبہ ہو جائے گا۔ اور عمل ترب کے متعلق وہ اپنے ایک الہام کے حوالہ سے یہ لکھتے ہیں کہ

یہ عمل الترب ہے۔ جس کی اصل حقیقت کی زمانہ حال کے لوگوں کو کچھ خبر نہیں۔ آپ نے اس عمل کو اپنے لیے۔ اس لیے پسند نہ کیا کہ اس علمی زمانہ میں ایسے معجزات دکھلانے کی ضرورت نہ تھی۔ اور حضرت مسیح کے متعلق وہ لکھتے ہیں کہ انہوں نے اس عمل جسمانی کو یہودیوں کے جسمانی اور پست خیالات کیوجہ سے جو ان کی فطرت میں مرکوز تھے باذن وحکم الٰہی اختیار کیا تھا۔ ورنہ انہیں بھی یہ عمل پسند نہ تھا۔

اس جواب کے متعلق بھی مزید کسی تشریح کی ضرورت نہیں۔ ہر دو فریق کی طرف سے اس بارہ میں جو مواد پیش کیا گیا ہے وہ اوپر دکھلایا جاچکا ہے اس سے ہر دو کے دلائل کا موازنہ کیا جاسکتا ہے۔

عیسیٰ علیہ السلام کی توہین کے متعلق مرزا صاحب کے جو دیگر اقوال ان کی کتب دافع البلاء اور ضمیمہ انجام اتھم وغیرہ سے پیش کیے جا کر یہ دکھلایا گیا ہے کہ ان میں بہت ہی سب شتم درج ہے۔ ان کی بابت مدعاعلیہ کی طرف سے یہ کہا گیا ہے کہ ان میں عیسائی مخاطب ہیں۔ اور ان اقوال میں ان لوگوں کے اعتقادات کے مطابق جو ان کی کتابوں میں درج ہیں۔ انہیں الزامی جواب دیئے گئے ہیں اور فن مناظرہ میں اس قسم کی روش عام طور پر اختیار کی جاتی ہے۔ اور اس کی تائید میں مدعاعلیہ کی طرف سے دیگر علماء کے اقوال نقل کئے گئے ہیں۔ مرزا صاحب کے ان اقوال کو اگر سیاق وسباق عارت سے ملا کر دیکھا جاوے تو مدعاعلیہ کا یہ جواب حقیقت سے خالی معلوم نہیں ہوتا۔ علاوہ ازیں ان دشنام آمیز الفاظ کو سید انور شاہ صاحب گواہ مدعیہ نے اپنی شہادت میں بسلسلہ توہین عیسیٰ علیہ السلام بیان نہیں کیا وہ کہتے ہیں کہ میں موجب ارتداد مرزا صاحب میں اس قسم کی کوئی چیز پیش نہیں کرتا جس میں کہ مجھے نیت سے بحث کرنی پڑے۔ بلکہ میں نے اس چیز کو لیا ہے جسے انہوں نے قرآن کی تفسیر بنایا ہے۔ اور اسے حق کہا ہے۔ اور جن چیزوں میں مجھے نیت کی تلاش رہتی وہ میں نے اپنی بحث سے خارج کر دیئے ہیں اور انہیں موجب ارتداد قرار نہیں دیا۔

میں نے مرزا صاحب کی نیت پر گرفت نہیں کی زبان پر کی ہے۔ اور نہ ہی وجہ ارتداد میں تعریض کو لیا ہے۔ بلکہ جس ہجو کو انہوں نے قرآن مجید سے مستند کیا اور اسے قرآن مجید کی تفسیر گردانا۔ اور جس ہجو کو اپنی جانب سے حق کہا۔ وہ اسے وجہ ارتداد سمجھتے ہیں۔ اور اس ضمن میں انہوں نے مرزا صاحب کے حسب ذیل اقوال داخل کئے ہیں۔ مگر میرے نزدیک آپ کی یہ حرکات جائے افسوس نہیں کیونکہ آپ تو گالیاں دیتے تھے۔ اور یہودی ہاتھ سے کسر نکال لیا کرتے تھے۔ اور کہا ہے کہ اس سے تعریض اور تصریح دونوں قسم کی توہین ظاہر ہوتی ہے۔ اور یہ کہ عیسائیوں نے آپ کے بہت سے معجزات لکھے ہیں۔ مگر حق بات یہ ہے کہ آپ سے معجزہ نہیں ہوا۔ اس سے صریح عیسیٰ علیہ السلام کی توہین ٹپکتی ہے کیونکہ حق بات کے الفاظ سے ظاہر ہوتا ہے۔ کہ یہ مرزا صاحب کے اپنے فیصلہ کے الفاظ ہیں شاہ صاحب کی یہ رائے عین حق شناسی پر مبنی ہے اور جن اقوال سے انہوں نے حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی توہین کا نتیجہ نکالا ہے ان سے واقعی ان کی توہین اخذ ہوتی ہے۔ باقی رہا کسی نبی کا دوسرے نبی سے افضل ہونے کا سوال اس کے متعلق شاہ صاحب کے بیان کے حوالہ سے اوپر جواب دیا جا چکا ہے۔

چھٹی وجہ تکفیر بیان کردہ گواہان مدعیہ کا مدعا علیہ کی طرف سے یہ جواب دیا گیا ہے کہ مرزا صاحب نے یہ کہیں نہیں لکھا کہ تمام امت محمدیہ مشرک ہے۔ بلکہ جس عبارت کا حوالہ گواہان مدعیہ کی طرف سے دیا جا کر یہ نتیجہ نکالا گیا ہے۔ اس کے ساتھ ہی مرزا صاحب نے لکھا ہے کہ پہلے مسلمانوں سے یہ قول غلطی سے صادر ہوا ہے۔ اور وہ لوگ خدا کے نزدیک معذور ہیں کیونکہ انہوں نے عملاً غلطی نہیں کی۔ اور انہوں نے حیات مسیح کے عقیدہ کو مبداء شرک یا مجر الی الشرک قرار دیا ہے۔ اور اس کو شرک عظیم کہنا باعتبار مایؤں الیہ کے ہے۔ اور اس امر کو حق بلاغت میں مجاز مرسل سے شمار کیا گیا ہے۔ اس ضمن میں زیادہ بحث کی ضرورت نہیں۔ صرف یہ درج کیا جاتا ہے کہ حیات عیسیٰ کے مسئلہ پر فریقین کو بحث کرنے سے روک دیا گیا ہے۔ کیونکہ ان کی جس قسم کی حیات کے تمام مسلمان قائل ہیں۔ وہ ادراک انسانی سے باہر ہے۔ اس لیے اسے امر واقع کے

طور پر ثابت کرنا ایک لاحاصل سعی ہے البتہ یہ ضرور ہے کہ قرآن مجید کی رو سے اس ظاہر زندگی کے علاوہ ایک اور قسم کی زندگی بھی ہے جس کو انسانی فہم اور عقل احاطہ نہیں کر سکتے۔ جیسا کہ شہداء کے متعلق بیان کیا گیا ہے۔ کہ وہ خدا کے نزدیک زندہ ہیں۔ اور اس کے ہاں انہیں رزق ملتا ہے۔ ملاحظہ ہو۔ آیت **لا تحسبن الذی قتلوا ...... مِن فضلِه** پارہ ۴۔ رکوع ۷...... سورہ آل عمران مدعیہ کی طرف سے یہ بھی کہا گیا کہ مرزا صاحب نے ایک لفظ ذرتیہ البغایا استعمال کر کے تمام مسلمانوں کو ولد الزنا قرار دیا ہے۔ اس کا جواب مدعا علیہ کی طرف سے یہ دیا گیا ہے کہ ذرتیہ البغایا کے معنی وہ نہیں جو فریق مخالف نے لیے ہیں۔ کیونکہ ان معنوں کے لیے کوئی قرینہ موجود نہیں۔ ظاہر میں اس کے معنی ایک تو یہ ہیں کہ ہدایت سے دور اور ناشائستہ آدمی جن کی حالت یہ ہے کہ ان کے دلوں پر مہریں ہیں وہ انہیں قبول نہ کریں گے۔ یا یہ کہ وہ لوگ جو اپنے آپ کو لوگوں کا پیشوا اور امام سمجھتے ہیں۔ یعنی مولوی لوگ جو کفر کے فتویٰ لیکر شہر بشہر پھرتے ہیں۔ یہ لوگ ایمان نہیں لائیں گے کیونکہ بغایا کے معنی ہراول کے بھی ہوتے ہیں۔ نیز بغایا مطلق عورتوں کو بھی کہتے ہیں۔ چاہے وہ فاجرہ ہوں۔ یا نہ ہوں۔ لیکن اس پر بھی زیادہ بحث کی ضرورت نہیں۔ اس لفظ کے استعمال اور طرز خطاب سے سمجھا جا سکتا ہے۔ کہ وہاں اس لفظ سے کیا مراد ہے۔

مرزا صاحب اپنے مکذبین اور منکرین کو کافر کہنے سے مدعیہ کی طرف سے جو انہیں کافر کہا گیا ہے۔ اس کے متعلق مدعا علیہ کی طرف سے یہ کہا گیا ہے کہ مرزا صاحب اپنے نہ ماننے والوں کو اس لیے کافر کہتے ہیں کہ جو شخص انہیں نہیں مانتا وہ انہیں مفتری قرار دیکر نہیں مانتا۔ اس لیے ان کی تکفیر کی وجہ سے وہ خود کافر بنتا ہے۔ لیکن یہ کوئی معقول جواب نہیں۔ کیونکہ ایک شخص اگر واقعہ میں کافر ہو تو اسے کیوں کافر نہ کہا جاوے۔ اس طرح تو کسی پر بھی کفر کا فتویٰ نہیں لگایا جا سکتا۔ کیونکہ اسے کافر کہنے والا خود کافر ہو جائے گا۔ مرزا صاحب کے سچے یا جھوٹے نبی ہونے کے متعلق اوپر بحث کی جا چکی ہے۔ لہذا ان دلائل کی رو سے اگر کوئی شخص ان کو کافر کہتا ہے تو معلوم نہیں ہوتا۔ کہ وہ خود پھر کیونکر کافر ہو جائے گا۔ اور اگر بالفرض محال یہ رائے درست بھی ہو۔ تو

پھر صرف ان لوگوں کو کافر کہنا چاہیئے۔ جو مرزا صاحب کو کاذب یا کافر کہیں جو ان کی نہ تکذیب کرتے ہیں اور نہ تکفیر انہیں کیوں کافر کہا جاتا ہے۔ لہذا معلوم ہوا کہ انہیں کافر کہنے کی یہ وجہ نہیں کہ وہ مرزا صاحب کو مفتری جان کر کافر کہتے ہیں۔ بلکہ اس کی وجہ خود مرزا صاحب نے اپنی کتاب فتاویٰ احمدیہ جلد اول صفحہ ۲۶۹ پر یہ بیان کی ہے کہ کسی کا کوئی عمل میرے دعویٰ اور دلیلوں اور میرے پہچاننے کے بغیر مفید نہیں ہو سکتا۔ پھر آگے اس کتاب کے صفحہ ۳۰۸ پر لکھتے ہیں کہ بہر حال حکم خدا تعالیٰ نے مجھ پر ظاہر کیا ہے کہ ایک شخص کو جس کو میری دعوت پہنچی ہے اور اس نے مجھے قبول نہیں کیا۔ وہ مسلمان نہیں اور خدا کے نزدیک قابل مواخذہ ہے۔ ان عبارات سے صاف اخذ ہوتا ہے کہ جو شخص مرزا صاحب کو نہیں مانتا خواہ ان کو کافر کہے یا نہ کہے وہ مسلمان نہیں اور اس کا کوئی عمل بارگاہ الٰہی میں قبول نہیں ہے۔ مدعا علیہ کے گواہان نے ریاست ہذا کے لوگوں کی توجہ اپنی طرف مبذول کرانے اور یہ دکھلانے کے لیے کہ گواہان مدعیہ نے مرزا صاحب اور ان کے متبعین کے خلاف فتویٰ تکفیر محض اپنے بغض اور عناد کی بناء پر اور اپنے بزرگان کے اقتداء کا خوگر ہونے کی وجہ سے دیا ہے۔ ورنہ دراصل مرزا صاحب ضروریات دین میں سے کسی چیز کے منکر نہیں ہیں۔ حضرت خواجہ غلام فرید صاحب علیہ الرحمۃ کہ جن کا نہ صرف ریاست بہاول پور کا ایک حصہ معتقد اور مرید ہے۔ بلکہ جن کے سندھ بلوچستان اور پنجاب میں بھی بکثرت مرید پائے جاتے ہیں کی ایک کتاب اشارات فریدی سے یہ دکھلایا ہے کہ ان کے نزدیک مرزا صاحب کسی عقیدہ اہلسنت والجماعت اور ضرویات دین میں سے کسی چیز کے منکر نہیں پائے جاتے بلکہ آپ ان کے متعلق یہ لکھتے ہیں۔ کہ وہ اپنے تمام اوقات خدا تعالیٰ کی عبادت میں گزارتے ہیں۔ اور حمایت دین پر کمر بستہ ہیں۔ اور کہ علمائے وقت تمام مذاہب باطلہ کو چھوڑ اس نیک آدمی کے پیچھے پڑ گئے ہیں جو اہلسنت والجماعت میں سے ہے اور صراط مستقیم پر قائم۔ ہے۔

اور خواجہ صاحب کی اس تحریر پر بڑی شرح اور بسط سے بحث کی جا کر یہ دکھلایا گیا ہے کہ یہ الفاظ خواجہ صاحب کے اپنے ہی ہیں۔ اور انہوں نے مرزا صاحب کی کتابیں دیکھنے کے بعد یہ

رائے قائم کی تھی۔ مدعیہ کی طرف سے بھی اس کا مفصل جواب دیا گیا ہے۔ اور یہ کہا گیا ہے کہ مرزا صاحب کی جو کتابیں خواجہ صاحب نے اس وقت تک دیکھیں تھیں۔ ان میں مرزا صاحب کا دعویٰ نبوت درج نہ تھا۔ چنانچہ مرزا صاحب کی ایک تحریر سے جو آپ کی کتاب انجام آتھم صفحہ ۶۹ پر درج ہے پایا جاتا ہے کہ حضرت خواجہ صاحب بھی بعد میں مرزا صاحب کے مکفر اور مکذب ہو گئے تھے مرزا صاحب اس تحریر میں لکھتے ہیں کہ اب ہم ان مولوی صاحبان کے نام ذیل میں لکھتے ہیں کہ جن میں سے بعض تو اس عاجز کو کافر بھی کہتے ہیں اور مفتری بھی۔ اور بعض کافر کہنے سے تو سکوت اختیار کرتے ہیں۔ مگر مفتری اور کذاب اور دجال نام رکھتے ہیں۔ بہر حال یہ تمام مکفرین اور مکذبین مباہلہ کے لیے بلائے گئے ہیں۔ اور ان کے ساتھ وہ سجادہ نشین بھی ہیں۔ جو مکفر اور مکذب ہیں اور اس کے ساتھ مرزا صاحب نے ہر دو گروہوں کی فہرستیں دی ہیں۔ اس فہرست میں میاں غلام فرید صاحب چشتی چاچڑاں علاقہ بہاولپور کا نام بھی درج ہے۔

فریقین کی ان بحث ہائے کو مدنظر رکھتے ہوئے حسب ذیل نتائج اخذ ہوتے ہیں۔ مسلمانوں کے ایک مقدس اور نیک لوگوں کے گروہ کا نام صوفیائے ہے۔ ان صوفیائے کرام کو ذکر الٰہی عبادت اور ریاضت سے جو ذوق اور حظ حاصل ہوتا ہے۔ اس میں ان پر تجلیات الٰہی وارد ہوتی ہیں۔ اور ان کے قلب کی کچھ اس قسم کی کیفیت پیدا ہو جاتی ہے کہ جس سے وہ کچھ غیب کی خبروں پر مطلع ہو جاتے ہیں۔ اس کو وہ الہام یا کشف کہتے ہیں۔ اور بعض صوفیائے کرام نے اسے مجازی طور پر وحی سے بھی تعبیر کیا ہے۔ یہ لوگ اپنے نبی کی تعلیم کے تحت عمل پیرا ہوتے ہیں۔ نبی مامور من اللہ ہوتا ہے۔ اور اسے اللہ تعالیٰ کی جانب سے براہ راست غیب کی خبروں کی اطلاع دی جاتی رہتی ہے۔ اور اسے حکم ہوتا ہے کہ وہ اللہ تعالیٰ کے احکام لوگوں تک پہنچائے۔ انہیں قیامت کے دن سے ڈرائے۔ اور آئندہ زندگی کے حالات سے مطلع کرے۔ اور جس ذریعہ سے انہیں یہ اطلاع ہوتی ہے۔ اسے وحی کہا جاتا ہے۔ اور وحی کی یہ اصطلاح انبیاء کے لیے ہی مختص ہے۔ دوسری جگہ اگر یہ لفظ استعمال کیا جاتا ہے۔ تو اس سے مجازی یا لغوی معنی لیے جاتے ہیں

انبیاء کو یہ وحی تین طریق پر ہوتی ہے۔ یا تو اللہ تعالیٰ کوئی بات کسی نبی کے دل میں ڈال دیتا ہے۔ یا فرشتوں میں سے کوئی قاصد بھیج کر اس کے ذریعہ سے مطلع فرماتا ہے۔ یا پس پردہ خود کلام فرماتا ہے۔ یہ وحی چونکہ دخل شیطانی سے منزہ ہوتی ہے۔ اس لیے اسے قطعی سمجھا جاتا ہے۔ اور اس کا نہ ماننا کفر ہے اولیاء کا الہام یا کشف گو دخل شیطانی سے پاک بھی ہوتا ہم نہ وہ قطعی ہوتا ہے اور نہ ہی دوسروں پر کوئی حجت ہوتا ہے بلکہ الہام اور کشف کے ذریعہ قرآن مجید کے معارف اور اسرار سمجھائے جاتے ہیں۔ اور اس سلسلے میں بعض اکابر صوفیائے کرام پر آیات قرآنی کا نزول بھی ہوتا ہے۔ ان آیات کو وہ اپنے اوپر چسپاں نہیں کرتے بلکہ جیسے کسی سیاح کو دوران سیاحت میں اعلیٰ مقامات دکھلائے جاویں۔ اس طرح ان کو اعلیٰ مراتب روحانی کی سیر کرائی جاتی ہے۔

معلوم ہوتا ہے کہ مرزا صاحب جب اس میدان میں گامزن ہوئے۔ اور ان پر مکاشفات کا سلسلہ جاری ہونے لگا۔ تو وہ اپنے آپ کو نہ سنبھال سکے اور صوفیائے کرام کو کتابوں میں وحی اور نبوت کے الفاظ موجود پا کر انہوں نے سابقہ اولیاء اللہ سے اپنا مرتبہ بلند دکھلانے کی خاطر اپنے لیے نبوت کی ایک اصطلاح تجویز فرمائی جب لوگ یہ لفظ سن کر چونکنے لگے تو انہوں نے یہ کہہ کر انہیں خاموش کرنا چاہا۔ کہ تم گھبراتے کیوں ہو۔ آنحضرت صلعم کے اتباع سے جس مکالمہ اور مخاطبہ کے تم لوگ قائل ہو۔ میں اس کی کثرت کا نام بموجب حکم الٰہی نبوت رکھتا ہوں۔ یہ صرف لفظی نزاع ہے۔ سو ہر شخص کو حق حاصل ہے۔ کہ وہ کوئی اصطلاع مقرر کرے۔ گویا انہوں نے نبی کے لفظ کو برعکس اس کی اصل اور عام فہم مراد کے یہاں اصطلاحی طور پر کثرت مکالمہ اور مخاطبہ پر حاوی کیا۔ اور یہ اصطلاح بھی اللہ تعالیٰ کے حکم سے قائم کی۔ اس کے بعد معلوم ہوتا ہے کہ جب وہ اس لفظ کا استعمال کثرت سے اپنے متعلق کرنے لگے تو لوگ پھر چونکے اس پر انہوں نے پھر یہ کہہ کر انہیں خاموش کیا۔ کہ میں کوئی اصلی نبی تو نہیں بلکہ اس معنی میں کہ میں نے تمام کمال آنحضرت صلعم کے اتباع اور فیض سے حاصل کیا ہے ظلی اور بروزی نبی ہوں۔ اور اس کے بعد انہوں نے ان آیات قرآنی کو جو شاید کسی اچھے وقت میں ان پر نازل ہوئی تھیں اپنے اوپر چسپاں کرنا شروع کر دیا۔ اور شدہ شدہ تشریعی نبوت کے دعویٰ کا اظہار کر دیا۔ لیکن صریح آیات قرآنی

اور احادیث اور اقوال بزرگان سے جب انہیں اس میں کامیابی نظر نہ آئی۔ تو انہوں نے اس دعویٰ کو ترک کر کے اپنا مفر نزول عیسیٰ علیہ السلام کی احادیث میں جا تلاش کیا۔ اور عیسیٰ علیہ السلام کی وفات کو بذریعہ وحی ثابت کر کے یہ دکھلایا کہ ان احادیث کا اصل مفہوم یہ ہے کہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کی امت میں کسی شخص کو نبوت کا درجہ عطا کیا جائے گا۔ نہ یہ کہ حضرت مسیح ناصری واپس آئیں گے۔ مدعاعلیہ کے ایک گواہ کے بیان سے یہ اخذ ہوتا ہے۔ اور نامعلوم اس نے بطور خود یا مرزا صاحب کی کسی تحریر کی رو سے یہ بیان دیا ہے کہ احادیث میں جو عیسیٰ ابن مریم کے نزول کی خبر آئی ہے اس میں رسول اللہ صلعم سے ایک اجتہادی غلطی ہوگئی ہے چنانچہ وہ کہتا ہے کہ بعض پیش گوئیاں ایسی ہوتی ہیں جو آئندہ زمانہ سے تعلق رکھتی ہیں۔ لیکن حقیقت ان کے ظہور کے وقت نمایاں ہوتی ہے۔ اور اجتہادی غلطی پیش گوئیوں کے سمجھنے میں یعنی کیفیت تحقیق وقوع کے لحاظ سے ہر نبی سے ممکن ہے حتیٰ کہ رسول اللہ صلعم سے بھی اس کی مثال اس نے بخاری کی ایک حدیث کا حوالہ دیکر یہ دی ہے۔ کہ رسول اللہ صلعم نے ایک رویا کی بناء پر یہ سمجھا کہ وہ حجر یمامہ کی طرف ہجرت فرمائیں گے۔ لیکن آپ جس وقت مدینہ کی طرف ہجرت کر کے تشریف لے گئے تو اس وقت آپ پر اس پیش گوئی کی حقیقت کھلی۔ کہ اس سے مراد مدینہ تھا۔ اور کہ جب نبی سے اجتہادی غلطی ممکن ہوئی تو پیش گوئی کے پورا ہونے کے وقت اصل حقیقت پیش گوئی کی منکشف ہو جائے گی۔ اور کہ امتی کو پیش گوئی کے تحقق وقوع کے وقت وقوع کا علم ہو جاتا ہے۔ غرض مرزا صاحب نے سابقہ مراحل سے گزرنے کے بعد بڑھ چڑھ کر اپنے مسیح موعود ہونے کے دعویٰ کا اظہار شروع کر دیا۔ اور نبوت کو پھر ایک ایسا گورکھ دھندہ بنا دیا۔ کہ جو نہ تو لوگوں کی سمجھ میں آسکا ہے۔ اور نہ ہی ان کے اپنے متبعین جیسا کہ اوپر دکھلایا جاچکا ہے۔ ان کے مرتبہ کو بخوبی سمجھ سکے ہیں۔ بلکہ خود خدا کو بھی نعوذ باللہ ان کے نبی بنانے میں بڑی مشکلات کا سامنا کرنا پڑا کیونکہ جب خداوند تعالیٰ نے یہ محسوس فرمایا کہ نعوذ باللہ اس کے حبیب سے ایک اجتہادی غلطی ہوگئی ہے۔ اب ان کی آن رکھنے کے لیے اور مرزا صاحب کو نبوت کا مرتبہ عطا فرمانے کے لیے اللہ تعالیٰ نے بقول مرزا صاحب پہلے تو ان تمام پیش گوئیوں کو جو قرآن میں حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے متعلق

تھیں۔ مرزا صاحب کی طرف پھیر دیا۔ اور پھر انہیں کبھی مریم بنایا اور کبھی عیسیٰ اور اس کے بعد بارش کی طرح وحی کر کے یہ جتلایا کہ عیسیٰ ابن مریم فوت ہو چکے ہیں اب تم بلا خوف وخطر نبی ہونے کا دعویٰ کر دو۔ اور جہاں پہلے وہ فاستمع لما یوحی اور یا ایہا المدثر قم فانذر کی تحکمانہ وحی کے ذریعہ سے نبیوں کو چوکنا کر کے اپنی طرف سے مامور فرمایا کرتا تھا۔ وہاں مرزا صاحب کے لیے اسے نعوذ باللہ مختلف حیل اختیار کرنے پڑے۔ مرزا صاحب کے اس طرز عمل سے نبی بننے سے یہ بات خود واضح ہو جاتی ہے کہ اللہ تعالیٰ کے ہاں نبوت کے عہدے ختم ہو چکے تھے۔ کیونکہ اس نے پہلے تو مرزا صاحب کے لیے نبوت کی اصطلاح تجویز فرمائی۔ پھر وہ جب اس سے خوش نہ ہوئے تو ان کو نبی کا خطاب عطا فرما دیا۔ جیسا کہ نواب اور راجہ کے خطابات گورنمنٹ سے ان لوگوں کو بھی عطا فرمائے جاتے ہیں۔ جو صاحب ریاست نہ ہوں۔ لیکن جب مرزا صاحب کی اس سے بھی تسلی نہ ہوئی باوجودیکہ اللہ تعالیٰ انہیں یا ولدی بھی فرما چکا تھا اور اس خیال سے کہ رسول اللہ صلعم کو چونکہ اللہ تعالیٰ قرآن مجید میں خاتم النبین کہہ چکا تھا۔ وہ بھی کسی دوسرے نبی کے بننے سے خفا نہ ہوں مرزا صاحب کو آپ کا ظل بنا دیا گیا۔ اور آخر کار جب ان کی خوشی نبی بننے میں ہی دیکھی اور یہ بھی خیال آیا۔ کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو آخر زمانہ میں بھجوانے کا وعدہ ہو چکا ہے۔ تو انہیں مار کر مرزا صاحب کو نبی بنا دیا گیا استغفر اللہ۔

گواہ مدعا علیہ نے یہ بیان کیا ہے کہ نبی سے بھی اجتہادی غلطی ہو سکتی ہے تو پھر اس کا کیا اعتبار ہے کہ مرزا صاحب سے یہ غلطی نہ ہوئی ہوگی۔ خصوصاً جبکہ مرزا صاحب رسول اللہ صلعم کے ظل بھی ہیں۔ غیر اغلب ہے کہ اصل کی فطرت ظل کی فطرت پر اثر انداز نہ ہوئی ہو۔ اور علاوہ ازیں مرزا صاحب اپنے اقرار کے مطابق آنحضرت صلعم سے زیادہ ذکی بھی نہیں پائے جاتے۔ کیونکہ خداوند تعالیٰ کی کئی سال سے متواتر وحی کے بعد انہوں نے یہ جا کر سمجھا کہ وہ نبی ہو چکے۔ اس لیے ممکن ہے کہ انہوں نے وحی الٰہی کا مفہوم غلط سمجھ کر دعویٰ نبوت کر دیا ہو۔ مرزا صاحب کی اپنی تصریحات سے یہ پایا جاتا ہے کہ انہیں امتی ہونے کے وقت نزول مسیح کے متعلق وقوع کا علم نہیں ہوا۔ بلکہ جب ان کو نبوت کا خطاب مل چکا۔ اس کے بعد انہیں یہ جتلایا گیا کہ مسیح ناصری

فوت ہو چکے ہیں۔ اس لیے مدعا علیہ کے گواہ کا یہ کہنا کہ امتی کو وقوع کے وقت تحقیق وقوع کا علم ہو جاتا ہے۔ مرزا صاحب کی اپنی تصریحات سے باطل ہو جاتا ہے۔ گواہ مذکور نے رسول اللہ صلعم کی جس حدیث کا حوالہ دیکر یہ کہا ہے آپ سے اجتہادی غلطی کا وقوع ممکن ہے۔ اس سے یہ ثابت نہیں ہوتا کہ آپ نے ہجرت کے وقت کوئی غلطی فرمائی۔ گواہ مذکور کو یہ حجت اس وقت صحیح ہوتی کہ جب آپ بجائے مدینہ کے حجر یمامہ کی طرف تشریف لے جاتے اور پھر وہاں سے مدینہ عالیہ کی طرف لوٹتے۔ وہاں جانے کے متعلق آپ کا صرف ایک خیال تھا۔ جو وقوع میں نہ آیا۔ اور اس رویا پر عمل اس طرح ہوا جس طرح مشیت ایزدی میں مقدر تھا۔ خود اس مثال سے یہ اخذ ہوتا ہے کہ اگر نبی کو کسی طرح غلط فہمی ہو بھی جائے۔ تو اللہ تعالیٰ کی طرف سے اسے فوراً رفع کر دیا جاتا ہے۔ یہ نہیں ہوتا کہ صدیوں تک وہ غلطی چلی جائے۔ اور نہ خود نبی پر اور نہ اس کے کامل متبعین پر اس کا افشاء ہو۔ اس لیے یہ کہنا بڑی دیدہ دلیری ہے کہ رسول اللہ صلعم سے نزول عیسیٰ علیہ السلام کی پیش گوئی بیان کرنے میں اجتہادی غلطی ہوئی ہے۔

معلوم ہوتا ہے کہ مرزا صاحب نے پھر اخیر عمر میں جا کر اپنے دعویٰ کی غلطی کو محسوس کیا اور پھر اصطلاحی نبوت کو ہی جا کر قائم کیا جس سے انہوں نے اپنے دعویٰ کی ابتداء شروع کی تھی جیسا کہ ان کے اس خط سے جو انہوں نے وفات سے دو تین یوم قبل اخبار عام کے ایڈیٹر کے نام لکھا تھا۔ ظاہر ہوتا ہے اس میں درج ہے کہ سو میں صرف اس وجہ سے نبی کہلاتا ہوں کہ عربی اور عبرانی زبان میں نبی کے یہ معنی ہیں کہ خدا سے الہام پا کر بکثرت پیش گوئی کرنے والا ان تمام واقعات کو مدنظر رکھتے ہوئے سید انور شاہ صاحب گواہ مدعیہ نے بجا طور یہ کہا ہے کہ مرزا صاحب کی کتابیں دیکھنے سے یہ بات پوری طرح روشن ہو جاتی ہے کہ ان کی ساری تصانیف میں صرف چند ہی مسائل کا تکرار اور دور ہے ایک ہی مسئلہ اور ایک ہی مضمون کو بیسوں کتابوں میں مختلف عنوانوں سے ذکر کیا ہے۔ اور پھر سب اقوال میں اس قدر تہافت اور تعارض پایا جاتا ہے۔ اور خود مرزا صاحب کی ایسی پریشان خیالی ہے اور بالقصد ایسی روش اختیار کی ہے کہ جس سے نتیجہ گڑبڑ ہے اور

ان کو بوقت ضرورت مخلصی اور مفر باقی رہے چنانچہ کہیں وہ تو ختم نبوت کے عقیدہ کو اپنے مشہور اور اجماعی معنی کی ساتھ قطعی اور اجماعی عقیدہ کہتے ہیں۔ اور کہیں ایسے عقیدہ بتلانے والے مذہب کو لعنتی اور شیطانی مذہب قرار دیتے ہیں کہیں عیسیٰ علیہ السلام کے نزول کو تمام امت محمدیہ کے عقیدہ کے موافق متواترات دین میں داخل کرتے ہیں اور اس پر اجماع ہونا نقل کرتے ہیں۔ اور کہیں اس عقیدہ کو مشرکانہ عقیدہ بتلاتے ہیں۔

ختم نبوت کا عقیدہ جیسا کہ اوپر بیان کیا جا چکا ہے۔ اسلام کے اہم اور بنیادی مسائل میں سے ہے اور خاتم النبیین کے جو معنی مدعا علیہ کی طرف سے بیان کیے گئے ہیں۔ آیات قرآنی اور احادیث صحیح سے اس کی تائید نہیں ہوتی۔ بلکہ اس صحیح معنی وہی ہیں جو گواہان مدعیہ نے بیان کیے ہیں۔ مدعا علیہ کی طرف سے اس ضمن میں یہ کہا گیا ہے۔ کہ یہ حدیث ہے کہ قرآن شریف کی ہر آیت کے ایک ظاہری معنی ہیں اور ایک باطنی اور کہ تاویل کرنے والے کو کافر نہیں سمجھا گیا۔ اس کا جواب سید انور شاہ صاحب گواہ مدعیہ نے یہ دیا ہے کہ یہ حدیث قوی نہیں۔ اور باوجود قوی نہ ہونے کے اس کی مراد میرے نزدیک صحیح ہے اس حدیث میں لفظ بطن سے تو جو کچھ رسول اللہ صلعم کے دل میں تھا۔ وہ سب منکشف نہیں ہے۔ مجملاً ہم سمجھتے ہیں کہ قرآن کی مراد وہ ہے کہ قواعد لغت اور عربیت سے اور ادلہ شریعت سے علماء شریعت سمجھ لیں۔ اور اس کے تحت میں قسمیں ہیں اور بطن سے یہ مراد ہے کہ حق تعالیٰ اپنے ممتاز بندوں کو ان حقائق سے سرفراز کر دے۔ اور بہتوں سے وہ خفی رہ جائیں لیکن ایسا کوئی بطن جو مخالف ظاہر کے ہو۔ اور قواعد شریعت رد کرتے ہوں مقبول نہ ہوگا۔ اور رد کیا جائے گا۔ اور بعض اوقات باطنیت اور الحاد کی حد تک پہنچا دے گا۔ حاصل یہ ہے کہ ہم مکلف فرمانبردار بندے اپنے مقدور کے موافق ظاہر کی خدمت کریں۔ اور بطن کو سپرد کر دیں خدا کے تاویل کے متعلق ان کا یہ جواب ہے کہ اخبار اعاد کی تاویل اگر کوئی شخص قواعد کے مطابق کرے تو اس کے قائل کو بدعتی نہیں کہیں گے۔ اگر قواعد کی رو سے صحیح نہیں تو وہ خاطی ہے۔

آیات قرآنی متواتر ہیں۔ اور قرآن وحدیث جو نبی کریم سے ہم تک پہنچا اس کی دو جانبین ہیں۔

ایک ثبوت کی۔ دوسری دلالت کی۔ ثبوت قرآن کا متواتر ہے اس تواتر کا اگر کوئی انکار کرے تو پھر قرآن کے ثبوت کی اس کے پاس کوئی صورت نہیں۔ اور ایسا ہی جو شخص تواتر کی صحت کا انکار کرے۔ اس نے دین ڈھا دیا۔ دوسری جانب دلالت ہے جس کا معنی یہ ہے کہ مطلب پر رہنمائی کرنا۔ دلالت قرآن کی کبھی قطعی ہوتی ہے اور کبھی ظنی۔ اگر اجماع ہو جائے صحابہ کا اس کی دلالت پر یا کوئی اور دلیل عقلی یا نقلی قائم ہو جائے۔ کہ مدلول یہی ہے۔ تو پھر وہ دلالت بھی قطعی ہے۔ حاصل یہ ہے کہ قرآن سارا بسم اللہ سے لیکر والناس تک قطعی الثبوت ہے۔ دلالت میں کہیں ظنیت ہے اور کہیں قطعیت لیکن قرآن کے معنی سے دلالت بھی قطعی ہو جاتی ہے علاوہ ازیں تاویل اوامر ونواہی میں ہو سکتی ہے اخبار میں نہیں ہو سکتی۔ جیسا کہ مدعیہ کے گواہ مولوی نجم الدین صاحب نے بیان کیا ہے۔ اس بحث سے یہ اخذ ہوتا ہے کہ آیت خاتم النبیین قطعی الدلالت ہے۔ اور اس کے بطن کے معنی ایسے نہیں ہو سکتے کہ جو رسول اللہ صلعم کے خاتم النبیین معنی آخری نبی سمجھنے کے منافی ہوں۔ اور چونکہ یہ اجماعی عقیدہ ہے۔ اس لیے مذکورہ بالا معنی سے انکار کفر ہے مدعا علیہ کی طرف سے جو یہ کہا گیا ہے کہ تاویل کرنے والے کو کافر نہیں سمجھا گیا۔ اور جن مسائل کی بناء پر اس نے ایسا کہا ہے۔ وہ اس قبیل کے نہیں۔ جیسا کہ مسئلہ ختم نبوت۔ لہذا یہ قرار دیا جاتا ہے۔ کہ خاتم النبیین کے جو معنی مدعیہ کی طرف سے کئے گئے ہیں۔ اور اس معنی کے تحت جو عقیدہ ظاہر کیا گیا ہے۔ اس عقیدہ سے انحراف وارتداد کی حد تک پہنچتا ہے۔ اور کہ آنحضرت کے بعد عہدہ نبوت اور وحی نبوت منقطع ہو چکے ہیں۔ مرزا صاحب صحیح اسلامی عقائد کی رو سے نبی نہیں ہو سکتے۔ اور ان کے نبی نہ ہونے کی تائید میں ایک یہ امر بھی ہے۔ کہ ان کے متبعین میں سے ایک گروہ جو لاہوری کہلاتے ہیں۔ انہیں نبی تسلیم نہیں کرتے۔ لہذا ان کے مخالف جملہ فرقوں کے نزدیک اور ان کے ایک موافق فرقہ کی رائے میں رسول اللہ صلعم کا خاتم النبیین بمعنی آخری نبی ہونا ثابت ہے۔ اس لیے مرزا صاحب کی نبوت کا دعویٰ کسی حالت میں بھی درست نہیں ظلی اور بروزی نبی اگر آنحضرت صلعم کے کمال اتباع سے ہونے ممکن ہوتے تو اس قسم کے نبی مرزا صاحب کے آنے

سے قبل کئی آ چکے ہوتے۔ علاوہ ازیں مرزا صاحب کو درجہ کمال بھی اس وقت حاصل ہو سکتا تھا۔ کہ اس قسم کے اور کئی نبی پیدا ہو چکے ہوتے۔ کیونکہ ہر جنس کا کمال اس بات کو مستلزم ہے کہ اس کے اور ناقص افراد موجود ہیں۔ چنانچہ رسول اللہ صلعم بھی اسی لیے افضل الانبیاء ہیں کہ سلسلہ رسالت اور نبوت میں دیگر انبیاء منسلک ہیں۔ مرزا صاحب نے اپنے آپ کو خاتم الاولیاء ظاہر کر کے یہ بیان کیا ہے کہ وہ ولایت ختم کر چکے۔ لیکن اس سے وہ ولی ہی شمار ہوں گے۔ نبی نہیں سمجھے جائیں گے۔ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کے افاضہ روحانی سے اگر نبوت مل سکتی ہے تو ضرور ہے کہ ان سے قبل ایسے نبی آتے کہ جن کے بعد انہیں درجہ کمال حاصل ہوتا۔ مدعیہ کی طرف سے یہ درست کہا گیا ہے کہ ظلی اور بروزی کی اصطلاحیں دراصل الفاظ ہی الفاظ ہیں ورنہ دراصل مرزا صاحب کی مراد اس سے اصل نبوت سے ہے جیسا کہ اس کی تشریح بعد میں ان کے خلیفہ ثانی نے کی۔ کچھ شک نہیں کہ یہ الفاظ مغالطہ پیدا کرنے کے لیے استعمال کیے گئے ہیں۔ ورنہ ان کی کوئی حقیقت نہیں اور نہ ہی شرع میں اس قسم کے الفاظ پر کسی عقیدہ کا حصر ہے۔ مرزا صاحب نے یہ بیان کر کے کہ اس قسم کی نبوت قیامت تک جاری ہے۔ اسلام میں ایک فتنہ کی بناء ڈالی ہے اور ناممکن نہیں کہ ان کے بعد کوئی اور شخص دعویٰ نبوت کرے۔ ان کی کارگزاری کو بھی ملیامیٹ کر دے۔ اس طرح مذہب سے امان اُٹھ جائیگی اور سوائے اس کے کہ وہ ایک کھیل اور تمسخر بن جائے۔ اس کی کوئی حقیقت بحیثیت دین کے قائم نہ رہے گی۔ اس لیے بھی رسول اللہ صلعم کا آخری نبی ماننا علاوہ عقائد صحیح میں سے ہونے کے ازبس ضروری ہے۔ مرزا صاحب رسول اللہ صلعم کو آخری نبی نہیں مانتے۔ اس لیے ان کا اسلام کے اس بنیادی مسئلہ سے انکار کفر کی حد تک پہنچتا ہے۔ اس کے علاوہ ان کے دیگر عقائد بھی ان عقائد کے مطابق نہیں پائے جاتے۔ جس کی آج تک امت مرحومہ پابند چلی آئی ہے خدا کا تصور اس نے تیندوے سے تشبیہ دیکر ایسا پیش کیا ہے کہ جو سراسر نص قرآنی کے خلاف ہے۔ اور اس طرح یہ بیان کر کے کہ خدا خطا بھی کرتا ہے اور صواب بھی۔ اور روزے رکھتا ہے۔ اور نماز پڑھتا ہے۔ انہوں نے ایک ایسے عقیدہ کا اظہار کیا ہے کہ جو سراسر

نصوص قرآنی کے خلاف ہے۔ انہوں نے آیات قرآنی کو اپنے اوپر چسپاں کیا ہے جیسا کہ ایک آیت **ھو الذی ارسل رسولہ** .... الخ کے متعلق انہوں نے یہ کہا کہ اس میں میرا ذکر ہے۔ اور دوسرے الہام بالفاظ محمد رسول اللہ بیان کر کے یہ کہا کہ اس میں میرا نام محمد رکھا گیا ہے۔ اور رسول بھی اس طرح اور کئی ایسی تصریحیں ہیں جن سے ثابت ہوتا ہے کہ وہ آیات قرآنی کو اپنے اوپر چسپاں کرتے تھے اس سے بھی رسول اللہ صلعم کی توہین کا نتیجہ درست اخذ کیا گیا۔ اس طرح ان کے بعض اقوال سے حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی بھی توہین ظاہر ہوتی ہے۔ اور حضرت مریم کی شان میں مرزا صاحب نے جو کچھ کہا ہے۔ اور جس کا حوالہ شیخ الجامعہ صاحب گواہ مدعیہ کے بیان میں ہے۔ اور جس کا مدعا علیہ کی طرف سے کوئی جواب نہیں دیا گیا۔ اس سے قرآن شریف کی صریح آیات کی تکذیب ہوتی ہے۔ یہ تمام امور ایسے ہیں کہ جن سے سوائے مرزا صاحب کو کافر قرار دینے کے اور کوئی نتیجہ اخذ نہیں ہوتا۔ مدعا علیہ کی طرف سے مرزا صاحب کی بعض کتب کے حوالے دیئے جا کر یہ کہا گیا ہے۔ کہ مرزا صاحب نے کسی نبی کی توہین نہیں کی۔ اس کا جواب سید انور شاہ صاحب گواہ مدعیہ نے خوب دیا ہے۔ وہ کہتے ہیں کہ جب ایک جگہ کلمات توہین ثابت ہو گئے تو اگر ہزار جگہ کلمات مدعیہ لکھے ہوں اور ثناء خوانی بھی کی ہو۔ تو وہ کفر سے نجات نہیں دلا سکتے۔ جیسا کہ تمام دنیا اور دین کے قواعد مسلمہ اس پر شاہد ہیں۔ کہ اگر ایک شخص تمام عمر کسی کا اتباع اور اطاعت گزاری کرے اور مدح و ثناء کرتا رہے لیکن کبھی کبھی اس کی سخت ترین توہین بھی کر دے۔ تو کوئی انسان اس کو مطیع اور معتقد واقعی نہیں کہہ سکتا۔

مدعا علیہ کی طرف سے دیگر صوفیائے کرام کے بعض ایسے اقوال جو مرزا صاحب کے بعض اقوال کے مشابہ ہیں بیان کیے جا کر یہ کہا گیا ہے کہ ان اقوال کی بناء پر پھر ان بزرگان کو کیونکر مسلمان سمجھا جاتا ہے۔ اس کا جواب بالفاظ سید انور شاہ صاحب گواہ مدعیہ درج کیا جاتا ہے۔ وہ کہتے ہیں کہ ہم نے اولیاء اللہ کو ان کی طہارت تقویٰ اور تقدس کی خبریں سنکر اور ان کے شواہد و افعال و اعمال اور اخلاق سے تائید پا کر ولی مقبول تسلیم کر لیا ہے۔ اور قرائن اور نشانیوں سے جو

خارج مبعوث عنہ سے ہوں یعنی انہی شطحیات سے ان کی ولایت ثابت نہ کرتی ہو۔ بلکہ ولایت ان کی خارج سے پایہء ثبوت کو پہنچتی ہو۔ جو طریقہ ثبوت کا ہے۔ اس کے بعد کہ ہم نے کسی کی ولایت تسلیم کی۔ اور ہم اس تسلیم میں صواب پر تھے۔ تو اس کے بعد اگر کوئی کلمہ مغائر یا موہم ہمارے سامنے پڑتا ہے تو ہم اس کی کوشش کرتے ہیں۔ کہ اس کی توجیہہ کریں اور محل نکالیں اور یہ کہ اس کا ٹھکانہ کیا ہے شطحیات کو ہی پہلے پیش کرنا اور اس پر ولایت کا جمگھٹ جمانا نافہم اور جاہل کا کام ہے۔ کسی شخص کی راستبازی اگر جداگانہ تجارب سے اور جو طریقہ راستبازی ثابت کرنے کا ہے۔ ثابت ہوئی ہو۔ تو پھر اگر کوئی کلمہ موہم اور مغالطہ میں ڈالنے والا اس کا سامنے آ گیا۔ تو منصف طبیعتوں کے ذہن اس کی توضیح کریں گے۔ اور عمل نکالیں گے۔ یہ عاقل کا کام نہیں ہے کہ راستبازی کسی کی ثابت ہونے سے پیشتر وہی کلمات مغالطہ پیش کر کے مسلمہ الثبوت مقولوں پر قیاس کرے۔ اور کہے کہ فلاں نے ایسا کیا۔ فلاں نے ایسا کیا۔ اس کا جواب مختصر یہ ہو گا۔ کہ فلاں کی راستبازی جداگانہ اگر ہمیں کسی طریقہ اور دلیل سے معلوم ہے۔ تو ہم محتاج توجیہہ ہوں گے۔ اور اگر زیر بحث یہی کلمات ہیں اور اس سے پیشتر کچھ سامان خیر کا ہے۔ ہی نہیں۔ تو ہم یہ کھوٹی پونجی اس کے منہ پر ماریں گے۔

مدعا علیہ کی طرف سے یہ بھی کہا گیا ہے کہ علماء نے یہ کہا ہے کہ اہل قبلہ کی تکفیر جائز نہیں اور کہ جو **لا الہ الا اللہ محمد رسول اللہ** کہے اس کو بھی کافر کہنا درست نہیں وغیرہ وغیرہ ان شبہات کا جواب بھی شاہ صاحب گواہ مدعیہ نے خود دیا ہے۔ جو انہی کے الفاظ میں درج کیا جاتا ہے وہ کہتے ہیں کہ یہ بات کہ اہل قبلہ کی تکفیر جائز نہیں ہے۔ بے علمی اور ناواقفیت پر مبنی ہے۔ کیونکہ حسب تصریح و اتفاق علماء اہل قبلہ کے یہ معنی نہیں۔ کہ جو قبلہ کی طرف منہ کرے۔ وہ مسلمان ہے چاہے سارے عقائد اسلام کا انکار ہی کرے۔ قرآن مجید میں منافقین کو عام کفار سے زیادہ تر کافر ٹھہرایا گیا ہے۔ حالانکہ وہ فقط قبلہ ہی کیطرف منہ ہی نہیں کرتے تھے۔ بلکہ تمام ظاہری احکام اسلام ادا کرتے تھے۔ اہل قبلہ سے مراد وہ لوگ ہیں جنہوں نے کہ اتفاق کیا

ضروریات دین پر۔ اور یہ جو مسئلہ ہے کہ اہل قبلہ کی تکفیر نہیں اس کی مراد یہ ہے کہ کافر نہیں ہوگا جب تک کہ نشانی کفر کی اور علامتیں کفر کی اور کوئی چیز موجبات کفر میں سے نہ پائی گئی ہو۔

دوسرا شبہ یہ کہ یہ کہا جاتا ہے کہ یہ لوگ نماز، روزہ، حج اور زکوٰۃ تمام ارکان اسلام کے پابند اور تبلیغ اسلام میں کوشش کرنیوالے ہیں۔ پھر ان کو کیسے کافر کہا جائے۔

اس کے جواب میں انہوں نے ایک حدیث کا حوالہ دیتے ہوئے یہ فرمایا ہے کہ اس حدیث میں یہ تصریح ہے کہ یہ قوم جس کے متعلق آنحضرت صلعم فرماتے ہیں کہ دین اسلام سے صاف نکل جائے گی۔ اور ان کے قتل کرنے میں بڑا ثواب ہے یہ لوگ نماز روزے کے پابند ہوں گے۔ بلکہ ظاہری خشوع اور خضوع کی کیفیات بھی ایسی ہونگی کہ ان کے نماز روزے کے مقابلے میں مسلمان اپنے روزے کو بھی ہیچ سمجھیں گے۔ لیکن اس کے باوجود جبکہ بعض ضروریات دین کا انکار ان سے ثابت ہوا۔ تو ان کی نماز روزہ وغیرہ ان کو حکم کفر سے رہا نہ کر سکی۔

تیسرا شبہ یہ ہے کہ یہ کہا جاتا ہے۔ کہ فقہائے نے ایسے شخص کو مسلمان ہی کہا ہے جس کی کلام میں ۹۹ وجہ کفر کی موجود ہو۔ اور صرف ایک وجہ اسلام کی اس کا جواب یہ ہے۔

کہ اس کا منشاء بھی یہی ہے کہ فقہا کے بعض الفاظ دیکھ لیے گئے اور اس۔ کے معنی سمجھنے کی کوشش نہ کی گئی۔ اور ان کے وہ اقوال دیکھے جن میں صراحتاً بیان کیا گیا ہے۔ کہ یہ حکم اپنے عموم پر نہیں ہے۔ بلکہ اس وقت ہے جبکہ قائل کا صرف ایک کلام مفتی کے سامنے آوے۔ اور قائل کا کوئی دوسرا حال معلوم نہ ہو۔ اور نہ اس کے کلام میں کوئی ایسی تصریح ہو۔ جس سے معنی کفر متعین ہو جائے تو ایسی حالت میں مفتی کا فرض ہے کہ معاملہ تکفیر میں احتیاط برتے۔ اور اگر کوئی خفیف سے خفیف احتمال ایسا نکل سکے جس کی بناء پر یہ کلام کلمہ کفر سے بچ جائے۔ تو اس احتمال کو اختیار کر لے۔ اور اس شخص کو کافر نہ کہے لیکن اگر ایک شخص کا یہی کلمہ کفر اس کی سینکڑوں تحریرات میں بعنوانات والفاظ مختلفہ موجود ہو جس کو دیکھ کر یہ یقین ہو جائے۔ کہ یہی معنی، معنی کفری مراد لیتا ہے۔ یا خود اپنے کلام میں معنے کفری کی تصریح کر دے۔ تو باجماع فقہاء اس کو ہرگز مسلمان نہیں

کہہ سکتے بلکہ قطعی طور پر ایسے شخص پر کفر کا حکم لگایا جائے گا۔

چوتھا شبہ یہ ہے کہ اگر کوئی کلمہ کفر کسی تاویل کے ساتھ کہا جاوے۔ تو کفر کا حکم نہیں۔ اس کا جواب یہ ہے کہ اس میں بھی وہی تصریحات فقہا سے ناواقفیت کارکن ہے۔ حضرات فقہائے اور متکلمین کی تصریحات موجود ہیں۔ کہ تاویل اس کلام اور اس چیز میں مانع تکفیر ہوتی ہے۔ جو ضروریات دین میں سے نہ ہو۔ لیکن ضروریات دین میں اگر کوئی تاویل کرے اور اجماعی عقیدہ کے خلاف کوئی نیا معنے تراشے تو بلاشبہ اس کو کافر کہا جائیگا۔ اسے قرآن مجید نے الحاد اور حدیث نے اس کا نام زندیقی رکھا ہے۔ زندیق اسے کہتے ہیں جو مذہبی لٹریچر بدلے یعنی الفاظ کی حقیقت بدل دے۔ مرزا صاحب نے جیسا کہ اوپر دکھلایا جا چکا ہے بہت سے اسلامی عقائد کے حقائق بدل دیئے ہیں۔ گو ان کے الفاظ وہی رہنے دیئے ہیں۔ اس لیے ان کو حسب تصریحات مذکورہ بالا کافر ہی قرار دینا پڑے گا۔ اور ان عقائد کے تحت ان کا اتباع کرنے والا بھی اس طرح ہی کافر سمجھا جائے گا۔

مدعا علیہ کی طرف سے گواہان مدعیہ پر ایک یہ اعتراض بھی وارد کیا گیا ہے۔ کہ وہ دیوبندی عقائد سے تعلق رکھنے والے ہیں اور علمائے دیوبند کے خلاف فتویٰ تکفیر شائع ہو چکا ہے۔ اس لیے ایک شخص جو خود کافر ہو وہ کس طرح دوسرے کے متعلق کفر کا فتویٰ دے سکتا ہے۔ اس کا جواب مدعیہ کی طرف سے ایک تو یہ دیا گیا ہے کہ اس کے تمام گواہان دیوبندی صاحبان نہیں ہیں۔ مثلاً شیخ الجامعہ صاحب۔ مولوی محمد حسین صاحب اور مولوی نجم الدین صاحب۔ دوسرا دیوبندی صاحبان کے خلاف فتویٰ تکفیر ایک غلط فہمی کی بناء پر دیا گیا تھا۔ جو بعد میں واپس لیا جا چکا ہے۔ اگر یہ صحیح نہ بھی ہو تو بھی مدعا علیہ کی حجت اس بناء پر صحیح نہیں۔ کہ ان کی رائے کو بطور فتویٰ قبول نہیں کیا گیا۔ بلکہ ان کی پیش کردہ دلائل پر مدعا علیہ کے پیش کردہ دلائل کے مقابلہ میں تنقید کی جا کر رائے قائم کی گئی ہے۔ اس لیے چاہے وہ کسی فرقہ سے تعلق رکھنے والے ہوں۔ ان کی ذاتی رائے پر کوئی عمل نہیں کیا گیا۔ بلکہ دیکھا گیا ہے کہ قران شریف اور احادیث کی رو سے کس

فریق کے دلائل صحیح ہیں اور کس کے غلط۔ اس لیے ان کے خلاف اگر کوئی فتویٰ تکفیر ہو بھی تو اس معاملہ پر اثر انداز نہیں ہو سکتا۔

اس کے علاوہ مدعا علیہ کی طرف سے یہ کہا گیا ہے کہ مدراس ہائی کورٹ نے اپنے فیصلہ میں یہ قرار دیا تھا۔ کہ اس سوال کو عقائد قادیانی سے ارتداد واقع ہوتا ہے۔ یا نہ علماء اسلام ہی بہتر فیصلہ کر سکتے ہیں۔ لہذا علمائے اسلام کی تحقیق کے لیے یہ دیکھنا ضروری ہے کہ جن لوگوں نے اس مقدمہ میں شہادتیں دی ہیں۔ اور اس پر فتویٰ کفر لگایا ہے وہ خود بھی مسلمان ہیں یا نہ۔ اور اس طرح فیصلہ کرنے والے کا مسلمان ثابت ہونا بھی ضروری ہے۔ اس کا جواب یہ ہے ہر دو فریق کا ادعا ہے کہ وہ مذہب اسلام سے تعلق رکھتے ہیں لیکن چند اہم اور بنیادی مسائل کے متعلق ہر دو کا اختلاف ہے۔ اور وہ ایک دوسرے کو کافر کہتے ہیں۔ لہذا اس بارہ میں عام دنیاوی اصول کے مطابق رائے اس فرقہ کی غالب سمجھی جائے گی جس میں اکثریت ہو۔ یہ اکثریت بحق مدعیہ پائی جاتی ہے اس لیے فریق مدعیہ کی رائے ہی غالب رہے گی۔ اور اسے مسلمان اور اقلیت کو کافر سمجھا جائے گا۔ لہذا اس قرارداد کے تحت مدعیہ کے کسی گواہ کے خارجی طور پر مسلمان ثابت کیے جانے کی ضرورت نہیں اور فیصلہ کنندہ بھی اس ذیل میں مسلمان شمار ہو گا۔ علاوہ ازیں مدعا علیہ نے اپنی بحث میں جب مدراس ہائی کورٹ کے فیصلہ کو شرعاً درست تسلیم کر کے اپنے اوپر حجت مان لیا ہے۔ تو کوئی وجہ معلوم نہیں ہوتی۔ کہ شرعاً عدالت ہذا کا فیصلہ اس پر حجت نہ ہو سکے۔

گواہان مدعیہ پر مدعا علیہ کی طرف سے کنایۃً اور بھی کئی ذاتی حملے کیے گئے ہیں مثلاً انہیں علماء سوء کہا گیا۔ اور یہ کہا گیا ہے کہ رسول اللہ صلعم نے خود ہی ایسے مولویوں کو جو ذریۃ البغایا۔ میں مخاطب ہیں بندرا اور سور کا لقب دیا ہے۔ اور دوسری حدیث میں فرمایا ہے کہ وہ آسمان کے نیچے سب سے بدتر مخلوق ہوں گے لیکن ملاحظہ مثل سے ہر عقلمند آدمی اندازہ لگا سکتا ہے کہ طریفین کے علماء میں سے ان احادیث کا صحیح مصداق کون ہیں۔

مرزا صاحب کے دعویٰ نبوت کے سلسلہ میں ایک اور مسئلہ پر بھی مختصر بحث کی ضرورت ہے۔ وہ یہ کہ مرزا صاحب اپنے آپ کو اس لیے بھی نبی سمجھتے ہیں کہ انہیں مسیح موعود ہونے کا بھی دعویٰ ہے۔ اور مسیح موعود کو چونکہ احادیث میں نبی اللہ کہا گیا ہے۔ اس لیے مرزا صاحب نبی اللہ ہوئے۔ اس کے متعلق جیسا کہ اوپر دکھلایا گیا ہے مسلمانوں کا عقیدہ یہ ہے۔ کہ مسیح موعود حضرت عیسیٰ ابن مریم ہی ہیں۔ اور آخر زمانہ میں وہی آسمان سے نزول فرمائیں گے اور وہ چونکہ پہلے سے نبی اللہ ہیں۔ اس لیے پھر بھی نبی اللہ ہوں گے۔ مگر وہ عمل شریعت محمدیہ پر کریں گے۔ اپنی شریعت پر نہیں چلیں گے۔ اس کی مثال مدعیہ کی طرف سے یہ دی گئی ہے۔ کہ جیسے کسی دوسرے علاقہ کا گورنر۔ کسی دوسرے گورنر کے علاقہ میں چلا جائے۔ تو وہاں اپنے عہدہ کے لحاظ سے گو وہ گورنر شمار ہوگا۔ لیکن دوسرے گورنر کے علاقہ میں وہ اس گورنر کی حکومت کے تابع ہو کر رہے گا۔ اپنے علاقہ کے قوانین یا آئین پر عمل پیرا نہیں ہو سکے گا۔ اس لیے رسول اللہ صلعم چونکہ قیامت تک کے لوگوں کے لیے مبعوث ہوئے ہیں۔ اس لیے قیامت تک آپ کی شریعت ہی نافذ رہے گی۔ اور حضرت عیسیٰ علیہ السلام اس شریعت کے تحت عمل پیرا ہوں گے۔

اس مثال سے حضرت عیسیٰ علیہ السلام کا امتی نبی ہونا تو واضح ہو جاتا ہے لیکن آج کل کے تعلیم یافتہ لوگوں کو نزول مسیح کا عقیدہ بہت عجب معلوم ہوتا ہے۔ اور ان کے ذہن اس بات کو قبول نہیں کرتے۔ کہ کس طرح ایک شخص کئی ہزار سال کے بعد دنیا میں واپس آسکتا ہے۔ شک نہیں کہ علوم جدیدہ کی روشنی میں یہ مسئلہ بہت کچھ قابل اعتراض معلوم ہوتا ہے۔ اور جیسا کہ مولانا محمود علی صاحب اپنی کتاب دین و آئین میں لکھتے ہیں۔ اس قسم کے اعتراضات سے عہدہ برآ ہونے کے لیے جواب دینے والے بالعموم یہ روش اختیار کرتے ہیں کہ جن قباحتوں کے چہرہ پر موجودہ مسلمات کا روغن قاز مل دیا جاتا ہے۔ ان کو قباحت سمجھنے کے سوا کوئی چارہ کار نہیں دیکھتے اور جس جملہ کے ساتھ فلسفہ اور سائنس کا نقارہ بجتا ہوا سن پاتے ہیں اپنے ہوش و حواس کو اس کے مقابلہ پر قائم رکھنے کی جرأت نہیں کرتے اور ایک مجرم کی طرح اپنی بریت کی یہی صورت دیکھتے ہیں۔ کہ اپنے فعل کو دلیری کے ساتھ حق بجانب ثابت کرنے کے بجائے ہاتھ جوڑ کر اس کے ارتکاب سے

انکار کریں۔ اور مذہب کی حمایت میں صرف یہ کہہ کر دامن چھڑائیں کہ جس مسئلہ پر اعتراض ہے وہ اسلامی اصول میں داخل نہیں۔ مولینا موصوف آگے لکھتے ہیں ایسے اعتراضوں کے ایسے جواب آج کل فیشن میں داخل ہیں۔ اور جواب دینے والے گویا یقین کر لیتے ہیں کہ تہذیب جدید جس امر پر قبیح ہونے کا فتویٰ صادر کرتی ہے۔ اس میں کوئی حسن باقی نہ رہا ہوگا۔ ان کا بس چلتا ہے تو قرآن اور حدیث پر۔ ان دونوں سے جس طرح بن پڑتا ہے۔ رہائی پانے کی سبیل نکال لیتے ہیں۔ اپنے ذاتی خیالات کو اسلام اور ایسے اسلام کو سب اعتراضوں سے پاک تصور کر لیتے ہیں۔

مسئلہ نزول مسیح بھی اس قبیل کا ہے کہ جس پر اس قسم کے اعتراض وارد کیے جاتے ہیں لیکن جو شخص قرآن پر اعتقاد رکھتا ہے۔ اسے اس پر یقین رکھنے میں کوئی تردد نہیں ہو سکتا کیونکہ قرآن مجید میں ایک شخص کو سو سال کے بعد زندہ کرنیکا واقعہ موجود ہے۔ اس طرح اصحاب کیف تین سو سال سے زائد عرصہ تک غار میں بحالت خواب پڑے رہے۔ اس لیے وہ امور اگر ذات باری کے لیے ناممکنات میں سے نہ تھے۔ تو حضرت عیسیٰ علیہ السلام کا دوبارہ دنیا میں بھیجنا بھی اس کے آگے کوئی مشکل نہیں۔

حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی پیدائش جس طرح غیر معمولی طریق پر ہوئی۔ اس طرح ان کے نزول کو بھی غیر معمولی طریق پر وقوع میں آنا تصور کیا جا سکتا ہے۔ باقی رہا اس پیش گوئی کی صداقت کا سوال سو اس کے صحیح ہونے میں کوئی شبہ نہیں کیا جا سکتا اگر یہ پیشگوئی صحیح نہ ہوتی تو مرزا صاحب نے جہاں کئی دیگر متواترات کا انکار کیا تھا۔ وہاں اس کا بھی انکار فرما دیتے۔ لیکن وہ بھی اس کی صحت سے انکار نہیں کر سکے اور اس کی ممکن سے ممکن جو بھی تاویل ہو سکتی تھی۔ وہ بیان کرنے میں انہوں نے کوئی دریغ نہیں کیا۔ لیکن اوپر کی بحث سے پایا جاتا ہے کہ قرآن واحادیث کی رو سے وہ تاویل درست ثابت نہیں ہوئی۔ اور سوائے اس کے کہ یہی عقیدہ رکھا جائے کہ اس پیشگوئی کی رو سے حضرت عیسیٰ ابن مریم ہی دنیا میں واپس تشریف لائیں گے۔ اس کا اور کوئی حل نہیں ہو سکتا۔ کیونکہ ان کے سوا آنحضرت صلعم کے بعد اور کوئی نیا نبی نہیں ہو سکتا اس لیے اس

عقیدہ کو اگر قائم رکھا جاوے۔ تو جو لوگ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے نزول کے وقت زندہ ہونگے۔ انہیں خود اس پیشگوئی کی تصدیق ہو جائے گی۔ اور جو اس سے قبل فوت ہوں گے نہ خداوند تعالیٰ ان کے ساتھ وہی معاملہ فرمائے گا کہ جو ان سے قبل اس عقیدہ پر وفات پاتے رہے۔ البتہ اس عقیدہ کو چھوڑنے والا ضرور گنہگار ہوگا۔ کیونکہ وہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کے فرمان کا مکذب سمجھا جائے گا۔

باقی رہا یہ سوال کہ آیا حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے یہ فرمایا بھی ہے یا نہ۔ کیونکہ شکی طبعیتیں یہ کہہ سکتی ہیں کہ احادیث کی تدوین چونکہ بہت مدت کے بعد ہوئی اس لیے کیونکر پورے اطمینان سے یہ کہا جا سکتا ہے کہ راویوں کو احادیث کے پورے الفاظ یاد رہے ہیں۔ یا یہ کہ ان الفاظ سے رسول اللہ صلعم کی مراد وہی تھی جو کہ ان راویوں نے سمجھی۔ اس کا جواب تو علماء ہی بہتر دے سکتے ہیں۔ میرے نزدیک اس کا موٹا جواب یہ ہے۔ کہ اگر یہ حدیث ہو صحیح۔ اور ہم نے اس کا عقیدہ دیا چھوڑ تو قیامت کے دن ہم جوابدہ ہوں گے اور اگر یہ حدیث صحیح نہ بھی ہو تو اس پر محض ایک عقیدہ رکھنے سے جو قرآن کے کسی صورت میں بھی مخالف نہیں پایا جاتا۔ ہمارا کیا بگڑتا ہے۔ لہذا بہرحال ہمیں اس پر عقیدہ رکھنا لازمی ہے۔

مدعا علیہ کی طرف سے ایک یہ مغالطہ پیدا کرنے کی کوشش کی گئی ہے کہ اگر حضرت عیسیٰ علیہ السلام کا نزول مانا جاوے۔ تو اس سے یہ سمجھا جائے گا کہ رسول اللہ صلعم کی امت میں سے ایسا کوئی شخص اہلیت نہ رکھتا تھا۔ کہ اسے لوگوں کی اصلاح کے لیے مامور فرمایا جاتا اور اس سے امت کی توہین لازم آئے گی۔

اس کا ایک جواب تو یہ ہے کہ خداوند تعالیٰ کی طرف سے کسی شخص کا مامور ہونا اس کے کسی استحقاق کی بناء پر نہیں ہوتا۔ دوسرا احادیث سے پتہ چلتا ہے کہ اس وقت امت کی حالت بہت ابتر ہوگی۔ اس لیے یہ ممکن ہے کہ اس وقت تک کوئی بھی اس فرض کے سرانجام دینے کا اہل نہ پایا جاوے اس لیے مخلوق کی اصلاح کے لیے سابقہ انبیاؤں میں سے ہی ایک کو واپس لایا جانا ضرور

سمجھا گیا ہو۔ یہ باتیں مشیت ایزدی سے تعلق رکھتی ہیں۔ اس لیے ان میں کوئی رائے زنی نہیں کی جا سکتی۔

ہمارے دلوں میں شکوک دراصل اس لیے پیدا ہوتے ہیں کہ ہم ہدایت قرآنی پر پوری طرح پابند نہیں ہیں۔ اگر ہم تمام احکام ربانی پر عمل کریں تو اس حالت کے نتائج ہی اعتراض کرے والوں کو خاموش کر دیتے ہیں اور جیسا کہ مولیٰنا محمود علی صاحب نے اپنے ایک اور مضمون میں تحریر فرمایا ہے۔ جب تک مسلمان لقد کان لکم فی رسول اللہ اسوۃ حسنہ پر عمل عامل رہے۔ انہیں نہ خود کوئی تکلیف پیش آئی۔ اور نہ دوسروں پر اثر ڈالنے کے لیے کسی دشواری کا سامنا ہوا۔ اور جب قوم کی قوم ہی ایک رنگ میں رنگین ہو۔ تو ایسا منظر شکوک کو غبار بنا کر اڑا دیتا ہے۔ اور اعتراض کی گنجائش نہیں چھوڑتا۔ مگر افسوس جیسا کہ مولیٰنا اپنی کتاب محولہ بالا میں تحریر فرماتے ہیں کہ سب سے بڑی ضرورت بلکہ زندگی کا واحد مقصد آج کل یہ قرار پا گیا ہے۔ کہ انسانی زندگی کی ہر ساعت اور ہر ثانیہ کے اندر تمام تر توجہ اس مادی سامان کے مہیا کرنے اس کو کام میں لانے اور اس کے نتائج سے لطف اٹھانے پر مبذول رہے۔ اور موجودہ زندگی کے بعد کوئی خیال اور اس کے لیے کسی عمل اور کسب کا کوئی ارادہ اور اس دنیا سے باہر کی ہستی کے ساتھ تعلق رکھنے کا کوئی وہم بھی دل میں نہ آنے پاوے اور اپنی تمام کوششوں کا محور اس دنیا کو اور یہاں کی چند روزہ زندگی کو سمجھنا صحیح اصول کار ہے۔ یہ حالت کیوں پیش آئی۔

اس کا جواب بھی مولیٰنا محمود علی صاحب کی ایک تحریر سے دیا جاتا ہے۔ وہ لکھتے ہیں کہ قرآن کے پیش کرنے والے جو زبان سے کہتے ہیں وہ کر کے نہیں دکھلاتے اور وعظ و نصیحت میں فصاحت قرآنیہ پر انسانی طرز کلام کو ترجیح دیکر منطقی موشگافیوں اور شاعرانہ مبالغوں سے کام لیتے ہیں۔ اور رہنمائی سے زیادہ اپنے فضل و کمال کی نمائش چاہتے ہیں۔ حالانکہ اہل ایمان پر نہ بحث نہ مناظرہ فرض ہے نہ منطقیانہ موشگافیوں اور فلسفیانہ معرکہ آرائیوں کی ضرورت وہی روشنی ہدایت جو کلام الٰہی نے پیش کی ہے۔ اس طرز ادا سے جو اس ہادی برحق نے اختیار کی ہے ہر عالم و جاہل

تک پہنچا دینے کی ضرورت ہے۔ سب کا ہدایت پانا اور تمام مخلوق کا ایک راہ اختیار کرنا ممکن نہیں ورنہ کلام الٰہی میں اب بھی وہی کشش ہے۔ اور قرآن کریم کے اندر جذب قلوب کا وہی اثر غافل انسانوں کو خواب غفلت سے جگانیوالا اور تشنہ گان ہدایت کو شراب معرفت سے سیراب کرنے والا اگر ہے تو صرف قرآن کریم۔

اور اس کلام مبارک کا ایک ایک لفظ چشم بینا کو محو حیرت کرنے اور دل دانا کا دامن کھینچنے میں وہ تاثیر دکھاتا ہے۔ جو آئینہ پر جمال یار اور پر کاہ پر کہربا۔

مدعا علیہ کی طرف سے اس بات پر بہت زور دیا گیا ہے کہ علماء وائمہ کی اندھی تقلید درست نہیں۔ یہ ٹھیک ہے قرآن مجید میں ہر شخص کو خود بھی تدبر کرنا چاہئے لیکن اس کا یہ مطلب نہیں کہ تمام قواعد و دیگر لوازمات کو جو معنی اخذ کرنے کے لیے ضروری ہیں۔ پس پشت ڈال کر اپنی سمجھ پر چلنا شروع کر دیا جاوے۔ جیسا کہ خود مدعا علیہ کے اپنے گواہان کے طرز عمل سے ظاہر ہوتا ہے۔ کہ ایک تو آیت وبالاخرۃ ہم یوقنون یہ معنی کرتا ہے۔ کہ یوم آخرت پر بھی ایمان رکھتے ہیں۔ اور دوسرا آخرت کے معنی زمانہ آخر کی وحی بتلاتا ہے۔ ذرا احمدی صاحبان خود بھی تو سوچیں کہ انہوں نے دین کو کیا مذاق بنا رکھا ہے۔ اس بحث کے بعد اب اصل معاملہ متنازعہ کو طے کرنے کے لیے یہ بتلانا ہے کہ اسلام کے وہ کون سے بنیادی اصول ہیں کہ جن سے اختلاف کرنے سے ارتداد واقع ہو جاتا ہے۔ یا یہ کہ کن اسلامی عقائد کی پیروی نہ کرنے سے ایک شخص مرتد سمجھا جا سکتا ہے اور کہ عقائد قادیانی سے ارتداد واقع ہوتا ہے یا نہ۔

اوپر کی تمام بحث سے یہ ثابت کیا جا چکا ہے کہ مسئلہ ختم نبوت اسلام کے بنیادی اصولوں میں سے ہے۔ اور کہ رسول اللہ ﷺ کو خاتم النبیین بایں معنی نہ ماننے سے کہ آپ آخری نبی ہیں ارتداد واقع ہو جاتا ہے۔ اور کہ عقائد اسلامی کی رو سے ایک شخص کلمہ کفر کہہ کر بھی دائرہ اسلام سے خارج ہو جاتا ہے۔

مدعا علیہ مرزا غلام احمد صاحب کو عقائد قادیانی کی رو سے نبی مانتا ہے۔ اور ان کی تعلیم کے مطابق یہ عقیدہ رکھتا ہے کہ امت محمدیہ میں قیامت تک سلسلہء نبوت جاری ہے۔ یعنی کہ وہ

رسول اللہ ﷺ کو خاتم النبین بمعنی آخری نبی تسلیم نہیں کرتا۔ آنحضرت ﷺ کے بعد کسی دوسرے شخص کو نیا نبی تسلیم کرنے سے جو قباحتیں لازم آتی ہیں۔ ان کی تفصیل اوپر بیان کی جا چکی ہے۔ اس لیے مدعا علیہ اس اجماعی عقیدہ امت سے منحرف ہونے کی وجہ سے مرتد سمجھا جاوے گا۔ اور اگر ارتداد کے معنی کسی مذہب کے اصولوں سے بکلی انحراف کے لیے جاویں تو بھی مدعا علیہ مرزا صاحب کو نبی ماننے سے ایک نئے مذہب کا پیرو سمجھا جائے گا۔ کیونکہ اس صورت میں اس کے لیے قرآن کی تفسیر اور معمول بہ مرزا صاحب کی وحی ہوگی نہ کہ احادیث و اقوال فقہا جن پر کہ اس وقت تک مذہب اسلام قائم چلا آیا ہے۔ اور جن میں سے بعض کے مستند ہونے کو خود مرزا صاحب نے بھی تسلیم کیا ہے۔

علاوہ ازیں احمدی مذہب میں بعض احکام ایسے ہیں کہ جو شرع محمدی پر مستزاد ہیں۔ اور بعض اس کے خلاف میں مثلاً چندہ ماہواری کا دینا جیسا کہ اوپر دکھلایا گیا ہے۔ زکوۃ پر ایک زائد حکم ہے اس طرح غیر احمدی کا جنازہ نہ پڑھنا کسی احمدی کی لڑکی غیر احمدی کو نکاح میں نہ دینا۔ کسی غیر احمدی کے پیچھے نماز نہ پڑھنا شرع محمدی کے خلاف اعمال ہیں۔

مدعا علیہ کی طرف سے ان امور کی توجیہیں بیان کی گئی ہیں۔ کہ وہ کیوں غیر احمدی کا جنازہ نہیں پڑھتے۔ کیوں ان کو نکاح میں لڑکی نہیں دیتے۔ اور کیوں ان کے پیچھے نماز نہیں پڑھتے۔ لیکن یہ توجیہیں اس لیے کارآمد نہیں کہ یہ امور ان کے پیشواؤں کے احکام میں مذکور ہیں۔ اس لیے وہ ان کے نقطہ نگاہ سے شریعت کا جزو سمجھے جائیں گے۔ جو کسی صورت میں بھی شرع محمدی کے موافق تصور نہیں ہو سکتے۔ اس کے ساتھ جب یہ دیکھا جاوے کہ وہ تمام غیر احمدی کو کافر سمجھتے ہیں۔ تو ان کے مذہب کو مذہب اسلام سے ایک جدا مذہب قرار دینے میں کوئی شک نہیں رہتا۔

علاوہ ازیں مدعا علیہ کے گواہ مولوی جلال الدین شمس نے اپنے بیان میں مسلیمہ وغیرہ کاذب مدعیان نبوت کے سلسلہ میں جو کچھ کہا ہے اس سے یہ پایا جاتا ہے کہ گواہ مذکور کے نزدیک دعویٰ نبوت کاذبہ ارتداد ہے۔ اور کاذب مدعی نبوت کو جو مان لے وہ مرتد سمجھا جاتا ہے۔

مدعا علیہ کی طرف سے یہ ثابت کیا گیا ہے کہ مرزا صاحب کاذب مدعی نبوت ہیں۔ اس لیے مدعا علیہ بھی مرزا صاحب کو نبی تسلیم کرنے سے مرتد قرار دیا جائے گا۔ لہذا ابتدائی تنقیحات جو

۴؍ نومبر ۱۹۲۶ء عیسوی کو عدالت منصفی احمد پور شرقیہ سے وضع کی گئی تھیں۔ بحق مدعیہ ثابت قرار دے جا کر یہ قرار دیا جاتا ہے کہ مدعا علیہ قادیانی عقائد اختیار کرنے کی وجہ سے مرتد ہو چکا ہے۔ لہذا اس کے ساتھ مدعیہ کا نکاح تاریخ ارتداد مدعا علیہ سے فسخ ہو چکا ہے۔ اور اگر مدعا علیہ کے عقائد کو بحث مذکورہ بالا کی روشنی میں دیکھا جاوے تو بھی مدعا علیہ کے ادعا کے مطابق مدعیہ ثابت کرنے میں کامیاب رہی ہے کہ رسول اللہ ﷺ کے بعد کوئی امتی نبی نہیں ہو سکتا۔ اور کہ اس کے علاوہ جو دیگر عقائد مدعا علیہ نے اپنی طرف منسوب کیے ہیں۔ وہ گو عام اسلامی عقائد کے مطابق ہیں۔ لیکن ان عقائد پر وہ انہی معنوں میں عمل پیرا سمجھا جاوے گا۔ جو معنے مرزا صاحب نے بیان کئے ہیں۔ اور یہ معنی چونکہ ان معنوں کے مغائر ہیں جو جمہور امت آج تک لیتی آئی۔ اس لیے بھی وہ مسلمان نہیں سمجھا جا سکتا ہے۔ اور ہر دو صورتوں میں وہ مرتد ہی ہے۔ اور مرتد کا نکاح چونکہ ارتداد سے فسخ ہو جاتا ہے۔ لہذا ڈگری بدیں مضمون بحق مدعیہ صادر کی جاتی ہے کہ وہ تاریخ ارتداد مدعا علیہ سے اس کی زوجہ نہیں رہی۔ مدعیہ خرچہ مقدمہ بھی از اں مدعا علیہ لینے کی حقدار ہوگی۔

اس ضمن میں مدعا علیہ کی طرف سے ایک سوال یہ پیدا کیا گیا ہے کہ ہر دو فریق چونکہ قرآن مجید کو کتاب اللہ سمجھتے ہیں۔ اور اہل کتاب کا نکاح جائز ہے اس لیے بھی مدعیہ کا نکاح فسخ قرار نہیں دینا چاہیئے۔ اس کے متعلق مدعیہ کی طرف سے یہ کہا گیا ہے کہ جب دونوں فریق ایک دوسرے کو مرتد سمجھتے ہیں تو ان کو اپنے اپنے عقائد کی رو سے بھی ان کا باہمی نکاح قائم نہیں رہتا۔ علاوہ ازیں اہل کتاب عورتوں سے نکاح کرنا جائز ہے۔ نہ کہ مردوں سے بھی مدعیہ کے دعویٰ کے رو سے چونکہ مدعا علیہ مرتد ہو چکا ہے۔ اس لیے اہل کتاب ہونے کی حیثیت سے بھی اس کے ساتھ مدعیہ کا نکاح قائم نہیں رہ سکتا۔ مدعیہ کی یہ حجت وزن دار پائی جاتی ہے۔ لہذا اس بناء پر بھی وہ ڈگری پانے کے مستحق ہے۔

مدعا علیہ کیطرف سے اپنے حق میں چند نظائر قانونی کا بھی حوالہ دیا گیا تھا۔ ان میں سے پٹنہ اور پنجاب ہائی کورٹ کے فیصلہ جات کو عدالت عالیہ چیف کورٹ نے پہلے واقعات مقدمہ ہذا پر حاوی نہیں سمجھا۔ اور مدراس ہائی کورٹ کے فیصلہ کو عدالت معلّے اجلاس خاص نے قابل پیروی قرار نہیں دیا۔ باقی رہا عدالت عالیہ چیف کورٹ بہاولپور کا فیصلہ بمقدمہ مسمات جبدوڑی بنام

کریم بخش اس کی کیفیت یہ ہے کہ یہ فیصلہ جناب مہتہ اودھوداس صاحب جج چیف کورٹ کے اجلاس سے صادر ہوا تھا۔ اور اس مقدمہ کا صاحب موصوف نے مدراس ہائی کورٹ کے فیصلہ پر ہی انحصار رکھتے ہوئے فیصلہ فرمایا تھا۔ اور خود ان اختلافی مسائل پر جو فیصلہ مذکور میں درج تھے کوئی محاکمہ نہیں فرمایا تھا۔ مقدمہ چونکہ بہت عرصہ سے دائر تھا۔ اس لیے صاحب موصوف نے اسے زیادہ عرصہ معرض تعویق میں رکھنا پسند نہ فرما کر باتباع فیصلہ مذکور اسے طے فرما دیا۔ دربار معلّی نے چونکہ اس فیصلہ کو قابل پابندی قرار نہیں دیا۔ جس فیصلہ کی بناء پر کہ وہ فیصلہ صادر ہوا۔ اس لیے فیصلہ زیر بحث بھی قابل پابندی نہیں رہتا۔

فریقین میں سے مختار مدعیہ حاضر ہے۔ اسے حکم سنایا گیا۔ مدعا علیہ کارروائی مقدمہ ہذا ختم ہونے کے بعد جبکہ مقدمہ زیر غور تھا۔ فوت ہو گیا ہے

اس کے خلاف یہ حکم زیر آرڈر ۲۲۔ رول ۶ ضابطہ دیوانی تصور ہوگا۔ پرچہ ڈگری مرتب کیا جاوے اور مسل داخل دفتر ہو۔

۷۔ فروری ۱۹۳۵ء مطابق ۳؍ ذیقعدۃ ۱۳۵۳ھ

بمقام بہاولپور

دستخط

محمد اکبر ڈسٹرکٹ جج

ضلع بہاولنگر

ریاست بہاولپور

(بحروف انگریزی)

کتبہ: مقبول احمد دھریجہ خان پوری

۱۳؍ فروری ۱۹۷۳ء بمطابق ۹ محرم الحرام ۱۳۹۳ھ

بمقام محلہ مبارک پورہ کوچہ نمبر ۹ بہاولپور۔

قُلْ جَآءَ الْحَقُّ وَ زَهَقَ الْبَاطِلُ اِنَّ الْبَاطِلَ كَانَ زَهُوْقاً

شیخ محمد اکبر ڈسٹرکٹ جج کیمبل پور بمقام راولپنڈی

کا

فیصلہ

مرزائی

دائرہ اسلام سے خارج ہیں

ناشر
مرکزی مکتبہ مجلس تحفظ ختم نبوت ملتان پاکستان
فون نمبر۔ ۳۳۴۱

سلسلہ اشاعت نمبر ۱۸

طبع اول

۱۳۸۸ھ

۱۹۶۸ء

ناشر	مرکزی مکتبہ مجلس تحفظ ختم نبوت ملتان
کتابت	ابوزبیر شاد خوشنویس شاہین مارکیٹ
طباعت	حسینیہ پرنٹنگ پریس ملتان شہر
صفحات	باون صفحات (۵۲)
تعداد	پانچ ہزار (۵۰۰۰)
قیمت	پچاس پیسے (۵۰٫۰)

ملنے کا پتہ

مرکزی مکتبہ مجلس تحفظ ختم نبوت۔ ملتان شہر
تغلق روڈ بیرون لوہاری گیٹ۔ فون نمبر ۳۳۴۱

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

تعارف

فروری ۱۹۵۳ء میں تحریک تحفظ ختم نبوت کے سلسلہ میں جب اس وقت کی گورنمنٹ نے مجلس عمل کے راہنماؤں کو اچانک پابند سلاسل کر کے جیل بھیج دیا تو راہنمایان ملت کی گرفتاری کے بعد اس وقت کی حکومت کے متشددانہ فیصلہ نے عوام کے جذبات میں جو اشتعال پیدا کیا۔ اس سے حالات امن وقانون کے دائرہ اختیار سے باہر چلے گئے۔ آخری حربہ حکومت وقت نے یہ استعمال کیا کہ لاہور میں مارشل لاء نافذ کر دیا۔ جب جولائی میں حالات پرسکون ہوئے تو نئی وزارت نے جو ملک فیروز خان نون نے قائم کی ان ہنگامی حالات کی تحقیقات کے لیے ایک کمیشن مقرر کیا جو مسٹر جسٹس محمد منیر اور جسٹس اے آر کیانی مرحوم پر مشتمل تھا۔ مجلس تحفظ ختم نبوت اس کیس کی پیروی میں مصروف تھی۔ اور فروری ۱۹۵۴ء میں یہ کیس آخری مراحل میں داخل تھا۔ اس وقت جماعت کا ڈیفنس آفس حکیم عبدالمجید صاحب سیفی مرحوم جو بی اے علیگ تھے اور مرحوم اصل شاہ پور ضلع سرگودھا کے رہنے والے تھے۔ ان کا دولت کدہ واقع بیڈن روڈ تھا۔

۱۸ر فروری کو اچانک ایک بزرگ راولپنڈی سے تشریف لائے جنہوں نے آتے ہی مولانا محمد علی جالندھری دامت برکاتہم کا نام پوچھا حضرت مولانا محمد علی صاحب سے ملاقات کرائی گئی۔ وہ غالباً لیفٹیننٹ نذیر الدین جو اس مقدمہ میں مدعا علیہ ہیں، ان کا بھائی تھا یا کوئی دوسرا عزیز تھا۔ انہوں نے اس کیس کی نوعیت ذکر کی کہ:

> ”قادیانی عورت نے اپنے مرکز ربوہ سے امداد حاصل کر کے میرے بھائی کے خلاف حق مہر وغیرہ کا دعویٰ دائر کر دیا ہے۔ ہماری طرف سے آپ اس مقدمہ کی پیروی کریں“

حضرت مولانا محمد علی صاحب نے وعدہ فرما لیا کہ ہم مناظر اسلام مولانا لال حسین صاحب اختر کو کیس کی پیروی کے لیے روانہ کریں گے چنانچہ سال ڈیڑھ سال کیس زیر سماعت رہا جس کا

دفاع اہل اسلام کی طرف سے مولانا موصوف کرتے رہے اور راولپنڈی میں بحیثیت گواہ صفائی مدعا علیہ کے پیش ہوتے رہے۔ جس کا نتیجہ (لوہر کورٹ سے لے کر سیشن کورٹ تک) اہل اسلام کے حق میں نکلا۔ اللہ تعالیٰ دونوں جج صاحبان کو ان کی دینی وقانونی فراست پر جزائے خیر عطا فرمائے۔

ہماری دعا ہے کہ خدا تعالیٰ ایسے باخبر دینی احساس رکھنے والے ججز اور افسروں کو ان کے مناصب پر قائم رکھے تا کہ اسلامی ملک میں کفر وارتداد اسلام سے جدا ہو کر سامنے آجائے اور مسلمان، قادیانی مکروہ فریب سے بچ جائیں۔

یاد رہے پاکستان میں اپنی نوعت کا یہ پہلا کیس تھا کیونکہ یہ فیصلہ صرف ایک عورت کے خلاف نہ تھا بلکہ پوری امت قادیانیہ کے کفر پر مہر تصدیق ثبت کرنا تھی چنانچہ اس فیصلہ سے قادیانی کیمپ میں کھلبلی مچ گئی جس کی وجہ سے پوری جماعت کے لیڈر اور وکلاء نے ہائی کورٹ میں اپیل دائر کرنے پر غور وخوض کیا۔ ہماری اطلاع کے مطابق اپیل تیار کر لی گئی وکیل مقرر کیا گیا۔ لیکن جب چوہدری ظفر اللہ خان سے مشورہ کیا گیا تو اس نے کہا کہ ”اپنی ذمہ داری پر اپیل دائر کریں میں کوئی ذمہ داری نہیں لیتا“ چنانچہ ۳؍جون ۱۹۵۵ء سے آج تک امت قادیانیہ نے خاموشی اختیار کر کے اپنے کفر کی تصدیق کر دی ہے۔

قبل ازیں یہ فیصلہ انگریزی میں چالیس ہزار کی تعداد میں مجلس تحفظ ختم نبوت نے شائع کیا۔ پھر ڈاکٹر عبدالقادر صاحب نے گجرات سے کافی تعداد میں شائع کیا۔ پھر کراچی مجلس تحفظ ختم نبوت نے پانچ ہزار کی تعداد میں شائع کر کے اندرون وبیرون ملک مفت تقسیم کیا۔

انگریزی سے اردو میں ترجمہ کرنے کی وجہ سے بعض حوالجات اور عبارات میں خلجان پڑ گیا تھا۔ اس وجہ سے انگریزی فیصلہ کی طرح اب مجلس تحفظ ختم نبوت اسے اپنے مرکزی مکتبہ سے نہایت احتیاط سے بہ تصحیح تام چھاپ کر مسلمانوں کے سامنے پیش کر رہی ہے۔ تا کہ روشن ضمیر جج کے فیصلوں سے پڑھا لکھا طبقہ اپنے دل کا اطمینان کرے اور ملت کے اس باغی گروہ کے جالِ کفر وارتداد سے اپنے آپ کو بچائے۔

ناظم شعبہ نشر واشاعت

مجلس تحفظ ختم نبوت، ملتان۔

بعدالت شیخ محمد اکبر ایڈیشنل ڈسٹرکٹ جج راولپنڈی

سول اپیل ۱۹۵۵ء

امتہ الکریم بنت کرم الٰہی راجپوت جنجوعہ مکان نمبر ۵۰۰/B نیا محلہ ٹرنک بازار

بنام

لیفٹیننٹ نذیر الدین ملک خلف ماسٹر محمد دین اعوان محلہ کرشن پورہ راولپنڈی

مفصّل فیصلہ

مسمات امتہ الکریم دختر کرم الٰہی (بقول میاں عطاء اللہ وکیل برائے اپیلانٹ ایک لوہار ہے) کی شادی مسمی نذیر الدین میٹریکولیٹ (بقول میاں عطاء اللہ ایک ترکھان ہے) سے ۲۵ر ستمبر ۱۹۴۹ء کو ہوئی تھی اور دو ہزار روپیہ مہر مقرر ہوا تھا۔ یہ بیان کیا گیا کہ نکاح ایک حنفی مولوی نے پڑھایا تھا بقول خواجہ احمد اقبال وکیل برائے اپیلانٹ مسٹر نذیر الدین ترکھان اور میٹریکولیٹ ہونے کے باوجود بڑا خوش قسمت تھا کہ اسے پاکستان آرمی میں کمیشن حاصل ہو گیا۔

اس نے یہ سوچا کہ آگے چل کر بڑے بڑے افسروں سے اس کا میل جول ہوگا اور ایک لوہار کی لڑکی کو بیوی کی حیثیت سے اپنے گھر میں رکھنا باعث تذلیل ہوگا۔ اور افسران کی نظروں میں وہ سوشل نہیں سمجھا جائے گا۔ اس لیے اس نے ۱۶ر جولائی ۱۹۵۱ء کو اپنی منکوحہ بیوی امتہ الکریم کو باقاعدہ طور پر طلاق دے دی اور طلاق نامہ لکھ دیا۔ مسمات امتہ الکریم نے اس بناء پر مہر کی دو ہزار روپیہ کی رقم حاصل کرنے کے لیے اپنے پہلے خاوند لیفٹیننٹ نذیر الدین ملک کے خلاف مقدمہ دائر کر دیا اس کے علاوہ شادی کے موقعہ پر اس کے والد نے اسے جو جہیز دیا تھا اور جو اس کے سابقہ خاوند کے پاس تھا۔ اس کی ۲۴۰۳ روپے قیمت ادا کرنے کا مطالبہ کیا۔ یہ مفلسی (پاپرکیس) کا مقدمہ تھا۔

شادی باطل تھی

لیفٹیننٹ نذیر الدین ملک پر مسمات امتہ الکریم نے بیشتر الزمات لگائے تھے۔ ان کی اس نے تردید کی۔ اور جہیز کے متعلق کہا کہ وہ اس کے پاس نہیں تھا۔ اپیلانٹ نے جو اس کی قیمت بتائی ہے وہ صحیح نہیں حق مہر کے دعویٰ کے متعلق کہا گیا کہ شادی قانونی طور پر باطل تھی اس لئے کہ یہ فریب سے ہوئی تھی کیونکہ مدعیہ کے متعلق یہ ظاہر کیا گیا تھا کہ وہ حنفی فرقہ سے تعلق رکھتی ہے۔ حالانکہ وہ مرزا غلام احمد آف قادیان کی پیرو ہے اور اگر یہ فریب ثابت نہ بھی ہو۔ تب بھی یہ شادی ایک مسلمان اور غیر مسلمان کے درمیان ہونے کی وجہ سے باطل ہے۔ بدیں وجہ یہ کہا گیا تھا کہ مدعیہ مہر کا کوئی مطالبہ نہیں کر سکتی۔ یہ ایک مسلمہ بات ہے کہ فریقین میں شادی کے بعد زن و شوہر کے تعلقات قائم رہے۔ ان تعلقات اور زناشوئی کی تکمیل کی مظہر ایک بچی ہے جس کی عمر پانچ سال کے لگ بھگ ہے۔

احمدی عورت سے شادی ممکن ہے؟

امتہ الکریم نے مبینہ فریب سے صاف انکار کیا ہے۔ اور ٹرائل کورٹ میں اس نے اقرار کیا تھا کہ وہ حنفی مسلمان ہے۔ اس کے والد کرم الٰہی نے بھی عدالت میں اقرار کیا تھا کہ وہ حنفی مسلمان ہے۔ اس ضمن میں یہ بھی کہا گیا تھا کہ ایک مسلمان کی ایک احمدی عورت سے شادی قطعی طور پر باطل نہیں۔ یہ زیادہ سے زیادہ فاسد ہو سکتی ہے۔ باطل شادی کا قانون کی نظر میں کوئی وجود نہیں۔ لیکن فاسد شادی کے ایسے واقعات ضرور ملتے ہیں۔ جس میں خاوند کو زوجیت کے فرائض کی تکمیل کرنے کی صورت میں مقررہ یا مناسب مہر (ڈاور) ادا کرنا پڑتا ہے۔

لیفٹیننٹ نذیر الدین نے یہ بھی کہا کہ مدعیہ جہیز سے دست بردار ہو گئی تھی۔ اس سلسلہ میں چند ایک عذرات پیش کئے گئے۔ فریقین کے ان بیانات پر ٹرائل کورٹ کے فاضل جج نے حسب ذیل تنقیحات وضع فرمائیں:۔

۱۔ کیا مدعیہ اور مدعا علیہ کے درمیان شادی دھوکہ اور فریب سے ہوئی تھی۔ اس لیے مدعا علیہ پر لازم نہیں کہ وہ مدعیہ کو مہر ادا کرے۔

(ا۔سی اے) مبینہ دھوکہ ثابت نہ ہونے پر کیا فریقین کے درمیان شادی باطل ہے اور مہر کے دعویٰ پر اس کا کیا اثر پڑتا ہے؟

۲۔ کیا مدعیہ مہر کے مطالبہ سے دستبردار ہوگئی تھی؟

۳۔ کیا جہیز کا کوئی سامان مدعا علیہ کے قبضہ میں ہے اور کتنی مالیت کا ہے؟

۴۔ اگر ایسا ہے تو مدعیہ کس قدر ریلیف کی اس سلسلہ میں مستحق ہے؟

”ماتحت عدالت کا فیصلہ“

سماعت کے بعد میاں محمد سلیم سینئر سول جج راولپنڈی نے ۲۵۔۳۔۵۵ کو اس مقدمہ کا فیصلہ سنا دیا تھا۔ اس فیصلہ میں علاوہ دیگر امور کے حسب ذیل قرارداد منتج ہوئیں:۔

۱۔ فریقین میں شادی کسی دھوکہ یا فریب سے نہیں ہوئی تھی۔

۲۔ مدعیہ کبھی مہر کے مطالبہ سے دستبردار نہیں ہوئی تھی۔

۳۔ جہیز کا ۲۴۰۳ روپے کا سامان جو مدعیہ کا تھا مدعا علیہ کے قبضہ میں ہے۔

میاں عطاء اللہ ایڈووکیٹ اور خواجہ احمد اقبال ایڈووکیٹ نے مسمات امتہ الکریم کی طرف سے اور مسٹر ظفر محمود نے لیفٹیننٹ نذیر الدین ملک کی طرف سے پیروی کی ہے۔ ان وکلاء میں سے کسی نے بھی میری عدالت میں متذکرہ نتائج کی صحت کے خلاف ایک لفظ تک نہیں کہا ٹرائل کورٹ کے فیصلہ کی دیگر قراردادیں حسب ذیل ہیں:

۱۔ قادیانیوں کو اہل کتاب قرار نہیں دیا جا سکتا۔ مسمات امتہ الکریم قادیانی احمدی ہے اس لیے جب اس کی شادی مدعا علیہ سے ہوئی تو اس وقت وہ غیر مسلم تھی۔ فریقین کی شادی قطعی طور پر باطل ہے۔ زوجیت کے فرائض کی تکمیل بھی اسے قانونی طور پر جائز قرار نہیں دے سکتی۔ (لہذا) مہر کا قرضہ قانونی طور پر واجب الوصول نہیں۔

متذکرہ نتائج کی اساس پر میاں محمد سلیم نے مسماۃ امتہ الکریم کو اپنے سابق خاوند سے جہیز کے سامان کی ۲۴۰۳ روپے کی مالیت وصول کرنے کی ڈگری دیدی لیکن مہر کا مقدمہ خارج کر دیا۔

متذکرہ فیصلہ اور ڈگری کے خلاف دو (۲) اپلیں دائر کی گئیں۔ مسماۃ امتہ الکریم نے دو ہزار روپیہ حق مہر کی اپیل دائر کی۔ دوسرا عدالت نے جہیز کے سامان کی مالیت ادا کرنے کی جو ڈگری لیفٹیننٹ نذیر الدین کے خلاف دی تھی اس سے گلوخلاصی حاصل کرنے کے لیے اس نے بھی اپیل دائر کر دی۔ شہادتیں اور خاص طور پر مسماۃ امتہ الکریم کے خطوط ظاہر کرتے ہیں کہ شادی کے وقت وہ قادیانی تھی۔ میں ٹرائل کورٹ کے فیصلہ کی توثیق کرتے ہوئے اسے بحال رکھتا ہوں۔ ابتداء میں پیرایہ آغاز کے طور پر اپیلانٹ کے وکیل میاں عطاء اللہ نے مندرجہ ذیل سوالات اٹھائے تھے:۔

۱۔ مسلمانوں میں اس امر کے متعلق اجماع نہیں کہ پیغمبر اسلام حضرت محمد ﷺ خدا کے آخری نبی تھے۔ اور یہ کہ ان کے بعد کوئی نبی نہیں بھیجا جائے گا

۲۔ مسلمانوں میں اس امر کے متعلق بھی اجماع نہیں کہ جو شخص حضرت محمد ﷺ کے نبی آخر الزمان ہونے پر یقین نہیں رکھتا وہ مسلمان نہیں۔

۳۔ اس پر بھی اجماع مسلیمین نہیں کہ قادیانی احمدی غیر مسلم ہیں۔

سوال نمبر ۱ کے تحت (الف) ٹرائل کورٹ کے فاضل جج نے یہ قرار دیا ہے کہ مسلمانوں کا یہ بنیادی عقیدہ ہے کہ ہمارے پیغمبر اسلام حضرت محمد ﷺ خدا کے آخری نبی تھے اور ان کے بعد کوئی نبی نہیں آ سکتا۔ اس عقیدہ کی اساس ''خاتم النبین'' کے وہ الفاظ ہیں جو پیغمبر اسلام ﷺ کے متعلق خدا تعالیٰ نے قرآن مجید میں استعمال کئے ہیں۔ لیکن قادیانی اس کو ختم النبین پڑھتے ہیں اور اس کی تاویل نبوت کی مہر لگانے والا کرتے ہیں۔ اس تاویل کے مطابق ان کے نزدیک خدا ہمارے پیغمبر اسلام ﷺ کے بعد بھی لاتعداد نبی بھیج سکتا ہے۔ ان کے پاس نبی کریم کی مہر ہو گی۔ اور ان کے نزدیک مرزا غلام احمد بھی ایک ایسا نبی ہے جو خدا سے قرآن کریم سے مختلف کوئی ضابطہ نہیں

لایا۔ جنہیں پہلے ضابطہ کی تشریح کرنے کے لیے خداوتعالیٰ کے مزید پیغمات کے ساتھ بھیجا گیا تھا۔ اس قسم کا نبی ان کے نزدیک ظلی یا غیر تشریعی نبی ہے یعنی تشریعی نبی سے مختلف، یعنی اس نبی سے مختلف جس پر خداوندتعالیٰ سے براہ راست وحی اتری ہو۔

حضرت عیسیٰؑ سے افضل ہونے کا دعویٰ

ٹرائیل کورٹ نے مرزا غلام احمد کے ایک کتابچہ کا اقتباس پیش کیا ہے جس میں انہوں نے اپنے دعویٰ کی وضاحت کی ہے:۔

> ''اسی طرح اوائل میں میرا بھی عقیدہ تھا کہ مجھ کو مسیح ابن مریم سے کیا نسبت ہے۔ وہ نبی ہے اور خدا کے بزرگ مقربین میں سے ہے اور اگر کوئی امر میری فضیلت کی نسبت ظاہر ہوتا تو میں اس کو جزئی فضیلت قرار دیتا تھا۔ مگر بعد میں جو خدا تعالیٰ کی وحی بارش کی طرح میرے پر نازل ہوئی، اس نے مجھے اس عقیدہ پر قائم نہ رہنے دیا۔ اور صریح طور پر نبی کا خطاب مجھے دیا گیا۔!''

(حقیقۃ الوحی ص ۱۴۹۔۱۵۰)

سب مسلمان کافر ہیں

اور یہ واضح کرنے کے لیے کہ مرزا غلام احمد کے معتقدین ان کے اس دعویٰ کے بارے میں کیا رائے رکھتے ہیں، قادیانیوں کے دوسرے خلیفہ مرزا بشیر الدین محمود احمد کے حسب ذیل الفاظ کا ظاہر کرنا بھی ضروری سمجھا گیا۔

> ''ہمارا یہ فرض ہے کہ ہم غیر احمدیوں کو مسلمان نہ سمجھیں اور ان کے پیچھے نماز نہ پڑھیں کیونکہ ہمارے نزدیک وہ خدا تعالیٰ کے ایک نبی کے منکر ہیں''

(انوار خلافت ص ۹۰)

مقدمہ کی سماعت کرنے والی عدالت نے یہ بھی کہا کہ نبوت کے بارہ میں قادیانیوں کا عقیدہ باقی مسلمانوں سے بنیادی طور پر مختلف ہے۔ مدعیہ کے فاضل وکیل نے اے آئی آر ۱۹۲۳

مدراس ۱۷ اعدالت میں پیش کیا تھا جس میں یہ رائے ظاہر کی گئی تھی کہ قادیانی صرف مسلمانوں کے اندر ایک فرقہ کی حیثیت رکھتے ہیں لیکن یہ رائے اس بناء پر قائم کی گئی تھی کہ مرزا غلام احمد کو نبوت کا دعویٰ کیے اتنا کم عرصہ گزرا تھا کہ یہ کہنا ممکن نہیں تھا کہ عام مسلمانوں کی غالب اکثریت قادیانیوں کو مسلمان سمجھنے کے خلاف تھی۔ عدالت ماتحت نے کہا ہے کہ بلاخوف تردید کہا جا سکتا ہے کہ مسلمانوں کے تقریباً ہر فرقہ کے علماء سوائے احمدیوں کے کسی نہ کسی وقت اعلان کر چکے ہیں کہ قادیانی مسلمانوں کا ایک فرقہ نہیں ہیں بلکہ غیر مسلم ہیں۔ عدالت کی رائے کی مطابق یہ بات ''فسخ نکاح مرزائیاں'' نامی کتابچہ سے بھی ثابت ہوتی ہے جو ۱۹۲۵ء میں دفتر اہلحدیث امرتسر سے شائع ہوا تھا اور جس میں اسلام کے مختلف فرقوں کے علماء کے فتویٰ موجود ہیں۔

ایک اور فاضل جج کا فیصلہ

بہاول پور کے فاضل ڈسٹرکٹ جج نے مسماۃ عائشہ بنام عبدالرزاق کے مقدمہ میں ۱۹۳۵ء میں جو مشہور فیصلہ کیا تھا، اس سے بھی یہ بات زیادہ واضح طور پر سامنے آجاتی ہے۔ یہ فیصلہ کتاب کی شکل میں شائع ہوا تھا۔ اس میں متعدد علماء کے فتاویٰ اور دلائل کی بناء پر جو دونوں فریق نے پیش کیے تھے، مسلمانوں اور قادیانیوں کے مذہب میں فرق پر تفصیل سے بحث کی گئی تھی۔ عدالت نے اس سلسلہ میں یہ امر پیش نظر رکھنا بھی مناسب سمجھا کہ حال ہی میں قادیانیوں کے خلاف ملک گیر پیمانہ پر جو تحریک چل رہی تھی اس کے دوران احمدیوں کے سوا باقی ہر خیال کے مسلمان علماء کی ایک کانفرنس ہوئی تھی جس میں اتفاق رائے سے اعلان کیا تھا کہ ''قادیانی مسلمہ معنوں میں مسلمان نہیں ہیں بلکہ ایک مختلف مذہب کے پیرو ہیں'' چنانچہ اب اس مرحلہ پر یہ بات کہی جاسکتی ہے کہ مسلمانوں کی غالب اکثریت کی رائے یہ ہے کہ قادیانی غیر مسلم ہیں۔

کیا قادیانی اہل کتاب ہیں؟

مدعیہ کے فاضل وکیل نے ایک اور دلیل پیش کی ہے کہ قادیانی کم از کم قرآن کریم پر ایمان رکھتے ہیں۔ اس لیے ان کا شمار ''اہل کتاب'' یا قرآن کریم کے ماننے والوں میں ہوسکتا ہے اور

چونکہ شرع محمدی کی رو سے مسلمانوں اور اہل کتاب کا نکاح باطل نہیں بلکہ "فاسد" یعنی غیر پسندیدہ ہوتا ہے اس لیے یہ نکاح قانونی تھا۔ لہذا مہر جائز قرار دینا چاہیے۔

عدالت نے کہا محمڈن لاء کے اس اصول پر مدعاعلیہ کے وکیل کو کوئی اعتراض نہ تھا۔ لیکن ان کی رائے میں قادیانیوں کو "اہل کتاب" میں بھی شمار نہیں کیا جاسکتا۔ دونوں فریق کے وکلاء اس پر متفق تھے کہ "اہل کتاب" کی کوئی واضح تعریف کہیں موجود نہیں ہے۔ اس لفظ کے لغوی معنی یہ معلوم ہوتے ہیں "الہامی کتاب پر ایمان لانے والے"۔

مدعیہ کی طرف سے اعلان کیا گیا تھا کہ قادیانی قرآن کریم پر ایمان رکھتے ہیں اس لیے وہ "اہل کتاب" ہیں لیکن یہ مان لینے کے بعد قادیانیوں کو غیر مسلم کہنے کا سرے سے کوئی جواز ہی باقی نہیں رہتا۔ کیونکہ اگر یہ مان لیا جائے کہ قرآن کریم پر قادیانیوں کا ایمان ہے تو انہیں غیر مسلم کہنے کی کوئی وجہ باقی نہیں رہے گی۔

عدالت نے کہا کہ یہ استدلال مجھے پسند نہیں آیا کیونکہ درحقیقت قادیانیوں کو دائرہ اسلام سے خارج سمجھنے کی وجہ ہی یہ ہے کہ قرآن شریف کے وہ مطلب تسلیم نہیں کرتے جس پر سارے مسلمانوں کا ایمان ہے۔ بلکہ اپنا مطلب پورا کرنے کے لیے انہوں نے قرآن کریم کی آیات توڑ موڑ کر انہیں نئے معنی پہنا دیئے ہیں۔ قادیانی قرآن کریم کو اس صورت میں تسلیم نہیں کرتے جس صورت میں وہ تیرہ سو سال سے قائم ہے اور اسے اس صورت میں تسلیم نہیں کرتے جس صورت میں نبی کریم ﷺ نے پیش کیا تھا۔ بلکہ مرزا غلام احمد نے جس طرح پیش کیا اسے وہ مانتے ہیں یہ صحیح ہے کہ عیسائیوں نے بھی اپنی الہامی کتاب (انجیل) میں بے جا تبدیلیاں کی ہیں۔ اور اس کے باوجود انہیں اہل کتاب تصور کیا جاتا ہے لیکن اس کی وجہ یہ ہے کہ مسلمان حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو خدا کا نبی مانتے ہیں۔ اسی لیے ان کے پیروکاروں کو (اہل کتاب) سمجھتے ہیں۔ درآنحالیکہ انہوں نے الہامی کتاب میں مسلمانوں کے عقیدہ کے مطابق تبدیلیاں کی ہیں۔

مرزا غلام احمد جھوٹا نبی ہے

عدالت کی رائے میں قادیانیوں کا مسئلہ اس سے بالکل مختلف ہے کیونکہ مسلمان مرزا غلام احمد کو کسی صورت میں بھی نبی تسلیم نہیں کرتے۔ بلکہ نبوت کا جھوٹا دعویدار سمجھتے ہیں۔ نبوت کے ایسے جھوٹے دعویدار کے پیروؤں کو کسی حالت میں بھی اہل کتاب نہیں مانا جا سکتا۔ جبکہ وہ قرآن کریم کو انہی معنوں میں تسلیم نہ کرتے ہوں جن معنوں میں عامتہ المسلیمین تسلیم کرتے ہیں جیسا کہ خود قرآن کریم کی ابتدائی آیات میں کہا گیا ہے کہ یہ کتاب ان کی ہدایت کے لیے ہے جو اس پر ایمان رکھتے ہیں جو ہمارے نبی پر نازل کیا گیا اور اس پر ایمان رکھتے ہیں جو ان سے پہلے آنے والے نبیوں پر نازل کیا گیا جیسا کہ اس آیت سے واضح ہوتا ہے:۔

وَالَّذِيْنَ يُؤْمِنُوْنَ بِمَآ اُنْزِلَ اِلَيْكَ وَ مَآ اُنْزِلَ مِنْ قَبْلِكَ:(سورۃ نمبر ۲ آیت نمبر ۴)

عدالت کی رائے میں یہ کتاب ان کے لیے وجہ ہدایت نہیں بن سکتی جو ہمارے نبی کریمؐ کی رحلت کے بعد کے کسی الہام پر ایمان لے آئیں قادیانی مرزا کے مبینہ الہامات پر ایمان رکھتے ہیں۔ عدالت کی یہ رائے اس لیے ہے کہ مدعی کے فاضل وکیل کی دلیل بے معنی ہے۔ قادیانیوں کو اہل کتاب بھی نہیں کہا سکتا۔ لہذا مدعیہ مدعا علیہ سے شادی کے وقت غیر مسلم تھی۔ دونوں کا نکاح بالکل باطل تھا اور اس لیے خلوت بھی اسے جائز نہیں بنا سکتی اور مہر قانونی طور پر واجب الادا قرار نہیں دیا جا سکتا۔

مرزا صاحب کا مامور من اللہ ہونے کا دعویٰ

احمدیوں کا لاہوری فرقہ مرزا صاحب کو نبی نہیں مانتا بلکہ صرف مجدد مانتا ہے۔ اس مقدمہ میں تصفیہ طلب نتائج دوررس نتائج کے حامل، اور روزمرہ پیش آنے والے ہیں۔ اس سلسلہ میں ہماری عدالت عالیہ یعنی لاہور ہائی کورٹ کی طرف سے کوئی نظیر نہیں پیش ہوئی۔ فسادات کی تحقیقاتی رپورٹ سے (جسے مدعیہ کے فاضل وکیل میاں عطاء اللہ نے پیش کیا) پتہ چلتا ہے کہ مرزا غلام احمد ضلع گورداسپور کے ایک دیہات ”قادیان“ کے رہنے والے تھے۔ انہوں نے

فارسی اور عربی گھر پر پڑھی لیکن بظاہر انہوں نے کسی قسم کی مغربی تعلیم حاصل نہیں کی۔ ۱۸۶۴ء میں انہیں سیالکوٹ کی ضلع کچہری میں کلرک کی نوکری مل گئی۔ جہاں وہ چار سال کام کرتے رہے مارچ ۱۸۸۲ء میں مرزا غلام احمد نے اس الہام کا دعویٰ کیا کہ خدا نے ایک خاص کام ان کے سپرد کیا۔ بالفاظ دیگر انہوں نے ”مامور من اللہ“ ہونے کا دعویٰ کیا۔

حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے نزول کا انکار

۱۸۸۸ء میں ایک اور الہام کے تحت انہوں نے اپنے معتقدین سے بیعت کا مطالبہ کیا ۱۸۹۰ء کے اواخر میں مرزا غلام احمد کو پھر الہام ہوا کہ: ”عیسیٰ ابن مریم علیہ السلام صلیب پر فوت نہیں ہوئے، نہ انہیں آسمان پر اٹھایا گیا بلکہ ان کے شاگرد انہیں زخمی حالت میں صلیب سے اتار لے گئے اور ان کی تیمارداری کی یہاں تک کہ ان کے زخم اچھے ہو گئے پھر وہ بھاگ کر کشمیر چلے گئے جہاں وہ طبعی موت مرے۔“

مثیلِ عیسیٰ ہونے کا دعویٰ

نیز یہ کہ یہ عقیدہ غلط ہے کہ قیامت کے قریب وہ اپنی اصلی شکل میں دوبارہ ظاہر ہوں گے اور ان کے دوبارہ ظہور کا مطلب صرف یہ تھا کہ، عیسیٰ ابن مریم کی صفات کا حامل دوسرا شخص پیغمبر اسلام کی امت میں ظاہر ہوگا۔ اور یہ وعدہ مرزا صاحب کی ذات میں پورا ہو چکا ہے، جو مثیل عیسیٰ ہیں اور اس لیے وہ ”مسیح“ ہیں جس کا وعدہ کیا گیا تھا۔

مُسلمان میں اضطراب

اس عقیدہ کی اشاعت سے مسلمان بہت مضطرب ہوئے۔ کیونکہ یہ عقیدہ اس عام عقیدہ کے بالکل خلاف تھا کہ عیسیٰ ابن مریم (علیہ السلام) اپنی اصلی شکل میں آسمان سے اتریں گے اور مسلمان علماء نے اس کی شدید مخالفت کی۔

دعوائے مہدویت

کچھ عرصہ بعد مرزا صاحب نے مہدی ہونے کا دعویٰ بھی کیا...... وہ مہدی نہیں جس نے خونریزی کر کے فتوحات حاصل کرنی تھیں بلکہ معقولیت پسند مہدی جس نے اپنے مخالفوں کو دلائل سے قائل کرنا تھا۔

جہاد حرام ہے

۱۹۰۰ء میں انہوں نے ایک اور نیا نظریہ پیش کیا کہ آئندہ سے ''جہاد بالسّیف'' نہیں ہوگا بلکہ مخالف کو دلائل سے مطمئن کرنے کی کوشش تک جہاد محدود ہوگا۔

ظِلّی نبی ہونے کا دعویٰ

۱۹۰۱ء میں مرزا غلام احمد نے ظلّی نبی ہونے کا دعویٰ کیا اور ایک اشتہار ''ایک غلطی کا ازالہ'' کے ذریعہ یہ تشریح کی کہ ختم نبوت کے اصول کا مقصد یہ ہے کہ پیغمبر اسلام کی رحلت کے بعد کوئی نبی نئی شریعت لے کر نہیں آئے گا۔ لیکن شرع کے بغیر کسی نئے پیغمبر کا ظہور ختم نبوت کے اصول کے خلاف نہیں ہے۔

مثیل کرشن ہونے کا دعویٰ،

نومبر ۱۹۰۴ء میں سیالکوٹ کے جلسہ میں تقریر کرتے ہوئے مرزا غلام احمد نے مثیل کرشن ہونے کا دعویٰ کیا۔

مسلمانوں سے الگ مردم شماری

۱۹۰۱ء میں جماعت احمدیہ قائم ہوئی اور خود مرزا صاحب کی درخواست پر اس سال مردم شماری کے کاغذات میں انہیں مسلمانوں کا ایک الگ فرقہ دکھایا گیا۔

(رپورٹ تحقیقاتی عدالت ص ۸،۹)

مرزا غلام احمد کے پیروؤں کے ان عجیب وغریب عقائد وخیالات نے مسلمانوں اور قادیانیوں کے درمیان شدید مذہبی اختلافات پیدا کر دیئے فاضل۔ جحان نے مزید لکھا ہے (ص ۱۹۶۔۱۹۷)

> احمدیہ فرقہ کے بانی مرزا غلام احمد کے نبی ہونے کے دعویٰ نے امت میں اضطراب پیدا کر دیا اور مسلمانوں کے خیال کے مطابق اس دعویٰ نے انہیں اسلام کے دائرے سے بالکل خارج کر دیا۔ ایک حدیث میں جسے عام طور پر تسلیم کیا جاتا ہے، کہا جاتا ہے کہ خدا نے انسانوں کی ہدایت کے لیے جو نبی بھیجے ہیں، ان کی تعداد ایک لاکھ چوبیس ہزار ہے۔

حضرت محمد ﷺ آخری نبی ہیں

مسلمان پیغمبر اسلام ﷺ کو انبیاء کے اس سلسلہ کا آخری نبی مانتے ہیں۔ قرآن اور انجیل میں ان میں سے بعض نبیوں کے اسماء بھی بتائے گئے ہیں۔ قرآن کریم کی حسب ذیل آیات سے یہ استنباط ہوتا ہے کہ نبی کریم کی وفات کے بعد نبوت ختم ہوگئی اور اب کوئی نیا نبی نہیں آئے گا۔

۱۔ ''محمدؐ تم میں سے کسی مرد کا باپ نہیں، بلکہ وہ خدا کے رسول اور آخری نبی ہیں۔ اور اللہ سب کچھ جانتا ہے۔'' (سورۃ ۳۳۔ آیت ۴۰)

۲۔ ''یاد رکھو! خدا نے نبیوں سے عہد لیا اور کہا کہ ہم تمہیں کتاب اور دانش دیتے ہیں۔ پھر تمہارے پاس ایک رسول آتا ہے جو اس کی بھی تصدیق کرتا ہے جو تمہارے پاس ہے، کیا تم اس پر ایمان لاؤ گے اور اس کی مدد کرو گے خدا نے کہا کیا تم راضی ہو اور اس معاہدے کی پابندی کرو گے؛ انہوں نے کہا ہم راضی ہیں۔ اس نے کہا گواہ رہنا اور ہم بھی گواہوں میں شامل ہیں۔'' (سورۃ ۳۔ آیت ۸۱)

۳۔ ''آج کے دن جنہوں نے ایمان ترک کیا اور تمہارے مذہب کی طرف سے تمام امیدیں ختم کر دیں، ان سے خوف نہ کرو بلکہ میرا خوف کرو۔ آج کے دن ہم نے تمہارا دین تمہارے لیے مکمل کر دیا اور اپنی نعمتیں تم پر تمام کر دیں اور تمہارے لیے مذہب کے طور پر اسلام کو پسند کیا۔'' (سورۃ ۵۔ آیت ۴)

اس کے علاوہ متعدد احادیث اور متذکرہ بالا آیات کی معیاری تفاسیر میں یہ بھی بتایا گیا ہے کہ پیغمبر اسلام کے بعد کوئی نیا نبی نہیں آئے گا۔

لیفٹیننٹ نذیر الدین کے فاضل وکیل شیخ ظفر محمود نے اس سلسلہ میں رسالہ ''طلوع اسلام'' جولائی ۱۹۵۴ء رسالہ ''فسخ نکاح مرزائیاں'' رسالہ ''ترجمان القرآن'' نومبر ۱۹۵۳ء مسماۃ عائشہ بنام عبدالرزاق کے مقدمہ میں بہاول پور کے فاضل ڈسٹرکٹ جج ''منشی محمد اکبر کا فیصلہ'' اور مولانا ابوالاعلیٰ مودودی کی کتاب ''قادیانی مسئلہ'' پیش کیا۔

(مدعیہ کے وکیل) میاں عطاء اللہ نے ''طلوع اسلام'' جولائی ۱۹۵۴ء ''ختم نبوت کی حقیقت'' از مرزا بشیر احمد ایم اے (مرزا غلام احمد، خلیفہ ثانی مرزا بشیر الدین محمود احمد کے چھوٹے بھائی) نیز احمدی فرقہ کے بانی کی لکھی ہوئی کتاب ''الحق'' المعروف بہ ''مباحثہ لدھیانہ'' ان کی ایک اور تصنیف ''حقیقۃ الوحی''، ۱۹۵۳ء کے فسادات پنجاب کی تحقیقاتی رپورٹ، ابو الاعلیٰ مودودی کے ''قادیانی مسئلہ'' کا قادیانیوں کی طرف سے جواب، ''تحقیقاتی عدالت میں مرزا بشیر الدین محمود کا بیان'' اور ''مقدمہ بہاول پور'' از جلال الدین شمس ''تصدیق احمدیت'' از بشارت احمد وکیل حیدر آباد دکن۔ ''حقیقۃ الوحی'' چوتھا ایڈیشن ۱۹۵۰ء ''تحقیقاتی عدالت کی رپورٹ پر ایک نظر'' از جلال الدین شمس صدر انجمن احمدیہ پاکستان کے تفصیلی حوالے دیئے ہیں۔ انہوں نے خاص طور پر قادیانیوں کے اس عقیدہ کی طرف توجہ دلائی جسے احمدیہ جماعت کے فاضل وکیل مسٹر عبدالرحمان خادم نے تحقیقاتی عدالت کے فاضل ججوں کے سامنے پیش کیا تھا اور جس کے لیے انہوں نے حسب ذیل آیاتِ قرآنی سے استنباط کیا تھا۔

۱۔ ''اور جو شخص اللہ اور رسول کا کہنا مان لے گا تو ایسے اشخاص بھی ان حضرات کے ساتھ ہوں گے جن پر اللہ نے انعام فرمایا ہے یعنی ''انبیاء''، ''صدیقین''، ''شہداء'' اور ''صلحاء''۔ اور یہ حضرات اچھے رفیق ہیں۔'' (سورۃ ۴۔ آیت ۶۹)

۲۔ ’’اور جو لوگ اللہ اور اس کے رسولوں پر ایمان رکھتے ہیں، ایسے ہی لوگ اپنے رب کے نزدیک صدیق اور شہید ہیں ان کے لیے ان کا اجر اور ان کا نور ہوگا۔ اور جو لوگ کافر ہوئے اور ہماری آیتوں کو جھٹلایا وہی لوگ جہنمی ہیں۔‘‘ (سورۃ ۵۷۔ آیت ۱۹)

۳۔ اے فرزندانِ آدم! جب تمہارے پاس تم میں سے رسول آئیں، جو تمہیں میری آیتیں سنائیں۔ پھر جو شخص ڈر گیا اور اصلاح کر لی، ایسوں پر کوئی خوف نہ ہوگا اور نہ وہ غم کھائیں گے اور جنہوں نے ہماری آیتوں کو جھٹلایا اور ان سے تکبر کیا وہی دوزخی ہیں۔ (سورۃ ۷۔ آیت ۳۵، ۳۶)

۴۔ اے انبیاء! تمام اچھی اور پاک چیزوں سے کھاؤ اور نیک کام کرو۔ کہ تم جو کچھ کرتے ہو اس سے میں باخبر ہوں۔ (سورۃ ۲۳۔ آیت ۵۱)

مندرجہ بالا آیات قرآنی پیش کر کے یہ ثابت کرنے کی کوشش کی گئی ہے کہ آئندہ بھی نبی کریمؐ کے بعد بعض ایسے لوگ ہوں گے، جن پر نبی اور رسول کے لفظ کا اطلاق ہو سکے۔ اور اس دلیل کو مزید تقویت پہنچانے کے لیے بعض احادیث اور ایسے محدثین اور علماء کے حوالے بھی دیئے گئے جن کی مذہبی حیثیت عام طور پر مسلمہ ہے۔ اگرچہ اس کی تردید نہیں کی گئی کہ مرزا غلام احمد نے اپنے لیے نبی کا لفظ استعمال کیا لیکن یہ کہا گیا ہے کہ انہوں نے یہ لفظ ایک خاص معنیٰ میں استعمال کئے۔ وہ عام معنوں میں نبی نہیں تھے یعنی ایسے نبی جو خدا کے سابقہ پیغام کو منسوخ کرنے یا اس میں ترمیم یا تبدیلی کرنے کا حق یا اضافہ کرنے کے لیے خدا کی طرف سے کوئی خاص پیغام لے کر آئے ہوں ان کا دعویٰ نبوت تشریعی کا نہیں تھا بلکہ ظلی یا بروزی نبوت کا تھا۔

مسلمانوں کی طرف سے جواب

دوسری طرف سے کہا گیا ہے کہ ظل یا بروز کا تصور جس کا ترجمہ ’’اوتار‘‘ کیا جا سکتا ہے، اسلام کے لیے قابل قبول نہیں ہے۔ اور جو شخص یہ دعویٰ کرے کہ اس پر نبوت کی وحی آتی ہے، ایک نئی امت قائم کرتا ہے۔ وہ خود بخود اسلام کے دائرے سے خارج ہو جاتا ہے۔ مرزا غلام احمد

احمدیہ جماعت کے موجودہ سربراہ اور اس جماعت کے نمائندہ مصنفین کی تحریروں سے یہ ثابت کرنے کی کوشش کی گئی ہے کہ مرزا غلام احمد نے اپنے اوپر اس طرح کی وحی یا الہام آنے کا دعویٰ کیا ہے جو خدا نے اب تک صرف انبیاء کے لیے مخصوص رکھا تھا۔ لہذا اب سوال صرف یہ رہ جاتا ہے کہ آیا مرزا غلام احمد نے کبھی یہ دعویٰ بھی کیا تھا کہ ان پر ایسی وحی آئی تھی جسے وحی نبوت کہا جا سکتا ہو۔ اب سے پہلے جب بھی کوئی نبی آئے تو انہوں نے اس قوم سے جہاں وہ ظاہر ہوئے، ایک مطالبہ کیا:۔

’’ہمارے نبی نے سارے عالمِ انسانیت سے مطالبہ کیا کہ ان کے دعویٰ کو جانچے اور ان پر ایمان لائے۔‘‘

اور جس نے نبوت سے انکار کیا یا اس میں شک کا اظہار کیا وہ نقصان کا سزاوار ٹھہرتا ہے لہذا قوم کے لیے ضروری ہوتا ہے کہ وہ نبوت کے دعویٰ کو منظور کرے یا اس سے انکار کر دے۔

ایک اور مُسَیلمہ کذّاب

دعویٰ کی منظوری ایک نئے مذہبی فرقہ کے قیام کا باعث بنتی ہے جسے پہلا فرقہ اپنی جماعت سے خارج تصور کرتا ہے۔ نیا فرقہ یہ سمجھتا ہے کہ جو لوگ نئے نبی پر ایمان نہیں لائے وہ ان کے فرقہ سے خارج ہیں۔ مرزا غلام احمد نے عوام کی طرف اپنا ہاتھ اس ہدایت کے ساتھ بڑھایا کہ اسے قبول بھی کر لیا جائے۔ نبی ہونے کے متعلق مرزا غلام احمد کے دعویٰ کو مسلمان مُسَیلمہ کذاب کی دوسری مثال سمجھتے ہیں:

شریعت سے ایک انچ ہٹنے والا ’’ملعون‘‘ ہے

مرزا غلام احمد نے اپنی ابتدائی تحریروں میں یہ بات بہت وضاحت کے ساتھ لکھی تھی کہ مسلمان ہونے کے لئے اسلام کے بنیادی ارکان پر ایمان ضروری ہے۔ احمدیہ فرقہ کے بانی نے اپنی کتاب ’’ایام صلح صفحہ ۹۶‘‘ میں خود لکھا ہے کہ:

''اہلسنت کے بنیادی اصولوں پر جن پر امت کا اجماع ہے ایمان لانا ہی اسلام ہے اور ہر مسلمان کے لیے ان کو ماننا ضروری ہے۔''

ایک اور کتاب ''انجام آتھم'' (ص ۱۳۰ طبع لاہور) میں انہوں نے یہی لکھا ہے کہ:

''جو شخص شریعت سے ایک انچ بھی ہٹتا ہے اور ان اصولوں کو ماننے سے انکار کرتا ہے جن پر امت کا اجماع ہے خدا اور اس کے فرشتوں اور تمام انسانوں کی لعنت کا سزاوار ہے۔ اور یہ کہ ان کا پختہ عقیدہ ہے۔''

اور اپنی کتاب ''ازالہ اوہام'' کے ص ۲۵۸ طبع دوم میں انہوں نے لکھا ہے:

''تواتر جس پر مسلسل یقین کیا جارہا ہو، غلط نہیں ہوسکتا!''

نبوت مرزا کی نوعیت

بعد میں مرزا غلام احمد نے خود اپنی نبوت کا دعویٰ کر دیا اور خود ان کی اپنی اور ان کے جانشینوں اور پیروکاروں کی تحریروں، اعلانات اور بیانات کے مطابق ان کی نبوت کی نوعیت کچھ حسب ذیل قسم کی ہے[1]

۲۔ خدا نے مجھ سے کہا کہ قرآن وحدیث میں تیرے متعلق پیش گوئی کی گئی ہے اور ھوالذی ارسل رسولہ بالھدیٰ۔ یہ آیت تیرے متعلق ہے۔ (اعجاز احمدی ص ۷)

۳۔ ضمیمہ براہین احمدیہ حصہ پنجم صفحہ (۱۳۸، ۱۳۹) میں انہوں نے لکھا ہے کہ:۔

''کسی نے لفظ نبی کے معنی پر غور نہیں کیا۔ اس لفظ کا مطلب صرف ایک ایسا آدمی ہے جو خدا کی طرف سے آئی ہوئی وحی کے ذریعہ لوگوں کو خبر دیدے۔ خدا جس سے گفتگو اور خطاب کرے ایسے شخص کے لیے یہ ضروری نہیں ہے کہ وہ کوئی شریعت لائے۔ نہ یہ ضروری ہے کہ وہ کسی شریعت والے نبی کا پیرو نہ ہو۔ یہ بالکل بے معنی بات ہے کہ قیامت تک کے لیے ہر شخص کو نبی کا درجہ حاصل کرنے سے روک دیا

---

[1] حقیقۃ النبوۃ کے ضمیمہ ۲۶۱ میں انہوں نے اپنے ایک الہام کے متعلق دعویٰ کیا ہے کہ خدا نے مجھے محمد اور رسول کہہ کر خطاب کیا ہے۔!

جائے جو مذہب ایسی تعلیم دے وہ لعنتی اور شیطانی مذہب ہے جو آدمی ایسا اعلان کرے اسے خدا کی طرف سے پیغام نہیں ملا۔ بلکہ اس کا پیغام شیطان کا پیغام ہے۔ یہ پیغمبر اسلام کی شدید ترین توہین ہے۔"

۴۔ دافع البلاء کے صفحہ ۱۱ پر انہوں نے لکھا ہے کہ:

"سچا خدا وہ خدا ہے جس نے قادیان میں اپنا رسول بھیجا"

۵۔ حقیقۃ الوحی کے صفحہ ۱۴۹، ۱۵۰ پر انہوں نے لکھا ہے:

"پہلے میں سمجھتا تھا کہ عیسیٰ مسیح سے میرا کوئی مقابلہ نہیں ہے اور وہ پیغمبر ہیں۔ لیکن بعد میں جب مجھ پر بارش کی طرح وحی آنے لگی تو مجھے اپنا یہ عقیدہ ترک کرنا پڑا۔ خدا نے مجھے پیغمبر کہہ کر خطاب کیا اور مجھے پیغمبری کا منصف دے دیا گیا۔!"

۶۔ "وہ اپنے آپ کو نبی احمد کہتا ہے اور دعویٰ کرتا ہے کہ اس کو یہ درجہ قرآن نے دیا ہے"۔ (ازالہ اوہام طبع اول ص ۶۷۳، طبع دوم ص ۳۳۷) نیز انہوں نے اسی کتاب کے ص ۶۶۵ پر اپنے مسیح موعود ہونے کا دعویٰ کیا ہے۔

۷۔ اشتہار معیار الاخیار کے ص ۱۱ پر انہوں نے مہدی موعود اور اکثر انبیاء سے برتر ہونے کا دعوی کیا ہے۔

۸۔ خطبہ الہامیہ ص ۱۹، ۳۵ پر انہوں نے اپنے لیے انسانیت کے بلند ترین منصب کا دعویٰ کیا ہے۔

۹۔ انہوں نے کہا کہ میں مسلمانوں کے لیے مسیح اور مہدی اور ہندو کے لیے کرشن ہوں۔ (لیکچر سیالکوٹ ص ۳۴)

۱۰۔ "دافع البلاء ص ۱۳ پر انہوں نے حضرت امام حسین سے بھی برتر ہونے کا دعویٰ کیا ہے۔"

۱۱۔ انہوں نے اعجاز احمدی ص ۸۱ پر لکھا ہے کہ حسین کو ان کے دشمنوں نے قتل کیا اور میں خدا کے عشق میں مارا گیا۔

۱۲۔ ضمیمہ انجام آتھم ص ۶، ۷، ۸ پر انہوں نے حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے گھر والوں کے متعلق سخت یاوا گوئی کی ہے۔ انہوں نے لکھا ہے کہ:

''حضرت عیسیٰؑ کی تین نانیاں اور دادیاں زانی عورتیں تھیں۔ وہ خود جھوٹ بولتے تھے اور مسمریزم[1] اور فریب کے سوا ان کے پاس کچھ نہ تھا۔''

۱۳۔ حقیقۃ الوحی ص ۳۹۱ پر انہوں نے بہت واضح طور پر یہ کہہ کر اپنی نبوت کا دعویٰ کیا کہ وہ نبی ہیں اور اس امت میں نبی کا لفظ صرف ان کے لیے مخصوص کیا گیا ہے۔

۱۴۔ اور انہوں نے اربعین نمبر ۳ ص ۴۷ پر لکھا ہے کہ وہ وحی کے بغیر نہیں بولتے اور انہوں نے حقیقۃ الوحی ص ۵۲ میں لکھا کہ خدا نے ان سے کہا ہے کہ انہیں رحمت اللعالمین بنا کر دنیا میں بھیجا ہے۔ نیز حقیقۃ الوحی ص ۱۰۷ میں لکھا ہے کہ خدا نے کسی دوسرے انسان کو وہ اعزاز نہیں دیا تھا جو ان کو دیا گیا ہے اور یہ کہ وہ خدا کے رسول ہیں۔

اور نیز انہوں نے ضمیمہ انجام آتھم ص ۵۴ اور حقیقۃ الوحی ص ۱۰۲ پر دعویٰ کیا کہ خدا نے انہیں کوثر دیا ہے۔ اور نیز آئینہ کمالات اسلام ص ۵۶۴، ۵۶۵ پر وہ اپنے بزرگ اور برتر ہونے کا دعویٰ کرتے ہیں اور کہتے ہیں کہ وہ خود خدا ہیں اور یہ کہ انہوں نے زمین اور آسمان پیدا کئے ہیں۔ اسی سبب سے اپنی کتاب حقیقۃ الوحی ص ۱۶۳ میں وہ اعلان کرتے ہیں کہ جو شخص اس پر ایمان نہیں لاتا وہ کافر ہے۔ اور فتاویٰ احمدیہ جلد اول ص ۱۸ پر انہوں نے اپنے پیروؤں کو ایسے شخص کے پیچھے نماز پڑھنے سے روکا ہے جو ان پر ایمان نہیں رکھتا۔ اور نیز انہوں نے البشریٰ ص ۴۹ پر ایک الہام بیان کیا ہے کہ خدا نے انہیں اپنا بیٹا کہہ کر پکارا ہے اور حقیقۃ الوحی ص ۹۹ میں انہوں نے لکھا ہے کہ خدا نے ان سے کہا ہے، کہ اگر وہ مرزا غلام احمد کو پیدا نہ کرتا تو اس نے کائنات ہی نہ پیدا کی ہوتی مرزا غلام احمد کے ان بیانات کی بناء پر ۱۹۲۵ء میں تمام فرقوں کے علماء سے فتویٰ حاصل کیا گیا[2]۔

---

[1] مسمریزم کے متعلق ازالہ اوہام ص ۵۵ طبع دوم ملاحظہ ہو (ناشر)

[2] جسے فسخ نکاح مرزائیاں کے نام سے دفتر اہلحدیث امرتسر سے شائع کیا گیا (ناشر)۔

۱۵۔ احمدیہ فرقہ کے موجودہ سربراہ مرزا بشیر الدین محمود احمد بھی مرزا غلام احمد کے اس دعویٰ کی کہ وہ نبی ہے مسلسل اشاعت کرتے رہے ہیں چنانچہ حقیقۃ النبوۃ کے ص ۲۲۸ پر انہوں نے لکھا ہے کہ یہ بات بالکل روز روشن کی طرح ثابت ہو گئی کہ پیغمبر اسلام کے بعد بھی نبوت کا دروازہ کھلا ہے اور انوار خلافت ص ۶۲ میں انہوں نے لکھا ہے کہ مسلمانوں نے یہ غلط سمجھ رکھا ہے کہ خدا کا خزانہ خالی ہو گیا ہے۔ مسلمانوں کو خدا کی قدرت کا احساس نہیں ورنہ ایک نبی تو الگ رہا میں کہتا ہوں کہ ہزاروں نبی آ سکتے ہیں۔ نیز انوار خلافت کے ص ۶۵ پر احمدیہ فرقہ کے موجودہ سربراہ نے لکھا ہے کہ اگر میری گردن پر دونوں طرف تلوار رکھ دی جائے اور مجھ سے یہ کہنے کو کہا جائے کہ پیغمبر اسلام کے بعد کوئی نبی نہیں ہوگا تو میں (مرزا بشیر الدین محمود) کہوں گا کہ ایسا شخص جھوٹا ہے۔ یہ کہ پیغمبر اسلام کے بعد نبی آ سکتے ہیں اور قطعی آ سکتے ہیں۔ اس طرح مرزا غلام احمد نے نئے نبیوں کے ظہور کے لیے دروازہ کھول دیا اور قادیانیوں نے مرزا غلام احمد کو سچا نبی مان لیا۔ اس سلسلہ میں حسب ذیل مثال دی جاتی ہیں۔

ادعائے نبوت کے حوالے

۱۔ مرزا غلام احمد نے اخبار بدر ۱۹۰۸ء مورخہ ۵/ مارچ میں لکھا ہے کہ وہ خدا کے احکام کے تحت پیغمبر ہیں[1]۔

۲۔ مرزا بشیر الدین نے حقیقۃ النبوۃ میں ص ۱۷۴ پر لکھا ہے کہ مرزا غلام احمد اس لفظ کے صحیح معنوں میں نبی ہیں اور شریعت کے مطابق وہ مجازی نبی نہیں ہیں بلکہ حقیقی نبی ہیں۔

نبوت کے ایسے اعلان کا لازمی نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ جو بھی مدعی کی اس حیثیت کو ماننے سے انکار کرے کافر ہو جاتا ہے چنانچہ قادیانی تمام ایسے مسلمانوں کو کافر سمجھتے ہیں جو مرزا غلام احمد کی حقیقی نبوت پر ایمان نہیں رکھتے۔ اس ضمن میں حسب ذیل مثالیں درج ہیں۔

---

[1] یہ حوالہ حقیقۃ النبوۃ ص ۲۷۲ مصنفہ بشیر الدین میں موجود ہے۔ (ناشر)

۱۔ ہر وہ مسلمان جو مرزا غلام احمد کی بیعت میں شامل نہیں ہوا خواہ اس نے ان کا نام بھی نہ سنا ہو، کافر ہے اور اسلام کے دائرہ سے خارج ہیں۔

(آئینہ صداقت از مرزا البشیر الدین محمود ص ۳۵)

۲۔ ہر شخص جو موسیٰؑ پر ایمان رکھتا ہے لیکن عیسیٰؑ پر ایمان نہیں رکھتا یا عیسیٰؑ پر ایمان رکھتا ہے لیکن پیغمبر اسلام پر ایمان نہیں رکھتا، یا پیغمبر اسلام پر ایمان رکھتا ہے لیکن مرزا غلام احمد پر ایمان نہیں رکھتا نہ صرف کافر بلکہ پکا کافر اور دائرہ اسلام سے خارج ہے۔

(کلمۃ الفصل مندرجہ ریویو آف ریلیجیز جلد ۱۴ نمبر ۳، ۴ ص ۱۱۰)

۳۔ مرزا البشیر الدین محمود نے سب جج گرداس پور کی عدالت میں حسب ذیل بیان دیا تھا جو الفضل مورخہ ۲۶، ۲۹ / جون ۱۹۲۲ء جلد نمبر ۹ نمبر ۱۰۱، ۱۰۲ میں شائع ہوا:۔

”مرزا صاحب پر ہمارا ایمان ہے، غیر احمدیوں کا ان پر ایمان نہیں ہے۔ قرآن کریم کی تعلیم کے مطابق کسی نبی کو ماننے سے انکار کرنا کفر ہے اور تمام غیر احمدی کافر ہیں“

مرزا غلام احمد

انہوں نے حسب ذیل اشعار کہے ہیں:۔

منم مسیح زمان منم کلیم خدا منم محمد و احمد کہ مجتبیٰ باشد

(تریاق القلوب ص ۵)

میں کبھی آدم، کبھی موسیٰ، کبھی یعقوب ہوں
نیز ابراہیم ہوں، نسلیں ہیں میری بیشمار

(براہین احمدیہ حصہ پنجم ص ۱۰۳)

وہ اپنے لیے اس حیثیت کا دعویٰ کرتے ہیں اور ہر اس شخص کو کافر قرار دیتے ہیں جو ان کی اس حیثیت کو تسلیم نہیں کرتا۔ اپنی نبوت کے دعویٰ کو تقویت پہنچانے کے لیے انہوں نے مسلمانوں کے اس عقیدہ سے فائدہ اٹھایا کہ حضرت عیسیٰؑ نے صلیب پر وفات نہیں پائی۔ بلکہ وہ چوتھے آسمان پر اب تک زندہ ہیں۔ جہاں سے قیامت سے پہلے زمین پر اتریں گے۔ اور یہ بھی قرب قیامت

کی نشانیوں میں سے ایک ہوگی۔ چنانچہ انہوں نے خود عیسیٰؑ ہونے کا دعویٰ کیا اور اپنے آپ کو مسیح موعود کہا۔ یہ ان کے الہام کے سلسلہ کا دوسرا مرحلہ تھا۔

مسلمانوں کا ایک اور عقیدہ یہ ہے کہ حضرت امام مہدی قیامت سے پہلے ظاہر ہوں گے۔ انہوں نے اپنے مہدی موعود ہونے کا بھی دعویٰ کیا۔ وہ یہ سمجھتے تھے کہ گزشتہ چودہ سو سال میں مسیلمہ کذاب کی طرح جس نے بھی اپنے نبی ہونے کا دعویٰ کیا، مسلمانوں نے اس کو کبھی برداشت نہیں کیا۔ اس لیے انہوں نے (مہربان حکومت برطانیہ کی) حفاظت حاصل کرنی چاہی۔ تحقیقاتی عدالت کے فاضل ججوں نے اس ضمن میں حسب ذیل رائے ظاہر کی ہے:۔

انگریزوں کی پالیسی

”ایسے اختلافات انگریز کو بہت راس آتے تھے وہ یہی چاہتے تھے کہ جس قوم پر وہ حکومت کر رہے ہیں اسے مذہبی اختلافات میں الجھائے رکھیں۔ جب تک کہ یہ جھگڑے امن عامہ میں خلل ڈالنے کا باعث نہیں اگر لوگ جنت میں جانے کے استحقاق یا جہنم میں جانے کے اسباب پر جھگڑا کریں تو جب تک وہ ایک دوسرے کے سر نہیں توڑتے اور اپنے لیے دنیاوی مال و متاع کا مطالبہ نہیں کرتے اس وقت تک انگریز ان جھگڑوں کو انتہائی بے نیازی بلکہ اطمینان کی نظروں سے دیکھتے تھے۔ لیکن جونہی سر ٹوٹنے کا وقت آیا، انگریز نہایت سخت ہو جاتا اور اس پر کسی مصلحت کے لیے تیار نہ تھا۔

مرزا صاحب برطانوی راج کی اس برکت سے پوری طرح واقف تھے جو صرف ان اختلافات کی اجازت ہی نہیں دیتا تھا بلکہ ان کی حوصلہ افزائی بھی کرتا تھا۔ چنانچہ احمدی تحریک کے بانی اور رہنماؤں کے خلاف غیر احمدیوں کی ایک بہت بڑی شکایت یہ بھی تھی کہ وہ انگریزوں کے ذلیل خوشامدی ہیں۔“ (تحقیقاتی عدالت کی رپورٹ ص ۲۰۸)

قادیانی فرقہ کے بانی کو علم تھا کہ اسلام کے ظہور کے بعد سے مسیلمہ کذاب اور جس نے بھی نبوت کا دعویٰ کیا اس کے ساتھ کیا سلوک کیا گیا۔ یہی وجہ تھی کہ اپنی نبوت جمانے کے لیے

اس فرقہ کو انگریزی حکومت کی حفاظت کی سخت ضرورت تھی۔ اس سلسلہ میں مرزا غلام احمد کی حسب ذیل تحریروں کا حوالہ بھی دیا گیا ہے:۔

انگریز کی مدح وثناء

۱۔ ''ملفوظات احمدیہ'' ص ۴۶ جلد اول میں مرزا غلام احمد نے لکھا ہے:

''حکومت برطانیہ کے ہم پر اس قدر احسان ہیں کہ اگر ہم یہاں سے چلے جائیں تو مکہ یا قسطنطنیہ میں ہم نہیں گزارہ کر سکتے۔ ہم برطانوی حکومت کی مخالفت کا تصور کیونکر کر سکتے ہیں۔''

۲۔ ''تبلیغ رسالت'' جلد نمبر ۶ ص ۹۶ پر مرزا غلام احمد نے لکھا ہے:۔

''میں اپنا کام مکہ میں نہ مدینہ میں جاری رکھ سکتا ہوں نہ روما میں نہ ایران میں نہ کابل میں۔ میں دعا کرتا ہوں کہ ہندوستان میں برطانیہ کی حکومت ہمیشہ قائم رہے''

۳۔ تبلیغ رسالت کی جلد نمبر ۱۰ ص ۱۲۳ پر مرزا غلام احمد نے کہا کہ:۔

''اگر قادیانی برطانوی حکومت کے سایہ عاطفت سے نکل جائیں تو انہیں پناہ کہاں ملے گی۔''

قادیانی اور پاکستان

ان اسباب کی بناء پر تحقیقاتی رپورٹ ص ۲۰۸، ۲۰۹ میں فاضل ججوں نے پاکستان کے متعلق قادیانیوں کے رویہ کا خلاصہ ان الفاظ میں پیش کیا ہے:

''پہلی عالمگیر جنگ کے دوران میں جس میں ترکی کو شکست ہوئی تھی ۱۹۱۸ء میں بغداد پر انگریزوں کی فتح پر قادیان میں خوشیاں منائی گئیں جس سے مسلمانوں میں سخت بیزاری پھیلی اور احمدیت کو انگریزوں کی لونڈی سمجھا جانے لگا۔ ملک کو تقسیم کر کے مسلمانوں کے لیے ایک الگ وطن کے قیام کا امکان افق پر نظر آنے لگا۔ تو آنے والے واقعات کے سایہ نے قادیانیوں کو تشویش میں مبتلا کر دیا۔ ۱۹۴۵ء سے ۱۹۴۷ء کے آغاز تک ان کی بعض تحریروں سے یہ منکشف

ہوتا ہے کہ انہیں پہلے انگریزوں کا جانشین بننے کی توقع تھی لیکن جب پاکستان کا دھندلا سا خواب مستقبل کی ایک حقیقت کا روپ اختیار کرنے لگا تو ایک نئی مملکت پر راضی ہو جانا انہیں دشوار نظر آنے لگا۔ وہ یقیناً اپنے آپ کو دوگونا عذاب میں مبتلا پاتے ہوں گے۔ وہ ہندوستان میں اس لیے نہیں رہ سکتے تھے کہ اسے ایک لادینی ہندو مملکت بننا تھا اور نہ پاکستان کو پسند کر سکتے تھے جس میں فرقہ بازی کے روا رکھے جانے کی کوئی توقع نہ تھی۔ ان کی بعض تحریروں سے پتہ چلتا ہے کہ وہ تقسیم کے مخالف تھے۔ نیز یہ کہ اگر ملک تقسیم ہوا تو اس کے دوبارہ اتحاد کی کوشش کریں گے اس کی وجہ ظاہر یہ تھی کہ احمدیت کے مرکز قادیان کا مستقبل بالکل غیر یقینی نظر آ رہا تھا جس کے متعلق مرزا صاحب بہت سی پیش گوئیاں کر چکے تھے۔"

"مسئلہ جہاد"

"ان ہی وجوہ کی بناء پر مرزا غلام احمد جہاد کا تیرا سو سال پرانا اصول منسوخ کرنا چاہتے تھے چنانچہ انہوں نے اعلان کر دیا کہ اب سے جہاد بالسیف ممنوع قرار پایا۔ اب جہاد صرف یہ ہے کہ اپنے مخالف کو دلائل سے مطمئن کیا جائے۔"

جہاد کے بارے میں قرآن کریم میں یہ آیات موجود ہیں:۔

۱۔ "جن سے جنگ کی جا رہی ہو انہیں اجازت دی جاتی ہے لڑنے کی اس لیے کہ ان پر ظلم کیا گیا ہے اور پس اللہ ان کی مدد کرنے کے لیے بڑا طاقت ور ہے۔ جو لوگ اپنے گھروں سے بے وجہ نکالے گئے محض اتنی بات پر کہ وہ کہتے تھے کہ ہمارا رب اللہ ہے۔ اگر اللہ تعالیٰ ایک دوسرے کے ہاتھوں لوگوں کا زور نہ گھٹاتا رہتا تو لاتعداد خانقاہیں اور کلیسے، گرجے اور مسجدیں جن میں اللہ کا نام لیا جاتا ہے تباہ برباد ہو جاتے۔ بے شک اللہ ان کی مدد کرے گا جو اس کی مدد کرتے ہیں۔ تحقیق اللہ بڑی طاقت والا اور بہت قدرت والا ہے۔" (سورۃ ۲۲۔ آیت ۳۹،۴۰)

۲۔ ”اللہ کی راہ میں ان لوگوں سے لڑو جو تم سے لڑتے ہیں لیکن حد سے نہ بڑھو۔ کہ اللہ زیادتی کرنے والوں کو پسند نہیں کرتا۔ اور ان کو قتل کرو جہاں ان کو پاؤ اور ان کو نکال باہر کرو، جہاں سے انہوں نے تم کو نکال باہر کیا ہے۔ اور شرارت قتل سے بھی بڑھ کر ہے لیکن مسجد حرام میں ان سے جنگ نہ کرو۔ جب تک کہ وہ وہاں تم سے لڑنے میں پہل نہ کریں۔ اگر وہ تم سے لڑیں تو انہیں قتل کرو۔ کہ حق کا انکار کرنے والوں کی یہی سزا ہے پھر اگر وہ لوگ باز آ جائیں تو اللہ بخشنے والا مہربان ہے اور ان کے ساتھ اس حد تک لڑو کہ فتنہ و شرارت باقی نہ رہے اور دین اللہ ہی کا ہو جائے۔ اور اگر وہ لوگ باز آ جاویں تو بے انصافی کرنے والوں کے سوا سختی کسی پر نہیں ہوتی۔ حرمت والا مہینہ حرمت والے مہینہ کے عوض میں ہے اور یہ حرمتیں تو عوض معاوضہ کی چیزیں ہیں۔ پس جو تم پر زیادتی کرے اس پر تم بھی زیادتی کرو جیسی زیادتی اس نے تم پر کی ہے اللہ سے ڈرتے رہو کیونکہ اللہ تعالیٰ ڈرنے والوں کے ساتھ ہے۔“

(سورۃ ۲ آیت ۱۹۰تا۱۹۴)

۳۔ اللہ تعالیٰ تم کو ان لوگوں کے ساتھ انصاف اور احسان کا برتاؤ کرنے سے نہیں روکتا جو تم سے دین کے بارے میں نہیں لڑتے۔ اور تم کو تمہارے گھروں سے نہیں نکالا۔ بیشک اللہ تعالیٰ انصاف کرنے والوں کو پسند فرماتے ہیں۔

(سورۃ۔٦۔آیت ٨)

۴۔ اس شخص کو چاہیئے کہ اللہ کی راہ میں ان لوگوں سے لڑے جو آخرت کے بدلے دینوی زندگی کو اختیار کیے ہوئے ہیں۔ جو شخص اللہ کی راہ میں لڑے پھر جان سے مارا جائے یا غالب آ جائے تو ہم اسے اجر عظیم دیں گے۔ اور تم کو کیا ہوا ہے کہ تم اللہ کی راہ میں اور ان کمزوروں کی خاطر جہاد نہیں کرتے جن میں کچھ مرد ہیں، کچھ عورتیں اور کچھ بچے ہیں۔ اور جو دعا کر رہے ہیں کہ اے ہمارے رب ہمیں اس

بستی سے نکال جس کے رہنے والے سخت ظالم ہیں اور اے خدا ہمارے لیے اپنے ہاں سے کوئی حمایتی کھڑا کر۔ اور اپنی طرف سے کوئی مددگار روانہ فرما۔

(سورۃ ۴۔ آیت ۷۴، ۷۵)

۵۔ پھر جب حرمت والے مہینے گزر جائیں تو ان مشرکوں کو جہاں پاؤ قتل کر دو اور پکڑ و اور انہیں گھیر لو۔ اور ان کی تاک میں ہر جگہ بیٹھو۔ پھر اگر وہ توبہ کریں اور نماز قائم کریں اور زکوٰۃ دیں تو ان کا راستہ چھوڑ دو۔ بے شک اللہ بخشنے والا مہربان ہے۔

(سورۃ ۹، آیت ۵)

۶۔ پس کافروں کا کہنا مان اور اس (قرآن) کے ساتھ بڑے زور سے ان کا مقابلہ کر۔

(سورۃ ۲۵، آیت ۵۲)

جہاد کے بارے میں احمدی نظریہ یہ ہے کہ جسے ”جہاد بالسّیف“ کہا جاتا ہے اس کی اجازت صرف اپنی حفاظت کے لیے ہے۔ نیز یہ کہ اس مسئلہ پر اپنی رائے پیش کرتے ہوئے مرزا غلام احمد نے صرف قرآنی آیات پر مبنی اصولوں کی وضاحت کی ہے اور انہوں نے کسی قرآنی حکم یا ہدایت کو منسوخ نہیں کیا۔

دوسرے فریق کا کہنا ہے کہ مرزا صاحب نے اس مسئلہ پر اپنی رائے جن الفاظ میں ظاہر کی ہے اس سے بالکل صاف واضح ہوتا ہے کہ وہ محض ایک قرآنی اصول کی وضاحت نہیں کر رہے تھے بلکہ قرآن کے ایک مسلمہ قانون کو منسوخ کر رہے تھے۔

اس سلسلہ میں ان کے حسب ذیل اعلانات پیش کئے جاتے ہیں:۔

۱۔ میں ایک حکم لے کر آپ لوگوں کے پاس آیا ہوں وہ یہ ہے کہ اب سے تلوار کے جہاد کا خاتمہ ہے۔ (رسالہ جہاد ص ۱۴)

۲۔ اب جہاد دین کے لیے حرام ہے۔ (ضمیمہ خطبہ الہامیہ ص ت)

۳۔ مسیح کے آنے کا یہ نشان ہے کہ وہ دین کی لڑائیاں ختم کر دے گا۔

۴۔ میں نے جہاد کی ممانعت کے بارے میں موثر تقریریں کیں۔

۵۔ میں نے جہاد کے خلاف صدہا کتابیں تحریر کر کے عرب اور مصر اور بلاد شام اور افغانستان میں، گورنمنٹ کی تائید میں شائع کر دیں[1] (ستارۂ قیصر)

۶۔ مسیح موعود کے وقت جہاد کا حکم منسوخ کر دیا گیا۔ اب زمین کے فساد بند کر دیئے گئے۔ (ضمیمہ خطبہ الہامیہ)

۷۔ اب جو دین کے لیے تلوار اٹھاتا ہے اور غازی نام رکھ کر کافروں کو قتل کرتا ہے وہ خداوند تعالیٰ اور اس کے رسول کا نافرمان ہے۔ (ضمیمہ خطبہ الہامیہ)

۸۔ میرے فرقہ میں جس کا خدا نے مجھے امام اور رہبر مقرر فرمایا ہے۔ تلوار کا جہاد بالکل نہیں۔ یہ فرقہ اس بات کو قطعاً حرام جانتا ہے کہ دین کے لیے لڑائیاں کی جائیں۔

(تریاق القلوب ضمیمہ ص ۲۳۲)

۹۔ اسلام میں جو جہاد کا مسئلہ ہے میری نگاہ میں اس سے بدتر اسلام کو بدنام کرنے والا اور کوئی مسئلہ نہیں۔ (تبلیغ رسالت جلد ۱۰ ص ۱۲۲)

۱۰۔ مجھے مسیح اور مہدی مان لینا ہی مسئلہ جہاد کا انکار کرنا ہے۔ (تبلیغ رسالت جلد ۷ ص ۱۷)

مرزا صاحب کی ان تحریروں اور ان کے دعویٰ سے کہ:

"میری وحی میں امر بھی ہے اور نہی بھی"۔ (اربعین نمبر ۴ ص ۷)

یہ بات شدت کے ساتھ پیش کی گئی ہے کہ یہ اعلان قرآن کے ایک مسلمہ قانون کی تنسیخ یا ترمیم کے مترادف ہے۔

اپیل کنندگان کی طرف سے اس کا جواب یہ دیا گیا ہے کہ ان الفاظ اور فقروں میں کوئی تنسیخ نہیں ہے بلکہ محض قرآن کے ایک ایسے اصول کی وضاحت ہے جس کے متعلق صدیوں سے غلط فہمی تھی۔ اور بہر حال دوسروں نے ان عبارتوں کا جو بھی مطلب سمجھا ہو۔ احمدیوں نے ہمیشہ اس کا

---

[1] بمثلہٗ تریاق القلوب ص ۲۵۔

یہ مطلب سمجھا کہ مرزا غلام احمد نے محض یہ کیا کہ اصل اصول کو گرد وغبار سے پاک کر کے اس کو اصل حالت میں پیش کر دیا۔ احمدیوں کی طرف سے اس سلسلہ میں ’’یضع الحرب‘‘ کی حدیث کا بھی حوالہ دیا گیا ہے کہ مرزا غلام احمد نے کسی قانون کو منسوخ کرنے کی بجائے صرف اس حدیث کے مطابق جنگ کو معطل کیا تھا۔ یہ نقطہ بہت اہم ہے کیونکہ اگر یہ طے ہو جائے کہ مرزا غلام احمد کی ان آراء کا مقصد ایک مسلمہ قانون کی جگہ پر ایک نیا قانون نافذ کرنا یا جزوی طور پر ترمیم کرنا بھی تھا اور ان کے معتقدین بھی ایسا ہی سمجھتے ہیں تو پھر وہ تشریعی نبی ہوئے۔

اس صورت میں خود احمدیوں کے یہاں آیۃ خاتم النبیین کی اپنی تفسیر بھی غلط ہو جائے گی۔ یہ صورت واضح تر ہو جائے گی۔ اگر یہ اصول کسی وحی یا الہام کی بناء پر طے کیا گیا ہو۔

غیر احمدی فریق نے اس دلیل کو یہ کہہ کر مزید آگے بڑھایا کہ ان تحریروں میں جو رائے ظاہر کی ہے وہ اگر سابقہ اصول کا اعادہ یا اعلان کرنے والے کی حیثیت سے پیش کئے گئے ہیں۔ جب بھی مرزا صاحب اصول کے تحت تشریعی نبی بن جاتے ہیں کہ اگر قانون کا اعلان کرنے والا اپنے لیے وضاحت کرنے کی بجائے اعلان کرنے کا حق مختص سمجھے تو قانون کا اعلان بجائے خود اصل قانون بن جاتا ہے۔

احمدی ان تحریروں کی وضاحت کے لیے قرآن کی وہ آیات پیش کرتے ہیں جن کا حوالہ اوپر دے چکا ہوں اور آیۃ سیف کے عام طور پر جو معنی سمجھے جاتے ہیں۔ اسے وہ تسلیم نہیں کرتے۔

ناسخ منسوخ

احمدیوں کا ایک اہم عقیدہ یہ ہے کہ قرآن کی کوئی آیت دوسری آیت سے منسوخ نہیں ہوئی۔ نیز یہ کہ آیت سیف میں اور مکہ میں نازل شدہ آیات میں کوئی تصادم نہیں ہے۔ وہ ناسخ اور منسوخ کے سارے نظریہ ہی کو تسلیم نہیں کرتے۔ اس سلسلہ میں حسب ذیل دو آیتیں پیش کی جاتی ہیں:۔

۱۔ ہم کسی آیت کا حکم موقوف کر دیتے ہیں یا اس کو بھلا دیتے ہیں تو ہم اس سے بہتر یا ویسی ہی آیت بھیج دیتے ہیں۔ کیا تجھے معلوم نہیں کہ اللہ ہر چیز پر قدرت رکھتا ہے۔

(سورۃ ۲۔ آیت۔ ۱۰۶)

۲۔ اور جب ہم کسی آیت کو دوسری آیت کے بجائے بدلتے ہیں تو گو اللہ تعالیٰ جو حکم بھیجتا ہے اسے خوب جانتا ہے۔ لیکن یہ لوگ کہتے ہیں تم جھوٹے اور جعلساز ہو۔

(سورۃ ۱۶۔ آیت ۱۰۱)

چنانچہ

”مسلمانوں کے عقیدے کے مُطابق قادیانی کافر ہیں

اور

دائرہ اسلام سے خارج ہیں“

چونکہ

۱۔ وہ یہ ماننے سے انکار کرتے ہیں کہ نبی کریم آخری نبی نہیں تھے قرآن کو غلط معنی پہناتے ہیں اور اس مذہب کو لعنتی اور شیطانی کہتے ہیں جن کے ماننے والے نبی کریم کو آخری نبی تسلیم کرتے ہیں۔

۲۔ مطلق تشریعی نبوت کا مرزا غلام احمد کا دعویٰ ہے۔

۳۔ ان کا یہ دعویٰ کہ حضرت جبرائیل ان کے پاس وحی لے کر آتے ہیں اور ان کی وحی قرآن کریم کے برابر ہے۔

۴۔ مختلف طریقوں سے انہوں نے حضرت عیسیٰ علیہ السلام، محمد رسول اللہ ﷺ اور حضرت امام حسین کی توہین کی ہے۔

۵۔ نبی کریم اور ان کے مذہب کے بارے میں توہین آمیز کلمات استعمال کیے ہیں۔

۶۔ قادیانیوں کے سوا تمام مسلمانوں کو کافر کہنا۔

۱۹۵۳ء کے فسادات کے دوران اور ۱۹۵۴ء میں تحقیقات سے پہلے قادیانی اپنے اکثر عقائد سے مکر گئے۔ اس لئے کہ تحقیقاتی عدالت کے سامنے انہوں نے جو موقف اختیار کیا اس سے معلوم ہوتا ہے کہ انہوں نے اس فرقہ کے بانی اور اس کے جانشینوں کے پیش کردہ معانی و مطالب کو بدلنے کی کوشش کی۔ لیکن احمدی فرقہ کے بانی اور ان کے جانشینوں کی لکھی ہوئی جو کتابیں موجود ہیں ان سے ان کے عقائد کے فلسفہ کی جھلک نظر آ جاتی ہے۔ اس صورت میں حسب ذیل نتائج پر پہنچا ہوں:۔

نتائج

۱۔ مسلمانوں میں اس پر اجماع ہے کہ پیغمبر اسلام خدا کے آخری نبی تھے اور ان کے بعد کسی اور نبی کو نہیں آنا تھا۔

۲۔ مسلمانوں میں اس پر اجماع ہے کہ جسے ہمارے نبی کے آخری نبی ہونے پر ایمان نہ ہو، وہ مسلمان نہیں ہے۔

۳۔ مسلمانوں میں اس پر اجماع ہے کہ قادیانی غیر مسلم ہیں۔

۴۔ مرزا غلام احمد نے خود اپنے اعلانات کے مطابق یہ دعویٰ کیا کہ ان پر ایسی وحی آتی ہے جو وحی نبوت کے برابر ہے۔

۵۔ خود مرزا غلام احمد نے اپنی پہلی کتابوں میں معیار رکھے ہیں وہ خود ان کے دعویٰ نبوت کی تکذیب کرتے ہیں۔

۶۔ انہوں نے اپنے مکمل پیغمبر ہونے کا دعویٰ کیا۔ ظل اور بروز کا سارا قصہ محض ڈھونگ ہے۔

۷۔ نبی کریمؐ کے بعد کسی پر وحی نبوت نہیں آ سکتی اور جو ایسا دعویٰ کرتا ہے، اسلام کے دائرہ سے خارج ہے۔

مندرجہ بالا استدلال اور نتائج کی بناء پر میں سمجھتا ہوں کہ ابتدائی سماعت کرنے والی عدالت کا فیصلہ صحیح ہے۔ اور میں سارے فیصلہ کی توثیق کرتا ہوں۔ مسماۃ امۃ الکریم کی اپیل میں کوئی وزن نہیں اور میں یہ اپیل خارج کرتا ہوں۔

جہاں تک لیفٹیننٹ نذیر الدین کی اپیل کا تعلق ہے اس کے متعلق مسٹر ظفر محمود ایڈووکیٹ نے مجھے لیفٹیننٹ نذیر الدین کی اپیل کے بارے میں کچھ نہیں بتایا۔

مسماۃ امۃ الکریم کے جہیز کا سامان ثابت ہو چکا ہے کہ اس کے سابق خاوند کے قبضہ میں ہے جس کی مناسب قیمت لگائی جا چکی ہے۔ اس کی بھی اپیل میں کچھ وزن نہیں۔ میں اسے بھی خارج کرتا ہوں۔

چونکہ

فریقین اپنے اپیل کرنے میں ناکام رہے ہیں۔ لہذا میں مناسب سمجھتا ہوں کہ خرچہ کسی پر نہ ڈالا جائے۔

راولپنڈی کے کلکٹر کو ہدایت کردی گئی ہے کہ کورٹ فیس وصول کرلیں۔

دستخط

محمد اکبر

ایڈیشنل ڈسٹرکٹ جج راولپنڈی

۳؍جون ۱۹۵۵ء

مجلس تحفظ ختم نبوت پاکستان

یہ جماعت پاکستان بننے کے بعد حضرت امیر شریعت سید عطاء اللہ شاہ بخاری کی سرپرستی میں سیاسی مناقشات سے الگ ہو کر دینی تبلیغ میں عموماً اور رد قادیانیت کے سلسلہ میں خصوصاً سرگرم عمل رہی ہے حضرت شاہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ کی وفات کے بعد حضرت خطیب پاکستان مولانا قاضی احسان احمد صاحب کی سرپرستی میں کام جاری رکھے ہوئے تھی، حضرت قاضی صاحب مرحوم کی وفات کے بعد اب حضرت مولانا محمد علی صاحب جالندھری دامت برکاتہم کی سرپرستی میں یہ جماعت کام کر رہی ہے اور بڑی مسرت کی بات ہے کہ استاذ العلماء حضرت مولانا خیر محمد صاحب جالندھری دامت برکاتہ مہتمم مدرسہ عربی خیر المدارس ملتان، اور حضرت مولانا سید محمد یوسف صاحب بنوری دامت برکاتہم مہتمم مدرسہ عربیہ اسلامیہ نیو ٹاؤن کراچی نے مجلس ہذا کی رہنمائی بطور مشیر مجلس مشاورت قبول فرما کر دینی احساس کی بہت بڑی ذمہ داری کو اٹھایا ہے۔ ان مندرجہ بالا حضرات کی سرپرستی میں اس وقت مجلس تحفظ ختم نبوت کا کام باحسن وجوہ انجام پا رہا ہے جس کے ماتحت تقریباً پینتیس (۳۵) علماء اسلام فریضہ تبلیغ اسلام میں مصروف ہیں اور گزشتہ جون ۱۹۶۷ء سے حضرت مناظر اسلام مولانا لال حسین صاحب اختر فریضہ تبلیغ اسلام کے لیے لنڈن (ہلڈرسفیلڈ) میں مقیم ہیں جس کے شاندار نتائج آپ حضرات کے سامنے ہیں۔ اس کے بعد جزائر فجی میں جو برطانیہ کی نو آبادیات میں ان میں بھی مولانا موصوف وسط جولائی تک تشریف لے جانے والے ہیں کیونکہ قادیانی وہاں بھی اپنی ریشہ دوانیاں پھیلا رہے ہیں جن کے سد باب کے لیے مولانا لال حسین صاحب اختر کے لیے ہمارے مرکز سے مسلمانان فجی نے استدعا کی ہے جس کو مرکز نے تبلیغ اسلام کے پیش نظر قبول کر لیا ہے۔ اہل فجی مولانا موصوف کے ویزا کے انتظام میں مصروف ہیں سب حضرات سے درخواست ہے کہ حضرت مولانا موصوف کی کامیابی اور صحت کے لیے دست بدعا رہیں اور خداوند قدوس ہماری ان مساعی حسنہ کو شرف قبول سے نوازے، آمین ثم آمین۔

مزید اس توسیع اشاعت کے سلسلہ میں جماعت کے قائم مقام ناظم مولانا عبدالرحیم اشعر نے ۲۰ صفر سے ۱۴ ربیع الاول ۸۸ھ تک مشرقی پاکستان پچیس روز کا دورہ کیا جہاں گزشتہ سال مجلس تحفظ ختم نبوت قائم ہو چکی ہے۔ اور اس کا الحاق بھی مرکزی مجلس ملتان سے ہو چکا ہے۔ چنانچہ قائمقام ناظم نے ضلع کمیلا میں برہمن باری کشور گنج کا دورہ کیا۔ شمالی بنگال میں دیناج پور، پنجا گڑھ اور اس کے ملحقہ گاؤں کا دورہ کیا۔ پنجا گڑھ میں ایک قادیانی شمس الدین نے توبہ کی اور قادیانی مظالم کی داستان خونچکاں سنائی۔ موصوف کے لیے دعا کریں کہ خدا اسے اسلام پر ثابت قدم رکھے۔ یہ احمد نگر کا باشندہ تھا۔

مندرجہ بالا علاقے قادیانی ریشہ دوانیوں کے مراکز بن چکے تھے۔ بعد ازاں ڈھاکہ، صوبائی دارالحکومت کے اہم مراکز میں تقریریں ہوئیں خصوصاً چوک والی مسجد، لال باغ مدرسہ قرانیہ اور بیت الکرم عظیم پور کالونی، نواب گنج بخشی بازار، فرید آباد ڈھاکہ اور اسلامی اکیڈمی میں خصوصی خطاب کا دانشور اور وکلاء حضرات کے لیے انتظام کیا گیا۔ مولانا موصوف کے نہایت کامیابی کے ساتھ دورہ پورا کر کے واپس لاہور تشریف لے آنے پر لاہور میں حضرات امیر مرکزیہ مولانا محمد علی صاحب جالندھری اور مولانا محمد حیات صاحب فاتح قادیان اور مولانا تاج محمود صاحب مدیر لولاک لائل پور کی سرکردگی میں چٹان پریس کی ضبطی کے معاملہ میں مذہبی رٹ جو دائر تھی، مولانا موصوف اس کی پیروی میں مصروف رہے۔ کافی مصحات کی مذہبی بحث جس میں قادیانی مذہب کی نقاب کشائی کی گئی ہے۔ داخل عدالت کی گئی ہے جس کی سماعت جناب جسٹس محمد گل اور جناب جسٹس کرم الٰہی چوہان ہائی کورٹ کے جج صاحبان کر رہے تھے۔ خدا تعالیٰ ان حضرات کو اہل اسلام کے جذبات کے مطابق فیصلہ کی توفیق عطا فرماوے۔

ناظم دفتر
مجلس تحفظ ختم نبوت ملتان پاکستان

ضمیمہ نمبر۳

قُلْ جَآءَ الْحَقُّ وَ زَهَقَ الْبَاطِلُ اِنَّ الْبَاطِلَ كَانَ زَهُوْقاً

پاکستانی عدلیہ کا محققانہ فیصلہ

مرزائی مُرتد و کافر ہیں

از

جناب شیخ محمد رفیق گریجہ جج سول اور فیملی کورٹ

جیمس آباد سندہ

ناشر
مکتبہ مجلس تحفظ ختم نبوت ملتان، پاکستان

سلسلہ اشاعت (۲۳)

بار اوّل

۔ ناشر	مرکزی مکتبہ مجلس تحفظ ختم نبوت پاکستان
۔ کتابت	خادم الفقراء منیر احمد روزنامہ مشرق لاہور
۔ طباعت	وفاق پریس لاہور
۔ ضخامت	۴۸ صفحات
۔ قیمت	نیوز -/۳۷ سفید -/۵۰ پیسے
۔ تعداد	۱۰۰۰۰

تاریخ اشاعت:۔ شعبان ۱۳۹۰ھ مطابق اکتوبر ۱۹۷۰ء

ملنے کا پتہ

مرکزی مکتبہ مجلس تحفظ ختم نبوت
تغلق روڈ ملتان
فون نمبر ۳۳۴۱

پیش لفظ

الحمدللہ وحدہ والصلوٰۃ والسلام علی من لانبی بعدہ وَ علیٰ اصحابہٖ
الّذین اوفو عہدہ

سلسلہ نبوت جس کی ابتدا حضرت آدم علیہ السلام سے ہوئی اور انتہا سرکار دو عالم ﷺ کی ذات گرامی پر ہوگئی۔ دین اسلام کی بنیاد ذریعہ نجات تصدیق واقرار توحید الٰہی ورسالت محمدی اور عقیدہ ختم نبوت ہے۔ یہی وجہ ہے کہ امت مسلمہ نے بلا قید زمان ومکان ہر دور میں کسی مدعی نبوت کو تسلیم نہیں کیا اور اس کے وجود کو برداشت نہیں کیا۔ امیر المومنین خلیفہ اوّل حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے باتفاق تمام اصحاب کرام واہل بیت عظام مدعی نبوت مسلیمہ کذاب کے خلاف جہاد کیا جس میں بارہ سو اصحاب رسول نے جام شہادت نوش کیا اور مسلیمہ اپنے اٹھائیس ہزار پیروکاروں کے ساتھ ہلاک وبرباد ہوا۔ خلافت راشدہ سے لے کر چودھویں صدی تک تمام ممالک اسلامیہ میں جس شخص نے دعویٰ نبوت کیا اگر بصورت قائمی ہوش وحواس کیا مقتول ہوا اور اگر بوجہ خلل دماغی کیا محبوس ہوا۔

انیسویں صدی کا نصف آخر مسلمانوں کے زوال وانحطاط کا اندوہناک دور تھا۔ جس میں مسلمان باہمی اختلاف وافتراق کا شکار ہوگئے۔ عیسائی جو کبھی مسلمانوں کی قوت وطاقت کا مقابلہ نہ کر سکتے تھے ان کے آپس میں اختلافات وتنازعات کی بدولت ہندوستان پر قابض ہوگئے۔ کفر کے تسلط پر ہندوستان دار الحرب ہوگیا۔ اسلامی وشرعی تعزیری حدود یک قلم منسوخ کر دی گئیں انا الحق کہو اور سولی نہ پاؤ والی حکومت قائم ہوگئی۔

ان حالات میں انگریزوں نے اپنے خود کاشتہ پودے مرزا غلام احمد قادیانی کو کھڑا کیا جس نے اپنی خانہ ساز نبوت کا اعلان واشتہار دینا شروع کر دیا۔ اس دعویٰ نبوت پر ہندوستان کے جملہ مکاتب فکر مثلاً سنی، شیعہ، اہلحدیث، بریلوی، دیوبندی کے علماء وفضلاء نے متفقہ طور پر مرزا صاحب کے ارتداد وکفر کا فتویٰ دے دیا نہ صرف ہندوستان کے علماء نے بلکہ افغانستان، ایران،

مصر و حجاز، شام و عراق کے علمائے کرام نے بھی مرزا غلام احمد قادیانی کے کفر و ارتداد پر مہر تصدیق ثبت کر دی۔

۱۸۹۲ء میں مرزا صاحب نے امیر عبدالرحمان والی افغانستان کو اپنی خود ساختہ نبوت کی تصدیق و تائید کے لیے خط ارسال کیا۔ جس کے جواب میں امیر موصوف نے لکھا کہ ”ایں جا بیا۔“ یعنی یہاں آ کر بات کرو۔ مرزا صاحب میں اتنا حوصلہ و جرأت کہاں؟ کہ افغانستان جاتے اور اسلامی حدود و تعزیرات کا سامنا کرتے۔

۱۹۰۲ء میں عبداللطیف افغانی نے امیر حبیب اللہ صاحب والی افغانستان سے حج و زیارت کی اجازت حاصل کی۔ امیر موصوف نے نہ صرف فریضہ حج کی ادائیگی کی اجازت دی بلکہ اپنی طرف سے زادراہ کے لیے رقم بھی دی۔ عبداللطیف نے سفر حجاز براستہ ہندوستان اختیار کیا۔ یہاں پہنچ کر یہ سادہ لوح شخص مرزا غلام احمد قادیانی کے دام تزویر میں پھنس گیا اور متاع ایمان کھو بیٹھا۔ بجائے اس کے کہ یہ شخص فریضہ حج ادا کرتا اور زیارت حرمین شریفین سے مشرف ہوتا افغانستان واپس چلا گیا۔ اس بات کا علم جب امیر موصوف کو ہوا تو انہوں نے اس معاملہ کو عدالت عالیہ افغانستان کے سامنے پیش کرنے کا حکم صادر فرمایا عدالت عالیہ نے عبداللطیف کے بیان و عقیدہ کی بناء پر اس کے مرتد ہو جانے کا فیصلہ کیا۔ اور چنانچہ عدالت کے اس فیصلہ کے مطابق عبداللطیف کو سنگسار کر دیا گیا۔ اس اسلامی فیصلے کا اثر و نتیجہ ہے کہ آج تک مملکت افغانستان میں ایک شخص بھی مرزائی نہیں ہوا۔

۱۹۲۴ء میں حکومت افغانستان نے ملا عبدالحکیم قادیانی اور انور علی قادیانی کو مرتد ہونے اور انگریزوں کی جاسوسی کرنے پر پھانسی کی سزا دی۔ ان اسباب و وجوہات کی بنا پر شاید سر ظفر اللہ نے اپنی وزارت خارجہ کے عہد میں پاکستان و افغانستان کو لڑانے کی ناپاک کوشش کی۔ ظفر اللہ کے فاسد خیالات اور مزموم حرکات کی وجہ سے ۱۹۶۷ء میں جب یہ ساؤتھ افریقہ گئے تو وہاں کے مسلمانوں نے ان کا سیاہ جھنڈیوں سے استقبال کیا اور ظفر اللہ ”گو بیک“ کے نعرے لگائے۔

۱۹ر نومبر ۱۹۲۷ء ماریشش (جزیرہ بحیرہ ہند) کے چیف جسٹس نے مرزائیوں کے عقاید اطلہ کی بناء پر ان کے مرتد ہو جانے کا فیصلہ صادر فرمایا۔

۲۰ر جنوری ۱۹۳۵ء کو مصطفیٰ کمال نے ترکیہ کے علماء کے فتویٰ کی تصدیق کی اور مرزائیوں کو دائرہ اسلام سے خارج قرار دیا۔

حال ہی میں حجاز، مصر، شام و عراق کی مقتدر حکومتوں نے مرزا قادیانی کو مرتد اور دائرہ اسلام سے خارج قرار دیا ہے اور مقامی قادیانیوں کی املاک کو ضبط کر لیا ہے۔ ۱۹۳۲ء میں ایک مسلمان عورت مسماۃ عائشہ نے اپنے خاوند مسمی عبدالرزاق مرزائی کے خلاف احمد پور شرقیہ کے سول جج کی عدالت میں تنسیخ نکاح کا دعویٰ دائر کر دیا۔ مقدمہ کی اہمیت کے پیش نظر والی ریاست بہاول پور عالی جناب سر محمد صادق نے مسٹر محمد اکبر صاحب ڈسٹرکٹ جج بہاول نگر کو بطور اسپیشل جج خاص بہاول پور میں مقدمہ سماعت کا حکم صادر فرمایا۔ چنانچہ جج صاحب موصوف نے ۷ر فروری ۱۹۳۵ء کو طویل سماعت کے بعد اپنا تاریخی فیصلہ سنا دیا۔ جس کی گونج سارے ہندوستان میں سنی گئی۔ فاضل جج نے مرزائیوں کو کافر قرار دے کر مسماۃ عائشہ کے نکاح کے فسخ ہو جانے کا حکم دیا۔

۳ر جون ۱۹۵۵ء کو راولپنڈی کے سیشن جج جناب شیخ محمد اکبر نے ایک مسلمان عورت اور مرزائی مرد کے متنازعہ مقدمہ میں مرزائیوں کو دائرہ اسلام سے خارج قرار دیا۔

زیر نظر کتابچہ عالیجناب شیخ محمد رفیق صاحب گوریجہ سول جج بااختیارات فیملی کورٹ جیمس آباد، ضلع تھرپارکر سندھ کا فاضلانہ فیصلہ ہے جو موصوف نے مقدمہ تنسیخ نکاح مسماۃ امت الہادی مسلمہ بنام حکیم نذیر احمد برق مرزائی میں صادر فرمایا ہے فاضل جج نے فریقین کے مذہبی عقائد و خیالات کے تفاوت کو قرآن و سنت اور مرزائیوں کی تصنیفات کی روشنی میں واضح کیا ہے۔ یہ فیصلہ انہوں نے مسلسل مطالعہ اور بڑی محنت شاقہ کے بعد کیا ہے۔ اس فیصلہ میں موصوف نے مرزائیوں کو دائرہ اسلام سے خارج قرار دیتے ہوئے اس نکاح کو غیر قانونی اور غیر مؤثر قرار دیا ہے اس فاضلانہ فیصلہ کا خیر مقدم جس جوش و خروش سے مسلمانوں نے کیا ہے اور ہمارے

اخبارات جرائد و رسائل نے پہلے صفحات اور جلی عنوانات کے ساتھ کیا ہے اس کی نظیر پہلے نہیں ملتی۔

اس فیصلے سے جہاں مسلمانوں میں بے پناہ مسرت ہوئی ہے مرزائیوں کے گھروں میں صف ماتم بچھ گئی ہے۔ سنا جاتا ہے کہ اس محققانہ فیصلہ کے خلاف ہائی کورٹ میں اپیل دائر کرنے کے سلسلے میں ظفر اللہ، ناصر احمد، بھٹو اور قصوری باہم مشورے کر رہے ہیں۔ مرکزیہ مجلس تحفظ ختم نبوت بڑی بے تابی سے اس اپیل کی منتظر ہے اور اپنے اس یقین کا اظہار کرنا ضروری خیال کرتی ہے کہ ؎

نہ خنجر اُٹھے گا نہ تلوار ان سے
یہ بازو میرے آزمائے ہوئے ہیں

مرزائی قرآن و سنت اور علم و دانش کی روشنی میں اپنا مؤقف نہ آج تک صحیح ثابت کر سکے ہیں اور نہ قیامت تک ثابت کر سکیں گے۔

مجلس تحفظ ختم نبوت جناب محمد عثمان صاحب ایڈووکیٹ جیمس آباد کی شکر گزار ہے کہ انہوں نے مسلمانوں کی طرف سے نہایت فاضلانہ بحث کی اور قرآن و سنت کے ناقابل تردید براہین کی روشنی میں مرزائیوں کے خارج از اسلام ثابت کرنے میں فاضل عدالت کو امداد دی۔ **فجزاہ اللہ احسن الجزاء۔**

(شعبہ نشر و اشاعت مجلس تحفظ ختم نبوت پاکستان، ملتان)

تنسیخ نکاح کا یہ مقدمہ کراچی کی ایک خاتون امتہ الہادی کی طرف سے ایک شخص حکیم نذیر احمد برق (جو ساٹھ سالہ بوڑھا ہے) کے خلاف سول جج جناب شیخ محمد رفیق صاحب گریجہ کی عدالت میں دائر کیا تھا (جن کو فیملی کورٹ کے بھی اختیارات حاصل ہیں) جج صاحب کا فیصلہ انگریزی ٹائپ کے ۳۴ صفحات پر مشتمل ہے۔ اور اس میں احمدیوں کے مذہبی عقائد پر تفصیلی بحث کی گئی ہے۔ اور اس سلسلے میں فرقہ احمدیہ کے بانی مرزا غلام احمد کی تصانیف سے متعدد اقتباسات کے علاوہ قرآن و حدیث کے بیشمار حوالے دیئے گئے ہیں۔ حضرت علامہ اقبالؒ سر امیر علی اور دیگر مسلمان اکابر کی آراء بھی درج کی گئی ہیں۔

مقدمہ کی بحث کے اہم نکات یہ ہیں

۱۔ کیا عدالت اس مقدمہ کی سماعت کی مجاز ہے؟

۲۔ کیا فریقین کی سابقہ مقدمہ بازی کے تصفیہ کے بعد مدعیہ کو مقدمہ دائر کرنے کا حق ہے؟

۳۔ کیا مدعیہ شادی کے وقت بالغ تھی؟

۴۔ کیا یہ دھوکے کی شادی تھی؟

۵۔ کیا فریقین کی شادی غیر قانونی تھی؟

۶۔ کیا مدعیہ اپنا نکاح فسخ کرنے کا اعلان کر سکتی ہے؟

۷۔ کیا واقعی مدعا علیہ دو سال سے زائد عرصہ تک مدعیہ کو خرچ دینے میں ناکام رہا؟

۸۔ کیا مدعیہ کو خلع لینے کا حق ہے؟ اگر ہے تو کن شرائط پر؟

بِسْمِ اللهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْم

تنسیخ نکاح کے مقدمہ کے فیصلہ کے متن کا ترجمہ

(از حریت کراچی)

فیصلہ کا متن:۔

فیملی سوٹ نمبر ۹/۱۹۶۹ء

مسماۃ امتہ الہادی دختر سردار خان   مدعیہ

بنام

حکیم نذیر احمد برق   مدعا علیہ

فیصلہ:۔

مدعیہ نے یہ مقدمہ مدعا علیہ کے ساتھ اپنے نکاح کی تنسیخ کے لیے مندرجہ ذیل امور کی بنا پر دائر کیا ہے۔

یہ کہ ۲۲/مارچ ۱۹۶۹ء کو جب مدعیہ کی عمر بمشکل ساڑھے چودہ برس تھی اس کے والد نے محمڈن لاء کے تحت اس کی شادی مدعا علیہ کے ساتھ کر دی۔ مدعیہ کا والد ایک ضعیف شخص ہے اور

اپنا ذہنی توازن کھو چکا ہے۔ اور اپنی روزی کمانے کے لائق نہیں ہے۔ اس لیے مدعیہ اور اس کے دوسرے بہن بھائیوں کی پرورش اس کے بڑے بھائی نے کی جو سرکاری ملازم ہے۔ مدعیہ کا والد مدعا علیہ کے روحانی اثر میں ہے۔ جس کی عمر ساٹھ سال ہے۔ اور جو خود کو ایک ایسا مذہبی مصلح قرار دیتا ہے جس کے روابط اللہ تعالیٰ سے ہیں۔ مدعیہ کا والد عرصہ سے مدعا علیہ کے ساتھ ہے۔ اور اس پر ایمان رکھتا ہے۔ اور مذہبی اختلافات کے باعث اس کے تعلقات کنبے کے دوسرے افراد کے ساتھ خوشگوار نہیں ہیں۔ مدعیہ اپنے بھائی کے ساتھ کنری میں رہائش پذیر تھی، اور وہ اپنے باپ کو دیکھنے کے لیے گئی تھی۔ جب موخر الذکر نے اس کی شادی مدعا علیہ کے ساتھ کر دی۔ شادی کے فوراً بعد مدعیہ اپنی ماں کے پاس واپس آ گئی۔ اور اسے دھوکے کی اس شادی اور اس سے اپنی ناراضگی کے بارے میں مطلع کیا۔ مدعا علیہ اور مدعیہ کے درمیان میاں بیوی کے تعلقات ابھی تک قائم نہیں ہوئے تھے۔ مدعا علیہ ساٹھ سال کی عمر کا ایک بوڑھا شخص ہے اور مدعیہ کی برادری کا آدمی نہیں ہے۔ ان کے درمیان مذہبی اختلافات کے علاوہ مدعا علیہ اور مدعیہ کے بھائی میں شادی کی بناء پر طویل عرصہ تک فوجداری مقدمہ بازی ہوتی رہی ہے۔ اور یہ کہ مدعیہ اس شادی کے نتیجہ میں مدعا علیہ سے ساتھ خوش نہیں رہ سکتی۔ مدعا علیہ نے دو سال سے زائد عرصہ تک مدعیہ کو خرچ وغیرہ بھی نہیں دیا ہے۔ یہ کہ مدعیہ اب سن بلوغ کو پہنچ چکی ہے۔ وہ اس عدالت کے دائرہ اختیار میں ہے اور اب اس نے اس مقدمے کے ذریعے اپنا حق بلوغت استعمال کیا ہے۔ یہ کہ بصورت دیگر بھی فریقین کے درمیان یہ شادی غیر قانونی اور ناجائز ہے۔ کیونکہ مدعیہ سنی مسلمان ہے اور مدعا علیہ احمدی (قادیانی) ہے۔

مدعا علیہ نے اس مقدمے کی سماعت کی مخالفت متعدد وجوہ کی بنا پر کی جو اس کے تیرہ صفحات پر مشتمل تحریری بیان میں شامل ہیں۔ میں ضروری نہیں سمجھتا کہ یہاں اس تحریری بیان کو دوبارہ پیش کروں کیونکہ اس سے فیصلہ غیر ضروری طور پر طویل ہو جائے گا۔ تاہم اتنا کہہ دینا کافی ہے کہ مدعا علیہ نے مدعیہ کے تمام الزامات کی تردید کی ہے۔ اس نے عمر کے بارے میں بھی مدعیہ کے بیان اور مدعیہ کی رہائش کے سوال پر عدالت کے دائرہ اختیارات کو چیلنج کیا ہے۔ اور حق زناشوئی دلانے کا مطالبہ کیا ہے مدعا علیہ نے مدعیہ کے والد سے اپنے تعلقات کی تفصیلات بھی

بیان کی ہیں اور اپنے مذہبی عقائد کا تذکرہ کرتے ہوئے دعویٰ کیا ہے کہ فریقین کے درمیان یہ شادی قانونی ہے۔ فیصلہ میں مناسب موقع پر مدعاعلیہ کے موقف سے بحث کی جائے گی۔

فریقین کے بیانات کی روشنی میں مندرجہ ذیل امور تصفیہ طلب قرار پاتے ہیں:۔

۱۔ آیا عدالت کو اس مقدمے کی سماعت کا اختیار نہیں ہے؟

۲۔ آیا فریقین کے درمیان سابقہ مقدمہ بازی کا تصفیہ ہو جانے کے باعث اب مدعیہ کو یہ مقدمہ دائر کرنے کا حق پہنچتا ہے؟

۳۔ آیا مدعیہ شادی کے وقت نابالغ تھی؟

۴۔ آیا مدعیہ کے والد نے مدعاعلیہ کے ساتھ اس کی شادی دھوکہ سے کی تھی؟

۵۔ آیا فریقین کے درمیان یہ شادی غیر قانونی تھی؟

۶۔ آیا مدعیہ کو حق حاصل ہے کہ وہ مدعاعلیہ کے ساتھ اپنا نکاح فسخ کرنے کا اعلان کرے؟

۷۔ آیا مدعاعلیہ دو سال سے زائد عرصے تک مدعیہ کو خرچ وغیرہ دینے میں ناکام رہا ہے؟

۸۔ آیا مدعیہ کو خلع لینے کا حق حاصل ہے۔ اور اگر ہے تو کن شرائط پر؟

میں نے فریقین کے وکلاء کے دلائل سنے ہیں اور مدعاعلیہ کا مؤقف بھی جو اس نے خود پیش کیا سنا ہے۔ مدعیہ کے فاضل وکیل مسٹر محمد عثمان نے مذہب اور قانون کے بارے میں کئی کتابوں کے حوالے دیئے۔ جن کا تذکرہ میں فیصلے میں کروں گا۔ دلائل کی سماعت اور مقدمے کے شواہد پر غور کرنے کے بعد میں نے مندرجہ نتائج اخذ کئے ہیں۔

مسئلہ نمبر ا۔

مدعیہ نے اپنی درخواست میں اور عدالت کے روبرو اپنے بیان میں کہا ہے کہ وہ سامارو میں رہائش پذیر ہے۔ مدعاعلیہ نے اس کی نہ تو اپنے تحریری بیان میں تردید کی ہے اور نہ عدالت کے روبرو سے چیلنج کیا ہے۔ اپنے تحریری بیان کے پیراگراف نمبر ۱۲ میں مدعاعلیہ نے اعتراف کیا ہے

کہ مدعیہ سامارو میں اپنے بھائی کے پاس رہائش پذیر رہی ہے۔ اس لیے مدعیہ کی عمومی رہائش گاہ وہ جگہ تصور کی جائے گی۔ جہاں وہ واقعی رہ رہی ہے نہ کہ وہ جگہ جہاں اس کا باپ رہتا ہے۔ مغربی پاکستان فیملی کورٹ رولز مجریہ ۱۹۶۵ء کے ضابطہ نمبر ۶ کے تحت جس جگہ مدعی رہائش پذیر ہو، اس کی عدالت کو تنسیخ نکاح کے مقدمے کی سماعت کا حق حاصل ہے۔ سامارو یقیناً اس عدالت کے دائرہ اختیار میں آتا ہے۔ اور یہ عدالت زیر نظر مقدمے کی سماعت اور اس کا فیصلہ کرنے کی مجاز ہے۔ چنانچہ زیر بحث مسئلے کا تصفیہ مدعیہ کے حق میں کیا جاتا ہے۔

مسئلہ نمبر ۲

اس مسئلہ کے تصفیہ کی ذمہ داری مدعا علیہ پر ہے جس نے اپنے موقف کی حمایت میں کوئی شہادت پیش نہیں کی۔ وہ یہ ثابت کرنے کے لیے کسی عدالت کا کوئی فیصلہ پیش نہیں کر سکا ہے کہ اب اس مقدمہ کو دوبارہ زیر بحث نہیں لایا جا سکتا اس ضمن میں مدعا علیہ کا موقف بے جان ہے اور اس میں کوئی وزن نہیں۔ اس لیے اس مسئلے کا فیصلہ مدعا علیہ کے خلاف کیا جاتا ہے۔

مسئلہ نمبر ۵

یہ انتہائی اہم مسئلہ ہے اور اگر اس کا فیصلہ مدعیہ کے حق میں ہو جائے تو پھر اس مقدمے کے فیصلے کے لیے دوسرے امور پر غور کرنے کی ضرورت ہی نہیں رہے گی۔ فریقین کے فاضل وکلاء نے اس مسئلہ پر سیر حاصل بحث کی۔ یہ امر قابل ذکر ہے، کہ مدعا علیہ حکیم نذیر احمد نے اپنے وکیل مسٹر لطیف کی اعانت کے بغیر ہی اس مسئلہ کے قانونی پہلو پر پورے مذہبی جوش و خروش کے ساتھ اپنی خود وکالت کی۔

مدعا علیہ کے فاضل وکیل مسٹر لطیف نے مغربی پاکستان فیملی کورٹ ایکٹ مجریہ ۱۹۶۴ء کی دفعہ ۲۳ پر انحصار کرتے ہوئے یہ موقف اختیار کیا کہ اس عدالت کو شادی کے قانونی جواز کی سماعت کا اختیار نہیں۔ کیونکہ یہ شادی مسلم فیملی لاز آرڈیننس کے تحت انجام پائی تھی۔

دفعہ ۲۳ میں کہا گیا ہے۔

’’کوئی فیملی کورٹ کسی شادی کے جواز پر غور نہیں کرے گی جو مسلم فیملی لاز آرڈیننس مجریہ ۱۹۶۱ء کے مطابق رجسٹر کی گئی ہو، اس سلسلے میں متذکرہ عدالت کے لیے کوئی شہادت بھی قابل قبول نہیں ہوگی‘‘۔

متذکرہ دفعہ ۲۳ کا احتیاط کے ساتھ مطالعہ کرنے پر اس کی زبان ہی سے یہ بات واضح ہو جاتی ہے کہ شادی کے جواز پر غور کرنے کے سلسلہ میں پابندی صرف اس صورت میں ہے جب کوئی شادی مسلم فیملی لاز آرڈیننس کے تحت اس لیے دفعہ ۲۳ کے مندرجات کا سہارا لینے سے پہلے مدعاعلیہ کو یہ ثابت کرنا ہوگا کہ فریقین کی شادی مسلم فیملی لاز آرڈیننس مجریہ ۱۹۶۱ء کے تقاضوں کے مطابق ہوئی تھی مسلم لاز آرڈیننس کی دفعہ نمبر ۱ کے ذیلی دفعہ نمبر ۲ میں واضح طور پر کہا گیا ہے کہ اس کا اطلاق پاکستان کے تمام مسلمان شہریوں پر ہوتا ہے۔ متذکرہ آرڈیننس کی دفعہ ۵ کے تحت صرف وہ شادیاں رجسٹر کی جاسکتی ہیں جو مسلم لاز کے تحت انجام پائی ہوں اور آرڈیننس کی دفعہ نمبر ۵ کی ذیلی دفعہ نمبر ۱ میں کہا گیا ہے۔

’’ہر وہ شادی جو مسلم لاز کے تحت انجام پائی ہو، اس آرڈیننس کے مندرجات کے مطابق رجسٹر کی جائے گی‘‘۔

مسلم فیملی لا کے تحت کسی مخالف فرقے کے شخص کے ساتھ شادی کرنے کے سلسلے میں ایک مسلمان کے غیر محدود اختیار پر پابندیاں عائد ہیں۔ اس سلسلہ میں سب سے اہم پابندی فریقین کا مذہب یا عقائد ہیں۔ مختلف مکاتب فکر سے تعلق رکھنے والے مسلمان ایک دوسرے کے ساتھ آزادانہ شادی کر سکتے ہیں۔ اور تھوڑا بہت فقہی مسلک کا اختلاف کوئی اہمیت نہیں رکھتا۔ فقہ حنفی میں ایک مرد کسی عورت یا کتابیہ سے شادی کر سکتا ہے۔ لیکن ایک مسلمان عورت مسلمان مرد کے علاوہ کسی سے شادی نہیں کر سکتی۔ ایک مسلمان عورت کسی کتابی سے بھی شادی نہیں کر سکتی۔ اور کسی بھی غیر مسلم سے جن میں عیسائی، یہودی یا بت پرست شامل ہیں۔ اس کی شادی ناجائز ہوگی۔ مدعیہ کے فاضل وکیل نے اس بات پر زور دیا ہے کہ مدعیہ اور مدعاعلیہ کے درمیان شادی غیر مؤثر

ہے۔ کیونکہ موخر الذکر قادیانی (احمدی) غیر مسلم ہے۔ اس لیے اب یہ سوال تصفیہ طلب ہے کہ آیا فریقین کے درمیان شادی مسلم لاز کے تحت ہوئی ہے اور چونکہ یقینی طور یہ شادی مسلم لاء کے تحت جائز نہیں ہے۔ اس لیے مقدمے کے اس پہلو کا تفصیلی جائزہ لینا اور بھی ضروری ہو گیا ہے۔ اس ضمن میں کسی نتیجے پر پہنچنے کے لیے یہ پتہ چلانا ضروری ہے کہ دونوں فریقین مسلمان ہیں یا نہیں۔ چنانچہ اس سلسلہ میں یہ عدالت فریقین کے بارے میں چھان بین کر سکتی ہے۔ فیملی کورٹس ایسے ہی معاملات کا تعین کرنے کے لیے خاص طور پر تشکیل دی گئی ہیں۔ اس لیے میری رائے یہ ہے کہ فریقین کے درمیان شادی کے جواز کی چھان بین کی جا سکتی ہے۔

مدعیہ کے بیان کے مطابق مدعاعلیہ کے ساتھ اس کی شادی غیر مؤثر ہے۔ اس لیے اگر قانون کی نظر میں بھی نکاح غیر مؤثر ہے اور ایسا نکاح جو غیر قانونی طور پر مسلم فیملی لاز آرڈیننس کے تحت رجسٹر کیا گیا۔ کوئی قانونی حیثیت نہیں رکھتا اور یہ فیملی کورٹ کی دفعہ ۲۳ کے تحت بالغ نہیں ہو سکتا۔ میں قانون کی اس تعبیر سے متفق ہوں اور یہ قرار دینے میں کوئی جھجک محسوس نہیں کرتا کہ دفعہ ۲۳ کے تحت جو ممانعت کی گئی ہے اس کا اطلاق صرف اسی صورت میں ہو سکتا ہے کہ جائز مسلم شادی کو مسلم فیملی لاز آرڈیننس کے تحت درج کیا گیا ہو۔ اور اس مقصد کے تحت عدالت کو یہ اختیار حاصل ہے۔ کہ وہ یہ دیکھے کہ آیا فریقین کے درمیان جو نکاح ہوا ہے۔ وہ وجود بھی رکھتا ہے یا نہیں۔

یہاں یہ بات قابل ذکر ہے کہ مغربی پاکستان فیملی کورٹ میں ترمیمی آرڈیننس مجریہ ۱۹۶۹ء کے ذریعے ترمیم کر دی گئی ہے۔ جس کے تحت کلاز نمبر ۷ کے شیڈول میں اضافہ کیا گیا ہے۔ اور شادیوں کے جواز کے مقدمات کی سماعت کے لیے خصوصی اختیارات دیئے گئے ہیں۔ اس اضافے کے پیش نظر میری رائے یہ ہے کہ مغربی پاکستان فیملی کورٹ آرڈیننس کی دفعہ نمبر ۲۳ اس حد تک بالواسطہ طور پر منسوخ کر دی گئی ہے۔ اب اس امر کا جائزہ لینے سے پہلے آیا مدعاعلیہ ایک غیر مسلم ہے میں مغربی پاکستان کے خلاف آغا شورش کاشمیری کی رٹ درخواست نمبر ۹۳۷

(۱۹۶۸ء) کے ضمن میں مغربی پاکستان ہائی کورٹ کے ججوں کے ان مشاہدات کا حوالہ دینا ضروری سمجھتا ہوں۔ جن میں قرار دیا گیا ہے کہ عدالت یہ تعین کر سکتی ہے کہ احمدی مسلمان نہیں ہیں۔ اگر اس سلسلے کا تعلق کسی طور جائیداد یا کسی منصب کے حق سے ہو۔ یہ مشاہدات زیر بحث مقدمہ میں میری تائید کرتے ہیں کہ عدالت یہ چھان بین کرنے کی مجاز ہے کہ مدعاعلیہ قادیانی (احمدی) ہونے کی وجہ سے مسلمان ہے یا نہیں۔ عدالت عالیہ کے فاضل ججوں نے رٹ درخواست نمبر ۹۳۷ (۱۹۶۸ء) میں جو مشاہدات پیش کئے تھے اور جن کا ذکر اوپر کیا گیا ہے وہ درج ذیل ہیں۔

''۲۴۔ جہاں تک تجارت اور پیشے کی آزادی اور تقریر کی آزادی سے متعلق بنیادی حقوق ۸، اور ۹ کا تعلق ہے وہ ہنگامی حالات کے اعلان کی وجہ سے معطل ہو گئے ہیں۔ مذہب پر عمل اور اس کے اعلان کی آزادی ہے۔ لیکن اس پر عمل کا مسئلہ قانون امن عامہ اور اخلاقیات کے تابع ہے۔ اس لیے یہ قطعی نہیں ہے۔ قانون کے تابع ہونے کا مطلب یہ ہے کہ پاکستان کے ہر شہری کے لیے یہی آزادی تسلیم کی گئی ہے۔ جو قانون امن عامہ اور اخلاقیات کے تقاضوں کے تابع ہے۔ درخواست گزار کے فاضل وکیل کے تمام دلائل کا لب لباب یہ ہے کہ احمدی اسلام کا فرقہ نہیں ہے اور یہ بات کہنے کی ضمانت درخواست گزار کو آئین کی رو سے حاصل ہے۔ لیکن فاضل وکیل یہ حقیقت نظر انداز کر گئے ہیں کہ پاکستان کے شہریوں کی حیثیت سے احمدیوں کو بھی یہ آئینی ضمانت اور آزادی حاصل ہے کہ وہ اپنے اسلام کے دائرے میں ہونے کا اعلان کریں۔ درخواست گزار دوسروں سے وہ حق کیوں کر چھین سکتا ہے۔ جو وہ خود اپنے لیے طلب کرتا ہے۔ یہ بات ہماری فہم سے بالاتر ہے۔ وہ یقیناً انہیں دھمکا نہیں سکتا۔ اس وقت تصفیہ طلب بات یہ ہے کہ درخواست گزار اور ان کے دوسرے ہم خیال قانونی طور پر احمدیوں کو یہ ماننے سے کیونکر روک سکتے ہیں کہ اسلام کے دوسرے فرقوں کے نظریاتی اختلافات کے باوجود اسلام کے اتنے ہی اچھے پیرو ہیں۔ جتنا کہ کوئی اور شخص جو خود کو مسلمان کہتا ہے اس سوال کا جواب درخواست گزار کے

وکیل نے بڑی صفائی سے نفی میں دیا کہ آیا ایسا کوئی مقدمہ یا اعلان جائز ہوگا۔ جس کے ذریعے یہ طے کیا جائے کہ احمدی مسلمان نہیں ہیں۔ یا جس کے ذریعے سے احمدیوں کو خود کو مسلمان کہنے سے روک دیا جائے یہ بات قابل اطمینان ہے۔ اور یہ مجرد سوال اس وقت تک نہیں اٹھایا جانا چاہیئے۔ جب تک اس کا کوئی تعلق کسی جائیداد یا منصب کے حق سے نہ ہو۔ ایسی صورت میں ایک دیوانی مقدمہ جائز ہوگا۔ مؤخر الذکر کی معروف شکلوں کا تعلق سجادہ نشین یا خانقاہ کے متولی کے عہدوں اور ایسے دوسرے اداروں سے ہے جن میں بعض اوقات مذہبی عقائد ان عہدوں پر فائز ہونے کی بنیادی شرط ہوتے ہیں۔ ہمارے مقاصد کے تحت سب سے موزوں مثال آئین کا آرٹیکل نمبر ۱۰ ہے جس کے مطابق دوسری خصوصیات کے علاوہ صدارتی انتخابات کے امیدوار کے لیے مسلمان ہونا لازمی قرار دیا گیا ہے۔ صدارتی انتخابات کے ایکٹ مجریہ ۱۹۶۴ء کی دفعہ ۸ کے تحت ریٹرننگ افسر کو یہ اختیار ہے کہ وہ اس بات کا اطمینان کرنے کے لیے سرسری تحقیقات کرے کہ کوئی صدارتی امیدوار آئین کے تحت صدر منتخب ہونے کا اہل ہے۔ اس میں یہ تحقیقات بھی شامل ہے کہ متذکرہ امیدوار مسلمان ہے۔ اگر کسی امیدوار کے کاغذات نامزدگی اس لیے مسترد کر دیئے جائیں کہ وہ مسلمان نہیں تو پھر الیکشن کمیشن کے روبرو اپیل کی جا سکتی ہے اور اس قسم کی اپیل پر کمیشن جو بھی فیصلہ دے گا وہ قطعی ہوگا۔ آئین کے آرٹیکل نمبر ۱۷۱ میں مزید کہا گیا ہے کہ انتخاب کے سلسلے میں کسی تنازعہ کا تصفیہ صرف طے شدہ طریق کار کے مطابق یا اس مقصد کے لیے قائم شدہ ٹریبونل کے ذریعے ہوگا۔ کسی اور طریق سے نہیں۔ آرٹیکل کے کلاز نمبر ۲ میں کہا گیا ہے کہ:‘‘

> ’’جب کسی شخص کے صدر منتخب ہونے کا اعلان کر دیا جائے تو انتخاب کے جواز کو کسی بھی طرح کسی بھی عدالت یا اتھارٹی کے روبرو زیر بحث نہیں لایا جا سکتا‘‘۔

اس طرح یہ بات ظاہر ہے کہ صدارتی انتخاب کے لئے بھی اس بات کا قطعی تعین کرنے کی غرض سے خصوصی اختیارات وضع کئے گئے ہیں کہ امیدوار مسلمان ہیں یا نہیں اور دیوانی عدالت کا دائرہ اختیار محدود کر دیا گیا ہے۔

اب ہم ہر اس بات کا جائزہ لیتے ہیں کہ زیر بحث مقدمہ میں فریقین کے درمیان ہونے والی شادی مسلم شادی نہیں ہے۔ کیونکہ مدعیہ کے بیان کے مطابق مدعا علیہ قادیانی (احمدی) عقائد کا پیرو ہونے کے سبب غیر مسلم ہے۔ اس سلسلہ میں صرف ایک نقطہ غور طلب ہے۔ اور وہ یہ مدعا علیہ مسلمان ہے یا نہیں جہاں تک مدعیہ کا تعلق ہے۔ وہ حنفی (سنی) مسلم ہے۔ جب کہ مدعا علیہ نے خود قرار کیا ہے کہ وہ قادیانی (احمدی) ہے۔

مدعا علیہ کے عقیدے اور اس کے مذہب کے بارے میں صحیح رائے قائم کرنے کے لیے یہ مناسب معلوم ہوتا ہے کہ اس کے بیان کے ضروری حصے اور اس کے خطوط اور بعض دوسری تحریریں پیش کر دی جائیں، اپنے بیان ایکس ۲۹ میں مدعا علیہ کہتا ہے:

> ’’میں احمدی فرقہ سے تعلق رکھتا ہوں، میں ۸/نومبر ۱۹۶۵ء سے خلیفہ ہوں اور اسی وقت سے سردار محمد خان میرا پیروکار ہے۔ میں مرزا غلام احمد قادیانی کا تیسر خلیفہ ہوں، یہ حقیقت ہے کہ سرِ دست احمدی جماعت کے خلیفہ مرزا ناصر احمد ایم اے ہیں جو مرزا غلام احمد کے دوسرے خلیفہ کے سب سے بڑے صاحبزادے ہیں۔ مرزا غلام احمد کے دوسرے خلیفہ بشیر الدین احمد تھے یہ حقیقت ہے کہ اپنی درخواست کے پیراگراف نمبر ۳ میں میں نے بیان دیا تھا کہ مدعیہ کا باپ اسلام کے سنی فرقے سے تعلق رکھتا ہے۔ میں مرزا غلام احمد قادیانی کا سچا پیروکار ہوں اور ان کی تعلیمات پر مکمل ایمان رکھتا ہوں۔ میں نے مرزا غلام احمد قادیانی کی کتابوں کا مطالعہ کیا ہے۔‘‘

یہ حقیقت ہے کہ میں نے ایک خط میں لکھا ہے کہ قرآن پاک کے مطالعہ سے مجھ پر یہ انکشاف ہوا ہے کہ ۱۳۹۹ ہجری میں رمضان کے مہینے میں دوشنبے کی کسی شب کو مجھے امتی نبی اور رسول بنایا جائے گا۔ میں نے ایک ایکس ۳۴ اور خط میں لکھا ہے کہ عرش پر اور آسمان میں میرا حقیقی نام محمد احمد ہے۔ یہ میرا عقیدہ ہے کہ مرزا غلام احمد میری روحانی ماں اور حضرت محمد ﷺ میرے روحانی باپ ہیں۔ اور میں ان کا مکمل روحانی بیٹا ہوں‘‘

''مجھے مرزا غلام احمد کی تحریروں پر ایمان ہے...... میں اس حقیقت سے انکار نہیں کر سکتا کہ مرزا غلام احمد نے اپنے نبی اور رسول ہونے کا دعویٰ کیا تھا۔ مرزا غلام احمد نے خود کو امتی نبی اور رسول قرار دیا تھا...... یہ حقیقت ہے کہ ۵ر مارچ ۱۹۰۸ء کے ''بدر'' کے شمارے میں مرزا غلام احمد کا ایک دعویٰ شائع ہوا تھا جس میں انہوں نے کہا تھا کہ وہ نبی اور رسول ہیں۔ اس میں انہوں نے یہ دعویٰ امتی نبی یا رسول کی حیثیت سے نہیں کیا تھا۔ میں نے مرزا بشیر الدین کی کتاب ''حقیقت النبوت'' پڑھی ہے جس میں مرزا غلام احمد کو مجازی نہیں بلکہ حقیقی نبی قرار دیا گیا ہے۔ یہ حقیقت ہے کہ جو شخص نبی کے منصب کا منکر ہوتا ہے۔ وہ کافر قرار پاتا ہے میں نے مرزا بشیر الدین کی کتاب آئینہ صداقت پڑھی ہے جس میں کہا گیا ہے کہ جو شخص حضرت مرزا غلام احمد کی نبوت پر یقین نہیں رکھتا۔ وہ قطع نظر اس کے کہ اس نے ان کا نام سنا ہے یا نہیں کافر ہے اور دائرہ اسلام سے خارج ہے۔ مرزا فضل احمد ولد مرزا غلام احمد کی بیعت نہیں تھی۔ یہ حقیقت ہے کہ مرزا غلام احمد نے اپنے بیٹے مرزا فضل احمد کی نماز جنازہ نہیں پڑھی تھی۔ اپنے عقیدے کے مطابق ہم ان لوگوں کی نماز جنازہ نہیں پڑھتے جو مرزا غلام احمد کی نبوت پر یقین نہیں رکھتے۔ ہمارے عقیدے کے مطابق مرزا غلام احمد کی پیروکار کسی عورت کی شادی کسی ایسے شخص سے نہیں ہو سکتی جو ان کے پیروکار نہیں''۔

اگزبٹ ۳۶ میں مدعا علیہ کہتا ہے:

''علیم و حکیم خدا تعالیٰ نے اپنے کل وعدوں وغیرہ اور ازلی و ابدی ارادوں وغیرہ کے مطابق مجھ عاجز ۳۱-۱۲-۶۷ کو بروز اتوار اپنے الہامات کے ذریعے یہ علم بخشا کہ ہم نے اپنے ازلی و ابدی ارادوں وغیرہ کے مطابق ۲۷ر رمضان کی کے باوجود مدعا علیہ کو مسلمان تصور کیا جا سکتا ہے یا نہیں۔ اس مقصد کے لیے احمدیوں کی تاریخ کی چھان بین کرنا غیر ضروری نہ ہوگا۔

احمدیت کی تاریخ:

اس فرقے کو سمجھنے کے لیے اس دور کا جائزہ لینا پڑے گا۔ جس میں یہ فرقہ معرض وجود میں آیا تھا۔ مرزا غلام احمد اس تحریک کے بانی تھے۔ ان کے والد مرزا غلام مرتضیٰ سکھ دربار میں ملازم تھے۔ مرزا غلام احمد ۱۳ر فروری ۱۸۳۵ء کو ضلع گورداسپور کے ایک گاؤں (قادیان) میں پیدا ہوئے ان کی تعلیم گھر پر ہی ہوئی اور وہ صرف عربی، فارسی اور اُردو پڑھ سکتے تھے۔ ۱۸۶۴ء میں وہ کلرک کی حیثیت سے ڈسٹرکٹ کورٹ سیالکوٹ میں ملازم ہوئے جہاں وہ چار سال کام کرتے رہے۔ بعد ازاں انہوں نے ملازمت چھوڑ دی اور اپنا وقت تصنیف و تالیف اور مذہبیات کے مطالعے میں صرف کرنے لگے، مارچ ۱۸۸۲ء میں مرزا غلام احمد نے دعویٰ کیا کہ خدا کی طرف سے انہیں الہام ہوا ہے۔ ۱۹۰۱ء میں انہوں نے نبی اور رسول ہونے کا دعویٰ کر دیا۔

یہ بات ذہن میں رکھنی ضروری ہے کہ اس سے تھوڑا ہی عرصہ پہلے برصغیر غیر ملکیوں کی محکومی میں آ گیا تھا۔ مسلمانوں نے اس خطہ زمین پر آٹھ سو سال سے زائد مدت تک حکمرانی کی تھی اور معاشرے پر ان کے اثرات کلچر پر ان کی چھاپ اور نظم و نسق میں ان کی اصلاحات ابھی تک تازہ تھیں۔ اب وہ وقت آ گیا تھا۔ کہ انحطاط کے اندرونی عمل کے علاوہ جو ان کے اقتدار کی جڑیں کھوکھلی کر رہا تھا۔ بعض ایسی طاقتیں بھی ان کے درپے ہو گئی تھیں۔ جن پر ان کا کوئی کنٹرول نہیں تھا۔ جو عالمی سطح پر کام کر رہی تھیں۔ مغرب میں عیسائیت اسلام کے خلاف سرگرم عمل تھیں۔ مشرق وسطیٰ میں عرب معاشرہ جو کسی زمانہ میں اپنی خوش بختی سے اسلام کا گہوارہ بنا۔ مکہ میں پیدا ہوا، مدینہ میں پروان شب شنبہ ۲۹۔ ۳۰ر دسمبر ۱۹۶۷ء کی درمیانی رات میں اپنے عرش بریں پر اور کل آسمانوں پر ایک اعلان کر کے یہ حقیقت ظاہر کر دی ہے کہ برق عرش کو (یعنی مدعا علیہ) آج کی رات سے محمد مصطفیٰ اور احمد قادیانی کی نبوت و رسالت وغیرہ ظلی و بروزی راہ سے عطا کر کے ان کو روحانی طور پر احمد رسول اللہ اور محمد رسول اللہ ہونے کا کل شرف دے دیا ہے، بعدہٗ یہ علم ملا کہ

ہم نے حضرت محمد رسول اللہ احمد رسول اللہ کا شمس الانبیاء ہونا کل دنیا پر ظاہر و باہر کرنے کے لیے مجھے قمر الانبیاء یعنی کل رسولوں کا چاند ہونے کا مقام و مرتبہ عطاء کر دیا ہے"۔

اگز بٹ ۳۸ میں مدعا علیہ کہتا ہے۔

> "میں عاجز آپ لوگوں کے نزدیک تو سب انسانوں سے ہر طرح بدترین ہوں اور آپ لوگ مجھ کو ہر طرح سے تباہ و برباد کرنا، عین نیکی کا کام اور بہت بڑا ثواب وغیرہ جانتے ہیں۔ مگر خدا اور رسول کے نزدیک چونکہ خدا اور رسول کا بہت ہی شاندار معمول خلیفہ اور امام الزمان اور پندرھویں صدی ہجری کا مجدد اور کل روحانی آسمانوں وغیرہ کا شہنشاہ اور حضرت رسول وغیرہ کا کامل اور جامع بروز مظہر و مثیل وغیرہ ہوں"۔

اگز بٹ ۲۴ میں مدعا علیہ کہتا ہے۔

> "مرزا غلام احمد قادیانی میرے نزدیک بروزی و ظلی طور پر وہ کچھ تھے۔ جو حضرت رسول عربی تھے۔ میں عاجز بروزی اور ظلی طور پر وہی کچھ ہوں جو کہ حضرت مرزا صاحب تھے۔ آنحضرت میرے لیے روحانی طور پر باپ ہیں اور حضرت مرزا صاحب روحانی طور پر ماں ہیں اور میں ان دونوں سے پیدا ہونے والا کامل اور جامع روحانی بیٹا ہوں اور خدا تعالیٰ کے عرش اور آسمانوں پر میرا اصل نام محمد احمد ہے۔"

مدعا علیہ نے اعتراف کیا ہے کہ وہ مرزا غلام احمد کا پیروکار ہے اس لیے یہ معلوم کرنا بیحد ضروری ہے کہ مرزا غلام احمد کی پیروی کرنے اور ان کی تعلیمات پر ایمان رکھنے، چڑھا دمشق میں، رو بہ زوال ہوا اور بغداد میں اس کی قبر کھُد گئی، یہاں نظریئے اور عمل کا ایک ایسا ملغوبہ تیار ہوا جس کا اسلام سے دور کا بھی تعلق نہیں تھا۔ مسلمانوں کا نظریاتی انتشار شروع ہو چکا تھا۔ اور اس سے برصغیر ہندوستان بھی متاثر ہوئے بغیر نہ رہ سکا۔ وہ غیر ملکی جو یہاں تجارت کے لیے تھے یہیں رہ پڑے، انہوں نے حصول اقتدار کے لیے سازشیں اور ریشہ دوانیاں شروع کر دیں اور بالآخر

اپنی حکومت قائم کر لی۔ مسلمان اس ملک کی دوسری قوموں پر اب بھی فوقیت رکھتے تھے اور وہ اس ملک پر دوبارہ حکمرانی کرنے کے خواہش مند تھے۔ اس صورتحال نے غیر ملکیوں کے ذہنوں کو جھنجھوڑ کر رکھ دیا اور انہوں نے سوچا کہ جب تک مسلمانوں کو بالکل قلاش نہ کر دیا جائے ان غیر ملکیوں کے اقتدار کو دوام نہ مل سکے گا چنانچہ انہوں نے مسلمانوں کے خلاف اپنی عالمگیر سلطنت اور صنعتی اعتبار سے انتہائی ترقی یافتہ معیشت کے تمام وسائل استعمال کرنے شروع کر دیئے اور دغا فریب کا کوئی حربہ باقی نہ رہنے دیا۔ ہندو آبادی نے بھی اپنے مفادات غیر ملکیوں سے وابستہ کر لیے اور ان ہی مسلمانوں میں کچھ میر جعفر اور میر صادق میسر آ گئے۔ مسلمانوں نے غیر ملکی تسلط کے خلاف سرفروشانہ جدوجہد کی لیکن وہ اس سیلاب کے آگے بند نہ باندھ سکے، انیسویں صدی کے وسط میں سارا برصغیر برطانیہ کے زیر نگین آ چکا تھا غیر ملکی حکومت کے جلو میں عیسائی مشینری بھی برصغیر میں پہنچے اور اس کے بعد مسلمانوں کے لیے ابتلاء کا ایک طویل اور صبر آزما دور شروع ہو گیا۔

انگریزوں کے آلۂ کار

عیار انگریز اس بات سے آگاہ تھے کہ برصغیر کے مسلمان مذہب کے بارے میں بیحد حساس ہیں اور یہ صرف اسلام ہی تھا جس نے انہیں متحد کر کے ایک عظیم طاقت بنا دیا تھا، اس لیے انگریزوں نے سوچا کہ اگر کسی طرح مسلمانوں کے اتحاد کو ختم کر کے ان کا شیرازہ بکھیر دیا جائے تو انہیں غلام بنانا زیادہ آسان ہو جائے گا۔ انگریزوں کو مرزا غلام احمد میں وہ تمام خصوصیات مل گئیں جو مسلمانوں میں انتشار و افراق پیدا کرنے کے لیے ضروری تھیں۔ مرزا غلام احمد نے انگریزوں کی حمایت میں مسلمانوں کے درمیان پھوٹ اور بے اعتمادی کی فضا پیدا کرنی شروع کر دی۔ یہ بات ثبوت کی محتاج نہیں کہ مرزا غلام احمد مسلمانوں میں انتشار و افراق پیدا کرنے کے لیے انگریزوں کے آلۂ کار تھے۔ مسٹر جسٹس منیر اور مسٹر جسٹس کیانی نے بھی ۱۹۵۳ء میں پنجاب کے فسادات کے متعلق اپنی رپورٹ میں جو عام طور پر منیر رپورٹ کہلاتی ہے اسی قسم کے خیالات کا اظہار کیا ہے۔

اپنی کتاب تبلیغ رسالت، جلد ۷ صفحہ ۱۰) میں مرزا غلام احمد کہتے ہیں۔

’’اپنے بچپن سے لے کر موجودہ ساٹھ سال کی عمر تک میں بڑی سنجیدگی سے اپنی تحریروں اور تقریروں کے ذریعہ یہ کوشش کرتا رہا ہوں کہ مسلمانوں کے دلوں میں انگریزوں کے لیے محبت اور موانست کے جذبات پیدا ہوں میں یہ بھی کوشش کرتا رہا ہوں کہ مسلمان انگریزوں کے خلاف جہاد کا نظریہ ترک کر دیں‘‘۔

شہادت القرآن میں وہ کہتے ہیں:

’’جیسا کہ میں بار بار کہتا رہا ہوں، اسلام کے دو جز ہیں، ایک تو یہ کہ خدا کے حکم کی تعمیل کرو اور دوسرے یہ کہ حکومت کے وفادار ہو جو اپنے ساتھ امن لائی ہے اور جس نے ہمیں اس سرزمین کے ظالموں سے نجات دلائی ہے۔‘‘

ایک اور مقام پر وہ کہتے ہیں:

’’میں نے اردو فارسی اور عربی میں کئی کتابیں دنیا کے ملکوں کو یہ بتانے کے لیے لکھی ہیں کہ برطانیہ کے راج میں مسلمان بڑے اطمینان اور مسرت کی زندگی گزار رہے ہیں۔‘‘

ایک اور جگہ وہ لکھتے ہیں:

’’میں یہ بات زور دے کر کہتا ہوں کہ مسلمانوں میں صرف میرا فرقہ ایسا تھا جو برطانوی حکومت کا انتہائی وفادار اور اطاعت شعار رہا اور کوئی ایسا قدم نہیں اٹھانا چاہیے جس سے برطانوی حکومت کو اپنا کام چلانے میں کسی قسم کی رکاوٹ پیدا ہو‘‘۔

۱۹/ اکتوبر ۱۹۱۵ء کے الفضل میں انہوں نے لکھا ہے۔

’’برطانوی حکومت احمدیوں کے لیے ایک نعمت اور ڈھال ہے اور صرف اسی کے سائے میں وہ پھل پھول سکتے ہیں...... ہمارے مفادات اس حکومت کے تحت بالکل محفوظ ہیں...... جہاں جہاں برطانوی حکومت کے قدم پہنچتے ہیں ہمارے لیے اپنے عقائد کی تبلیغ کا موقع نکل آتا ہے۔‘‘

تبلیغ رسالت کی جلد نمبر ۶ میں وہ کہتے ہیں:

> ''میں اپنے عقیدے کی تبلیغ مدینہ، روم، شام، ایران یا کابل میں نہیں کرسکتا، لیکن صرف اس (برطانوی) حکومت کے سائے میں کرسکتا ہوں۔ جس کی خوشحالی کے لیے ہمیشہ دُعا کرتا رہتا ہوں۔''

اس سے یہ بات بالکل واضح ہو جاتی ہے کہ مرزا غلام احمد نے محض اپنے آقاؤں کی خوشنودی حاصل کرنے کے لیے مسلمانوں میں انتشار وافراق پھیلانے کا کھلا لائسنس حاصل کر لیا تھا۔ اپنی تحریروں میں انہوں نے خود اس بات کی شکایت کی ہے کہ انہیں برطانوی سامراج کا ایجنٹ قرار دیا جاتا ہے۔

ان حالات سے بحث کے جن کے تحت یہ (احمدی) تحریک پروان چڑھی معلوم کرنا ضروری ہے کہ مسلمان ہونے کی ضروری شرائط کیا ہیں۔ امیر علی اپنی کتاب محمڈن لاء میں لکھتے ہیں:

> ''کوئی شخص جو اسلام لانے کا اعلان کرتا یا دوسرے لفظوں میں خُدا کی وحدت اور محمد ﷺ کے پیغمبر ہونے کا اقرار کرتا ہے وہ مسلمان ہے اور مسلم لاء کے تابع ہے۔''

ہر وہ شخص جو خدا کی وحدت اور رسول عربیؐ کی پیغمبری پر ایمان رکھتا ہے۔ دائرہ اسلام میں آجاتا ہے۔

سر عبدالرحیم اپنی کتاب ''محمڈن جورسپرڈنس'' میں لکھتے ہیں کہ اسلامی عقیدہ خُدائے واحد کی حاکمیت اور محمد ﷺ کے نبی کی حیثیت سے مشن کی صداقت پر مشتمل ہے۔ انہی آراء کا اظہار متعدد دوسری کتابوں میں کیا گیا ہے۔ قرآن حکیم میں مسلمان ہونے کی شرائط سورۃ النساء میں درج کی گئی ہیں۔

اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں:

اے ایمان والو تم اعتقاد رکھو اللہ پر اور اس کے رسُول پر جو اسنے اپنے رسولؐ پر نازل فرمائی اور ان کتابوں کے ساتھ جو کہ پہلے نازل ہو چکی ہیں اور جو شخص اللہ تعالیٰ کا انکار کرے اور اس کے فرشتوں کا اور اس کے رسُول کا اور روز قیامت کا تو وہ شخص گمراہی میں بڑی دُور جا پڑا۔''

(سورۃ النساء آیت نمبر ۱۳۶)

قرآن مجید کی متذکرہ بالا آیت میں واضح طور پر سابق پیغمبروں، آسمانی صحیفوں اور رسُول پاک اور ان کی کتاب کا تذکرہ کیا گیا ہے لیکن اس میں کہیں بھی مستقبل کے پیغمبروں اور ان کی کتب کا حوالہ موجود نہیں۔ اس سے اس کے سوا کوئی نتیجہ اخذ نہیں کیا جا سکتا کہ آنحضرت ﷺ آخری نبی ہیں۔ اور ان پر جو کتاب نازل ہوئی وہ آخری کتاب ہے۔ یہی بات سورہ احزاب میں زیادہ زور دے کر کہی گئی ہے۔ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں:

''محمد ﷺ تم میں سے کسی کے باپ نہیں لیکن وہ اللہ کے پیغمبر اور خاتم النبیین ہیں۔ اور اللہ ہر چیز کا جاننے والا ہے۔''(۳۳،۴۰)

خود رسُول پاک ﷺ نے بھی کئی حدیثوں میں صورت حال کی وضاحت فرمائی ہے۔ حضور فرماتے ہیں:

(الف) جب بنی اسرائیل میں کسی نبی کا انتقال ہوا تو اس کی جگہ دُوسرا نبی آ گیا: لیکن میرے بعد کوئی نبی نہیں آئے گا۔ (بخاری)۔

(ب) رسالت و نبوت کا سلسلہ ختم ہو چکا ہے میرے بعد کوئی رسُول ﷺ یا نبی نہیں آئے گا۔ (ترمذی)۔

(ج) میں آخری نبی ﷺ ہوں اور تم آخری اُمت ہو۔ (ابن ماجہ)

قرآن پاک اور رسول ﷺ اکرم کے مندرجہ بالا ارشادات کے بعد یہ جان کر حیرت ہوتی ہے کہ مدعا علیہ نے خود کو (نعوذ باللہ) پیغمبروں کی صف میں کھڑا کر دیا ہے اور اس ممدوح مرزا غلام احمد نے بھی اپنے پیغمبر نبی اور رسول ہونے کا دعویٰ کیا ہے۔ میں مدعا علیہ کے عقائد کا پہلے بھی ذکر کر چکا ہوں جو اس کے بیان اور خطوط میں درج ہیں۔ احمدیوں اور مسلمان کے واضح اختلافات پر روشنی ڈالنے کے لیے مرزا غلام احمد کے نام نہاد انکشافات میں بعض کا حوالہ دینا ضروری ہے۔

''ازالہ ادہام'' میں وہ کہتے ہیں:

''میں وہ ہوں جس کا ذکر یوں کیا گیا ہے۔

مُبَشِّرًا بِرَسُوْلٍ يَّاْتِيْ مِنْ بَعْدِي اسْمُهٗ اَحْمَدُ

ایک اور جگہ انہوں نے کہا ہے:

’’میں مسیح موعود ہوں‘‘

’’معیار الاخیار‘‘ میں صفحہ نمبر ۱۱ پر وہ کہتے ہیں۔

’’میں مہدی ہوں اور کئی پیغمبروں سے برتر ہوں‘‘

سیالکوٹ کی تقریر میں صفحہ ۳۳ پر وہ دعویٰ کرتے ہیں۔

’’میں مسلمانوں کے لیے مسیح اور مہدی ہوں اور ہندوؤں کے لیے کرشن۔‘‘

’’حقیقت الوحی‘‘ میں صفحہ نمبر ۳۹۱ پر وہ لکھتے ہیں:

میں نبی ہوں، نبی کا نام صرف مجھ کو عطا کیا گیا ہے۔

اسی کتاب میں صفحہ ۹۹ پر وہ کہتے ہیں:

’’خدا نے مجھ سے کہا ہے کہ:

’’لولاك لما خلقت الافلاك‘‘

(اگر تم پیدا نہ ہوتے تو میں آسمان اور زمین تخلیق نہ کرتا۔)

وہ پھر کہتے ہیں:

خدا نے مجھ سے کہا ہے کہ:

وَمَا اَرْسَلْنٰكَ اِلَّا رَحْمَةً لِّلْعٰلَمِيْنَ

(خُدا نے تمہیں زمین پر رحمت بنا کر بھیجا ہے)

اسی کتاب کے صفحہ ۱۰۷ پر وہ مزید کہتے ہیں۔

خُدا نے مجھ سے کہا کہ:

’’اِنَّكَ لَمِنَ الْمُرْسَلِيْنَ‘‘

’’یقیناً تم رسول ہو‘‘

صفحہ ۳۹ پر وہ مزید کہتے ہیں۔

’’مجھے الہام ہوا ہے جس میں کہا گیا ہے‘‘

یَاأَیُّهَا النَّاسُ إِنِّی رَسُوْلُ اللّٰهِ إِلَیْکُمْ جَمِیْعاً۔

اے لوگو! دیکھو میں تم سب کے لیے رسُول ہوں۔

صفحہ ۱۷۹ پر انہوں نے اپنے خیالات کا اظہار یوں کیا ہے:

کُفر کی ایک شکل یہ بھی ہے کہ کوئی شخص اسلام پر ہی یقین نہ رکھے اور رسُول پاک حضرت محمدؐ کو خدا کا پیغمبر تصور نہ کرے۔ کفر کی ایک دوسری شکل یہ ہے کہ کوئی شخص مسیح موعود پر ایمان نہ لائے اور اس کی صداقت کا قطعی ثبوت مل جانے کے باوجود اسے جعل ساز قرار دے حالانکہ خدا اور اس کا رسول اس کی حقانیت کی گواہی دے چکے ہیں اور جس کے متعلق سابق پیغمبروں کے مقدس صحیفوں میں بھی تذکرہ موجود ہے چنانچہ جو خدا اور اس کے پیغمبر کا فرمان مسترد کرتا ہے۔ وہ کافر ہے غور کیا جائے تو دونوں قسم کے کفر ایک ہی زمرے میں آتے ہیں۔‘‘

حقیقت الوحی کے صفحہ ۱۶۳ پر وہ کہتے ہیں۔

’’جو شخص مجھ پر ایمان نہیں رکھتا وہ کافر ہے۔‘‘

مرزا غلام احمد مزید کہتے ہیں:

’’میرے ذریعے خدا نے اپنا چہرہ لوگوں کو دکھایا ہے چنانچہ اے لوگوں جو رہنمائی کے طالب ہو اپنے تئیں میرے دروازے پر پہنچاؤ‘‘۔

’’خدا نے مجھ پر منکشف کیا ہے کہ جو شخص میری پیروی نہیں کرتا اور میرے حلقے میں داخل نہیں ہوتا اور میرا مخالف رہتا ہے وہ خدا اور رسول کا باغی تصور کیا جائے گا۔ اور جہنم کا مستحق ہوگا۔‘‘

’’خدا نے مجھ سے کلام کیا ہے اس دور میں خدا کے خلاف حسد پچھلے سارے زمانوں سے زیادہ پھیل گیا ہے کیونکہ متذکرہ رسول کی اہمیت اب بہت کم ہوگئی ہے

اس لیے خدا نے مسیح موعود کے طور پر مجھے بھیجا ہے۔’’

حقیقت الوحی میں صفحہ ۱۶۳ پر وہ کہتے ہیں:

‘‘جو شخص مجھ پر ایمان نہیں رکھتا وہ کافر ہے۔’’

انہوں نے ایک اور جگہ اپنے خیالات کا اظہار یوں کیا ہے:

میں مسیح موعود ہوں اور وہی ہوں جسے پیغمبر اعظم نے نبی اللہ قرار دیا ہے۔

‘‘میں اللہ تعالیٰ کے فرمان کے مطابق نبی ہوں اور اس حقیقت انکار گناہ ہے میں کیوں کر اس سے انکار کر سکتا ہوں۔ جب خداوند تعالیٰ نے خود نبوت کا منصب مجھے عطا کیا ہے۔ میں اپنی زندگی کے آخری سانس تک اس یقین پر قائم رہوں گا۔’’

خدا نے مجھ پر انکشاف کیا ہے کہ اے احمد ہم نے تمہیں نبی بنایا ہے۔’’

‘‘میں اس خدا کی قسم کھا کر کہتا ہوں جس کے ہاتھوں میں میری زندگی ہے کہ اس نے خود مجھے بھیجا ہے اور اس نے خود مجھے نبی بنایا ہے۔’’

‘‘خدا نے مجھ پر انکشاف کیا ہے کہ ہر وہ شخص جس تک میرا پیغام پہنچے اور وہ مجھے قبول نہ کرے تو وہ مسلمان نہیں ہے۔

‘‘اب یہ خدا کی مرضی ہے کہ مسلمانوں میں سے جو مجھ سے دور رہیں انہیں تباہ کر دیا جائے گا خواہ وہ بادشاہ ہوں یا رعایا۔ میں یہ بات اپنی طرف سے نہیں کہہ رہا ہوں۔ بلکہ یہ وہ انکشاف ہے جو خدا نے مجھ سے کیا ہے۔

‘‘فتاویٰ احمدیہ’’ جلد نمبر ۱ صفحہ ۱۸) میں مرزا غلام احمد کہتے ہیں:

ان لوگوں کے پیچھے نماز مت پڑھو جو مجھ پر ایمان نہیں رکھتے۔’’

اس کی دوسری جلد کے صفحہ ۷ پر وہ لکھتے ہیں:

‘‘اپنی بیٹیاں ان لوگوں کے نکاح میں نہ دو جو مجھ پر ایمان نہیں رکھتے۔’’

انوار خلافت میں صفحہ ۸۹ پر وہ لکھتے ہیں۔

''کسی ایسے شخص کی نماز جنازہ مت پڑھو جو مسیح موعود پر ایمان نہیں رکھتا۔''

''انجام آتھم'' (ضمیمہ) میں وہ کہتے ہیں۔''

''یسوع مسیح کی تین نانیاں اور تین دادیاں طوائف تھیں۔''

''تذکرہ شہادتین'' میں صفحہ ۶۴ پر مرزا غلام احمد کہتے ہیں:

وہ وقت آنے والا ہے بلکہ آ پہنچا ہے جب یہ واحد مذہب ہوگا جس کی سب پیروی کریں گے۔ خدا اس مذہب اور اس تحریک پر اپنی غیر معمولی رحمتیں نازل فرمائے گا۔ اور ہر اس شخص کو ختم کردے گا۔ جو اس کے خلاف معاندانہ عزائم رکھتا ہے...... روئے زمین پر صرف ایک مذہب اور ایک رہنما باقی رہ جائے گا۔ میں صرف بیج بونے کے لیے آیا ہوں۔ اور میں اپنا کام کر چکا ہوں۔ یہ بیج اب بڑھکر درخت بنے گا۔ اور پھل لائے گا۔ اور کوئی اس کے نمو کو روک نہیں سکے گا۔''

''تحفہ گولڑیہ'' میں مرزا غلام احمد کہتے ہیں:

''وقت آنے والا ہے۔ بلکہ آ پہنچا ہے۔ جب تحریک عالمگیر بن جائے گی۔ اور اسلام اور احمدیت ایک دوسرے کے مترادف بن جائیں گے۔ یہ خدا کی طرف سے انکشاف ہے۔ جس کے لیے کوئی بھی چیز ناممکن نہیں''۔

صحیح بخاری، صحیح مسلم، بائبل، دانیال اور دوسرے پیغمبروں کی کتابوں میں جہاں میرا ذکر کیا گیا ہے وہاں لفظ ''پیغمبر'' کا اطلاق مجھ پر ہوتا ہے۔

''دافع البلا'' میں صفحہ ۱۳ پر وہ کہتے ہیں:

''میں حسینؑ سے برتر ہوں''۔

'' آئینہ کمالات میں ایگزبٹ ۵۶۴) وہ کہتے ہیں:۔

''میں نے اپنے تئیں خدا کے طور پر دیکھا ہے۔ اور میں یقین سے کہہ سکتا ہوں کہ میں وہی ہوں اور میں نے آسمان کو تخلیق کیا ہے۔''

کلمۃ الفصل'' میں ایک مقام پر وہ کہتے ہیں:

''جو شخص موسیٰؑ پر یقین رکھتا ہے۔ لیکن عیسیٰؑ کو نہیں مانتا یا جو عیسیٰؑ پر یقین رکھتا ہے۔ لیکن محمدؐ کو نہیں مانتا یا جو محمدؐ پر یقین رکھتا ہے لیکن مسیح موعود کو نہیں مانتا وہ یقیناً نہ صرف کافر ہے بلکہ وہ دائرہ اسلام ہی سے خارج ہے۔''

مدعا علیہ اور مرزا غلام احمد دونوں نے حضرت عیسیٰؑ کے بارے میں ایک بالکل مختلف تصور پیش کیا ہے جو مسلمانوں کے مسلمہ عقائد کے یکسر منافی ہے اور قرآن پاک کی تعلیمات سے متصادم ہے، مرزا غلام احمد کہتے ہیں کہ یسوع مسیح کو صلیب سے چڑھایا گیا تھا۔ ان کی موت واقع نہیں ہوئی۔ وہ صلیب سے زندہ آئے اور کشمیر چلے گئے۔ جہاں ان کی طبعی موت واقع ہو گئی۔ مرزا غلام احمد کہتے ہیں کہ حضرت عیسیٰؑ کے دوسرے مشن کی تکمیل یوں نہیں ہوگی کہ وہ شخصی طور پر دنیا میں آئیں گے بلکہ ان کی روح ایک دوسرے شخص کے جسم میں حلول کر جائے گی اور حضرت عیسیٰؑ کا یہ دوسرا روپ مرزا غلام احمد خود ہیں۔ لیکن قرآن مجید میں اس بارے میں بالکل مختلف بات کہی گئی ہے۔

سورۂ الزخرف میں اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں:

ترجمہ: ''اور جب مریمؑ کے بیٹے کو مثال کے طور پر پیش کیا جاتا ہے تو لوگ ہنستے ہیں اور کہتے ہیں کہ کیا یہ ہمارے خداؤں سے بہتر ہے؟ وہ اعتراض کسی دلیل یا بحث کے لیے نہیں کرتے بلکہ صرف شرارت سے ایسا کرتے ہیں، بلکہ وہ جھگڑالو ہیں۔ اس کی حیثیت ایک بندے سے زیادہ کچھ نہیں جس پر ہم نے اپنی رحمت نازل کی۔ اور کھڑا کیا۔ بنی اسرائیل کے واسطے (نمونہ) اگر ہم چاہیں تو نکالیں تم سے فرشتے جو زمین پر تمہاری جگہ بستے اور وہ نشان ہے اس گھڑی (قیامت) کا۔ سو اس میں شک نہ کرو۔ اور میرا کہا مانو۔ یہ ایک سیدھی راہ ہے (۴۳=۵۷۔۶۱)

آل عمران میں اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں:

ترجمہ: اے عیسیٰؑ میں تیری عمر کو پورا کرونگا اور اٹھالوں گا اپنی طرف اور پاک کروں گا۔ کافروں سے اور رکھوں گا اور تیرے تابعوں کو اوپر منکروں سے قیامت کے دن

> تک پھر میری طرف تم کو پھر آنا ہے۔ پھر فیصلہ کروں گا تم میں اس بات میں تم جھگڑتے تھے۔''

النساء میں اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں:

> ترجمہ: اور اس کے کہنے پر کہ ہم نے مارا مسیح عیسیٰؑ مریم کے بیٹے کو، جو رسول تھا۔ اللہ کا اور نہ اس کو مارا ہے اور سولی پر چڑھایا۔ لیکن وہی صورت بن گئی۔ ان کے آگے اور جو لوگ اس میں کئی باتیں نکالتے۔ وہ اس جگہ شبہ میں پڑے ہیں۔ کچھ نہیں ان کو اس کی خبر، مگر اٹکل پر چلتے ہیں اور اس کو مارا نہیں یقین سے۔ بلکہ اس کو اٹھا لیا۔ اللہ نے اپنی طرف اور ہے اللہ زبردست حکمت والا۔'' (۴:۱۵۷،۱۵۸)

متذکرہ بالا سے یہ بات واضح ہے کہ احمدیوں اور مسلمانوں میں محض فلسفیانہ اختلافات ہی نہیں۔ اے آئی آر ۱۹۲۳ء مدارس ۱۷ ابھی میرے سامنے فریقین کے فاضل وکلاء نے پیش کی ہے۔ جس میں احمدیوں اور غیر احمدیوں کے اختلافات سے بحث کی گئی ہے، لیگل اتھارٹی کے پورے احترام کے ساتھ میں یہ کہنے کی جرأت کرتا ہوں کہ احمدیوں اور غیر احمدیوں میں نہ صرف یہ کہ بنیادی، نظریاتی اختلافات موجود ہیں، بلکہ ان میں عقیدے اور اعلان نبوت کے بارے میں بھی اختلافات موجود ہیں۔ نیز اللہ تعالیٰ کی طرف سے وحی کا نزول، قرآن پاک کی آیات کو مسخ کرنا۔ میری رائے میں کسی شخص کو بھی مرتد قرار دینے کے لیے کافی ہیں،

مدعا علیہ اور غلام احمد کے عقائد کا جائزہ لینے سے یہ بات ظاہر ہوتی ہے کہ انہوں نے جان بوجھ کر دوسروں کو گمراہ کرنے کی کوشش کی ہے اور اس مقصد کے لیے ایک طرف دشنام طرازی کا سہارا لیا ہے تو دوسری طرف بڑی فنکاری سے ناخواندہ اور کم علم لوگوں کو متاثر کرنے کی کوشش کی ہے۔ اسلام کی نظر میں یہ بہت بڑا گناہ ہے ہز لارڈشپ مسٹر جسٹس دلال نے کالی چرن شرما بنام شہنشاہ کے مقدمہ میں اپنے خیالات کا اظہار کیا ہے:

> ''اس مقدمہ میں میں معاملات کو ایک ہائی کورٹ کے ایک فاضل جج کی حیثیت سے ہی نہیں بلکہ ہندوستان کے ایک قصبے کے ایک عام شہری کی حیثیت سے بھی

دیکھتا ہوں، میں خود کو ایک مسلمان کی جگہ رکھتا ہوں جو اپنے پیغمبر کی عزت و آبرو کا احترام کرتا ہے اور پھر میں سوچتا ہوں کہ میرے جذبات اس ہندو کے بارے میں کیا ہوں گے جو اس پیغمبر کا مذاق اڑاتا ہے اور وہ یہ کام اس لیے نہیں کرتا کہ وہ سنکی ہو گیا ہے بلکہ وہ ایک ایسے پروپیگنڈے سے متاثر ہے جو ان لوگوں نے شروع کیا ہے۔ جو مسلمان نہیں۔ ایسی صورت میں میں ایک عام آدمی کی حیثیت سے اسی نفرت کا مظاہرہ کروں گا جو مصنف کے طبقے سے مخصوص ہے۔ (اے آئی آر ۱۹۲۷ء اے ایل ایل ۶۵۴)

جیسا کہ میں نے پہلے وضاحت کی ہے، مدعا علیہ نے خود کو نعوذ باللہ پیغمبران کرام کی صف میں کھڑا کر دیا ہے اور اس کے ممدوح مرزا غلام احمد بھی یہ اعلان کر چکے ہیں کہ وہ پیغمبر، نبی اور رسول ہیں، مزید برآں مرزا غلام احمد نے حضرت عیسیٰؑ کی دادیوں اور نانیوں کے خلاف غیر شائستہ زبان استعمال کی ہے اور اسی پر بس نہیں بلکہ آنحضرت ﷺ اور ان کے صحابہؓ کے بارے میں توہین آمیز کلمات کہے ہیں، اس سلسلے میں مرزا غلام احمد کے متذکرہ بالا نام نہاد انکشافات کے حوالے کے علاوہ ''ملفوظاتِ احمدیہ'' میں ان کی تحریروں کو ثبوت کے طور پر پیش کیا جا سکتا ہے رسول پاک اس سے زیادہ اور کوئی توہین نہیں ہو سکتی کہ مرزا غلام احمد جیسا شخص یا مدعا علیہ یا کوئی اور خود کو پیغمبران کرام کی صف میں کھڑا کرنے کی جسارت کرے، کوئی مسلمان کسی شخص کی طرف سے ایسا دعویٰ برداشت نہیں کر سکتا، اور نہ قرآن و حدیث سے اس طرح کے دعویٰ کی تائید لائی جا سکتی ہے۔

مرزا غلام احمد نے دانستہ طور پر قرآن پاک کی آیات خود سے منسوب کی ہیں۔ اور انہیں خود ساختہ معنی پہنائے تا کہ وہ دوسروں کو گمراہ کر سکیں اور یہ بے خبر اور جاہل لوگوں کو گمراہ کرنے کی ایسی سنگین غلط بیانی ہے جو جان بوجھ کر روا رکھی گئی اور جو اسلام کی نظر میں گناہ کبیرہ ہے۔

احمدیوں نے ۱۷ جولائی ۱۹۲۲ء کے الفضل میں یہ دعویٰ کیا ہے کہ:

''کوئی شخص بھی کسی منصب جلیلہ تک پہنچ سکتا ہے یہاں تک کہ وہ نعوذ باللہ محمد رسول اللہ سے بھی آگے نکل سکتا ہے۔ ۱۲ رجون ۱۹۴۵ء کے الفضل میں احمدیوں نے یہ دعویٰ بھی کیا ہے جس نے میرے ہاتھ پر بیعت کر لی اس کا مرتبہ وہی ہو گیا جو صحابہ رسول کا تھا''۔

''ملفوظات احمدیہ'' میں ایک جگہ یہ کہا گیا ہے کہ:

''تمہارے درمیان ایک زندہ علی موجود ہے اور تم اسے چھوڑ کر مردہ علی کو تلاش کر رہے ہو، اس کے علاوہ مرزا غلام احمد نے اپنے پیروؤں کو یہ حکم دیا ہے کہ اپنی بیٹیوں کو غیر احمدیوں کے نکاح میں نہ دیں کیونکہ یہ لوگ کافر ہیں۔

''شیخ الاسلام حضرت تقی الدین نے کہا ہے کہ:

''جو خدا سے ڈرتا ہے وہ کلمہ پر ایمان رکھنے والے کسی شخص کو کافر قرار نہیں دے سکتا۔ ایسا شخص ہمیشہ کے لیے مردود ہو گیا اور اسے کسی مسلمان عورت سے شادی کی اجازت نہیں دی جا سکتی۔'' (الطبقات الکبریٰ)

پیغمبران کرام کے بارے میں غیر شائستہ زبان کا استعمال ہی کسی کے ارتداد کے رجحان کی...... غمازی کرنے کے لیے کافی ہے (۱۰۶ پی آر ۱۸۹۱) مسلم لاء کی تشکیل کے ابتدائی دور میں ارتداد بہت بڑا گناہ تھا جس کی سزا موت ہوتی تھی۔

طحطاوی جلد دوم کے صفحہ ۸۴ پر کہتا ہے۔

''اگر میاں بیوی میں سے ایک بھی ارتداد کا مرتکب ہو تو ان کی شادی جو اسلامی شادی تھی، فوری طور پر فسخ ہو جائے گی۔ اور انہیں لازمی طور پر ایک دوسرے سے الگ ہونا پڑے گا۔'' مگر مرزا غلام احمد جیسا کہ میں قبل ازیں بتا چکا ہوں، اسلام کی تعلیمات کے علی الرغم اپنے پیروؤں کو یہ حکم دیتے ہیں کہ اپنی بیٹیاں غیر احمدیوں کے نکاح میں نہ دیں کیونکہ وہ کافر ہیں۔''

علامہ اقبال کا مشورہ

اس سے یہ بات ظاہر ہے کہ احمدی مسلمانوں سے الگ مذہب کے پیروکار ہیں اور علامہ اقبال نے اس وقت کی حکومت ہند کو بالکل درست مشورہ دیا تھا کہ اس (طبقے) (احمدیوں) کو مسلمانوں سے یکسر مختلف تصور کیا جائے اور اگر انہیں علیٰحدہ حیثیت دی گئی تو مسلمان ان کے ساتھ اسی رواداری سے پیش آئیں گے، جس کا مظاہرہ وہ دوسرے مذاہب کے پیروؤں سے کرتے ہیں۔ اس میں کوئی شک نہیں کہ احمدیوں کو احمدی کی حیثیت سے زندگی گزارنے کا حق حاصل ہے مدینہ کے منشور میں جسے اسلامی پالیسی کا میگنا کارٹا قرار دیا جا سکتا ہے، رسول پاک ﷺ نے غیر مسلموں کو اجازت دی ہے کہ وہ اپنی مرضی کے مطابق اپنی مذہبی تعلیمات کے مطابق زندگی بسر کریں، اور اس سلسلے میں کبھی کوئی جبر روا نہیں رکھا گیا۔ لیکن ایک الگ طبقے کی حیثیت سے زندگی گزارنے کا حق احمدیوں کو اس بات کی اجازت نہیں دیتا کہ وہ مسلمانوں کے پرسنل لاء میں مداخلت کریں اور انہیں مجبور کریں کہ وہ احمدیوں کو بھی صرف اس لیے اسلام کا ایک فرقہ تسلیم کر لیں کہ انہوں نے اپنے اوپر احمدی مسلم کا لیبل لگا رکھا ہے۔

اُمتی نبی کا تصور:

مرزا غلام احمد یا مدعا علیہ کی نام نہاد نبوت پر ایمان حضرت محمد ﷺ کی نبوت کی کھلی تنقیص ہے۔ جس کی وضاحت خداوند تعالیٰ نے قرآن پاک میں اور رسول پاک ﷺ نے احادیث میں کر دی ہے، مدعا علیہ اور مرزا غلام احمد نے اُمتی نبی یا رسول یا ظلی اور بروزی نبی کا تصور پیش کیا ہے وہ قرآن اور حدیث سے نہیں ملتی اور نہ مدعا علیہ اور مرزا غلام احمد کے تصور کی تائید کسی اور ذریعہ سے ہوتی ہے، امتی نبی کا تصور غیر اسلامی ہے اور یہ مرزا غلام اور مدعا علیہ کی من گھڑت تصنیف ہے، قرآن یا حدیث میں کہیں بھی ایسی کوئی بات نہیں ملتی، جس میں سے یہ بات ظاہر ہو کہ اسلام اُمتی نبی پر یقین رکھتا ہے۔ رسول پاکؐ نے یہ باب ہمیشہ کے لیے بند کر دیا ہے اور

حدیث رسول کی موجودگی میں اس بات سے کوئی انکار نہیں کر سکتا کہ حضرت محمد ﷺ کے بعد کسی طرح کا کوئی نبی نہیں آئے گا۔

اسلام کا یہ عقیدہ ضرور ہے کہ حضرت عیسیٰؑ ایک بار پھر دنیا میں تشریف لائیں گے لیکن وہ حضرت محمد ﷺ کے امتی کی حیثیت سے ظاہر ہوں گے یسوع مسیح کوئی نئی امت تخلیق نہیں کریں گے، بلکہ وہ محمد ﷺ کی شریعت کی پیروی کریں گے۔ میرے سامنے آنحضرت ﷺ کی حدیث کا حوالہ دیا گیا ہے جس میں رسول پاک ﷺ نے فرمایا ہے کہ ”اگر میرے بعد کوئی نبی ہوتا تو وہ عمر بن خطاب ہوتے“ رسول پاک ﷺ کی یہ حدیث اور دوسری احایث واضح طور پر یہ بات ظاہر کرتی ہیں کہ حضرت محمد ﷺ کے بعد کسی قسم کا کوئی نبی نہیں آئے گا۔ اس لیے مدعا علیہ اور مرزا غلام احمد نے اُمتی نبی یا ظلی اور بروزی نبی کا جو تصور پیش کیا ہے وہ سراسر غیر اسلامی اور قرآن و حدیث کی تعلیمات کے منافی ہے، نیز مسلمانوں کے اجماع سے بھی متصادم ہے، مرزا غلام احمد نے بروزی نبی ہونے کا جو دعویٰ کیا ہے۔ علامہ اقبال نے اس پر تفصیل سے گفتگو کی ہے اور اسے مجوسیوں کا عقیدہ قرار دیا ہے، علامہ کی تحریر سے ہمیں بروزی نبی کے تصور کی حقیقت سمجھنے میں مدد ملے گی۔ اس لیے میں اس بحث کے متعلقہ حصے فیصلے میں شامل کرنا پسند کروں گا۔

احمدیت کے بارے میں علامہ اقبال کا نظریہ

ختم نبوت کے تصور کی تہذیبی قدر و قیمت کی توضیح میں نے کسی اور جگہ کر دی ہے، اس کے معنی بالکل سلیس ہیں۔ محمد ﷺ کے بعد جنہوں نے اپنے پیروؤں کو ایسا قانون عطا کر کے جو ضمیر انسانی کی گہرائیوں سے ظہور پذیر ہوتا ہے، آزادی کا راستہ دکھایا ہے، کسی اور انسانی ہستی کے آگے روحانی حیثیت سے سر نیاز خم نہ کیا جائے، دینیاتی نقطۂ نظر سے اس نظریہ کو یوں بیان کر سکتے ہیں کہ وہ اجتماعی اور سیاسی تنظیم جسے اسلام کہتے ہیں مکمل اور ابدی ہے، محمد ﷺ کے بعد کسی ایسے الہام کا امکان ہی نہیں ہے جس سے انکار کفر کو متلزم ہو جو شخص ایسے الہام کا دعویٰ کرتا ہے وہ اسلام سے غداری کرتا ہے۔ قادیانیوں کا اعتقاد ہے کہ تحریک احمدیت کا بانی ایسے الہام کا حامل تھا، لہذا

وہ تمام عالم اسلام کو کافر قرار دیتے ہیں، خود بانیٔ احمدیت کا استدلال جو قرونِ وسطیٰ کے متکلمین کے لیے زیبا ہو سکتا ہے یہ ہے کہ اگر کوئی دوسرا نبی پیدا نہ ہو سکے تو پیغمبر اسلام کی روحانیت نامکمل رہ جائے گی۔ وہ اپنے دعوے کے ثبوت میں کہ پیغمبر اسلام کی روحانیت میں پیغمبر خیز قوت تھی خود اپنی نبوت پیش کرتا ہے، لیکن آپ اس سے پھر دریافت کریں کہ محمد ﷺ کی روحانیت ایک سے زیادہ نبی پیدا کرنے کی صلاحیت رکھتی ہے تو اس کا جواب نفی میں ہے، یہ خیال اس بات کے برابر ہے کہ محمد ﷺ آخری نبی نہیں، میں آخری نبی ہوں۔" اس امر کے سمجھنے کی بجائے کہ ختم نبوت کا اسلامی تصور نوع انسانی تاریخ میں بالعموم اور ایشیا کی تاریخ میں بالخصوص کیا تہذیبی قدر رکھتا ہے۔ بانیٔ احمدیت کا خیال ہے کہ ختم نبوت کا تصور ان معنوں میں کہ محمد ﷺ کا کوئی پیرو نبوت کا درجہ حاصل نہیں کر سکتا، خود محمد ﷺ کی نبوت کو نامکمل پیش کرتا ہے جب میں بانیٔ احمدیت کی نفسیات کا مطالعہ ان کے دعوئے نبوت کی روشنی میں کرتا ہوں تو معلوم ہوتا ہے کہ وہ اپنے دعوئے نبوت میں پیغمبر اسلام کی تخلیقی قوت کو صرف ایک نبی یعنی تحریک احمدیت کے بانی پیدائش تک محدود کر کے پیغمبر اسلام کے آخری نبی ہونے سے انکار کر دیتا ہے، اس طرح یہ نیا پیغمبر چپکے سے اپنے روحانی مورث کی ختم نبوت پر متصرف ہو جاتا ہے۔

"اس کا دعویٰ ہے کہ میں پیغمبر اسلام کا بروز ہوں' اس سے وہ ثابت کرنا چاہتا ہے کہ پیغمبر اسلام کا بروز ہونے کی حیثیت سے اس کا خاتم النبین ہونا، دراصل محمد ﷺ کا خاتم النبین ہونا ہے، پس یہ نقطہ پیغمبر اسلام کی ختم نبوت کو مسترد نہیں کرتا، اپنی ختم نبوت کو پیغمبر اسلام کی ختم نبوت کے مماثل قرار دے کر بانی احمدیت نے ختم نبوت کے روحانی مفہوم کو نظر انداز کر دیا ہے۔

بہر حال یہ ایک بدیہی بات ہے کہ بروز کا لفظ مکمل مشابہت کے مفہوم میں بھی اس کی مدد نہیں کرتا کیونکہ بروز ہمیشہ اس شے سے الگ ہوتا ہے جس کا یہ بروز ہوتا ہے، صرف اوتار کے معنوں میں بروز اور اس کی شے میں عینیت پائی جاتی ہے، پس اگر ہم بروز سے "روحانی صفات کی مشابہت" مراد لیں تو یہ دلیل بے اثر رہتی ہے اگر اس کے برعکس اس لفظ کے عبرانی مفہوم میں

اصل شے کا ادتا مراد لیں تو یہ دلیل بظاہر قابل قبول ہوتی ہے، لیکن اس خیال کا موجد مجوسی بھیس میں نظر آتا ہے“۔

حرفِ اقبال مؤلفہ لطیف احمد شیروانی صفحات (۱۳تا۱۴/۱۳۷۔۱۴۰)

متذکرہ بالا بحث سے یہ بات واضح ہے کہ اسلام میں اُمتی نبی یا ظلی اور بروزی نبی کا کوئی تصور نہیں ہے جیسا کہ میں نے بتایا ہے کہ مرزا غلام احمد نے اپنے پیروؤں کو ہدایت کی ہے کہ وہ اپنی بیٹیاں غیر احمدیوں کے نکاح میں نہ دیں اور نہ ان کی نماز جنازہ پڑھیں۔ اس طرح مرزا غلام احمد نے شریعت محمدیؐ سے انحراف کر کے اپنے ماننے والوں کے لیے ایک نئی شریعت وضع کی ہے مسیح موعود کے بارے میں بھی ان کا تصور اسلامی نہیں ہے۔ مسیح کے صحیح اسلامی تصور کے مطابق وہ آسمان سے نازل ہوں گے حدیث رسولؐ کے مطابق مسیح جب دوبارہ ظہور فرمائیں گے۔ تو وہ دوسرا جنم نہیں لیں گے۔ اس طرح اس بارے میں مرزا غلام احمد کا دعویٰ بھی باطل قرار پاتا ہے۔

جہاد کے بارے میں بھی ان کا نظریہ مسلمانوں کے عقیدے سے بالکل مختلف ہے۔ مرزا غلام احمد کے مطابق اب جہاد کا حکم منسوخ ہو چکا ہے اور یہ کہ مہدیؑ اور مسیحؑ کی حیثیت سے انہیں تسلیم کر لینے کا مطلب یہ ہے کہ جہاد کی نفی ہوگئی۔ ان کا یہ نظریہ قرآن پاک کی ۲۲ ویں سورۃ، آیت ۳۹، ۴۰ اور دوسری سورۃ کی آیت ۱۹۲۔۱۹۴ ساٹھویں سورۃ کی آیت ۸، چوتھی سورۃ کی آیت ۷۴۔۷۵ نویں سورۃ کی آیت ۵، اور سورۃ ۲۵ کی آیت ۵۲ کے برعکس اور منافی ہے۔ مندرجہ بالا امور کے پیش نظر میں یہ قرار دینے میں کوئی جھجک محسوس نہیں کرتا کہ مدعا علیہ اور ان کے ممدوح مرزا غلام احمد نبوت کے جھوٹے مدعی ہیں۔ اللہ تعالیٰ کی طرف سے الہامات وصول کرنے کے متعلق ان کے دعوے بھی باطل اور مسلمانوں کے اس متفقہ عقیدے کے منافی ہیں کہ آنحضرت ﷺ کے بعد اللہ تعالیٰ کی طرف سے نزول وحی کا سلسلہ ختم ہو چکا ہے۔

مسلمانوں میں اس بارے میں بھی اجماع ہے کہ حضرت محمد ﷺ آخری نبی ہیں اور ان کے بعد کوئی اور نبی نہیں آئے گا اور اگر کوئی اس کے برعکس یقین رکھتا ہے تو وہ صریحاً کافر اور مرتد ہے۔

مرزا غلام احمد نے قرآن پاک کی آیاتِ مقدسہ کو بھی توڑ مروڑ کر اور غلط رنگ میں پیش کیا ہے اور اس طرح انہوں نے ناواقف اور جاہل لوگوں کو گمراہ کرنے کی کوشش ہے انہوں نے جہاد کو منسوخ قرار دیا ہے۔ اور شریعت محمدی میں تحریف کی ہے۔ اس لیے مدعاعلیہ کو جس نے خود اپنی نبوت کا اعلان کیا ہے نیز مرزا غلام احمد اور ان کی نبوت پر اپنے ایمان کا اعلان کیا ہے بلا کسی تردد کے غیر مسلم اور مرتد قرار دیا جاسکتا ہے۔

فریقین کے عقائد کے بارے میں گفتگو کے بعد میں شادی کے تصور کے بارے میں کچھ کہنا چاہوں گا جو زیر بحث مسئلے میں دوسرا اہم نکتہ ہے اس کے بعد میں مدعاعلیہ کے عقائد کے بارے میں اپنے نتائج کی روشنی میں شادی کے جواز میں بحث کروں گا۔ اسلام کوئی مسلک نہیں بلکہ حال میں زندگی بسر کرنے کا نام ہے اور اسلام میں نکاح ایک اخلاقی رشتہ ہے۔ امیر علی نے شادی کی جو تعریف کی ہے اس کے مطابق یہ ایک ایسا ادارہ ہے جو معاشرے کے تحفظ کے لیے وضع کیا گیا ہے اور اس کا مقصد یہ ہے کہ بنی نوع انسان گمراہی اور بے عصمتی سے محفوظ رہے شادی زندگی بھر کا عہد ہوتا ہے جس کی سب سے اہم خصوصیات جنسی اختلاط کی قانونی یا جائز اجازت نہیں بلکہ اشتراک کار ہے جس میں دو انسان دکھ سکھ خوشی اور غم میں ایک دوسرے کے ساتھ رہتے ہیں اور ایک دوسرے کو تسکین اور حوصلہ فراہم کرتے ہیں۔ یہ اتحاد تغیر حالات کے ذریعہ فریقین کے لیے باعث رحمت ہوتا ہے اس میں کوئی شک نہیں کہ جنسی اختلاط کا تصور بھی اس اشتراک یا اتحاد میں دخیل ہے جو فریقین کے جسمانی قرب کی اہمیت واضح کرتا ہے لیکن اس سلسلے میں باہمی موانست، یگانگت اور رفاقت بھی کچھ کم اہم نہیں ہوتے۔

شیکسپیر نے ہملٹ میں کہا ہے کہ میاں بیوی ایک جان دو قالب ہوتے ہیں۔ اسی طرح ارسطو نے ایک جگہ کہا ہے کہ بیوی کو زدوکوب کرنا اس بات کی نفی ہے کہ وہ تمہاری بیوی ہے ان تمام باتوں کا ایک ہی مطلب ہے اور یہ کہ میاں بیوی کا رشتہ نیکی میں اشتراک کا رشتہ ہے۔ قرآن پاک میں شادی کا ذکر مودت رحمت اور سکون کی اصطلاحات کے ساتھ کیا گیا ہے۔ بائبل میں

ایک جگہ آیا ہے کہ "وہ میری ہی ہڈی کا ایک حصہ اور میرے ہی گوشت کا ایک ٹکڑا ہے" غرضیکہ ہر جگہ یگانگت پر ہی زور دیا گیا ہے۔ جولیس سیزر میں لارڈ برُوٹس کے ساتھ پورشیا کا مکالمہ ایک بیوی اور داشتہ کے فرق کو بڑی خوبصورتی سے واضح کرتا ہے اور پھر انگلستان کے ایک ولی عہد کا یہ جملہ بھی تاریخی اہمیت رکھتا ہے کہ جب اس سے ایک رومن کیتھولک شہزادی سے شادی کے لیے کہا گیا...... تو اس نے کہا کہ "دو مذہب ایک بستر میں اکٹھے نہیں ہو سکتے۔"

آنحضرت ﷺ نے فرمایا ہے:

اپنے تخم کے لیے (کردار کے اعتبار سے) موزوں عورت کا انتخاب کرو اور اپنے برابر والوں سے شادی کرو اور اپنی بیٹیاں ان کے نکاح میں دو (ابنِ ماجہ ۹:۴۶) اس کا مطلب یہ ہے کہ شادی میں اکفا بہت اہم کردار ادا کرتا ہے نظریات کا اختلاف یا عقائد کی وسیع خلیج یا فریقین کے قول و فعل کی عدم یکسانیت ان کے مستقبل کو تاریک کر سکتی ہے۔ میاں بیوی کے درمیان موانست کا رشتہ ٹوٹ جانے کے بعد ان کا ایک دوسرے کے ساتھ رہنا شادی کے بنیادی تصور کی نفی ہے۔ اور یہ بندھن کیف و مسرت کا پیغامبر بننے کی بجائے جہنم کا نمونہ بن جاتا ہے اور جب فریقین ایک دوسرے سے مسلسل جھگڑتے رہیں اور ایک دوسرے سے نفرت کرنے لگیں تو پھر سب کچھ جھوٹ اور فریب سے زیادہ حیثیت نہیں رکھتا یہ صورت حال نہ صرف یہ کہ انفرادی طور پر ناقابل برداشت ہے بلکہ سماجی اعتبار سے تباہ کن ہے۔ جنس کے اسرار اسی وقت پوری طرح تسکین پاتے ہیں۔ جب جسمانی رشتے کے ساتھ فریقین میں روحانی ہم آہنگی بھی موجود ہو، اگر مذہب کا فریقین کی زندگیوں پر واقعی کوئی اثر ہوتا ہے۔ تو پھر اس بارے میں کوئی اختلاف ان کی زندگی پر پیدائش، نسل زبان یا دنیاوی مرتبے غرضیکہ کسی اور چیز سے زیادہ اثر انداز ہوگا۔

سورۃ البقرہ میں اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں:

ترجمہ: اور نکاح مت کرو کافر عورتوں کے ساتھ جب تک کہ وہ مسلمان نہ ہو جائیں اور مسلمان عورت (چاہے) لونڈی کیوں نہ ہو وہ بدرجہا بہتر ہے کافر عورت سے، گو وہ تم کو اچھی ہی

لگے اور عورتوں کو کافر مردوں کے نکاح میں مت دو جب تک کہ وہ مسلمان نہ ہو جائیں۔ اور مسلمان مرد غلام بہتر ہے کافر مرد سے گو وہ تم کو اچھا ہی لگے"۔ (البقر: آیت (۲۲)۔

مندرجہ بالا بحث سے یہ بات ظاہر ہو گئی ہے کہ زیر نظر مقدمے میں فریقین کے درمیان شادی اسلام میں قطعی پسندیدہ نہیں اور قرآن پاک اور حدیث کی تعلیمات کے یکسر منافی ہے، کیونکہ فریقین نہ صرف مختلف نظریات کے حامل ہیں بلکہ ان کے عقائد بھی ایک دوسرے سے بالکل مختلف ہیں اور یہ بات اس رشتے کے لیے سمِ قاتل کا درجہ رکھتی ہے جیسا کہ میں پہلے واضح کر چکا ہوں، اسلام میں کسی مسلمان کے لیے جنس مخالف کے ساتھ شادی کے سلسلے میں متعدد پابندیاں عائد کی گئی ہیں اور کسی بھی صورت میں کوئی مسلمان عورت کسی غیر مسلم مرد سے جائز شادی نہیں کر سکتی، جن میں عیسائی، یہودی یا بت پرست شامل ہیں اور ایک مسلمان عورت اور غیر مسلم مرد کا نکاح اسلام کی نظر میں غیر مؤثر ہے۔ اندریں حالات میں قرار دیتا ہوں کہ اس مقدمے کے فریقین کے درمیان شادی اسلامی شادی نہیں بلکہ یہ سترہ سال کی ایک مسلمان لڑکی کی ساٹھ سال کے ایک غیر مسلم (مرتد) کے ساتھ شادی ہے۔

لہٰذا یہ شادی غیر قانونی اور غیر مؤثر ہے۔

مندرجہ بالا امور کے پیش نظر مسئلہ نمبر ۳، ۴، ۶، ۷ اور ۸ ساقط ہو جاتے ہیں ان پر غور کی ضرورت نہیں۔

مندرجہ بالا بحث کا نتیجہ یہ نکلا کہ مدعیہ جو ایک مسلمان عورت ہے، کی شادی مدعا علیہ کے ساتھ، جس نے شادی کے وقت خود اپنا قادیانی ہونا تسلیم کیا ہے اور اس طرح جو غیر مسلم قرار پایا ہے۔ غیر مؤثر ہے اور اس کی کوئی قانونی حیثیت نہیں۔ مدعیہ اسلامی تعلیمات کے مطابق مدعا علیہ کی بیوی نہیں۔

تنسیخ نکاح کے بارے میں مدعیہ کی درخواست کا فیصلہ اس کے حق میں کیا جاتا ہے اور مدعا علیہ کو ممانعت کی جاتی ہے کہ وہ مدعیہ کو اپنی بیوی قرار نہ دے مدعیہ اس مقدمے کے اخراجات بھی وصول کرنے کی حقدار ہے۔

فیصلے کے اختتام سے پہلے میں مدعیہ کے فاضل وکیل کا شکریہ ادا کرنا ضروری سمجھتا ہوں، جنہوں نے متعدد کتابوں کے ذریعہ میری بیحد مدد کی، ان میں سے چند کتابیں مندرجہ ذیل ہیں:۔

۱۔ حقیقت الوحی، ۲۔ ازالۂ اوہام، ۳۔ ملفوظات احمدیہ، ۴۔ معیار الاخیار، ۵۔ آئینہ کمالات، ۶۔ تذکرۂ شہادتین، ۷۔ مسئلہ ختم نبوت از مولانا محمد اسحٰق، ۸۔ مسئلہ نبوت از مولانا مودودی، ۹۔ قادیانی مسئلہ از مولانا مودودی، ۱۰۔ ختم نبوت از مولانا ثناء اللہ، ۱۱۔ خاتم النبین از حکیم عبداللطیف، ۱۲۔ صحیفۂ تقدیر از مولانا شبیر احمد عثمانی، ۱۳۔ مرزائیت عدالت کے کٹہرے میں مؤلفہ جانباز مرزا۔ ۱۴۔ فسخ نکاح مرزائیاں، ۱۵۔ فیصلہ صادر کردہ مسٹر محمد اکبر ڈسٹرکٹ جج بہاول نگر، ۱۶۔ فیصلہ صادر کردہ ایڈیشنل ڈسٹرکٹ جج کیمبل پور، ۱۷۔ ترجمہ قرآن مجید از مسٹر پکتھال، ۱۸۔ مرزا غلام احمد کی تصانیف کے تراجم از عبداللہ الہ دین۔

یہ فیصلہ ۱۳؍ جولائی کو شیخ محمد رفیق گریجہ کے جانشین جناب قیصر احمد حمیدی نے جو ان کو جگہ جمیس آباد کے سول اور فیملی کورٹ جج مقرر ہوئے ہیں۔ کھلی عدالت میں پڑھ کر سنایا۔

تعجب ہے کہ ایک ریزہ چین خواں انصاریٰ کا
گدائی کرتے کرتے مہدی موعود ہو جائے

ظفر علی خاں

مُطالبہ

ہم محترم صدر مملکت عالی جناب آغا محمد یحییٰ خان صاحب سے درخواست کرتے ہیں۔ کہ آنجناب مسئلہ ختم نبوت کی اہمیت و عظمت کو محسوس فرما دیں اور ایک آرڈی ننس کے ذریعہ مرزائیوں کو ایک غیر مسلم اقلیت قرار دیں یہ پاکستان کی نامور اور منصف عدلیہ کا فیصلہ ہے اور عالم اسلام کے ہر مکتبِ فکر کے علماء کا فتویٰ اور اُمت مسلمہ کا دیرینہ متفقہ مطالبہ ہے اور شہدائے ختم نبوت کے مقدس خون کی پکار ہے،

مجلس تحفظ ختم نبوت پاکستان ملتان

ضمیمہ نمبر ۴

مولینا سید عطاء اللہ شاہ صاحب بخاری

کے

تاریخی

مقدمہ کا

فیصلہ

(چوہدری) افضل حق ایم۔ ایل۔ سی۔ جنرل سیکرٹری
شعبہ تبلیغ مجلس احرار اسلام (ہند) لاہور

تعداد (کتبہ بشیر کاتب دفتر رسالہ اداکار لاہور) قیمت

مولانا سید عطاء اللہ شاہ بخاری کے مرافعہ پر سشن جج گورداسپور کا تاریخی فیصلہ

قادیانیت کی سیاہ کاریوں پر فاضل جج کا محققانہ تبصرہ

مرزائے قادیاں کی زشتی اخلاق اور اس کی امت کی شورہ پشتی کی داستان

حکومت کی ادائے فرض سے کوتاہی

مولانا سید عطاء اللہ شاہ بخاری کے تاریخی مقدمہ میں ان کی اپیل پر مسٹر کھوسلہ سیشن جج گورداسپور نے بزبان انگریزی جو فیصلہ صادر کیا ہے اس کا اردو ترجمہ شائع کیا جاتا ہے:۔

مرافعہ گزار سید عطاء اللہ شاہ بخاری کو تعزیرات ہند کی دفعہ ۱۵۳۔الف کے ماتحت مجرم قرار دیتے ہوئے اس تقریر کی پاداش میں جو انہوں نے ۲۱راکتوبر ۱۹۳۴ء کو تبلیغ کانفرنس قادیاں کے موقعہ پر کی چھ ماہ کی قید بامشقت کی سزا دی گئی ہے:۔

مرزا اور مرزائیت

مرافعہ گزار کے خلاف جو الزام عاید کیا گیا ہے اس پر غور وخوض کرنے کے قبل چند ایسی حقائق واقعات بیان کردینا ضروری معلوم ہوتا ہے جن کا تعلق امور زیر بحث ہے۔ آج سے تقریباً پچاس سال قبل قادیان کی ایک باشندہ مسمی غلام احمد نے دنیا کے سامنے یہ دعویٰ پیش کیا کہ میں مسیح موعود ہوں اس اعلان کے ساتھ ہی اس نے اسقف اعظم کی حیثیت بھی اختیار کرلی۔ اور ایک نئے فرقہ کی بنا ڈالی۔ جس کے ارکان اگرچہ مسلمان ہونے کے مدعی تھے لیکن ان کے بعض عقائد واصول عام عقائد اسلامی سے بالکل متبائن تھے۔ اس فرقہ میں شامل ہونے والے لوگ قادیانی یا مرزائی یا احمدی کہلاتے ہیں اور ان کا مابہ الامتیاز یہ ہے کہ یہ لوگ فرقہ مرزائیہ کے بانی (مرزا غلام احمد کی نبوت پر ایمان رکھتے ہیں:۔

قادیانیت کی تاریخ

بتاریج یہ تحریک ترقی کرنے لگی۔ اور اس کے مقلدین کی تعداد چند ہزار تک پہنچ گئی۔ مسلمان کی طرف سے مخالفت ہونا ضروری تھا۔ چنانچہ مسلمانوں کی اکثریت نے مرزا کے دعاوی بلند بانگ خصوصاً اس کے دعاویٔ تفویق دینی پر بہت ناک منہ چڑھایا اور مرزا نے ان لوگوں پر کفر کا جو الزام لگایا اس کے جواب میں ان لوگوں نے بھی سخت لہجہ اختیار کیا۔ مگر قادیانی حصار میں رہنے والے اس بیرونی تنقید سے کچھ بھی متاثر نہ ہوئے اور اپنے مستقر یعنی قادیاں میں مزے سے ڈٹے رہے:۔

قادیانیوں کا تمرد اور شورہ پشتی

قادیانی مقابلتاً محفوظ تھے۔ اس حالت نے ان میں متمردانہ غرور پیدا کر دیا۔ انہوں نے اپنے دلائل دوسروں سے منوانے اور اپنی جماعت کو ترقی دینے کے لیے ایسے حربوں کا استعمال شروع کیا جنہیں ناپسندیدہ کہا جائے گا جن لوگوں نے قادیانیوں کی جماعت میں شامل ہونے سے انکار کیا۔ انہیں مقاطعہ قادیاں سے اخراج اور بعض اوقات اس سے بھی مکروہ تر مصائب کی دھمکیاں دے کر دہشت انگیزی کی فضا پیدا کی بلکہ بسا اوقات انہوں نے ان دھمکیوں کو عملی جامہ پہنا کر اپنی جماعت کے استحکام کی کوشش کی۔ قادیاں میں رضا کاروں کا ایک دستہ (والنٹیر کور) مرتب ہوا۔ اور اس کی تربیت کا مقصد غالباً یہ تھا کہ قادیاں میں ”لمن الملک الیوم“ کا نعرہ بلند کرنے کے لیے طاقت پیدا کی جائے۔ انہوں نے عدالتی اختیارات بھی اپنے ہاتھ میں لے لیے۔ دیوانی اور فوجداری مقدمات کی سماعت کی۔ دیوانی مقدمات میں ڈگریاں صادر کیں۔ اور ان کی تعمیل کرائی گئی۔ کئی اشخاص کو قادیاں سے نکالا گیا۔ یہ قصہ یہیں ختم نہیں ہوتا۔ بلکہ قادیانیوں کے خلاف کھلے ہوئے طور پر الزام لگایا گیا ہے کہ انہوں نے مکانوں کو تباہ کیا، جلایا اور قتل تک کے

مرتکب ہوئے۔ اس خیال سے کہ کہیں ان الزامات کو احرار کے تخیل ہی کا نتیجہ نہ سمجھ لیا جائے۔ میں چند ایسی مثالیں بیان کر دینا چاہتا ہوں جو مقدمہ کی مثل میں درج ہیں:۔

سزائے اخراج

کم از کم دو اشخاص کو قادیاں سے اخراج کی سزا دی گئی۔ اس لیے کہ ان کے عقائد مرزا کے عقائد سے متفادت تھے۔ وہ اشخاص حبیب الرحمٰن گواہ صفائی نمبر ۲۸۔ اور مسمی اسمٰعیل ہیں۔ مثل میں ایک چٹھی (ڈی۔ زیڈ ۳۳) موجود ہے۔ جو موجودہ مرزا کے ہاتھ کی لکھی ہوئی ہے۔ اور جس میں یہ حکم درج ہے۔ کہ حبیب الرحمٰن (گواہ نمبر ۲۸) کو قادیاں میں آنے کی اجازت نہیں۔ مرزا بشیر الدین گواہ صفائی نمبر ۳۷ نے اس چٹھی کو تسلیم کر لیا ہے۔ اسمٰعیل کے اخراج اور داخلہ کی ممانعت کو گواہ صفائی نمبر ۲۰ نے تسلیم کر لیا ہے۔ کئی اور گواہوں نے (قادیانیوں کے) تشدد و ظلم کی عجیب وغریب داستانیں بیان کی ہیں۔ بھگت سنگھ گواہ صفائی نے بیان کیا ہے کہ قادیانیوں نے اس پر حملہ کیا۔ ایک شخص مسمی غریب شاہ کو قادیانیوں نے زدوکوب کیا۔ لیکن جب اس نے عدالت میں استغاثہ کرنا چاہا تو کوئی اس کی شہادت دینے کے لیے سامنے نہ آیا۔ قادیانی ججوں کے فیصلہ کردہ مقدمات کی مثلیں پیش کی گئی ہیں۔ (جو شامل مثل ہذا ہیں) مرزا بشیر الدین محمود نے تسلیم کیا ہے کہ قادیاں میں عدالتی اختیارات استعمال ہوتے ہیں۔ اور میری عدالت سب سے آخری عدالت اپیل ہے۔ عدالت کی ڈگریوں کا اجراء عمل میں آتا ہے۔ اور ایک واقعہ سے تو ظاہر ہوتا ہے کہ ایک ڈگری کے اجراء میں ایک مکان فروخت کر دیا گیا۔ اشٹام کے کاغذ قادیانیوں نے خود بنا رکھے ہیں۔ جو ان درخواستوں اور عرضیوں پر لگائے جاتے ہیں۔ جو قادیانی عدالتوں میں دائر ہوتی ہیں۔ قادیاں میں ایک والنٹیر کور کے موجود ہونے کی شہادت گواہ صفائی نمبر ۴۰ مرزا شریف احمد نے دی ہے۔

عبدالکریم کی مظلومی اور محمد حسین کا قتل

سب سے سنگین معاملہ عبدالکریم (ایڈیٹر مباہلہ) کا ہے جس کی داستان درد ہے۔ یہ شخص مرزا کے مقلدین میں شامل ہوا۔ اور قادیاں میں جا کر مقیم ہو گیا۔ وہاں اس کے دل میں (مرزائیت کی صداقت کے متعلق) شکوک پیدا ہوئے۔ اور وہ مرزائیت سے تائب ہو گیا۔ اس کے بعد اس پر ظلم و ستم شروع ہوا۔ اس نے قادیانی معتقدات پر تبصرہ تنقید کرنے کے لیے ”مباہلہ“ نامی اخبار جاری کیا۔ مرزا بشیر الدین محمود نے ایک تقریر میں جو دستاویز ڈی۔ زیڈ (الفضل مورخہ یکم اپریل ۱۹۳۰ء میں درج ہے۔ مباہلہ شائع کرنے والوں کی موت کی پیشگوئی کی ہے۔ اس تقریر میں ان لوگوں کا بھی ذکر کیا گیا ہے جو مذہب کے لیے ارتکاب قتل پر بھی تیار ہو جاتے ہیں اس تقریر کے بعد جلد ہی عبدالکریم پر قاتلانہ حملہ ہوا۔ لیکن وہ بچ گیا۔ ایک شخص محمد حسین جو اس کا معاون تھا۔ اور ایک فوجداری مقدمہ میں جو عبدالکریم کے خلاف چل رہا تھا۔ اس کا ضامن بھی تھا۔ اس پر حملہ ہوا اور قتل کر دیا گیا۔ قاتل پر مقدمہ چلا اور اسے پھانسی کی سزا کا حکم ملا:۔

محمد حسین کے قاتل کا رتبہ مرزائیوں کی نظر میں

پھانسی کے حکم کی تعمیل ہوئی۔ اور اس کے بعد قاتل کی تلاش قادیاں میں لائی گئی۔ اور اسے نہایت عزت و احترام سے بہشتی مقبرہ میں دفن کیا گیا۔ مرزائی اخبار الفضل میں قاتل کی مدح سرائی کی گئی۔ فعل قتل کو سراہا گیا اور یہاں تک لکھا گیا کہ قاتل مجرم نہ تھا۔ پھانسی کی سزا سے پہلے ہی اس کی روح قفس عنصری سے آزاد ہو گئی۔ اور اسی طرح وہ پھانسی کی ذلت انگیز سزا سے بچ گیا۔ خدائے عادل نے یہ مناسب سمجھا کہ پھانسی سے پہلے ہی اس کی جان قبض کر لے:۔

مرزا محمود کی دروغ گوئی

عدالت میں مرزا محمود نے اس کے متعلق بالکل مختلف داستان بیان کی۔ اور کہا کہ محمد حسین کے قاتل کی عزت افزائی اس لیے کی گئی۔ کہ اس نے اپنے جرم پر تاسف و ندامت کا اظہار کیا تھا

اور اس طرح وہ گناہ سے پاک ہو چکا تھا لیکن دستاویز ڈی۔ زیڈ ۴۰ اس کی تردید کرتی ہے۔ جس سے مرزا کی دلی کیفیت کا پتہ چلتا ہے:۔

عدالت عالیہ کی توہین

میں یہاں یہ بھی کہہ دینا چاہتا ہوں کہ اس دستاویز کے مضمون سے عدالت عالیہ لاہور کی توہین کا پہلو بھی نکلتا ہے:۔

محمد امین کا قتل

محمد امین ایک مرزائی تھا۔ اور جماعت مرزائیہ کا مبلغ تھا۔ اس کو تبلیغ مذہب کے لیے بخارا بھیجا گیا۔ لیکن کسی وجہ سے بعد میں اسے اس خدمت سے علیٰحدہ کر دیا گیا۔ اس کی موت کلہاڑی کی ایک ضرب سے ہوئی۔ جو چودھری فتح محمد گواہ صفائی نمبر ۲۱ نے لگائی۔ عدالت ماتحت نے اس معاملہ پر سرسری نگاہ ڈالی ہے۔ لیکن یہ زیادہ غور توجہ کا محتاج ہے۔ محمد امین پر مرزا کا عتاب نازل ہو چکا تھا۔ اور اس لیے مرزائیوں کی نظر میں وہ موقر ومعتقد نہیں رہا تھا۔ اس کی موت کے واقعات خواہ کیا ہوں۔ اس میں کلام نہیں کہ محمد امین تشدد کا شکار ہوا۔ اور کلہاڑی کی ضرب سے قتل کیا گیا۔ پولیس میں وقوعہ کی اطلاع پہنچی لیکن کوئی کارروائی عمل میں نہ آئی۔ اس بات پر زور دینا فضول ہے۔ کہ قاتل نے حفاظت خود اختیاری میں محمد امین کو کلہاڑی کی ضرب لگائی۔ اور یہ فیصلہ کرنا اس عدالت کا کام ہے۔ جو مقدمہ قتل کی سماعت کرے۔ چودھری فتح محمد کا عدالت میں یہ اقرار صالح یہ بیان کرنا تعجب انگیز ہے۔ کہ اس نے محمد امین کو قتل کیا۔ مگر پولیس اس معاملہ میں کچھ نہ کر سکی۔ جس کی وجہ یہ بتائی گئی ہے کہ مرزائیوں کی طاقت اس حد تک بڑھ گئی تھی۔ کہ کوئی گواہ سامنے آ کر سچ بولنے کی جرأت نہیں کر سکتا تھا۔ ہمارے سامنے عبدالکریم کے مکان کا واقعہ بھی ہے۔ عبدالکریم کو قادیاں سے خارج کرنے کے بعد اس کا مکان نذر آتش کر دیا گیا اور قادیاں کی سال ٹاؤن کمیٹی سے حکم حاصل کر کے نیم قانونی طریق پر اسے گرانے کی کوشش کی گئی:۔

قادیان کی صورت حالات اور مرزا کی دشنام طرازی

یہ افسوسناک واقعات اس بات کی منہ بولتی شہادت ہیں۔ کہ قادیان میں قانون کا احترام بالکل اٹھ گیا تھا۔ آتش زنی اور قتل تک کے واقعات ہوتے تھے۔ مرزا نے کروڑوں مسلمانوں کو جو اس کے ہم عقیدہ نہ تھے شدید دشنام طرازی کا نشانہ بنایا اس کی تصانیف ایک اسقف اعظم کا اخلاق انوکھا مظاہرہ ہیں۔ جو صرف نبوت کا مدعی نہ تھا۔ بلکہ خدا کا برگزیدہ انسان اور مسیح ثانی ہونے کا مدعی بھی تھا:

حکومت مفلوج ہو چکی تھی

معلوم ہوتا ہے۔ کہ (قادیانیت کے مقابلہ میں) حکام غیر معمولی حد تک مفلوج ہو چکے تھے۔ دینی و دنیوی معاملات میں مرزا کے حکم کے خلاف کبھی آواز بلند نہیں ہوئی۔ مقامی افسران کے پاس کئی مرتبہ شکایت پیش ہوئی۔ لیکن ہ اس کے انسداد سے قاصر رہے۔ مثل پر کچھ اور شکایات بھی ہیں۔ لیکن یہاں ان کے مضمون کا حوالہ دینا غیر ضروری ہے۔ اس مقدمہ کے سلسلہ میں صرف یہ بیان کر دینا کافی ہے۔ کہ قادیان میں جور ستم رانی کا دور دورہ ہونے کے متعلق نہایت واضح الزامات عائد کیے گئے۔ لیکن معلوم ہوتا ہے۔ کہ قطعاً کوئی توجہ نہ ہوئی:

تبلیغ کانفرنس کا مقصد

ان کارروائیوں کے سدباب کے لیے اور مسلمانوں میں زندگی کی روح پیدا کرنے کے لیے تبلیغ کانفرنس منعقد کی گئی۔ قادیانیوں نے اس کے انعقاد کو بہ نظر ناپسندیدگی دیکھا۔ اور اسے روکنے کے لیے ہر ممکن کوشش کی۔ اس کانفرنس کے انعقاد کے لیے ایک شخص ایشر سنگھ نامی کی زمین حاصل کی گئی تھی۔ قادیانیوں نے اس پر قبضہ کر کے دیوار کھینچ دی۔ اور اس طرح احرار اس قطعہ زمین سے بھی محروم ہو گئے۔ جو قادیان میں انہیں مل سکتا تھا۔ مجبوراً انہوں نے قادیاں سے ایک میل کے فاصلہ پر اپنا اجلاس منعقد کیا۔ دیوار کا کھینچا جانا اس حقیقت پر مشعر ہے۔ کہ اس وقت

فریقین کے تعلقات میں کتنی کشیدگی تھی۔ اور قادیانیوں کی شوخ چشمی کس حد تک پہنچی ہوئی تھی۔ کہ وہ اپنی دست درازی کے قانونی نتائج سے اپنے آپ کو بالکل محفوظ خیال کرتے تھے:

مولانا سید عطاء اللہ شاہ بخاری کا مقناطیسی جذب

بہر حال کانفرنس منعقد ہوئی۔ جس کی صدارت کے لیے اپیلانٹ سے کیا گیا۔ وہ بلند پایہ خطیب ہے۔ اور اس کی تقریر میں بھی جذب مقناطیسی موجود ہے۔ اس لیے اس اجلاس میں ایک جوش انگیز خطبہ دیا۔ اس کی تقریر کئی گھنٹوں تک جاری رہی۔ بتایا گیا ہے۔ کہ حاضرین تقریر کے دوران میں بالکل محسور تھے۔ اپیلانٹ نے اس تقریر میں اپنے خیالات ذرا وضاحت سے بیان کیے۔ اور اس کے لیے دل میں مرزا اور اس کے مقتدین کے خلاف جو نفرت کے جذبات موجزن تھے۔ ان پر پردہ ڈالنے کی اس نے کوئی کوشش نہ کی۔ تقریر پر اخبارات میں اعتراض ہوا۔ معاملہ حکومت پنجاب کے سامنے پیش ہوا۔ جس نے عطاء اللہ شاہ بخاری کے خلاف مقدمہ چلانے کی اجازت دے دی:

تقریر پر اعتراض

اپیلانٹ کے خلاف جو الزام ہے اس کے ضمن میں اس تقریر کے سات اقتباسات درج ہیں۔ جنہیں قابل گرفت ٹھہرایا گیا ہے۔ وہ اقتباسات یہ ہیں:

(۱) فرعونی تخت الٹا جا رہا ہے۔ انشاء اللہ یہ تخت نہیں رہے گا۔

(۲) وہ نبی کا بیٹا ہے۔ میں نبی کا نواسہ ہوں۔ وہ آئے تم سب چپ چاپ بیٹھ جاؤ وہ مجھ سے اردو، پنجاب، فارسی میں ہر معاملہ میں بحث کرے۔ یہ جھگڑا آج ہی ختم ہو جائے گا۔ وہ پردہ سے باہر آئے۔ نقاب اٹھائے۔ کشتی لڑے۔ مولا علی کے جوہر دیکھے۔ وہ ہر رنگ میں آئے۔ وہ موٹر میں بیٹھ کر آئے میں ننگے پاؤں آؤں۔ وہ ریشم پہن کر آئے میں گانڈی جی کی کھلوی کھدر شریف۔ وہ مزعضر۔ کباب۔

یاقوتیاں اور پلومر کی ٹانک وائن اپنے ابا کی سنت کے مطابق کھا کر آئے اور میں اپنے نانا کی سنت کے مطابق جو کی روٹی کھا کر آؤں۔

(۳) یہ ہمارا مقابلہ کیسے کر سکتے ہیں۔ یہ برطانیہ کے دم کٹے کتے ہیں۔ وہ خوشامد اور برطانیہ کے بوٹ کی ٹو صاف کرتا ہے۔ میں تکبر سے نہیں کہتا۔ بلکہ خدا کی قسم کھا کر کہتا ہوں۔ کہ مجھ کو اکیلا چھوڑ دو۔ پھر بشیر کے میرے ہاتھ دیکھو۔ کیا کروں لفظ تبلیغ نے ہمیں مشکل میں پھنسا دیا ہے۔ یہ اجتماع سیاسی اجتماع نہیں ہے۔ اور مرزائیو! اگر باگیں ڈھیلی ہوتیں۔ میں کہتا ہوں اب بھی ہوش میں آؤ۔ تمہاری طاقت اتنی بھی نہیں جتنی پیشاب کی جھاگ ہوئی ہے۔

(۴) جو پانچویں جماعت میں فیل ہوتے ہیں۔ وہ نبی بن جاتے ہیں۔ ہندوستان میں ایک مثال موجود ہے۔ کہ جو فیل ہوا وہ نبی بن گیا۔

(۵) اور مسیح کی بھیڑو۔ تم سے کسی کا ٹکراؤ نہیں ہوا۔ جس سے اب سابقہ ہوا ہے۔ یہ مجلس احرار ہے۔ اس نے تم کو ٹکڑے کر دینا ہے۔

(۶) او مرزائیو! اپنی نبوت کا نقشہ دیکھو۔ اگر تم نے نبوت کا دعوی کیا ہے تو نبوت کی شان تو رکھتے۔

(۷) اگر تم نے نبوت کا دعوئ کیا تھا۔ تو انگریزوں کے کتے تو نہ بنتے۔

مرافعہ گزار نے عدالت ماتحت میں بیان کیا۔ کہ اس کی تقریر درست طور پر قلمبند نہیں کی گئی۔ جملہ نمبر ۵ کے متعلق اس نے بہ صراحت کہا ہے۔ وہ اس کی زبان سے نہیں نکلا۔ اور اگرچہ اس نے تسلیم کیا کہ باقی جملوں کا مضمون میرا ہے۔ لیکن ساتھ ہی اس نے یہ کہا۔ کہ عبارت غلط ہے۔ عدالت ماتحت نے قرار دیا ہے۔ کہ ایک جملہ کی رپورٹ غلط ہے۔ اور اس کے سلسلہ میں مرافعہ گزار کو مجرم قرار نہیں دیا جا سکتا۔ لہٰذا مرافعہ گزار کی سزایابی کا مدار دوسرے چھ فقروں پر

ہے۔ مرافعہ گزار کے وکیل نے تسلیم کیا۔ کہ فقرات ۱، ۴، ۶، ۷ مرافعہ گزار نے کہے۔ ب میرے سامنے یہ امر فیصلہ طلب ہے۔ کہ کیا یہ چھ جملے جو مرافعہ گزار نے کہے۔ ۱۵۳ الف کے ماتحت قابل گرفت ہیں۔ اور آیا یہ الفاظ کہنے سے مرافعہ گزار کس جرم کا مرتکب ہوا ہے۔

عدالت کا استدلال

میں نے اس سے قبل وہ حالات و واقعات بہ تفصیل بیان کر دیئے ہیں۔ جن کے ماتحت تبلیغ کانفرنس منعقد ہوئی۔ مرافعہ گزار نے بہت سے تحریری شہادتوں کی بنا پر یہ دکھانے کی کوشش کی ہے۔ کہ مرزا اور اس کے مقلدین کے ظلم وستم پر جائز اور واجبی تنقید کرنے کے سوا اس کا کچھ مقصد نہ تھا۔ اس کا بیان ہے۔ کہ اس کی تقریر کا مدعا سوئے ہوئے مسلمانوں کو جگانا اور مرزائیوں کے افعال ذمیمہ کا بھانڈا پھوڑنا تھا۔ اس نے اپنی تقریر میں جا بجا مرزا (محمود) کے ظلم وتشدد پر روشنی ڈالی ہے۔ اور مطالبہ کیا ہے۔ کہ جو مسلمان مرزا کی نبوت سے انکار کرنے اور اس کے خانہ ساز اقتدار کو تسلیم نہ کرنے کی وجہ سے مورد آفات وبلیات ہیں ان کی شکایات رفع کی جائیں میں نے قادیاں کے حالات کی روشنی میں مرافعہ گزار کی تقریر پر غور کیا ہے۔ مجھے بتایا گیا ہے کہ یہ تقریر مسلمانوں کی طرف سے صلح کا پیغام تھی۔ لیکن اس تقریر کے سرسری مطالعہ سے ہر معقول شخص اسی نتیجہ پر پہنچتا ہے۔ کہ اعلان صلح کے بجائے یہ دعوت نبرد آزمائی ہے۔ ممکن ہے کہ مرافعہ گزار نے قانون کی حدود کے اندر رہنے کی کوشش کی ہو۔ لیکن جوش فصاحت وطاقت میں وہ ان امتناعی حدود سے آگے نکل گیا ہے۔ اور ایسی باتیں کہہ گیا ہے جو سامعین کے دلوں میں مرزائیوں کے خلاف نفرت کے جذبہ کے سوا اور کوئی اثر پیدا نہیں کر سکتی۔ روما کے مارک انٹونی کی طرح مرافعہ گزار نے یہ اعلان تو کر دیا کہ وہ احمدیوں سے طرح آویزش نہیں ڈالنا چاہتا۔ لیکن صلح کا یہ پیغام ایسی گالیوں سے پر ہے۔ جن کا مقصد سامعین کے دلوں میں احمدیوں کے خلاف نفرت پیدا کرنے کے سوا کچھ نہیں ہو سکتا۔

تنقید کے جائز حدود

اس میں کلام نہیں کہ مرافعہ گزار کی تقریر کے بعض حصے مرزا کے افعال کی جائز و واجبی تنقید پر مشتمل ہیں۔ غریب شاہ کو زدوکوب کرنے کا واقعہ محمد حسین اور محمد امین کے واقعات قتل اور مرزا کے جبر و تشدد کے بعض دوسرے واقعات جن کا حوالہ دیا گیا ہے۔ ایسے ہیں جن پر تنقید کرنے کا ہر سچے مسلمان کو حق ہے۔ نیز اس تقریر کے دوران میں ان توہین آمیز الفاظ کا ذکر بھی کیا گیا ہے جو قادیانی پیغمبر اسلام محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کی شان میں استعمال کرتے رہتے ہیں۔ اور جو مسلمانوں کے جذبات کو مجروح کرنے کا باعث ہوتے ہیں:

مرزائی اور مسلمان

مسلمانوں کے نزدیک محمد صلی اللہ علیہ وسلم خاتم المرسلین ہیں۔ لیکن مرزائیوں کا اعتقاد یہ ہے۔ کہ محمد (صلعم) کے بروز میں کئی نبی مبعوث ہو سکتے ہیں۔ اور وہ سب مہبط وحی ہو سکتے ہیں۔ نیز یہ کہ مرزا غلام احمد نبی اور مسیح ثانی تھا۔ اس حد تک مرافعہ گزار کی تقریر قانون کی زد سے باہر ہے۔ لیکن وہ جب دشنام طرازی پر آتا ہے۔ اور مرزائیوں کو ایسے ایسے ناموں سے پکارتا ہے جنہیں سننا بھی کوئی آدمی گوارا نہیں کر سکتا۔ تو وہ جائز حدود سے تجاوز کر جاتا ہے۔ اور خواہ اس نے یہ باتیں جوش فصاحت میں کہیں۔ یا دیدہ دانستہ کہیں۔ قانون انہیں نظر انداز نہیں کر سکتا۔

تقریر کے اثرات

مرافعہ گزار کو معلوم ہونا چاہیئے تھا۔ کہ اس کے سامعین میں اکثریت جاہل دیہاتیوں کی تھی۔ نیز یہ کہ اس قسم کی تقریر ان کے دلوں میں نفرت و عناد کے جذبات پیدا کرے گی واقعات مظہر ہیں کہ تقریر نے سامعین پر ایسا اثر ہی ڈالا۔ اور مقرر کی لسانی سے متاثر ہو کر انہوں نے کئی بار جوش و خروش کا مظاہرہ کیا۔ یہ بتانے کی ضرورت نہیں۔ کہ سامعین نے اس وقت کیوں مرزائیوں کے خلاف کوئی متشددانہ اقدام نہ کیا۔ اگرچہ فریقین کے تعلقات عرصہ سے اچھے نہ تھے۔ مگر اس تقریر نے راکھ میں دبے ہوئے شعلوں کو ہوا دے کر بھڑکا دیا۔

تقریر کی قابل اعتراض نوعیت

فرد جرم میں جن سات فقروں کو قابل گرفت قرار دیا گیا ہے۔ ان میں سے تیسرا اور ساتواں سب سے زیادہ قابل اعتراض ہیں۔ ان میں اپیلانٹ نے مرزائیوں کو برطانیہ کے دم کٹے کتے کہا ہے میرے نزدیک دوسرے حصے دفعہ ۵۳۔ الف تعزیرات ہند کے ماتحت قابل گرفت نہیں ہیں پہلا حصہ یعنی فرعونی تخت الٹا جا رہا ہے۔ میرے نزدیک قابل اعتراض نہیں۔ دوسرے حصہ کا تعلق مرزا کی غذا اور خوراک سے ہے۔ اس کے متعلق یہ امر قابل ذکر ہے کہ مرزائے اول نے اپنے مریدوں میں سے ایک کے نام ایک چٹھی لکھی تھی جس میں ان کی خوراک کی یہ تمام تفصیلات درج تھیں یہ خطوط کتابی شکل میں چھپ چکے ہیں۔ اور ان کے مجموعہ کا ایک مطبوعہ نسخہ اس مثل میں بھی شامل ہے۔

شراب اور مرزا

معلوم ہوتا ہے۔ کہ مرزا ایک ٹانک استعمال کرتا تھا۔ جس کا نام پلومر کی شراب تھا۔ ایک موقعہ پر اس نے اپنے مریدوں میں سے ایک کو لکھا کہ پلومر کی شراب لاہور سے خرید کے مجھے بھیجو۔ پھر دوسرے خطوط میں یاقوتی کا تذکرہ ہے۔ مرزا محمود نے خود اعتراف کیا ہے۔ کہ اس کے باپ نے ایک دفعہ پلومر کی شراب دوا استعمال کی۔ چنانچہ میرے نزدیک یہ حصہ بھی قابل اعتراض نہیں۔ چوتھے حصہ میں مرزا غلام احمد کے امتحان میں ناکام ہونے کا تذکرہ ہے۔ چھٹے حصہ میں مرزا پر لابہ گوئی اور کاسہ لیسی کا الزام لگایا گیا ہے۔ یہ بھی کہا گیا ہے۔ کہ چاپلوسی اور لابہ گوئی پیغمبر کی شان کے خلاف ہے۔

عدالت کا تبصرہ

میری رائے میں تیسرے اور ساتویں حصہ کے سوا اور کوئی حصہ تقریر کا قابل گرفت نہیں۔ اس کا یہ مقصد نہیں۔ کہ مرافعہ گزار کی تمام تقریر میں صرف وہ حصے قابل اعتراض ہیں۔ تقریر کے

انداز سے معلوم ہوتا کہ جہاں مرافعہ گزار مرزائیوں کے افعال شنیعہ کی دھجیاں بکھیرنا چاہتا تھا۔ وہاں وہ مسلمانوں کے دلوں میں ان کے خلاف نفرت بھی پیدا کرنا چاہتا تھا۔ یہ امر کہ سامعین اس کی تقریر سے متاثر ہو کر امن شکنی پر کیوں نہ اتر آئے۔ اس کے جرم کو ہلکا کرنے کا موجب ہو سکتا ہے۔

مجھے اس میں کلام نہیں کیا اپیلانٹ مرزائیوں پر تنقید کرنے میں حق بجانب تھا۔ لیکن وہ اس حق کو استعمال کرنے میں جائز حدود سے تجاوز کر گیا۔ اور تقریر کے قانونی نتائج بھگتنے کا سزاوار بن گیا۔ مرافعہ گزار کے اس فعل کی مدح و ثناء کرنا آسان ہے۔ لیکن ایسے حالات میں جہاں جذبات میں پہلے ہی سے ہیجان واشتعال ہو۔ اس قسم کی تقریر کرنا جلتی پر تیل ڈالنے کے مترادف ہے۔ اور اگرچہ مرافعہ گزار نے صرف ایک اصطلاحی جرم کا ارتقاب کیا ہے۔ لیکن قانون کی ہمہ گیری کا احترام از قبیل لوازم ہے۔

فیصلہ

مقدمہ کے تمام پہلوؤں پر نظر غائر ڈالنے اور سامعین پر مرافعہ گزار کی تقریر کے اثرات کا اندازہ کرنے سے میں اس نتیجہ میں پہنچا ہوں۔ کہ مرافعہ گزار تعزیرات کی دفعہ ۱۵۳ا کے ماتحت جرم کا مرتکب ہوا ہے۔ اور اس کی سزا قائم رہنی چاہیئے۔ مگر سزا کی سختی و نرمی کا اندازہ کرتے وقت ان واقعات کو پیش نظر رکھنا بھی ضروری ہے۔ جو قادیاں میں رونما ہوئے۔ نیز یہ بات نظر انداز کئے جانے کے قابل نہیں۔ کہ مرزا نے خود مسلمانوں کو کافر سوائر اور ان کی عورتوں کو کتیوں کا خطاب دے کر ان کے جذبات کو بھڑکایا۔ میرا خیال یہی ہے۔ کہ اپیلانٹ کا جرم محض اصطلاحی تھا۔ چنانچہ میں اس کی سزا کو کم کر کے اسے تا اختتام عدالت قید محض کی سزا دیتا ہوں۔

دستخط

گورداسپور
۶ر جون ۳۵ء

جی۔ ڈی۔ کھوسلہ
سیشن جج

جناب چیئرمین: بہت بہت شکریہ۔ مولانا عبدالحق صاحب!

مولوی مفتی محمود: جناب والا! ایک بات عرض کرنا ہے کہ یہ بیان قومی اسمبلی کے ۳۷ ارکان کی طرف سے ہے اور اس وقت تک ہمارے پاس ۳۹ اراکین کے دستخط موجود ہیں۔ یہ دستخط ہمارے پاس موجود ہیں۔ اور یہ تمام پارٹیوں سے بالاتر ہو کر کیا ہے۔

جناب چیئرمین: ہم ساری پارٹیوں سے بالاتر ہو کر کریں گے۔

مولوی مفتی محمود: اگر کوئی رکن اس قرارداد پر دستخط کرنا چاہیں۔ تو کر دیں۔

جناب چیئرمین: اگر ان کو دینا چاہیں تو دے دیں۔

مولانا عبدالحکیم صاحب! آپ شروع کریں۔

مولانا عبدالحکیم: دستخط ہو جانے دیں۔

جناب چیئرمین: آپ شروع کریں۔

مولانا عبدالحکیم: باتیں ہو رہی ہیں۔

جناب چیئرمین: ملک اختر! باتیں نہ کریں۔ مولانا! شروع کریں۔

7th is comming too close.

آپ ۲۵۰ صفحات کی کتابیں لکھ کر لائے ہیں۔ If you read it, you have to sit.

مولانا غلام غوث ہزاروی: جناب والا!

جناب چیئرمین: مولانا! پہلے وہ ختم کر لیں، پھر اس کے بعد۔

مولانا عبدالحکیم: بسم اللہ الرحمٰن الرحیم۔

الحمد للہ وحدہ و الصلوٰۃ والسلام علی من لا نبی بعدہٗ

مرزائی قطعی کافر اور غیر مسلم اقلیت ہیں

قومی اسمبلی کو فیصلہ کرنے کا حق حاصل ہے

قادیانیوں کے خلیفہ ناصر احمد صاحب آف ربوہ نے بتاریخ ۲۲/ جولائی ۱۹۷۴ء اپنی پارٹی سمیت پاکستان کی قومی اسمبلی کی کمیٹی کے سامنے (جو تمام ممبران قومی اسمبلی پر مشتمل ہے) زیر جواب بیان دیا۔ یہ بیان انہوں نے دو دن میں مکمل کیا۔

اس بیان کے چند عنوان ہیں:

پہلا عنوان ایوان کی حالیہ قرار دادوں پر ایک نظر ہے“۔ اس کے ذیل میں خلیفۂ قادیانی نے ایک غلطی یہ کی ہے کہ صرف دو قرار دادوں کا ذکر کیا ہے۔ ممکن ہے ان کو اطلاع ہی ایسی دی گئی ہو۔ مگر رہبر کمیٹی میں میں نے حضر مولانا عبدالحکیم صاحب ایم۔ این۔ اے اور مولانا عبدالحق صاحب ایم۔ این۔ اے بلوچستانی نے بھی ایک بل[ص] پیش کیا ہے۔ خلیفہ ربوہ نے ایک اصولی سوال اٹھایا ہے کہ آیا کسی اسمبلی کو یہ حق حاصل ہے کہ وہ کسی شخص سے یہ بنیادی حق چھین سکے کہ وہ جس مذہب کی طرف چاہے منسوب ہو۔ یا مذہبی امور میں دخل اندازی کرتے ہوئے اس بات کا فیصلہ کرے کہ کسی جماعت یا فرد کا کیا مذہب ہے؟ ربوہ جماعت کی طرف سے کہا گیا کہ ہم ان دونوں باتوں کو نہیں مانتے۔ اس سلسلے میں انہوں نے اقوامِ متحدہ کے دستور، انجمنوں اور اسی طرح پاکستانی دستور دفعہ نمبر ۲۰ کی آڑ لی ہے۔

[ص] بل ہذا کتاب کے آخر میں ملاحظہ فرمائیں۔

مرزائیوں کو جواب

(۱) یہی پہلا اور بنیادی فرق ہے جو مرزائیوں اور مسلمانوں میں ہے۔ مسلمان اپنے فیصلے صرف قرآن و شریعت کی روشنی میں کرنا چاہتے ہیں۔ اور اسی کو قانونِ زندگی کی بنیاد سمجھتے ہیں۔ مگر مرزائی اقوامِ متحدہ کو دیکھتے ہیں۔ کبھی عالمی انجمنوں کو اور کبھی انسان کے بنائے ہوئے دستور اور قانون کو ہم تو تمام امور میں صرف دین اور اس کے فیصلے کو دیکھتے ہیں:

نہ شبم نہ شب پرستم کہ حدیث خواب گویم
چوں غلام آفتابم ہمہ ز آفتاب گویم

میں نہ رات ہوں نہ رات کا پجاری کہ خواب کی باتیں کروں۔ میں جب آفتاب (آفتاب رسالت) کا غلام ہوں تو میری باتوں کا ماخذ وہی آفتاب ہوگا۔

تعجب ہے کہ مرزا قادیانی کا دعویٰ نبوّت جھوٹا ہے۔ مگر جھوٹے دعوے کی لاج بھی وہ اور اس کے جانشین نہیں رکھتے۔ پیغمبر تو دنیا بھر کے قوانین کو بدلنے آتے ہیں اور ساری دنیا کو اپنے پیچھے چلانا چاہتے ہیں۔

وَمَا اَرْسَلْنَا مِنْ رَّسُوْلٍ اِلَّا لِيُطَاعَ بِاِذْنِ اللّٰهِ

ترجمہ: اور ہم نے جو بھی پیغمبر بھیجے اسی لیے کہ لوگ خدا کے حکم سے اسی کی پیروی کریں۔''

تو ہم کو تو قرآن و حدیث کی رو سے دیکھنا ہے کہ مرزائی غیر مسلم ہیں یا نہیں۔ اور اس مسئلے میں کسی بھی مسلمان کو شک نہیں ہے۔ صرف قانونی شکل دینے کی بات ہے۔

(۲) آپ کی نظر ہمیشہ صحابہ کرامؓ سے دور رہی ہے ورنہ آپ دنیا کی اسمبلیوں کو دیکھنے کی بجائے مسلمانوں کو سب سے پہلی اسمبلی انصار و مہاجرین کو دیکھتے۔ کیا انصار و مہاجرین کے مشورے اسلامی روشنی میں نہ ہوتے تھے۔ مگر آپ سے یہ توقع ہی نہیں کہ آپ صحابہ کرامؓ کے راستے پر چلیں۔ ورنہ انصار و مہاجرین کی اسمبلی نے

منکرینِ زکوٰۃ و منکرین ختم نبوت سے مسلمان کہلانے کا حق چھین کر ان سے جہاد کیا تھا۔

(۳) مرزائی خلیفہ نے یہ کہہ کر کہ مسلمان ممبران اسمبلی کو مذہبی فیصلے کرنے کی اہلیت ہے یا نہیں۔ ممبران اسمبلی کی سخت توہین کی ہے۔ ان کو معلوم ہونا چاہیئے کہ وہ کروڑوں مسلمانوں کے نمائندے ہیں۔ اور مسلمان بھی وہ جن کا کھلا دعویٰ ہے کہ ہمارا ''دین اسلام ہے۔'' کیا یہ ممبر صاحبان اتنا بھی نہیں جانتے کہ مسلمان کون ہے اور غیر مسلم کون۔ مرزائیوں کو معلوم ہونا چاہیئے کہ کافر وہی ہوتا ہے جو ضروریاتِ دین اور قطعیاتِ دین کا انکار کرے۔ مسلمان کی تعریف کی بحث آگے آتی ہے۔ کیا کوئی ممبر اسمبلی یہ نہیں جانتا کہ پانچ ارکانِ اسلام فرض ہیں۔ کیا کوئی مسلمان نہیں جانتا کہ توحید و رسالت پر ایمان لانے کے سوا تمام پیغمبروں، آسمانی کتابوں، فرشتوں، قیامت تقدیر اور دوبارہ زندگی کو دل سے قبول کرنا بھی جزو ایمان ہے۔ کیا کوئی مسلمان اس میں بھی شک کر سکتا ہے کہ حضور سرور عالم صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد وحی نبوت کا دروازہ بند ہو گیا ہے۔ اب نہ براہِ راست کسی کو نبی بنایا جا سکتا ہے نہ کسی کی متابعت سے۔ یہی وجہ ہے کہ تاریخ اسلام کے تقریباً ۱۴ سو سال میں جس کسی نے نبی ہونے کا دعویٰ کیا تو اس کو اہلِ اسلام نے ہرگز معاف نہیں کیا۔ مرزائی کہتے ہیں کہ مرزا جی حضور صلی اللہ علیہ وسلم میں فنا ہو چکے تھے۔ اس لیے وہ عین محمد بن کر نبی ہوئے (انا للہ وانا الیہ راجعون) بہرحال اسلام کے بدیہی مسائل کو اسمبلی کے تمام ممبران سمجھتے ہیں اور تجربہ رکھتے ہیں بلکہ وہ مرزا ناصر احمد صاحب سے بھی زیادہ سمجھتے ہیں۔

(۴) پاکستان اسمبلی نے پاکستان کا مملکتی مذہب اسلام قرار دیا ہے۔ کیا ناصر احمد صاحب ہم کو امریکہ اور لنڈن کا مقتدی بنانا چاہتے ہیں۔

(۵) پاکستان اسمبلی نے فیصلہ کردیا ہے کہ پاکستان کا صدر اور وزیر اعظم مسلمان ہوگا اور اس کو ختم نبوت اور قرآن وحدیث کے مقتضیات کو ماننے کا حلف اٹھانا پڑے گا (شاید مرزائیوں کو اس سے بھی تکلف ہوئی ہو۔)

(۶) بھلا جس اسمبلی کو دستور و آئین بنانے کا حق ہے اس کو اس میں ترمیم کا حق کیوں نہ ہو۔ کیا یہ بات دستور میں نہیں ہے۔

(۷) تعجب ہے کہ اقل قلیل اقلیت کو اجازت ہو کہ وہ کروڑوں کی اکثریت کو کافر کہے اور اکثریت کو قطعاً حق نہ ہو کہ وہ ان مٹھی بھر تازہ پیداوار اور مخصوص اغراض کے لیے کھڑے ہونے والوں کو غیر مسلم کہے۔ ہم کو حق ہے کہ اسمبلی کے اندر اپنے حق کا مطالبہ کریں یا اسمبلی سے باہر۔ پاکستانی حکومت اسمبلی کا نام ہے اور اسمبلی عوام کی نمائندہ ہے۔ ان کا فرض ہے کہ ملک کے نفع ونقصان پر سوچیں۔

(۸) ہم نے کب کہا کہ آپ کو کسی مذہب کی طرف منسوب ہونے کا حق نہیں۔ آپ بے شک اپنے کو نصرانی، عیسائی، قادیانی، احمدی، مرزائی وغیرہ مذاہب کی طرف منسوب کر سکتے ہیں۔ مگر جب آپ کو یہ حق ہے تو ۹۹ فیصد اکثریت کو کیوں یہ حق نہیں کہ وہ اس پاک مذہب کی طرف منسوب ہو جس میں سرور عالم صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد کسی کو نبی بنانا کفر ہو اور ایسا سمجھنے والے کو اپنے سے خارج سمجھیں۔ جس کا مطلب یہ ہے کہ اقل قلیل جو چاہے کہے اور کرے اور غالب اکثریت صُمٌّ بُکمٌ بنی رہے اس کو بات کرنے کی اجازت نہ ہو۔

(۹) آپ جس مذہب کی طرف چاہیں منسوب ہوں مگر یہ نہیں ہو سکتا کہ آپ ستر کروڑ مسلمانوں کو کافر بھی کہیں۔ پھر انہی مسلمانوں کے نام سے عہدوں، منصوبوں اور مختلف ملازمتوں پر قبضہ بھی کریں۔ آپ جب کروڑوں مسلمانوں کو مرزا قادیانی کو نہ ماننے کی وجہ سے مسلمان نہیں سمجھتے۔ اور اسی طرح آپ کے غیر اسلامی عقیدوں

کی وجہ سے مسلمان بھی آپ کو مسلمان نہ سمجھیں تو اب رونے کی کیا ضرورت ہے۔

اب تو آپ کی بات پوری ہو رہی ہے نہ تم ہم میں سے اور نہ ہم تم میں سے۔

(۱۰) آپ نے اسمبلی کے اختیارات پر بڑی تنقید کی ہے، مگر آپ کو معلوم ہونا چاہیئے۔ کہ اسمبلی قوم کی نمائندہ جماعت ہے۔ اس کو قوم کی نمائندگی کرنی ہے۔ جب قوم کا ایک متفقہ مطالبہ ہے تو وہ خود اسمبلی کا مطالبہ ہو جاتا ہے اور اس کے فرائض میں داخل ہو جاتا ہے۔

(۱۱) آپ کو یہ خیال تو چٹکیاں لے رہا ہے کہ سیاسی جماعتیں سیاسی منشور پر اسمبلی میں آئی ہیں، مگر آپ پاکستان کی بنیاد بھول جاتے ہیں کہ پاکستان کا معنیٰ کیا ہے۔ کیا پاکستان مسلم قومیت کے نام سے نہیں بنا۔ کیا مسلم قومیت کی بنیاد مذہب پر نہیں ہے اور کیا حضرت مولانا سید حسین احمد مدنیؒ اور علامہ اقبالؒ کا نزاع لفظی ہو کر ختم نہیں ہو گیا تھا؟ اور کوئی مسلمان اس سے انکار کر سکتا ہے کہ دین اسلام، اعتقادات، معاملات، عبادات اور سیاسیات سب پر حاوی ہے۔ اور اب تو حکومت ہی عوامی ہے اور عوامی خیالات اور معتقدات کی ترجمان۔ پھر اس کو کیوں عوامی مطالبات پر خاص کر جوم مذہبی ہوں غور کرنے کا حق نہیں ہے۔ جبکہ سرکاری مذہب ہی اسلام ہے۔

(۱۳) مرزائی جماعت کا مسئلہ فسادات کی وجہ سے زیرِ بحث نہیں بلکہ یہ چالیس سال سے زیادہ سے مسلمانوں کا متفقہ مسئلہ چلا آ رہا ہے۔ ۱۹۵۳ء کی تحریک ختم نبوت سب کو معلوم ہے۔ ہاں فسادات اور فسادی مرزائیوں کی خرمستی نے اس کو قوت دے دی بلکہ ہو سکتا ہے کہ مرزائیوں نے یہ فساد اور مسلمانوں کے پُر امن جلوسوں پر گولیاں ہی دشمنانِ ملک کے ایماء پر چلائی ہوں، تاکہ پاکستان دو طرفہ مشکلات میں بھی گھرا ہو، اور اندر فسادات ہوں اور دشمن اپنا اُلو سیدھا کر سکے۔

مرزا ناصر احمد صاحب کا اقرار

دورانِ جرح میں جب مرزا ناصر احمد صاحب نے یہ کہا کہ جو شخص اپنے کو مسلمان کہتا ہے کسی دوسرے شخص یا اسمبلی کو یہ حق نہیں کہ وہ اس کو غیر مسلم قرار دے۔ جب اسی سلسلہ میں محترم اٹارنی جنرل نے ان پر سوال کیا کہ ایک شخص یہودی اور عیسائی ہے لیکن وہ غلط طور سے مفاد کی خاطر اپنے کو مسلمان کہتا ہے اور اس کی یہ فریب دہی اور بے ایمانی دیکھ کر اس کے خلاف عدالت میں دعویٰ دائر کر دیا جاتا ہے تو کیا عدالت کو یہ حق نہیں ہے کہ قطعی ثبوت ملنے کے بعد اس کے فریب کا پردہ چاک کر کے اس کو غیر مسلم، یہودی یا عیسائی قرار دے دیں۔

مرزا ناصر احمد صاحب نے بڑی ٹال مٹول کے بعد عدالت کے اس حق کو تسلیم کیا۔ گویا اس طرح مرزا ناصر احمد نے اقرار کر لیا کہ کسی با اختیار ادارے کو یہ حق حاصل ہے کہ نبوت کے بعد وہ کسی شخص کے دعوے کو غلط قرار دے دے۔

اب اس اقرار کے بعد قومی اسمبلی کو جس کا کام قانون سازی ہے یہ حق کیوں حاصل نہیں کہ وہ مرزائیوں کے غلط دعویٰ اسلام کا بھانڈا پھوڑ کر عوام کو ان کے فریب سے بچائے۔

فرضی باتیں

آپ نے صفحہ چار پر انسان کے بنیادی حق اور دستور کے عنوان سے فرضی باتیں لکھ کر اپنا دل خوش کرنے کی کوشش کی ہے۔ مگر آپ یقین کریں کہ دنیا کی کسی حکومت نے اب تک اس قسم کے سوالات نہ اٹھائے نہ امکان ہے۔ زیادہ سے زیادہ آپ کو بھارت کا خطرہ ہے۔ مگر وہاں بھی مسلمان ان کے مقابلہ میں ایک ہیں اور ایک ہی بات کہتے ہیں۔

کہتے ہیں چوہے کی نظر ایک بالشت تک ہوتی ہے اس سے آگے نہیں دیکھ سکتا۔ مرزائیوں کو معلوم نہیں کہ خانہ کعبہ میں اہلِ اسلام کس طرح اتحاد کا مظاہرہ کرتے ہیں۔ پھر بھارت میں کس طرح تمام مسلم جماعتیں اکٹھی ہو کر بھارتی گورنمنٹ کے سامنے اپنی بات رکھتی ہیں۔ پھر لاہور

میں ماضی قریب میں کس طرح دنیا بھر کے سربراہانِ اسلام نے جمع ہو کر مرزائیوں اور دیگر دشمنان اسلام کے سینے پر مونگ دلے۔

مسلمانوں کو ڈراوا

مرزا ناصر احمد صاحب نے مرزائیوں کو غیر مسلم اقلیت قرار دینے کے بہت سے نقصانات صفحہ 4 پر گنائے ہیں اور یہ صرف رونے کے مترادف ہے ورنہ ہمیں قرآن و حدیث اسلام و شریعت کو دیکھنا ہے۔ نہ یہ کہ دوسرے کیا کرتے ہیں اور اگر خود مسلمانوں کی مذہبی صلابت اور مضبوطی دوسرے دیکھیں تو ان کو بھی ہمارا لوہا ماننا پڑے۔ جیسے کے خیر القرون میں تھا۔

مرزا ناصر احمد صاحب نے عیسائی حکومتوں کی عددی اکثریت کا ذکر کر کے وہاں مسلمانوں کو شہری حقوق سے محروم کرنے کا ڈراوا بھی سنایا ہے۔ دراصل تحریکِ مرزائیت اور قوم کی مشترکہ آواز کے مقابلے میں اب ان کو سوچنے اور سمجھنے کا ہوش بھی نہیں رہا۔ مرزا جی یہ کس نے کہا کہ ہم مرزائیوں کو ہندوؤں، سکھوں اور عیسائیوں کی طرح غیر مسلم اقلیت قرار دے کر ان کے شہری حقوق بھی غصب کر لیں گے۔ کیا اسلام نے کافر رعایا کی جان و مال اور عزت و آبرو بلکہ ان کے معابد کی آزادی کی ضمانت نہیں دی۔ نہ ہم یہ معاملہ عیسائیوں سے کر رہے ہیں اور نہ مرزائیوں سے کریں گے۔ ہمارے ہاں پرانے مسیحی اور نئے مسیحی دونوں کے جان و مال کی حفاظت حکومت کے ذمے ہے۔ بشرطیکہ وہ ذمی بنے رہیں۔ اگر بغاوت کریں گے تو پھر ان کے ساتھ وہی سلوک کیا جائے گا جس کے وہ مستحق ہوں گے۔

ایک خطرناک دھوکہ

ایک خطرناک دھوکہ نمبر ۶ پر یہ دیا گیا ہے کہ ”اگر یہ اصول تسلیم کر لیا جائے تو دنیا کے تمام انبیاء علیہم السلام اور ان کے جماعتوں کے متعلق ان کے عہد کی اکثریت کے فیصلے قبول کرنے پڑیں گے۔“ یہ کھلا دھوکا ہے۔ مرزا ناصر احمد صاحب کو معلوم ہونا چاہیئے کہ اسلام جامع مذہب ہے اس میں مغلوب یا اقلیت میں ہونے کے وقت کے لیے بھی رہنمائی موجود ہے اور غلبہ اکثریت

میں ہونے کے وقت کے لیے بھی احکام موجود ہیں۔ لیکن پیغمبروں کا ذکر اپنی روایتی گستاخی کی طرح خانخواہ درمیان لا کر اپنا شوق پورا کیا ہے۔ اب اوپر کی عبارۃ دوبارہ پڑھیں کہ ’’آیا ان کے زمانے کی اکثریت یعنی غیر مسلم اکثریت کے فیصلے انبیاء علیہم السلام نے مانے‘‘۔ اگر مرزا ناصر احمد صاحب یہ لکھ دیتے تو اپنے اوپر فتویٰ کفر کی ایک دفعہ کا اضافہ کرا دیتے۔ مگر انہوں نے بڑی ہوشیاری سے لکھا کہ اکثریت کے فیصلے قبول کرنے پڑیں گے۔ مرزا صاحب! یہ فیصلے آپ قبول کریں ورنہ دنیا کا کوئی مسلمان۔ کافر اکثریت کے فیصلے پیغمبروں کے خلاف قبول کرنے کو تیار نہیں ہے۔ اور آپ کو معلوم ہونا چاہیئے کہ دارالندوہ (مکہ معظمہ میں قریش کی اسمبلی) نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے خلاف فیصلے کئے۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام حضرت عیسیٰ علیہ السلام اور حضرت ابراہیم علیہ السلام کے زمانہ کی کافر حکومتوں نے جو اس وقت کے رواج کے مطابق عوام کی نمائندہ تھیں۔ پیغمبروں کے خلاف فیصلے کیے۔ جن کو انہوں نے تسلیم نہیں کیا۔ اور آج ہم اکثریت میں ہو کر اقلیت کے غیر شرعی مسائل کو نہ ٹھکرائیں؟ نہ غیر مسلم حکومتوں کے فیصلے بغیر قوت حاصل کرنے کے روکے جا سکتے ہیں۔ نہ اسلام ہم کو اس کے لیے مجبور کرتا ہے اور نہ ہم دوسروں کے کاموں کے خدا تعالیٰ کے ہاں ذمہ دار ہیں۔ ہم کو اپنے ہاں اور اپنے حدود اختیار و اقتدار میں شریعت کی روشنی میں فیصلے کرنے ہیں۔

لا اکراہ فی الدین کے قرآنی ارشاد سے دھوکہ

مرزا ناصر احمد صاحب نے اپنے سارے بیان میں یہی ایک بات صحیح کی کہ کسی کا مذہب جبراً تبدیل نہیں کیا جا سکتا۔ آیت کا مفہم بھی یہی ہے۔ مگر اپنے روایتی فریب کو یہاں بھی کام میں لائے کہ زبردستی کسی مسلمان کو غیر مسلم قرار دینا بھی جبکہ وہ اسلام پر شرح صدر رکھتا ہو۔ اس آیت کی نافرمانی میں داخل ہے۔ یہاں آیت کریمہ بھی قطعی ہے اور اس کا مطلب بھی واضح ہے۔ بھلا جس شخص نے دل سے اسلام کو قبول نہیں کیا۔ اس کو مسلمان بنا کر کیا کریں گے اور وہ مسلمان کیسے ہوگا۔ یہ درست ہے۔ مگر ہم نے کب کہا کہ مرزائی کو جبراً مسلمان کرو۔ آپ اپنی مرزائیت پر رہ کر

اپنا شوق پورا کرتے رہیں۔ ہم آپ کو قطعاً تبدیل مذہب کے لیے مجبور نہ کریں گے۔ لیکن آپ کو مسلمان نہ سمجھنا یہ ہمارا اعتقاد اور مذہب ہے۔ کیا آپ اکثریت کو اس کے اپنے اعتقاد پر رہنے اور قانونی طور سے اس کی اشاعت کی اجازت نہیں دیتے۔ یہ سوچنا قومی اسمبلی کا کام ہے، جس کے سامنے سب سے پہلا اور بڑا کام قانونِ شریعت ہے۔ کہ آیا آپ جیسی اقلیت کو مسلمان کے نام سے اکثریت کے حقوق پر ڈاکہ ڈالنے کی اجازت دے یا آپ کو اسلام کی روشنی میں آپ کے ہی اقوال و اعتقادات کے پیشِ نظر غیر مسلم اقلیت قرار دے کر ۹۹ فیصد کے حقوق غصب کرنے سے روک دے، اور اس دھوکہ سے کہ نکاح، جنازہ وغیرہ کے احکام میں کھلم کھلا اسلامی اصول کی خلاف ورزی ہو۔ قوم کو نکال دے۔ اگر آپ اپنے کافرانہ مذہب پر قائم رہیں ہم آپ پر جبر نہ کریں گے۔ مگر ہمیں اپنے اصول کے تحت نبوت کے مدعیوں اور ان کے پیروکاروں اور اس کو مجدد ماننے والوں کو غیر مسلم تصور کرنے دیں۔ کیا دنیا بھر کے مسلمان مرزائیوں کو اسلام سے خارج نہیں کہتے؟ اور کیا آپ کے مرزا جی کو تکفیر عمومی کا یہ شوق نہیں چرایا پھر بات تو ختم ہے۔ اب صرف بات اس قدر ہے آپ چاہتے ہیں کہ اسی طرح دو قومیں ہوتے ہوئے ہم مسلمان کے نام سے ان کے حقوق پر ڈاکے ڈالتے رہیں اور ملک میں نفاق اور فساد جاری رہے۔ پھر کیوں نہ اس کو قانونی جامہ پہنا کر ہمیشہ کے لیے ختم کرا دیا جائے پھر آپ اپنے لیے آزادی چاہتے ہیں اور ہمارے لیے پابندی، ہم سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم کی معراج جسمانی حیات عیسیٰ ابن مریمؑ اور ختم نبوت کے منکر کو مسلمان کہنے کے لیے تیار نہیں ہیں۔ کیا آپ ہم کو اپنا عقیدہ بدلنے کے لیے مجبور کر کے قرآن پاک کی مذکورہ آیت کے خلاف نہیں کر رہے۔!

آیت کریمہ سے غلط مطلب براری

مندرجہ آیت کریمہ سے قتل مرتد کے اسلامی مسئلہ کے خلاف بھی کام لیا جاتا ہے۔ مگر یہ بھی غلط ہے، جب ایک شخص پاکستان کی رعیت نہیں اس پر کوئی پاکستانی قانون لاگو نہیں۔ مگر جب وہ خود پاکستانی بن جائے اور یہاں کے سارے قوانین کی پابندی کو مان لے۔ پھر اس کی

خلاف ورزی پر اس کو سزا دی جائے گی۔ اسی اصول پر زنا، چوری، ڈاکہ، قتل، بغاوت اور ارتداد وغیرہ کی سزاؤں کا دارومدار ہے۔ یہ اسلام کے اندر رہنے والوں کے لیے ہے، لیکن کسی باہر والے شخص کو اسلام لانے کے لیے مجبور نہیں کیا جاسکتا۔ یہی آیت کریمہ کا مفہوم ہے۔

سلام کرنے والے کو مومن نہ کہنے کا حکم

قرآن کی اس آیت سے بھی مرزا ناصر احمد صاحب نے ناجائز فائدہ اٹھایا ہے۔ مگر ہم یہ بحث مسلمان کی تعریف میں کریں گے (انشاء اللہ تعالیٰ) حضرت اسامہؓ کی حدیث بھی ناصر احمد صاحب نے نقل کی ہے کہ جنگ میں ایک شخص نے کلمہ پڑھا۔ انہوں نے پھر اس کو قتل کر دیا۔ اس پر سرور عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے خفگی کا اظہار فرمایا۔ اس پر بھی مسلمان کی تعریف کے وقت روشنی ڈالی جائے گی۔ (انشاء اللہ تعالیٰ)

تہتر فرقوں والی حدیث

مرزا ناصر احمد صاحب نے نکتۂ استحقاق پیش کیا ہے کہ حدیث میں ہے کہ آپؐ نے فرمایا۔

ستفرق هذا الامة علیٰ ثلاث وسبعین فرقته کلها فی النار الا واحده°

ترجمہ: یہ اُمت عنقریب تہتر فرقوں میں تقسیم ہو جائے گی۔ سب فرقے آگ میں ہوں گے سوائے ایک کے۔

یہاں مرزا جی نے اگلے لفظ کھا لیے ہیں مگر آگے چل کر مودودی صاحب کے ترجمان القرآن جنوری، ۱۹۴۵ء سے نقل کیا ہے اس کے آخر میں باقی الفاظ نقل کر دیئے ہیں۔

قالو امن هی یا رسول الله قال ما اناعلیه واصحابی°

ترجمہ: صحابہؓ نے عرض کیا کہ وہ نجات پانے والا فرقہ کونسا ہے۔ آپؐ نے فرمایا جو میرے اور میرے صحابہؓ کے طریقے پر ہو۔

صفحہ ۱۰ پر مرزا صاحب نے مودودی صاحب کی تحریر سے فائدہ اٹھانے کی کوشش کی ہے۔ وہ مودودی صاحب کے حوالہ سے لکھتے ہیں۔ ''اس حدیث میں جماعت کی دو علامتیں نمایاں طور

پر بیان کر دی گئی ہیں۔ ایک تو یہ کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اور آپؐ کے صحابہ کے طریق پر ہو گی۔ دوسرے یہ کہ نہایت اقلیت میں ہو گی"۔ مرزا ناصر صاحب کا نکتۂ استحقاق یہ ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے مندرجہ بالا فرمان کے بالکل برعکس اپوزیشن کے علماء کی طرف سے پیش کردہ ریزولیشن یہ ظاہر کر رہا ہے کہ اُمّت مسلمہ کے بہتر فرقے تو جنتی ہیں اور صرف ایک دوزخی ہے جو قطعی طور پر حضرت خاتم الانبیاء صلی اللہ علیہ وسلم کی حدیث مبارک کے خلاف اور آپ کی صریح گستاخی ہے۔

یہاں گویا مرزا جی گھبرا رہے ہیں کہ صرف وہی جہنم کے ایندھن ہوں گے باقی سب جنتی ہیں۔ یہ تمام تقریر بناء فاسد علی الفاسد ہے۔ اس حدیث میں بہتر فرقوں کے ناری اور ایک کی نجات کا ذکر ہے۔ یہ جنتی اور دوزخی ہونے کے بارہ میں اور ظاہر ہے کہ بعض گناہ گار مسلمان بھی ایک بار جہنم میں داخل ہوں گے۔ بہر حال اس حدیث میں کافر اور مسلم کے الفاظ نہیں بلکہ دوزخی اور جنتی کے ہیں۔ اب ان دونوں نے اس حدیث سے غلط فائدہ اٹھایا اور خواہ مخواہ عوام کو دھوکہ دینے کی کوششیں کی ہیں۔

بہتر اور تہتر فرقے

نہ یہ تہتر واں فرقہ تمام بہتر فرقوں کو کافر کہتا ہے۔ نہ بہتر فرقے اس تہترویں فرقے کو کافر کہتے ہیں۔ یہ اور بات ہے کہ ان فرقوں میں سے کوئی آدمی حد سے گزر کر صاف کفریہ عقیدے رکھے تو وہ مسلمان نہیں رہ سکتا۔ مگر یہ ان بہتر فرقوں کے ساتھ خاص نہیں۔ تہترویں فرقۂ اہل سنت والجماعت کا کوئی فرد بھی اگر کسی بدیہی اور قطعی عقیدے کا انکار کرے تو وہ بھی مسلمان نہیں رہ سکتا۔ مثلاً ختمِ نبوت کا انکار کر دے یا زنا اور شراب کو حلال کہے۔ بہر حال اس حدیث کا کفر و اسلام کے مسئلے سے کوئی تعلق نہیں اور مرزائیوں کا مسئلہ اس کے بالکل برعکس ہے کہ وہ غیر مسلم اقلیت ہیں وہ قطعی کافر ہیں۔ انہوں نے مرزا جی کو نبی مان رکھا ہے۔ یہ حیات مسیح علیہ السلام کا انکار کرتے ہیں، معراج جسمانی کے منکر ہیں۔ مرزا جی کی وحی کو قطعی کہتے اور اس پر قرآن کی طرح ایمان

رکھتے ہیں، اور حضرت عیسیٰ علیہ السلام اور تمام پیغمبروں کی توہین کرنے والے مجدد اور مسیح کہتے ہیں۔ ان کو کون ان بہتر فرقوں میں داخل کرتا ہے بلکہ یہ ان سب سے خارج اور قطعی کافر ہیں۔ ہم نے یہ جو لکھا ہے کہ مرزا صاحب نے مودودی صاحب کی تحریر سے فائدہ اٹھانے کی کوشش کی ہے اس لیے کہ مودودی صاحب نے بقول مرزا ناصر احمد صاحب کے یہ لکھا ہے کہ ناجی فرقہ کی علامت یہ ہے کہ وہ نہایت اقلیت میں ہوگا۔ حالانکہ سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلّم کا ارشاد ہے۔

اَتَّبِعُوْ السَّواد الاَعْظَمُ فَانَّهٗ من شَذَّ شُذَّ في النَّارْ

ترجمہ: بڑی جماعت کے ساتھ رہو۔ اس لیے جو علیحدہ ہوا وہ جہنم میں گیا۔" (اوکما قال)

پھر اپنے اس فریب کو ان الفاظ میں چھپایا اور "اس معمور دنیا میں اس کی حیثیت اجنبی اور بیگانہ لوگوں کی ہوگی۔"

معمور دنیا میں تو کافر بھی ہیں جو زیادہ ہیں اور حدیث جو بڑے گروہ کے ساتھ رہنے کا حکم دیتی ہے۔ تو کیا وہ کفار کے ساتھ بھی رہنے کا ہی حکم دیتی ہے۔ یہ ہیں چودھویں صدی کے مجتہد، مجدد اور خود ساختہ خلفاء درحقیقت مسلمانوں کا ذکر ہے اور مسلمانوں ہی میں بڑی جماعت اور سواد اعظم کے اتباع کا حکم ہے۔ تو معلوم ہوا کہ بڑی جماعت ہمیشہ حق پر رہے گی۔ چنانچہ دنیا نے دیکھ لیا کہ چودہ سو سال گزرنے پر بھی دنیا بھر کے مسلمانوں میں صحابہ کرامؓ کا اتباع کرنے والوں کی کثرت ہے۔ یہی اہلِ سنت والجماعت ہیں۔ مگر اس حدیث میں باقی بہتر فرقوں کو کافر نہیں کہا گیا۔

مرزائیوں سے نزاع کفر واسلام کا ہے۔ اس لیے ناصر احمد صاحب کا یہ نکتہ استحقاق بالکل غلط ہے۔ انہوں نے صرف مودودی صاحب کی عبارت سے اپنی اقلیت کو اشارۂ حق پر ثابت کرنے کی کوشش کی ہے۔ یا غلط امید رکھی ہے۔ مرزا ناصر احمد کو معلوم ہونا چاہیئے کہ مودودی صاحب نے بھی صحابہؓ کو معیارِ حق نہ مان کر اس حدیث کے معنی سے بغاوت کی ہے اور اقلیت کی بات اپنی طرف سے گھسیڑ کر اپنی مٹھی بھر جماعت کو مرزائیوں کی طرح برحق ثابت کرنے کی سعی لاحاصل کی ہے۔

کہ غیر جانبدار دنیا میں پاکستان جو ہے یہ ہو جائے گا۔ وہ ہو جائے گا۔ وہاں جدوجہد کی عبارت ان کے محضر نامے میں نہیں ہے۔

صفحہ ۱۱ فضول ہے

جناب چیئرمین: یہ اس میں نہیں لکھا ہوا جو لکھا ہوا ہے وہ پڑھیں یا زبانی بحث کریں۔

مولانا عبدالحکیم: اصل میں..........

جناب چیئرمین: اصل میں نہیں، جو لکھا ہوا ہے وہ پڑھیں۔

چوہدری جہانگیر علی: اس میں یہ وضاحت کچھ زیادہ ہی کر رہے ہیں۔

مولانا عبدالحکیم: بہت اچھا جی۔

مرزا ناصر احمد صاحب نے محضر نامے میں صفحہ ۱۱ پر اپنی گذشتہ تحریروں کا خلاصہ بیان کیا ہے۔ صرف احتیاط کا وعظ ہے اور غیر جانبدار دنیا میں تضحیک کا واویلا کر کے ڈرانے کی کوشش کی ہے۔

مرزا ناصر احمد صاحب سے

ہم بھی مرزا صاحب کو وعظ کرتے ہیں کہ لنڈن کی جمہوریت دنیا بھر کی جمہوریتوں میں مشہور ہے۔ لیکن وہاں کی پارلیمنٹ نے لواطت کو جائز قرار دیا ہے۔ کیا ہم ان لوگوں کو ہنسنے سے ڈریں یا ان پر ہنسیں یا امریکہ سے شرمائیں جو کسی کمیونسٹ کو کلیدی آسامی پر مقرر نہیں کر سکتا۔ یا روس کا خیال کریں جو کسی امریکی جمہوریت پسند کو ذمہ دارانہ عہدہ نہیں دے سکتا۔ کیونکہ وہ اصولی حکومتیں ہیں جو شخص ان کے اصول کو نہ مانے اس کو وہ نہ رکھیں، پھر ہمارا مملکتی مذہب اسلام ہے۔ ہمارا دین اسلام ہے تو جو شخص اس اسلام کے اصول کے خلاف ہو اس کو ہم کیوں برداشت کر کے اپنے اوپر مسلط کریں اگر آپ واقعی حق پسند ہیں تو مرزائیت ترک کر دیں۔ آپ کو اپنا اجر بھی ملے گا اور ان دوسرے مرزائیوں کا بھی جو مسلمان ہوں گے۔

مرزا صاحب!

مغربی دنیا میں ابھی تک کالے، گورے کی تفریق موجود ہے۔ انہوں نے سیاست کو مذہب سے علیحدہ رکھا ہے۔ وہ سرقہ اور زنا کی اسلامی سزائیوں کے خلاف ہیں اور اسی لیے وہاں ان جرائم کی بھرمار ہے۔ وہ عورتوں کو وراثت دینے کے خلاف ہیں۔ وہ اسلامی طلاق اور متعدد ازدواج کو غلط کہتے ہیں۔ شرعی پردہ پر اعتراض کرتے ہیں۔ ان کی اخلاقی حالت تباہ ہو چکی ہے۔ وہ کبھی شراب کو قانونا بند کر دیتے ہیں اور کبھی اجازت دے دیتے ہیں۔ کیا ہم ان کی خاطر اسلام کے کسی حصے کو ترک کر سکتے ہیں۔ اور کیا ہم ان ہی کی طرف دیکھتے رہیں گے۔

؎ اے تماشا گاہے عالم روئی تو
تو کجا بہر تماشا می روی

مسلمان کی تعریف

''مسلمان'' کی تعریف کے لیے پاکستانی مسلمان عرصہ دراز سے مطالبہ کر رہے ہیں، کیونکہ بغیر تعریف کے مسلمان کے نام سے پاکستان میں غیر مسلم مرزائی عہدوں پر قبضہ کر لیتے ہیں۔ اور یہ اسکیم انگریز کی تھی جو اس وقت تو کامیاب نہ ہوئی لیکن اس نے مسلمانوں کو الجھن میں ڈال رکھا ہے۔ بہر حال جب پہلے دستور میں صدر مملکت کے لیے مسلمان ہونا شرط کیا گیا۔ ہم نے اسی وقت سے مسلمان کی تعریف کرنے کا مطالبہ شروع کر دیا تھا۔ اور یہ بالکل قانونی اور فطری بات تھی۔ جب صدر کے لیے مسلمان ہونا شرط ہے تو مسلمان کی تعریف خود آئین میں ہونی لازمی ہوگئی۔ ورنہ ہر ایرا غیرا اپنے کو مسلمان کہہ کر صدارت کا امیدوار بن سکتا تھا۔ اور اب نئی حکومت نے تو صدر اور وزیر اعظم دونوں کے لیے مسلمان ہونا شرط قرار دے دیا ہے اور اگرچہ صاف طور پر مسلمان کی تعریف سے گریز کیا گیا ہے۔ مگر صدر اور وزیر اعظم کے حلف کے لیے جو الفاظ تجویز کیے گئے ہیں۔ ان میں ختم نبوت پر ایمان اور سرور عالم صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد کسی کے نبی نہ بننے قرآن وحدیث کے تمام مقتضیات پر ایمان لانے کا بھی ذکر ہے۔ شامل ہے۔ موجودہ حکومت کا یہ وہ کارنامہ ہے جس سے کفر کی دلدادہ طاقتیں بوکھلا گئی ہیں۔ اس سے مرزائی بھی خاص طور سے گھبرا گئے ہیں۔ انہوں نے پہلے پہل عہدوں اور ممبریوں پر قبضہ کرنے کی غرض سے پیپلز پارٹی کی حمایت کی تھی اور اب یکدم اصغر خان کے ساتھ شامل ہو گئے۔ (بحوالہ لولاک لائلپور)

[At this stage Mr. Chairman vacated the Chair which was occupied by (Dr. Mrs. Ashraf Khatoon Abbasi).]

مولانا عبدالحکیم: پھر مرزائی ظفر چوہدری (سابق ایئر مارشل) نے جو کردار ادا کیا جس کی اس کو سزا ابھی مل گئی وہ سب کے سامنے ہے۔ بعد ازاں بھارت نے ایٹمی دھماکہ کیا۔ اور چند ہی دن کے بعد ربوہ اسٹیشن پر مرزائیوں نے فساد اور ظلم کا ارتکاب کیا۔ مرزائی لوگ کبھی ملک کے وفادار نہیں ہو سکتے۔ یہ حکومت کے پابند نہیں اپنے خلیفہ کے پابند ہیں۔

مسلمان کی تعریف:۔ اب جبکہ ملک میں مرزائیوں کو غیر مسلم اقلیت قرار دینے کے مطالبہ میں بیس سال کے بعد پھر طاقت آئی ہے تو مرزائیوں کو بھی مسلمان کی تعریف کا شوق چرایا۔ تاکہ ہم کسی نہ کسی طرح مسلمانوں میں شمار ہو جائیں۔ اس عنوان کے تحت صفحہ 15 پر مرزائی محضر نامے کے بیان سے واضح ہوتا ہے کہ وہ کسی ایسی تعریف کو جائز نہیں سمجھتے جو کتاب اللہ اور خود سرور کائنات صلی اللہ علیہ وسلم کی فرمائی ہوئی تعریف کے بعد کسی زمانہ میں کی جائے۔

اس کی تائید صــــ۱۹ سطر نمبر ۷ سے ہوتی ہے، جہاں لکھا ہے کہ ’’پس جماعت! احمدیہ کا موقف یہ ہے کہ مسلمان کی وہی دستوری اور آئینی تعریف اختیار کی جائے۔ جو حضرت ختم الانبیاء صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی زبان مبارک سے ارشاد فرمائی۔‘‘ اس سلسلہ میں تین حدیثیں پیش کیں۔ گویا زبان نبوی کی تعریفیں ہیں۔ مگر آپ حیران ہوں گے کہ مرزا ناصر احمد نے صــــ۲۳ سطر نمبر ۱۵ میں قرآن پاک سے اسلام کا ایک اور اصطلاحی معنی بیان کر دیا۔

دروغ گورا حافظہ نہ باشد

حالانکہ یہ تعریف پرانی تعریفوں کے زمانہ مرزائیت کی ہے۔ سچ ہے دروغ گورا حافظہ نہ باشد۔ مرزا ناصر صاحب نے یہ اصلاحی معنی مرزا غلام احمد قادیانی ہی کے الفاظ میں آئینہ کمالات اسلام صــ۵۷ تا صــ۶۲ سے نقل کیا ہے۔ ان چار صفحات میں مرزا قادیانی نے اپنے تصوف کا سکہ جمانا چاہا ہے اور اپنی تقریر سے یہ تصور دینے کی کوشش کی کہ گویا وہ بھی کوئی خدا رسیدہ اور متبتل الی اللہ ہے۔ مگر مرزا جی کا مقصد بھی دھوکہ دینا تھا اور یہی مقصد مرزا ناصر احمد کا بھی معلوم ہوتا ہے۔ ورنہ حدیث کی تین تعریفوں کے بعد مرزا جی کی اس چوتھی تعریف اور اس تقریر کے نقل کرنے کی کوئی ضرورت نہ تھی، مگر باور یہ کرانا تھا کہ مرزا جی اتنے فنا فی اللہ ہیں کہ ان کی کوئی حرکت حکم الٰہی کے سوا نہیں ہو سکتی۔ اس سلسلہ میں ہم مجبور ہیں کہ مرزا صاحب قادیانی کی معاشرتی زندگی قوم کے سامنے پیش کریں۔ کیا اس قماش کے آدمی کو اس تقریر سے ایک فی لاکھ بھی نسبت ہے، مگر پہلے ہم مسلمان کی تعریف کی بحث ختم کرنا چاہتے ہیں۔

مسلمان کی تعریف میں منقولہ احادیث

پہلی حدیث:۔ حضرت جبرائیل علیہ السلام انسانی بھیس میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں آ کر یوں گویا ہوئے۔

یا محمد اخبرنی عن الاسلام قال الاسلام ان تشهدان لاالٰه الاالله و ان محمد رسول الله و تقیم الصلوٰة و تصوم رمضان و تحج البیت ان استطعت الیه سبیلاً قال صدقت فعجبنا له یسأله و یصدقه قال فاخبرنی عن الایمان قال ان تومن بالله و ملٰئکته و رسله والیوم الاخرِ و تومن بالقدر خیره قال صدقت (مسلم شریف)

اے محمدؐ مجھے اسلام بتایئے، آپ نے فرمایا کہ اسلام یہ ہے کہ تم گواہی دو کہ خدا تعالیٰ کے سوا کوئی معبود نہیں اور حضرت محمدؐ اللہ کے رسول ہیں اور تم نماز قائم رکھو اور زکوٰۃ دیتے رہو۔ اور رمضان کے روزے رکھو اور حج بیت اللہ کرو۔ اگر وہاں جانے کی طاقت ہو اس شخص نے کہا آپ نے سچ کہا، ہم متعجب ہوئے کہ پوچھتا بھی ہے، پھر تصدیق بھی کرتا ہے۔ پھر اس نے کہا کہ مجھے ایمان بتائیں، آپؐ نے فرمایا کہ وہ یہ ہے کہ تم اللہ تعالیٰ پر ایمان لاؤ اور اس کے فرشتوں پر اور اس کی کتابوں پر اور قیامت کے دن پر اور تقدیر، چاہے اچھائی ہو یا برائی، اس شخص نے کہا کہ آپ نے سچ فرمایا۔

دوسری حدیث:

حاء رحل الى رسول الله صلى الله عليه وسلم من اهل نحد تائر الراس نسمع دويّ صوتہ لانفقه مَا يقول حتى دنا۔ فاذا هو يسأل عن الاسلام فقال رسول الله صلى الله عليه وسلّم خمس صلوٰة فى اليوم والليلة فقال هل على غيرها قال لا الاان تطوع قال رسول الله صلى الله عليه وسلّم وصيام رمضان قال هل على غيرها قال لاالا تطوع وقال و ذكر لهٗ رسول الله صلى الله عليه وسلم الزكوٰة قال هل على غيرها قال لاالا تطوع قال فادبر الرجل وهو يقول والله لا ازيد علىٰ هذا و لاانقص قال رسول الله صلى الله عليه وسلّم افلح ان صدق

(صحيح بخارى)

نجد کا ایک آدمی سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس آیا سر کے بال بکھرے ہوئے تھے۔ اس کی گنگناہٹ، ہم سنتے تھے مگر اس کا مفہوم نہیں سمجھ رہے تھے، یہاں تک کہ وہ قریب آ گیا۔ دیکھا تو اس نے اسلام کے بارے میں پوچھا آپ نے فرمایا۔ رات دن میں پانچ نمازیں۔ اس نے کہا کیا اس کے سوا کوئی اور بھی میرے ذمہ ہے، آپ نے فرمایا۔ نہیں ہاں نفل ہو سکتے ہیں، پھر آپ نے رمضان کے روزوں کا فرمایا۔ اس نے کہا کیا اس کے سوا کوئی چیز تو ضروری نہیں۔ آپ نے فرمایا نہیں، ہاں نفل کرو۔ (تو تمہارا اختیار ہے) پھر آپ نے زکوٰۃ کا ذکر فرمایا۔ اس نے پھر وہی سوال کیا کہ کیا اس کے سوا کچھ اور بھی ہے۔ آپ نے فرمایا۔ نہیں ہاں اگر نفل کرو۔ راوی کہتے ہیں کہ وہ آدمی یہ کہتے ہوئے واپس چلا گیا۔ خدا کی قسم! میں اس پر نہ زیادہ کروں گا، نہ کم کروں گا۔ آپ نے فرمایا اگر اس نے سچ کہا ہے تو کامیاب ہو کر فلاح پا گیا۔ (صحیح بخاری)

تیسری حدیث:

من صلی فلوتنا و استقبل قبلتنا واکل ذبیحتنا فذالك المسلم الذی لهٗ ذمة اللّٰه و ذمة رسول فلا تخفضر واللّٰه فی ذمةٖ

جس نے ہماری نماز پڑھی اور ہمارے قبلہ کی طرف منہ کیا اور ہمارے ہاتھ کا ذبح کیا ہوا جانور کھایا، تو یہ وہ مسلمان ہے کہ اللہ اور اس کے رسول کے ذمہ داری میں ہے، تو اللہ تعالیٰ کی ذمہ داری میں اس کے ساتھ دغا بازی نہ کرو۔

(یہ ترجمہ مرزا ناصر صاحب کا کیا ہوا ہے جو اس نے مودودی صاحب سے نقل کیا ہے۔)

(۴) ان تین حدیثی تعریفوں کے ساتھ اب مرزا قادیانی کی چوتھی تعریف بھی شامل کر دیں جو مرزا ناصر احمد صاحب نے محضر نامے میں صـ۲۳ سے صـ۲۶ تک نقل کی ہے۔

اب ہم چاہتے ہیں کہ جن امور کو مرزا ناصر احمد نے مسلمان کی تعریف سے جدا کر کے ضمنی طور پر بیان کر دیا ہے ان کا ذکر بھی کر دیں تا کہ پھر اکٹھی سب پر بحث ہو سکے۔

(۵) خود مرزا ناصر احمد نے ص ۷ پر قرآن پاک کی آیت لکھی ہے۔

ولاتقولو لوالمن اَلقیٰ الیکم السلام لست مؤمنا ٭

ترجمہ: اور جو شخص تمہیں سلام کہے۔ اس کو (آگے سے) یہ نہ کہو کہ تو مسلمان نہیں۔ اس آیت سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ سلام کہنے والے کو بھی آپ کافر یا غیر مسلم نہیں کہہ سکتے۔

(۶) مرزا ناصر احمد نے ایک اور زویت ص ۷ پر نقل کی ہے کہ حضرت اسامہ بن زیدؓ فرماتے ہیں کہ آنحضرتؐ نے ہمیں جہنیہ قبیلہ کے نخلستان کی طرف بھیجا۔ ہم نے صبح صبح ان کے چشموں پر ہی ان کو جالیا۔ میں نے اور ایک انصاری نے ان کے ایک آدمی کا تعاقب کیا۔ جب ہم نے اس کو جا لیا اور اسے مغلوب کر لیا، تو وہ بول اٹھا۔ **لاالٰہ الا اللّٰہ** (خدا کے سوا کوئی معبود نہیں) اس بات سے میرا انصاری ساتھی اس سے رُک گیا۔ لیکن میں نے اس پر نیزے کا وار کر کے اس کو قتل کر دیا۔ جب ہم مدینہ واپس آئے اور آنحضرت کو اس بات کا علم ہوا۔ تو آپ نے فرمایا۔ اے اسامہ! کیا **لاالـہ الا اللّٰہ** پڑھ لینے کے باوجود تم نے اسے قتل کر دیا؟ میں نے عرض کیا یا رسول اللہؐ۔ وہ صرف بچاؤ کے لیے یہ الفاظ کہہ رہا تھا۔ آپ بار بار یہ دہرائے جاتے تھے، یہاں تک کہ میں نے تمنا کی کہ کاش آج سے پہلے میں مسلمان ہی نہ ہوتا۔

اور ایک اور روایت میں ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جب اس نے **لا الـہ الا اللّٰہ** کا اقرار کر لیا، پھر بھی تو نے اسے قتل کر دیا۔ میں نے عرض کیا۔ اے اللہ کے رسول اس نے ہتھیار کے ڈر سے ایسا کیا تھا۔ آپ نے فرمایا کہ تو نے اس کا دل چیر کر دیکھا کہ اس نے دل سے کہا ہے یا نہیں؟ حضورؐ نے یہ بات اتنی بار دہرائی کہ میں تمنا کرنے لگا کہ کاش آج میں مسلمان ہوا ہوتا۔

(بخاری کتاب المغازی)

اس سے بھی یہ ثابت ہوتا ہے کہ کلمہ پڑھ لینا اسلام ہے۔ دل چیر کر دیکھنا تو مشکل ہے۔

اب ہم چند اور روایات اسی قسم کی نقل کرتے ہیں۔

(۷) عن ابی هریره...... قال قال لی رسول اللّٰه صلی اللّٰه علیه واعطانی نعلیه وقال اذهب فمن لقیك من وراء هذا الحائط یشهد ان لا الٰه الا اللّٰه مستقناً بها قبلهٔ فبشره بالجنته (مسلم) عن ابی زر قال قال رسول اللّٰه صلی اللّٰه علیه وسم مامن عبد قال لا الٰه الا اللّٰه ثم مات علیٰ ذالك الا دخل الجنته قال وان زنیٰ وان سرق قال وان زانیٰ وان سرق الخ متفق علیه

حضرت ابوہریرہؓ فرماتے کہ حضور علیہ الاسلام نے مجھے اپنے نعلیں (چپل مبارک) عطاء فرمائے اور فرمایا کہ جاؤ جو ملے اور وہ لا الہ الا اللہ سچے دل سے پڑھتا ہوا اس کو جنت کی بشارت دے دو۔ (مسلم) حضرت ابوزر کو حضور ﷺ نے فرمایا کہ جو بندہ بھی لا الہ الا اللہ کہے پھر اسی عقیدہ پر مر جائے تو وہ جنتی ہے۔ ابوزر نے پوچھا چاہے وہ زنا اور چوری بھی کرتا ہو۔ حضور ﷺ نے تین بار فرمایا اگر چہ وہ زنا اور چوری بھی کرتا ہو۔ متفق علیہ دونوں روایتیں اختصار سے بیان ہوئی ہیں (مشکوۃ کتاب الایمان)

(۸) ایک روایت میں ہے کہ صحابہ کرامؓ جب کسی شہر پر صبح کے وقت حملہ کرتے تو دیکھتے، اگر وہاں سے آذان کی آواز آتی، تو حملہ نہ کرتے۔

اس سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ آذان کہنے سے وہ مسلمان ثابت ہو رہے تھے۔

(۹) حضرت صدیقؓ نے منکرین زکوٰۃ کے ساتھ جہاد کیا، جس سے معلوم ہوتا ہے کہ زکوٰۃ نہ دینا یا اس کا انکار کفر ہے۔

(۱۰) حضرت صدیقؓ نے منکرین ختم نبوت اور مدعیان نبوت سے جہاد کیا۔ جس سے معلوم ہوا کہ ختم نبوت کا مسئلہ بھی جزو ایمان ہے اور اس کا منکر اسلام سے خارج ہو جاتا ہے۔

جسٹس منیر یا مرزا ناصر احمد صاحب

اب اگر جسٹس منیر یا مرزا ناصر احمد علماء کرام کا مذاق اڑائیں، یا اسلام کی تعریف پر متفق ہونے کا قابل اعتراض قرار دیں، تو ان کا یہ اعتراض علمائے کرام پر نہیں، خود سرور عالم صلی اللہ علیہ وسلم پر العیاذ باللہ ہو جاتا ہے۔

جسٹس منیر صاحب نے سپریم کورٹ کا چیف جسٹس ہو کر دینوی مراد کو پہنچ گیا۔ قیامت کا تعلق اللہ تعالیٰ اور توبہ سے ہے، باقی مرزا ناصر احمد صاحب سے توبہ کی زیادہ امید نہیں ہے۔ اللہ تعالیٰ اس کو مسلمان ہونے کی توفیق دیں تا کہ ان ہزاروں مرزائیوں کے مسلمان ہونے کا ثواب بھی اس کو مل جائے، ورنہ پھر اللہ تعالیٰ نے جنت اور دوزخ دونوں تیار کر رکھے ہیں۔ جو جہاں کا مستحق ہو گا وہاں پہنچ جائے گا۔

اظہار حقیقت: کیا جو باتیں مندرجہ بالا دس نمبروں میں بیان کی گئی ہیں، یہ اسلام کی یا مسلمان کی تعریف ہے، اور کیا ان میں باہم کوئی تضاد یا کمی بیشی ہے یا نہیں، اگر یہ تعریفیں ایک طرح کی نہیں تو جسٹس منیر کا اعتراض سرور عالم صلی اللہ علیہ وسلم تک جا پہنچتا ہے اور بے چارہ مرزا ناصر احمد تو کسی شمار و قطار میں ہی نہیں۔

ان تعریفوں کا اختلاف

اب دیکھیں کہ حدیث نمبر ۱ جبرائیلؑ کی روایت میں ایمان و اسلام جدا جدا بیان کیے گئے۔ نمبر ۲ نجد والے سادہ شخص کے سامنے آپ نے اسلام کی تعریف میں حج کا بیان ہی نہیں کیا اور حدیث جبرائیلؑ کے مطابق ایمان کے ارکان کا ذکر ہی نہیں ہے۔ جن کو مانے بغیر کوئی مسلمان مسلمان نہیں ہو سکتا۔ نمبر ۳ روایت میں تو ہماری طرح نماز پڑھنے قبلہ رو ہونے اور ہمارے ہاتھ کا ذبیحہ کھانے کا ذکر ہے، باقی ان باتوں کا جو پہلی کی دو حدیثوں میں بیان ہوئیں کوئی ذکر ہی نہیں۔ حدیث نمبر ۵ میں حکم ہے کہ سلام کہنے والے کو ہم غیر مسلم نہ کہیں، گویا سلام کرنا ہی اسلام اور ایمان کے لیے کافی ہے۔ نمبر ۶ روایت میں آپ نے بار بار حضرت اسامہؓ سے فرمایا کہ لا الہ الا اللہ

کہنے کے بعد تم نے اس کو قتل کر دیا۔ کیا تم نے اس کا دل چیر کے دیکھا تھا۔ اس روایت سے ثابت ہوتا ہے کہ وہ صرف لاالہ الا اللّٰہ کہنے سے مسلمان ہو گیا تھا۔ ابھی تک اس نے اور کوئی عمل نہیں کیا تھا۔ معلوم ہوا کہ مسلمان ہونے کے لیے یہی کلمہ کافی ہے۔ روایت نمبر ۷ میں صرف لاالہ الا اللّٰہ کہنے ہی کو سبب دخول جنت فرمایا گیا ہے۔

[At this stage Dr. Mrs. Ashraf Khatoon Abbasi vacated the Chair which was occupied by Mr. Chairman (Sahibzada Farooq Ali).]

مولانا عبدالحکیم: بمطابق روایت نمبر ۹ اور نمبر ۱۰ میں حضرت صدیقؓ نے مدعیان نبوت سے لڑائی کی اور منکرین زکوٰۃ سے بھی۔ جس کا معنی یہ ہے کہ ان دو جرموں کی وجہ سے وہ مسلمان نہ رہے تھے۔

مسیلمہ کذاب اور دوسرے مدعیان نبوت کی بات تو صاف ہے لیکن جب حضرت صدیقؓ نے منکرین زکوٰۃ سے جہاد کا اظہار فرمایا۔ حضرت عمر نے کہا کہ وہ لاالہ الا اللّٰہ کہتے ہیں۔ حضورؐ نے ارشاد فرمایا ہے، **امرت ان قاتل الناس حتی یقولو لاالہ الا اللّٰہ** (کہ مجھے حکم دیا گیا ہے کہ میں لوگوں سے اس وقت تک لڑوں، جب تک وہ **لاالہ الا اللّٰہ** نہ کہہ لیں) مطلب یہ ہے کہ **لاالہ الا اللّٰہ** کہنے سے انہوں نے اپنے اموال اور جانیں بچالیں۔ حضرت صدیقؓ نے حضرت عمرؓ سے نہ مناظرہ کیا نہ دلیل بازی، بلکہ فرمایا جو ایک تسمہ بھی زکوٰۃ کا حضور کو دیتا تھا اور مجھے نہ دے۔ میں اس سے لڑوں گا۔ بعض روائتوں میں ہے کہ جو بھی زکوٰۃ وصلوٰۃ میں فرق کرے گا میں اس سے لڑوں گا (اللہ اکبر) کیا باطن تھا، کیا صفائے قلب تھی۔ حضرت عمرؓ فرماتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے ابوبکرؓ کا دل حق کے لیے کھول دیا ہے، پھر بالاتفاق جہاد شروع ہوا۔

مسلمانوں کی تعریف کی تحقیق

پہلے آپ قرآن پاک کی آیات سنیں	اور اس شخص سے بڑھ کر کون ظالم ہے
(۱) و من اظلم مِمَّن افتری علی اللّٰہ کذبا او کذّبَ بآیاتہ انہٗ لایفلح الظالمون۔	جو اللہ تعالیٰ پر افتراء کرے یا اللہ تعالیٰ کی آیتوں کو جھٹلائے۔ بے شک نہیں فلاح پاتے ظالم۔
(۲) ولو تریٰ اذوقفو علی النار فقالوٰ یالیتنا نُرد ولا نکھب بایات ربنّا ونکون من المؤمنین۔	اور اگر تم دیکھو جب وہ لوگ دوزخ پر کھڑے کر دیئے جائیں گے اور کہیں گے کاش ہم واپس لوٹا دیئے جائیں اور ہم اپنے رب کی آیتوں کو نہ جھٹلائیں۔ اور یہ کہ ہم ایمان والوں میں سے ہو جائیں۔
(۳) ولقد کذب اصحاب الحجر المرسلین	جھٹلایا بن کے رہنے والوں نے پیغمبروں کو۔
(۴) کذب اصحاب الایکتہ المرسلین	
(۵) واخی ھارون ھوافصح منی لساناً فارسلہ مَعِیَ رداً یصدّقنی انی اخاف ان یکذبون۔	اور میرا بھائی ہارون مجھ سے زیادہ فصیح ہے اس کو میرے ساتھ رسول بنا دیں (مددگار) جو میری تصدیق کریں۔ مجھے خطرہ ہے کہ وہ لوگ مجھے جھٹلا دیں گے۔
(۶) والّذی جاء بالصدق وَصَدّقَ بہٖ اولٰئك ھم المتقون۔	اور جو سچ لایا اور سچ کی تصدیق کی، وہ سب لوگ متقی ہیں۔
(۷) و کنا نکذب بیوم الدین	اور ہم قیامت کو جھٹلاتے تھے۔

(۸) فلا صدق الا صلّٰی الکن کذب وتولّٰی تو اس نے نہ تصدیق کی، نہ ہی نماز پڑھی، بلکہ جھٹلایا اور منہ پھیرا۔

(۹) فاما من اعطٰی وماتقٰی و صدق بالحسنٰی فَنُیَسِّرُ لِلْیُسْرٰی۔ تو جس نے مال دیا اور تقویٰ اختیار کیا اور صحیح باتوں کی تصدیق کی، تو اس کو ہم لیسریٰ کی توفیق دیں گے۔

(۱۰) اَرَاَیْتَ ان کذب وتولّٰی کیا آپ نے دیکھا، اگر وہ جھٹلائے اور منہ پھیر دے۔

(۱۱) اَرَاَیْتَ الَّذِیْ یکذبُ بالدّین کیا آپ کو وہ شخص معلوم ہے جو قیامت کو جھٹلاتا ہے۔

(۱۲) ان آیات کے سوا سارے قرآن پاک میں آمَنُوْ وَعَمِلُو الصّٰلحٰتِ بار بار آیا ہے، جس کا صاف مطلب یہ ہے کہ وہ ایمان لائے اور نیک کام کئے۔ نیک کام تو حدیث جرائیل علیہ السلام سے معلوم کیے جا چکے ہیں کہ اچھے کام ہیں نماز، روزہ، حج، زکوٰۃ اور اسی طرح آمنوا سے بھی اسی حدیث کے تحت ایمان کی تفصیل ہو گئی ہے۔

شرعی تصدیق

اب دیکھنا یہ ہے کہ قرآن پاک میں جا بجا تصدیق کو ایمان کہا گیا ہے اور تکذیب کو کفر۔ اگر کوئی شخص یہ پوری طرح سمجھ لے کہ اسلام سچا دین ہے، اور اس کو یقین ہو، مگر اس کو حسد، تعصب، ہٹ دھرمی یا کسی جھوٹے وقار کی خاطر دل سے قبول کرنے کو تیار نہ ہو، وہ مسلمان نہیں، جیسے شاہ روم ہرقل نے اسلام کے اصول کو سچا قرار دیا، مگر اہل دربار کے شور سے قبول کرنے سے انکار کر دیا۔ قرآن پاک میں اہل کتاب کے بارہ میں ہے۔

ویعرفونہ کما یعرفون ابناءَ ھُمْ

ترجمہ: اور اس پیغمبر کو اس طرح پہچانتے ہیں۔ جیسے اپنے لڑکوں کو پہچانتے ہیں۔

مطلب یہ ہے کہ ان کو اسلام کی صداقت میں شبہ نہیں، مگر پھر بھی وہ اس کو قبول نہیں کرتے۔ اس لیے کافر ہیں۔

اس تمام تقریر سے میرا مطلب یہ ہے کہ قرآن وحدیث بالکل صاف ہیں، جن کے دلوں پر اللہ تعالیٰ نے مہر نہیں لگادی، وہ سمجھ سکتے ہیں۔ اب آپ خود غور فرمائیں کہ حضرت اسامہ بن زیدؓ کی روایت میں کلمہ پڑھ لینے کے بعد اس آدمی کے قتل پر کتنا رنج ظاہر فرمایا، حالانکہ اس وقت اس کے پلے میں سوائے کلمہ طیبہ کے اور کوئی عمل نہیں تھا۔ تو اس کا معنی یہ تھا کہ اس نے دین اسلام قبول کرلیا تھا۔ اس کے خلاف تکذیب کا کوئی ثبوت نہیں تھا۔ اس لیے رحمتہ اللعالمین نے رنج ظاہر فرمایا۔

’’اصل ایمان اور کفر‘‘

تو اصل ایمان خدا تعالیٰ اور اس کے رسول کو تمام باتوں میں سچا جاننا اور دل سے سچا قبول کر لینا اور کفر اس کے مقابلے میں خدا تعالیٰ یا رسول کی کسی ایک بات کو بھی جھٹلا دینا ہے۔

اب آپ کو نہ علماء کی تعریفوں میں اختلاف نظر آئے گا، نہ سرور عالم صلی اللہ علیہ وسلم کے ارشادات میں، نہ قرآن پاک کے مفہوم میں اس وقت سارے صحابہؓ جانتے تھے کہ حضورؐ کو مان لینا ہی اسلام ہے اور حضورؐ کو نہ ماننے کا نام کفر ہے اور یہ بات اتنی ظاہر تھی کہ ہر چھوٹا بڑا جانتا تھا۔ گویا ہر شخص اس حقیقت کو جانتا تھا کہ دین کو دل سے قبول کر لینا مسلمانی ہے، اور نہ کرنا بے ایمانی اور کفر۔

ایمان وکفر کی نشانیاں

بات یہ ہے کہ جو کچھ دس روایات میں بیان کیا گیا ہے، یہ سب نشانیاں ہیں۔ چونکہ دل سے ماننا یا نہ ماننا یہ دل کی باتیں ہیں۔ اس لیے قضاء وشریعت میں اس کی جگہ نشانیوں پر حکم لگایا جائے گا۔ اس لیے اگر آپ کسی شخص میں ایمان کی علامت دیکھیں تو اس کو مسلمان کہیں گے اور

اگر کفر کی نشانی دیکھیں، تو اس کو غیر مسلم تصور کریں گے:

(۱) ایک شخص نے اگر کہا السلام علیکم۔ آپ سمجھیں گے کہ ہمارے دین کو سچا جاننے اور ماننے والا ہے۔ آپ کو حق نہیں کہ اس کو کہیں، تو مومن نہیں یا کافر ہے۔ مگر یہی شخص تھوڑی دیر کے بعد باتوں باتوں میں قیامت کا انکار کر دے تو اب اس میں کفر کی نشانی پائی گئی۔ اس لیے اب اس کو کافر کہیں گے۔

(۲) اسی طرح ایک شخص قبلہ رخ ہو کر نماز پڑھ رہا ہے۔ یہ تصدیق دین کی نشانی ہے۔ اب اس کو مسلمان ہی سمجھیں گے۔ اگر وہی شخص تھوڑی دیر کے بعد کہے کہ زنا حلال ہے تو پھر ہم اس کو کفر اور جھٹلانے کی نشانی ظاہر ہونے کی وجہ سے کافر کہیں گے۔

(۳) اگر ایک گاؤں سے صبح کی آذان کی آواز آئی، کون بے وقوف ہوگا، جوان کو مسلمان نہ سمجھے گا، کیونکہ ان میں تصدیق کی نشانی پائی گئی ہے۔ لیکن اگر وہ تھوڑی دیر کے بعد کہیں کہ حضورؐ کے بعد کسی کو نبوت مل سکتی ہے۔ اب یہ تکذیب اور جھٹلانے کی نشانی ظاہر ہوگئی۔ اب ان کو کافر کہیں گے۔

(۴) اہل عرب اللہ تعالیٰ کو خالق سمٰوات و ارض مانتے تھے، مگر وہ اس کے ساتھ چھوٹے چھوٹے رب بڑے بھی مانتے تھے۔ یعنی چھوٹے چھوٹے خدا، اس لیے اس وقت لا الہ الا اللہ اس بات کی نشانی تھی کہ اس نے دین اسلام قبول کر لیا ہے۔ لیکن اگر ایسا شخص اس کے بعد سود، زنا کو حلال کہے اور نماز کو فرض نہ سمجھے، تو اب اس کو کافر کہیں گے، کیونکہ اب اس میں تکذیب کی نشانی ثابت ہوگئی۔

(۵) فرض کریں ایک شخص حدیث جبرائیل علیہ السلام کے مطابق سب باتوں کو دل سے ماننے کا اقرار کرتا ہے، مگر پھر وہ قرآن پاک کو (العیاذ باللہ) گندے نالے میں سب کو سامنے پھینک دیتا ہے، تو اب یہ انکار اور تکذیب کی نشانی ظاہر ہوگئی۔ اب اس کو باقی باتیں کفر سے نہیں بچا سکتیں۔

(٦) مسلیمہ کذاب اور دوسرے مدعیانِ نبوت کو تکذیب میں تو کسی نے گفتگو ہی نہیں کی اور جہاد و قتال کے سوا ان کا کوئی علاج ہی نہیں سمجھا۔

(٧) منکرین زکوٰۃ بظاہر ایک رکن اسلام پر عمل نہ کرنا چاہتے تھے، تو حضرت عمرؓ کو ان سے جنگ کرنے میں تامل ہوا۔ مگر حضرت صدیقؓ کا ارشاد ان کا ہادی ثابت ہوا کہ جو نماز اور زکوٰۃ میں فرق کرے گا میں اس سے لڑوں گا۔ مطلب یہ تھا کہ یہ صرف عمل کوتاہی نہیں ہے بلکہ یہ اس اسلامی حق کو معاف کرا کر اس کی فرضیت ہی کو ختم کرنا چاہتے ہیں اور یہ اسلامی احکام کی تکذیب ہے سبحان اللہ العظیم، کیا اللہ والے تھے کہ بغیر بحث کے چند جملوں میں حضرت عمرؓ کو شرح صدر ہو گیا......۔

پاک زمانہ

صحابہؓ کا زمانہ پاک زمانہ تھا، وہ حضرات بحث و تمحیص، حجت بازی اور لمبے چوڑے دلائل کے بغیر ہی منشاء نبوت کو سمجھ جاتے تھے۔ اسی لیے جب وہ حضرت صلی اللہ علیہ وسلّم کو کوئی مشورہ دینا چاہتے تو پہلے بڑے ادب سے دریافت فرما لیتے۔ یا رسول اللہ یہ حکم ہے یا مشورہ ہے۔ وہ جانتے تھے کہ رسول کا حکم نہ ماننے سے کفر کا خطرہ ہے، کیونکہ بالمشافہ حکم نہ ماننے کا معنی یہ ہو سکتا ہے کہ وہ گویا کم از کم اس خاص بات میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلّم کو سچا نہیں مانتا اور یہ قطعی کفر ہے۔ اس لیے صحابہ کرامؓ نے جب کبھی مشورہ دینا چاہا، پہلے دریافت فرما لیا۔ ورنہ حضور کا ایک حکم بھی نہ ماننا وہ دین کے خلاف سمجھتے تھے۔

پس ایمان یہ ہے کہ

خدا اور رسول کی تمام باتوں کو سچا سمجھے اور دل سے ان کو قبول کرے اور کفر یہ ہے کہ

کسی ایک بات میں بھی رب العزت جل وعلا یا اس کے پاک رسول کو جھٹلایا جائے تو یہ قطعی کفر ہے مگر یہ تصدیق و تکذیب دل کی صفات ہیں، اس لیے اسلام میں علامتوں اور نشانیوں پر حکم کا دارومدار رکھا گیا، اور دنیا کی ہر عدالت ظاہر ہی کو دیکھتی ہے۔

صحابہ کرامؓ اور خیر القرون کے مسلمان ان حقائق کو ایمانی بصیرت، اپنی صحیح قرآن دانی اور صحبت نبوی کی برکت سے پوری طرح سمجھتے تھے اور یہ ان کے ہاں قابل بحث چیز ہی نہ تھی۔ وہ حضور کے ماننے کو ایمان اور نہ ماننے کو کفر سمجھتے تھے اور یہی ہماری تحقیق کا خلاصہ ہے اب آپ تمام احادیث آیات وروایات کو اس پر منطبق کر سکتے ہیں۔ سارا قرآن پڑھنے والے اور برسوں آپ کی صحبت میں رہنے والے صحابہؓ اس مسئلہ کو قابلِ بحث نہیں سمجھتے تھے کہ اسلام اور کفر کیا ہے۔ مسلمان اور کافر کون ہے۔ ان کے سامنے ایک ہی بات تھی جس نے آپ صلی اللہ علیہ وسلّم کو مان لیا۔ وہ مسلمان ہوگیا۔ اور جس نے حضور کریم کو نہ مانا وہ کافر ہے۔

مرزا ناصر احمد کی تردید خود مرزا قادیانی نے کردی

مرزا ناصر احمد نے تین حدیثیں مسلمان کی تعریف میں پیش کیں، مگر مرزا قادیانی نے بلٰی من اسلم وجههٗ للّٰه وهو محسن فلهٗ اجرهٗ عنده ربه ولا خوف علیهم ولا هم بحزنون۰ سے اس کی تردید کردی۔

یعنی وہ مسلمان ہے جو خدا تعالیٰ کی راہ میں اپنے تمام وجود کو سونپ دے۔ آگے دو صفحوں میں اس کی تفصیل بیان کی ہے۔ گویا یہ تین حدیثوں کے سوا چوتھی تعریف ہے۔ اس کو اپنی طرف سے اضافہ کر کے مسلمان کی تعریف بنا ڈالا ہے۔ دراصل آگے چار صفحات میں اس نے جو مضمون لکھا ہے وہ اس لیے ہے کہ پڑھنے والے سمجھیں کہ مرزا جی ایسے ہی بلند مسلمان ہیں۔ اسی طرح محضرنامے میں مرزا ناصر احمد نے ذات باری کا عرفان اور دوسرا عنوان قرآن عظیم کی اعلیٰ وارفع شان کے تحت جو کچھ لکھا ہے، وہ بھی اور شان خاتم الانبیاء صلی اللہ علیہ وسلّم کے عنوان سے جتنے مضامین لکھے ہیں، وہ مرزا غلام احمد کی کتابوں سے نقل کیے ہیں اور ان سب سے مقصد عوام پر اور ناواقف مسلمانوں پر اپنی بزرگی، تقدس اور معارف کا رعب ڈالنا ہے۔ حالانکہ یہ سب باتیں ہر وہ شخص کہہ اور لکھ سکتا ہے جس نے صوفیائے کرام کی کتابیں دیکھی ہیں۔ ان باتوں سے مرزا جی نے اپنی نبوت، ظل نبوت، بروزی نبوت، غیر تشریعی نبوت، تابع نبوت، لغوی نبوت، عین محمد اور فنا فی الرسول ہونا ظاہر کر کے لوگوں کو دھوکہ دیا ہے۔

ساری بحث کا نتیجہ

کفر اور اسلام کی بحث سے آپ پر کافر کی تعریف واضح ہوگئی۔ اس تعریف کے لحاظ سے جس کی تردید نہیں کی جاسکتی، مرزا غلام احمد قادیانی قطعی کافر اور اسلام سے خارج ہے۔ اور اسی لیے اس کے پیرو چاہے وہ قادیانی ہوں یا لاہوری یعنی چاہے اس کو نبی مانیں یا مجدد یا مسلمان وہ بھی دائرہ اسلام سے خارج ہیں۔ اس کی تفصیل یہ ہے کہ مرزا غلام احمد قادیانی میں تکذیب کی بہت سی نشانیاں اکٹھی پائی جاتی ہیں:

(۱) سب سے بڑی نشانی اس کا دعویٰ نبوت ہے جس کو خود بھی مرزا قادیانی نے کفر قرار دیا ہے اور اس دعویٰ کی اس کے جانشین مرزا ناصر احمد صاحب بھی تصدیق کرتے اور مرزا جی کو نبی مانتے ہیں۔ اور اس کو امتی نبی کہہ کر اس کے دعویٰ نبوت کو ایک طرح چھپاتے ہیں۔ حالانکہ قادیانی مرزائی مرزا غلام احمد قادیانی کو ایسا حقیقی نبی تسلیم کرتے ہیں جس پر دیگر پیغمبروں کی طرح قطعی وحی آتی ہے۔ جو اسی طرح قطعی اور غلطیوں سے پاک ہے جس طرح کہ قرآن۔ اور اگر دعویٰ نبوت تکذیب کی نشانی نہیں ہوسکتی تو اس سے بڑھ کر کونسی چیز ہوسکتی ہے۔ ختم نبوت کا مسئلہ ایسا ہے جو قرآن پاک اور احادیث صحیحہ سے ثابت ہے اور اس کے معنی پر تمام امت کا اجماع ہے۔ جیسے کہ اپنی جگہ اس کا ذکر آئے گا۔

(۲) مرزا غلام احمد قادیانی نے اللہ تعالیٰ کے برگزیدہ پیغمبروں کی توہین کی ہے جو تکذیب دین اور تکذیب رسل کی کھلی نشانی ہے۔ اس کا ذکر بھی اپنی جگہ آپ پڑھ سکتے ہیں۔

(۳) مرزا غلام احمد قادیانی نے اپنے آپ کو حضرت عیسیٰ علیہ السلام سے افضل بتایا اور ان کی کھلی توہین کی ہے۔

(۴) مرزا جی نے وحی نبوت کا دعویٰ کیا ہے اور اپنی وحی کو قرآن اور دوسری آسمانی کتابوں کی طرح قرار دیا۔

(۵) ان تمام کی آیات کے معانی مرزا غلام احمد قادیانی نے تبدیل کر دیئے ہیں۔ جن سے ختم نبوت، نزول عیسیٰ ابن مریم علیہ السلام، حیات مسیح علیہ السلام اور دیگر قطعی اور متواتر مسائل ثابت ہوتے ہیں جس کا مطلب زندقہ ہے۔ کہ قرآن پاک کے الفاظ تو وہی رہیں لیکن ان کے معانی بالکل بدل دیئے جائیں۔ یہ تحریف قرآنی اور تیرہ سو سال کے اولیا، صلحا، علماء اور مجتہدین و مجددین امت کے متفقہ معانی و مطالب کے خلاف قطعی کفر ہے۔

(٦) مرزا غلام احمد قادیانی نے اپنے نہ ماننے والے کروڑوں مسلمانوں کو کافر کہا اور ایسا ہی کافر کہا جیسے خدا اور رسول کا انکار ہے۔ یہ بھی پرانے دین اسلام کی کھلی تکذیب اور قطعی کفر ہے۔

پس ثابت ہو گیا کہ مرزا غلام احمد قادیانی اور اس کے تمام پیرو چاہے لاہوی ہوں یا قادیانی قطعی کافر اور اسلام سے خارج ہیں۔

مرزائیوں کا نیا فریب

مرزائی فرقہ سمجھ چکا ہے کہ اب اس بات کا انکار نہیں کیا جا سکتا کہ مرزا قادیانی نے اپنے نہ ماننے والوں کو قطعی کافر کہا ہے اور مرزا بشیر الدین محمود احمد صاحب نے اس تکفیر کو اور بھی پکا کر کے اعلان کر دیا ہے کہ عام مسلمانوں (غیر احمدیوں) کا جنازہ نہ پڑھا جائے نہ ان کو رشتہ دیا جائے اور عام اہل اسلام کی اقتدار میں نماز کی تو خود مرزا قادیانی نے ہی بحکم خدا حرام قرار دے دیا تھا۔

اب انہوں نے مسلمانوں میں ملنے اور اسلام کے نام سے مسلمانوں کے حقوق پر ڈاکہ ڈالنے کے لیے جس کا چسکہ ان کو انگریز پھر ظفر اللہ خان لگا چکا ہے یہ بات گھڑی ہے کہ کفر کی دو قسمیں ہیں۔ ایک کفر تو ایسا ہے جس سے آدمی ملت اسلامیہ سے خارج ہو جاتا ہے اس کے ساتھ تو اسلامی تعلقات نہیں رکھے جا سکتے مگر دوسرا کفر اس درجے کا ہے کہ وہ مسلمانوں میں ملے گھلے

رہنے سے نہیں روکتا۔ مگر قیامت میں یہ ماخوذ ہوگا جو بات صرف خدا ہی جانتا ہے۔ ایسے لوگ جب تک اپنے کو مسلمان کہیں گے ان کو مسلمان ہی سمجھا جائے گا۔

یہ ہے تازہ بتازہ فریب

جس کا مطلب یہ ہے کہ مرزائی اور خود مرزا جی مسلمانوں کو ملت اسلامیہ سے خارج نہیں کہتے، مگر ہمارے محترم اٹارنی جنرل کے سوالات سے تنگ آ کر مرزا ناصر احمد صاحب کو یہ ماننا ہی پڑا کہ عام مسلمان جو مرزا جی کو نہیں مانتے وہ کافر اور اسلام سے خارج ہیں۔ لیکن یہ اسلام کے چھوٹے دائرے سے خارج ہیں۔ بڑے سے خارج نہیں۔

ہمارا چیلنج

ہم مرزا ناصر احمد اور اس کے تمام مرزائیوں کو چیلنج کرتے ہیں کہ وہ تیرہ ساڑھے تیرہ سو برس کے عرصہ میں ایک آدمی ایسا ثابت کریں جس نے زنا، شراب کو حلال کہا ہو۔ یا نبوت اور وحی کا دعویٰ کیا ہو۔ اور پھر مسلمانوں نے اس کو اس عقیدے پر رہتے ہوئے مسلمانوں میں ملائے رکھا ہو۔ اس کے مقابلہ میں ہم نے بتا دیا کہ صرف زکوٰۃ کا انکار کرنے سے صحابہ رضی اللہ عنہم نے منکرین زکوٰۃ سے جہاد کیا۔ حالانکہ وہ باقی سارا اسلام مانتے اور اپنے کو مسلمان کہتے تھے۔

جناب چیئرمین: دو صفحے رہتے ہیں۔ چیپٹر ختم ہو رہا ہے۔ only two pages are left.

ڈوبتے کو تنکے کا سہارا

مولانا عبدالحکیم: مرزا ناصر احمد نے مرزائیوں کو مسلمانوں میں ملے جلے رہنے کے لیے عام مسلمانوں کو بھی کافر اور اسلام سے خارج تو کہا مگر ملت اسلامیہ کا ایک بڑا دائرہ بنا کر اس کے اندر رہنے دیا۔ اس دائرے میں رکھ کر بھی ان سے نکاح شادی۔ جنازہ، نماز علیحدہ کرنے کو صحیح قرار دیا۔

اوراس سلسلہ میں قرآن پاک میں ملت کا لفظ ڈھونڈ کر فتح کا نقارہ بجانے کی کوشش کی۔ کہا کہ قرآن میں ملت ابراہمی کا ذکر تو ہے مگر دائرہ اسلام کا ذکر نہیں ہے اور پھر یہ آیت کریمہ پڑھی۔

ملتہ ابیکم ابراهیم هو سما تمہارے باپ ابراہیم کی ملت (جماعت)
کم المسمین. انہوں نے ہی تمہارا نام مسلمان رکھا۔

بھلا اس آیت میں کہاں ہے کہ خدا اور رسول کی قطعی باتوں کا انکار کر کے بھی وہ ملت ابراہمی میں رہ سکتا ہے خود اسی آیت میں هو سما کم المسلیمن فرما کر بتا دیا کہ ملت ابراہمی ہی کا نام ہے۔ اب جو مسلمان ہی نہ ہو وہ ملت ابراہمی میں کیسے رہ سکتا ہے۔ دوسری جگہ قرآن پاک میں صاف ارشاد ہے۔

ورضیت لکم الاسلام دینا اور ہم نے تمہارے لیے دین اسلام کو پسند کرلیا۔

یہاں دین کا لفظ بھی ہے اور اسلام کا بھی۔ اب جو اسلام سے خارج ہو وہ دین اسلام میں کیسے رہ سکتا ہے۔ اور مرزا قادیانی معہ امت کے قطعیاتِ دین کا انکار کر کے کس طرح مسلمان کہلا سکتے ہیں۔ مرزا ناصر احمد صاحب نے یہ کہا کر کہ جو اپنے کو مسلمان کہے اس کو اسلام سے خارج کرنے کا کسی کو حق نہیں۔ اگر چہ اس طرح پہلے سے انہوں نے خود اپنے دادا مرزا قادیانی اور اپنے والد مرزا بشیر الدین محمود کی تردید کر دی ہے جنہوں نے مسلمانوں کو ایسا ہی کافر کہا جیسے کسی نبی کے منکر کو کہا جاتا ہے۔

مگر یہ کہہ کر انہوں نے اپنے کو مضحکتہ الناس بھی بنا ڈالا ہے۔

اتمام حُجت

مرزا ناصر احمد صاحب نے ملت اسلامیہ سے خارج ہونے کے لیے جرح میں بارہا اس شرط کا ذکر کیا ہے کہ اتمام حجت ہونے کے بعد جو انکار کرے وہ ملت اسلامی سے بھی خارج ہے۔ لیکن آپ مرزا ناصر احمد صاحب کو داد دیں گے جنہوں نے مقصد کے لیے اتمام حجت کا معنی ہی بدل ڈالا۔ یہ کہتے ہیں اتمام حجت کا مطالبہ یہ ہے کہ دلائل سن کر دل مان جائے۔ مگر حق سمجھنے کے

بعد پھر بھی انکار کرے۔ یہ شخص ایسا کافر ہے جو ملت اسلامیہ سے بھی خارج ہے۔ اس سلسلہ میں انہوں نے کئی بار یہ آیت کریمہ دہرائی۔ وجدوبھا و استیقنتھا، انفسھم (اور ان کافروں، فرعونیوں اور اس کی جماعت نے انکار کر دیا حالانکہ ان کے دلوں نے یقین کر لیا تھا) مرزا جی ہم آپ کو آپ کے مطلب کی ایک اور آیت بھی پڑھ کر سنا دیتے ہیں۔

یعرفون، کما یعرفون ابناءھم وہ اس قرآن یا نبی کو اس طرح جانتے ہیں جیسے اپنے بیٹوں کو۔

مگر آپ کو معلوم ہونا چاہیئے کہ پہلی آیت میں فرعونیوں کا ذکر ہے اور دوسری آیت میں اہل کتاب (یہود و نصاریٰ) کا۔ اس میں کیا شک ہے کہ بہت سے کافر اسلام کو صحیح سمجھ کر بھی از راہ ضد و عناد انکار کرتے تھے۔ وہ تو تھے ہی کافر مرزا ناصر احمد صاحب نے اتمام حجت کے دو اجزاء یعنی اتمام اور حجت کے معنوں میں بحث کر کے وقت ضائع کیا ہے۔

حجت کا معنی دلیل اور اتمام کا معنی پورا کر دینا۔ اس میں لمبی چوڑی بحث کی ضرورت نہیں ہے۔ کسی شخص کے سامنے دعویٰ ثابت کرنے کے لیے پوری وضاحت ہو جائے۔ دعویٰ کے دلائل بیان کر دیئے جائیں اب اگر وہ نہ مانے تو کہیں گے۔ اس پر اتمام حجت ہو گئی۔ اس میں یہ شرط نہیں ہے کہ وہ دل سے آپ کے دعوے کو صحیح سمجھ کر بھی ماننے سے انکار کر دے۔ یہ نئے معنے مرزا جی ناصر احمد صاحب کی اپنی لیاقت ہے۔ قرآن پاک سنیں۔

لئلا یکون للناس علی اللہ حجتہ بعد الرّسل ہم نے مندرہ بالا پیغمبر مبشر اور منذر بنا کر بھیجے، تا کہ پیغمبروں کے آنے کے بعد لوگوں کے پاس اللہ تعالیٰ (کے خلاف) پر کوئی دلیل باقی نہ رہے۔

جب اللہ تعالیٰ نے رسول بھیج دیئے انہوں نے ایمان والوں کو جنت کی خوشخبری سنا دی اور کافروں کو دوزخ کا ڈر سنا دیا۔ توحید کی طرف دعوت دی اپنے کو دلیل کے ساتھ خدا تعالیٰ کا رسول بتایا تو اب کوئی یہ نہیں کہہ سکے گا۔

ماجاءَ نامن نذیر   کہ ہمارے پاس کوئی ڈرانے والا نہیں آیا۔

حجت پوری ہوگئی اب مانیں یا نہ مانیں۔ اگر مرزا ناصر احمد صاحب کا مطلب یہ ہے کہ ستر کروڑ مسلمانوں نے مرزا غلام احمد قادیانی کے دعویٰ نبوت وحی وغیرہ کو دل سے صحیح سمجھنے کے بعد انکار نہیں کیا، بلکہ وہ مرزا جی کے دعوؤں کو ہی غلط سمجھتے رہے۔ اس لیے یہ کافر تو ہیں مگر چھوٹے کافر ہیں۔ بڑے کافر نہیں۔ مگر ہم کہتے ہیں کہ جب مرزا قادیانی اپنے کو مسیح موعود نہ کہنے والوں کو خدا اور رسول کے منکر کی طرح کافر کہتے ہیں تو پھر خدا اور رسول کا منکر کس طرح کسی درجہ میں بھی مسلمان رہ سکتا ہے؟

پھر اگر مرزا ناصر احمد صاحب کی منطق درست مان لی جائے تو دنیا کے اکثر کافر جنہوں نے کسی پیغمبر کو دل سے سمجھا ہی نہیں۔ نہ ان کو اطمینان ہوا کہ یہ سچا نبی ہے ان پر تو اتمام حجت نہ ہوا۔ پھر ان کے لیے خلد فی النار اور دائمی جہنم کیسے جو کافروں کے لیے مخصوص ہے۔ اپنے دادا کی پیروی میں۔ یہاں تو مرزا ناصر احمد صاحب نے کھلم کھلا کہہ دیا کہ کافر بھی بالآخر جہنم سے نکال دیئے جائیں گے۔ جو قرآن پاک کی مندرجہ ذیل آیات کے خلاف ہے۔

الا طريق جهنم خالدين فيها ابداً (پ ۶ رکوع ۳)	مگر جہنم کا راستہ جس میں وہ ہمیشہ رہیں گے۔
ان اللّٰه لعن الكافرين واعد لهم سعيراً خالدين فيها ابدا (پ ۲۲ رکوع ۵)	یقیناً اللہ نے کافروں پر لعنت کی اور ان کے لیے آگ تیار کر رہی ہے جس میں وہ ہمیشہ رہیں گے۔
ومن يعض الله و رسوله فان لهٗ نار جهنم خالدين فيها ابداً (پ ۲۹ رکوع ۱۲)	اور جو خدا اور اس کے رسول کی نافرمانی کرے تو اس کے لیے جہنم کی آگ ہے جس میں ہمیشہ رہیں گے۔

مرزا ناصر احمد صاحب سے

(۱) مرزا ناصر احمد صاحب یہ بتائیں کہ جب نبی کی قوت قدسیہ نبی تراش ہے اور آپ کے زبردست فیضان سے نبی بن سکتے ہیں پھر خاتم النبیین میں نبیین جمع کا صیغہ ہے تو آپ کے فیضان سے کم از کم تین چار پیغمبر تو بننے چاہیں تھے۔ جب کہ آپ مرزا جی کے بغیر کسی کا نبی ہونا قیامت تک تسلیم نہیں کرتے۔

(۲) اور اگر آپ صرف مرزا جی ہی کی ظلی نبوت دیتے ہیں کہ سرور عالم صلی اللہ علیہ وسلم کا پورا عکس مرزا جی میں آ گیا تو پھر سرور عالم صلی اللہ علیہ وسلم تو صاحب شریعت اور فضل الانبیاء تھے تو مرزا جی کیوں ذی ظل کے مطابق صاحب شریعت نبی نہ ہوں اور کیوں حضور کی مطابقت سے ظلی طور پر افضل الانبیاء نہ ہوں؟

(۳) جب مرزا بشیر الدین محمود نے حقیقۃ النبوت صفحہ ۱۸۸ میں لکھا ہے کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی پیشگوئی (ومبشراً برسولٍ یاتی من بعدی اسمه احمد) کے مصداق مرزا رسول ہیں۔ تو رسول کے انکار سے کیسے ملت کے اندر رہ کر مسلمان رہ سکتے ہیں۔

درحقیقت اکمل کے اشعار جو مرزا قادیانی کے سامنے پڑھے گئے اور جن کی مرزا جی نے تصدیق کی۔ اس بات کے مظہر ہیں کہ مرزائی غلام احمد کو خود سرور عالم صلی اللہ علیہ وسلم سے بھی افضل تصور کرتے ہیں۔ اکمل کے اشعار یہ ہیں۔

محمد پھر اتر آئے ہیں ہم میں
اور آگے سے بڑھ کر ہیں اپنی شان میں   انا لِلّهِ و انا الیه راجعون
محمد جس نے دیکھنے ہوں اکمل
غلام احمد کو دیکھے قادیان میں

ان کفریہ عقائد وخیالات کی وجہ سے مرزا غلام احمد قادیانی اور اس کے ماننے والے (قادیانی ولاہوری) قطعی کافر اور ملت اسلامیہ سے خارج ہیں۔

جناب چیئرمین: ایک چیپٹر اور پڑھ سکتے ہیں؟

مولانا عبدالحکیم: جیسے آپ حکم دیں۔

ایک رکن: صبح ذرا جلدی کرلیں۔

جناب چیئرمین: صبح ۹ بجے شروع کردیتے ہیں اور ۲ بجے تک ختم کردیں گے۔

The House is adjourned to meet tomorrow at 9:00 a.m.

[The Special Committee of the whole House adjourned to meet at nine of the Clock, in the morning, on saturday, the 31st August, 1974.]

PCPPI—1103(10)N.A.—29-04-2011—400.